مواعظِ حسنہ

مجموعہ مواعظ فصیحہ وبلیغہ حضرت محی الدین سرکار

علامہ الشیخ عبدالعلی الہروی اعلی اللہ مقامہ

مُرتّبہ و مؤلّفہ علّامہ السیّد محمد سبطین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

گلستان زہرا پبلی کیشنز لاہور

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادً الِّكَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ
تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

مواعظ حسنہ

مجموعہ مواعظِ فصیحہ وبلیغہ حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین زین المتکلّمین
فخر المتاالہین عالم علوم ربّانی۔ کاشفِ اسرار فرقانی شیخ الاسلام محی الدین
سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی
رفع اللہ درجاتہ فی اعلی علیین

﴿ مُرتّبہ و مُؤلّفہ ﴾

سلالہ دودمان رسول الثقلین عالی جناب علاّمہ السیّد
محمد سبطین صاحب قبلہ اعلی اللہ مُقامہٗ

گلستان زہراؑ پبلیکیشنز
۲۶۔ ایبٹ روڈ
لاہور۔ 54000

کتاب : مواعظِ حسنہ

مجموعہ مواعظِ : علامہ الشیخ عبدالعلی الہروی الطہرانی

مُرتّبہ وَمُؤلّفہ : علاّمہ السیّد محمد سبطین صاحب قبلہ اعلی اللہ مُقامُہ

ناشر : خلیفہ سید حسن مہدی

پروف ریڈنگ : خلیفہ سید حسن مہدی رمحمد مستنصر باللہ

اشاعت : ذوالحجۃ ۱۴۲۳ھ بمطابق فروری 2003ء

قیمت : 175/= روپے

ملنے کا پتہ : گلستان زہراؑ پبلیکیشنز ۲۶۔ایبٹ روڈ لاہور۔

افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور۔

محفوظ بک ایجنسی مارٹن روڈ کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	عرض ناشر	13
2	خطبہ	14
3	دیباچہ	15
4	واقعات وسوانح حضرت علامہ اعلی اللہ مقامہ	27
5	ولادت باسعادت وابتدائی تربیت	28
6	استعدادی فطری وذہانت طبعی	29
7	سطحی درس وتدریس	31
8	علوم باطنی وریاضیات نفسانی	32
9	علوم باطنیہ	32
10	کثرت مطالعہ	33
11	زبانیں	33
12	قیام طہران ونیابت وزارت	34
13	ادارہ تالیف وتصنیف تفسیر	35
14	ایران سے روانگی	37
15	ورود ہندوستان	39
16	علامہ کی خصوصیات	41
17	تالیف وتصنیف	46
18	مسودہ امامت	48
19	اہل علم اور اہل بصیرت کے نزدیک علامہ کی وقعت اور عظمت	49

20	علامہ کی اولاد	51
21	وفات حسرت آیات	52
22	تاریخ ہائے وفات	55
23	قومی ماتم	60
24	مرثیہ سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ	68
25	یادِ مغفور	68
26	سرکار علامہ شیخ اعلیٰ اللہ مقامہ کا تابوت	72
27	سرکار علامہ ہروی اعلیٰ اللہ مقامہ کی تدفین	73
	موعظہ اوّل	
1	نئی روشنی اور زمانہ موجودہ کی حالت	75
2	قرآن اور تبیان	76
3	قصص قرآنی اور ان کی عِلّت و مصلحت	79
4	آدم کے بیٹوں کی قربانیاں	80
5	مسلمان اور واقعہ کربلا۔ حسینی دعوت اور اصحاب حسین	80
	موعظہ دوم	
1	ضرورت امام	82
2	امام حق و امام باطل	85
3	امام کی شناخت کیونکہ ہوسکتی ہے	86
4	فرق درمیان کتاب و قرآن	89
5	تقسیم آیات قرآن	90
	موعظہ سوم	
1	امام۔ام الکتاب۔ام القریٰ پیغمبر امی لقب	93
2	افضلیت خاتم الانبیاء بر جمیع انبیاءؑ	94

3	شہید ثالث یا امام خلق	95
4	ومن عنده علم الكتاب	95
5	امت مسلمہ	96
	موعظہ چہارم	
1	جسم ورزق جسمانی	99
2	نزول آہن	101
3	خلقت آتش	103
4	رزق روحانی	104
5	قرآن اور کتاب کا فرق	105
6	معنی مس قرآن اور امام مبین	106
7	مس کتابت قرآن	107
8	سوال جواب طلب از اہل علم	110
9	آیۃ اللہ و وجۃ اللہ	110
10	صفات مشترکہ نبی و امام	111
11	فرق شاہد و شہید بعبارت دیگر	112
	موعظہ پنجم	
1	تفاوت انواع موجودات اور اسکی عِلّت	116
2	تحمل انبیاء علیہم السلام	117
3	رفع اشتباہ	118
4	قاعدۂ کلیہ	119
5	فضائل و مقامات صبر	119
6	معنی صبر	121
7	معنی بے صبری	122

8	صبر ابراہیم واسمٰعیل	123
9	صبر ابراہیم کربلا	123
	موعظہ ششم	
1	مسلمانوں کی حالت	126
2	قرآن فہمی	128
3	علت ونزول قرآن رفع اختلاف ہے	128
4	ذکر گریہ وبکا	131
5	صبر وبے صبری	133
6	صبر حضرت یونسؑ	133
7	صبر حسینیؑ	134
	موعظہ ھفتم	
1	شہید وروئیتِ اعمال	137
2	قاعدۂ کلیہ	138
3	ایراد بغرض جواب	139
4	قاعدۂ کلیہ	139
5	حقیقت وفضیلت صلوات	140
6	مثال حسی	141
7	شہید کی مزید تشریح	142
8	ذکر کتاب ہندی	143
9	فرق علم ومعرفت	144
	موعظہ ھشتم	
1	ذوالجناح کا جواز قرآن سے	148
2	مسئلہ تعظیم	149

3	مس کرنا اور بوسہ دینا	149
4	حیرت انگیز حسینی شجاعت	152
5	نبی کی قوت اور معراج جسمانی	154
	موعظہ نہم	
1	انقلاب و اضطراب عالم امکان	158
2	حسینی شہادت کا دردناک منظر	159
3	شہادت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ	161
	موعظہ دہم	
1	علت غیبت امام	163
2	مثال	164
3	امام کی معرفت	165
4	موت وحیات انبیاء علیہم السلام	166
	موعظہ یازدہم	
1	مزید بیان صبر	170
2	جواب شبہ	171
3	صبر جمیل	172
4	صبر حسن	173
	حصہ دوم **موعظہ اوّل**	
1	طرق تحصیل سعادت و علم حقیقی	177
2	تعریفات علوم ناقص ہیں	178
3	علم حقیقی کی تعریف	178
4	رفع شبہ	179
5	علم کلی	181

6	بیان علم ذاتی ورفع اشتباہ	181
7	فرق عالم وعلیم	182
8	علت خلقت انبیاء	182
9	نورانیت اجسام انبیاء	186
10	بیان خلقت انبیاء علیہم السلام	187
11	درجات سہ گانہ انسانی	190
	موعظہ دوم	
1	طریق تعلیم اوراس کی کیفیت	193
2	علم ذاتی اور علم بالذات	194
3	وجود علیم ہر زمانہ میں ضروری ہے	196
4	درجات انبیاء وعلوم انبیاء	196
5	درجات ششگانہ نبوت	198
6	سلسلہ بنی اسرائیل وبنی اسمٰعیل	199
7	تعلیم کلی	199
8	رفع شبہ	200
9	امام کی شناخت اور کتاب وجودی	201
10	امامت کلیہ	202
11	مرتبہ ومقام امامت مطلقہ	203
12	صبر انبیاءؑ	204
13	صبر امامؑ	204
	موعظہ سوم	
1	تقسیم وجود	205
2	توضیح غرض وغایت خلقت انبیاء علیہم السلام	206

3	اس بیان کی مزید توضیح	207
4	فرق دین وشریعت وبیان نسخ شرائع	210
5	نکات وفرق درمیان دین شریعت وملت	212
6	توضیح	213
	موعظہ چھارم	
1	علوم نبوتِ جزئیہ وکلیہ	218
2	نکتہ	219
3	انقسام سلسلہ نبوت اور حضرت شجرۃ الانبیاء	221
4	مزید توضیح وتشخیص صاحبان کتاب درامت محمدیؐ	223
5	معانی کتاب	225
6	تصریح پیغمبر اور صاحبان کتاب	226
7	وجہ تقدم کتاب برعترت	227
8	معانی اہل بیت	227
9	جواب سوال	228
10	مثال	229
11	ضرورت امام	232
12	امت وسط	232
13	وجود شہید وواقعہ کربلا	233
	موعظہ پنجم	
1	تمہید	235
2	علت شہادت سید الشہداءؑ	235
3	اوصاف امام اور اس کی شناخت	237
4	طریق شہادت	240

5	شہید داخلی وشہید خارجی	241
6	رویت اعمال	243
7	قوت ملکوتی	244
8	شجاعتِ اقرب اجزائے محمدیؐ	245
	موعظہ ششم	
1	تقرر امام	248
2	توضیح	249
3	تفسیر عہد	250
4	شفاعت جزئیہ وشفاعت کلیہ	251
5	معنی شفاعت	251
6	مسئلہ غدیر خم	253
7	شفاعت اور حضرات نصاریٰ	255
8	باز آمدم برسر مطلب	255
9	دعوت پیغمبرؐ ودعوت حسینؑ	260
10	اصحاب حسینیؑ واصحاب نبویؐ	260
	موعظہ ہفتم	
1	حقیقت شہید	263
2	دفع شبہ وتوضیح مطلب	264
3	مظہر اسم القاہر	265
4	وضع الٰہی	268
5	شفاعت مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی	268
6	عوالم سہ گانہ	270
7	امام حق اور امام باطل	271

1	حصہ سوم نوٹ	276
2	ہوالکافی	279
	مجلس اوّل	
1	متعلق آیہ نور	283
2	تقسیم حرکت وثبوت قوت برقیہ دراجسام وثبوت	284
3	تقسیم نوع انسانی بلحاظ قوت برقیہ	286
4	ثبوت قوت برقیہ دراجرام سماوی	287
5	توضیح اصلیت قوت برقیہ	287
6	سخت دھوپ میں وجود محبوب کا سایہ معدوم ہو جاتا ہے	292
7	وجہ تسخیر اور شمس وقمر کس کے مسخر ہیں	293
8	تقسیم انسان بلحاظ قوائے ظاہر وباطنی	294
9	حقیقت سدرۃ المنتہٰی	296
10	تعریف نور نبوت کلیہ اوراس کی توحید	297
11	نبوت کی عرضی ترقی باقی ہے	299
	مجلس دوم (متعلق آیہ نور)	
1	نوراصل وجود ہے اور ظلمت اصل عدم	302
2	باعث افضلیت جمعیت قویٰ وحواس اور اجتماع صفات متضاداور کمالات ہیں	303
3	توضیح انسانی نفسی وانسان عقلی وموت	305
4	حقیقت موت اور ترقی انسانی	306
5	بنی اور بنی نوع انسان کی خلقت میں فرق ہے	308
6	معنی بشر	309
7	جزسے کل پر تصرف اور حکومت نہیں ہوسکتی	309

	مجلس سوم (متعلق آیہ نور)	
1	قابلیت واستعداد ترقی نرم اور لطیف تخم اور نطفے میں زیادہ ہوتی ہے	312
2	مزید توضیح انسان طبعی، انسان نفسی، انسان عقلی	313
3	بیان مدرکات حسیہ ومدرکات عقلیہ	314
4	انسان نفسی اور انسان عقلی جہنم میں نہیں جائیں گے	315
5	مفہوم موت کی توضیح	316
6	خاتم المرسلین اور ان کے اوصیاء معصومین نفس اللہ وجہ اللہ فی العالمین ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام	319
7	مسئلہ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی	322
8	آسمانی ستون غیر مرئی پر بلند اور قائم ہے	322
9	انسانِ طبیعی، انسان نفسی۔ انسان عقلی سب نوع انسان میں موجود ہیں۔	323
10	ظرف مظروف کے قابل اور لائق ہونا چاہئے	324
11	توضیح لفظ بشر وابوالبشر	326
12	توضیح لفظ اُمی	326
	حصہ چہارم	
1	**مجلس اوّل**	331
2	**مجلس دوم**	337
3	**مجلس سوم**	341
4	**مجلس چھارم**	351
4.1	رجوع باصل مدعا یعنی اطاعت اولی الامر	354
5	**مجلس پنجم**	360
6	**مجلس ششم**	368
7	**مجلس هفتم**	378
8	**مجلس هشتم**	390

عرض ناشر

جس زمانہ میں کفایت الواعظین حصہ سوئم پر کام کر رہا تھا بارہا ڈاکٹر افضال صاحب سے مواعظہ حسنہ کا نام سنا۔ جناب مولانا حافظ تصدق حسین صاحب قبلہ نے بھی اپنی تقاریر میں مولانا محمد سبطین سرسوی مرحوم کے کئی حوالہ جات دیئے۔ ڈاکٹر افضال صاحب سے کتاب لی۔ مطالعہ سے کتاب کی اہمیت اور جناب علامہ الشیخ عبدالعلی الہروی الطہرانی اور جناب مولانا محمد سبطین صاحب قبلہ مرحوم جیسی ہمہ صفت شخصیات کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع ملا۔ اس کے بعد بارہا ان بزرگوں کے ارشادات و مواعظہ کے بارے میں ڈاکٹر افضال صاحب اور حافظ تصدق حسین صاحب قبلہ سے گفتگو ہوئی اور میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا رہا۔ 1999 میں والدہ مرحومہ کے چہلم پر حافظ صاحب قبلہ کی ہدایت پر جناب مولانا محمد سبطین صاحب قبلہ سرسوی مرحوم کی کتاب اسلامی نماز شائع کر کے تقسیم کی۔ اس کے بعد خلافت الٰہیہ شائع کی اور اب مواعظ حسنہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

عقائد کے بارے میں جس خوبصورت اور مدلل انداز میں قرانی دلائل پیش کئے گئے ہیں یہ انہی ہستیوں کا حصہ ہے۔ آج کے دور میں جبکہ عقائد پر گوناگوں حملے کئے جا رہے ہیں اور سازشی عناصر مصروف عمل ہیں اس کتاب کا شائع ہونا اس وقت کی اہم ضرورت ہے۔ پہلی بار مواعظ حسنہ ۱۳/۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی۔ گو کہ کتاب پرانی اردو میں ہے لیکن انتہائی دلچسپ انداز بیان باعث کشش ہے۔ اس کی کتابت اور تصحیح میں بہت وقت لگا۔ انتہائی کوشش کی ہے کہ غلطی نہ ہو۔ سہواً کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ضرور نشاندہی کیجئے گا آپ لوگوں کی آراء کا انتظار رہے گا۔

مطالعہ کتاب سے معلوم ہوا کا علامہ شیخ عبدالعلی الہروی تہرانی نے برصغیر میں پہلی بار مجالس پٹیالہ میں مولانا خلیفہ سید محمد کاظم صاحب قبلہ مرحوم کی دعوت پر پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوار ہستیوں کی روحوں کو اس کتاب کی اشاعت سے شاد فرمائے اور سیدہ سلام اللہ علیہا ہماری اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں تو بفضل تعالیٰ سرمایہ آخرت مہیا ہو جائے گا۔ آپ سے ملتمس ہوں کہ اپنی دعاؤں میں اس ناچیز کو فراموش نہ فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ پروردگار عالم بحق محمدؐ و آل محمدؑ علیہ السلام نعمت عزاداری امام مظلوم ہماری آئندہ نسلوں کو بھی عطا فرمائے اور وہ خلوص دل سے یہ خدمت سرانجام دیں۔

محتاج دعا

خلیفہ سید حسن مہدی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و الحمد على جميل نعمائه و نشكره و الشكر على جزيل الائه المتفرد فى الزليته اللاهوتيه المتوحد فى ابديته الجبروتيه هو المنان بغوائد النعم و عوائد المزيد والقسم مانح كل غنيمة و فضل و كاشف كل عظيمة و ازل فتومن به اولا باديا ونستهديه قريبا هاديا و نستعينه قادرا قاهرا و نتوكل عيه كافيا ناصرا و نشهد ان لا اله الا الله الها واحدا احدا فردا مدا وترا لم يتخذ صاحبة و لا ولدا و لم يكن له شريك فى الملك و لم يكن له ولى من الذل و كبره تكبيرا و نصلى و نسلم على ام الارواح و نور الاشباح مبدع الانوار و مصدر الاثار اشرف انبيائه و افضل اوليائه محمد المحمود عند اهلارضه وسمائه وعلى عترته الطاهرة وذريته الباهرة شموس الولاية و نجوم الهداية و بدور الامامة والخلافة مفاتيح الرحمة و مصابيح الحكمة و ينابيع النعمة. اصول الكرم و قادة الامم. نواميس العصر و اخيار الدهر. سادة العبادو ساسةالبلاد شجرة العصمة و باب الرحمة عناصر الابرار ودعائم الاخيار الائمة الاطهار مبادى الايمان و امناء الرحمن الوسائط الرحمانية فى الفيوضات الالهية والرحماتالقدسية اكمل اصفيائه واكرم خلفائه لاسيما على الاصل الاقدم والجواهر الاتم فالفرع الاكرم و الاسم الاعظم الرافع للظلم والهادى للامم والشهيد على العالم. النهج القويم والصراط المستقيم. القران الناطق و الحق الصادق الامام المظفر والصادق المنتظر. محيى السنة و معيت البدائه والى الولاية الاحدية وارث الخلافت الالهية والشريعة الخاتمية المنتقم للانبياء واولاد الانبياء وو جه الله الذى يتوجه اليه الاولياء مهدى الامة واخر الائمة المرتجى لاذالة الجود والعدوان المبيد لاهل الفسوق والعصيان المدخر لتجديدالفرائض والسنن صاحب العصر و قائم الزمن ابى القاسم الحجة بن الحسن اشرف امنائه و اخرا وليائه.

دیباچہ طبع ثالث

برادران ایمانی پر مخفی نہیں ہے کہ اس تاریکی و جہالت کے زمانہ میں جب کہ اسلام کی محض رسم اور قرآن کا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ضلالت کا ابر سیاہ ایک عالم پر چھایا ہوا ہے۔
زبدۃ المحققین، مجدد العلوم الربانیة مفسر الرموز القرانیة۔ مبین الاسرار الفرقانیة الحکیم الماهر ۔الحبر الباهر۔وحید العصر فرید الدهر العالم الربانی و الصاصمل الصمدانی العلامة الشیخ عبدالعلی هروی الطهرانی اعلی الله مقامه و اسبغ علیه انعامه و رفع درجاته فی دار کرامته۔ جیسے۔عالم۔عامل و عارف کامل کا بوجہ حوادث زمان رفتن دوران ہندوستان میں تشریف لانا اور پنجاب میں اقامت فرمانا خداوند عالم کے تفضّلات خاصّہ و نعمات مخصوصہ سے ہے اور اس نعمت غیر مترقبہ کی ناشکر گذاری کفران نعمت وعطائے الٰہی ہے، خوشا حال ان افراد مومنین کا جنہوں نے اس نعمت کا شکر اور اس فیض سے استفادہ کیا اور دونوں جہاں میں سرخرو ہوئے۔

یہ امر بھی معلوم رہے کہ اگر چہ حوادث زمان وحسد حاسدین و عداوت مخالفین و عدم استعداد سامعین و آخذین سیلان وجریان بحار علوم سرکار علامہ بحر العلوم کو مانع رہے لیکن پھر بھی اس تھوڑے سے عرصے میں بہت سے اہل ذوق وشوق وعلم دوست حضرات اہل پنجاب آپ کے سامنے زیر منبر زانوئے ادب طے کرنے اور مواعظہ بلیغہ فصیحہ سُننے سے عالم وواعظ بن گئے۔ معارف دینیہ میں دلائل و براہین قرآنیہ کی ایک روح پھونکی گئی۔ جو باتیں آج تک بظاہر محض اعتقادی وتقلیدی طور پر مانتے چلے آتے تھے۔ وہ ایسی مبرہن ہو گئیں کہ محسوس نظر آنے لگیں، بہت سے محوشدہ آثار دین و معالم علم و یقین تازہ ہو گئے۔ عام طور پر قرآن فہمی کا شوق پیدا ہو گیا۔ قرآن کریم کی عظمت دلوں میں جاگزین ہوئی اور یہ حقیقت کہ قرآن تبیان کل شے ہے اور اس میں ہر خشک وتر کا ذکر ہے۔ مثل روز روشن آشکار ہو گئی۔ بہت سے ملحد و دہرئے محض سرکار علامہ کے براہین قاطعہ عقلیہ و دلائل یقینیہ قرآنیہ سُن کر معتقد اسلام ہو گئے۔ و ذلک فضل الله یوتیه من یشاء و الله ذو الفضل العظیم

مگر افسوس ہے کہ عام لوگ یا تو بوجہ بغض وحسد، یا بسبب شقاوت ذاتی اور یا بجہت عوائق وموانع

دہریہ اس نعمت سے مستفید و اس فیض سے مستفیض نہ ہوئے اور خواص ہی نے معتدبہ فائدہ اٹھایا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔

یہ ظاہر ہے کہ تقریر کا اثر اگرچہ زیادہ ہوتا ہے۔ مگر سامعین ہی تک محدود رہتا ہے اور صرف وہ ہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو ایسے جلسہ ہائے وعظ میں شریک ہوتے رہیں اور وہ بھی صرف چند گھنٹے کے واسطے اور تحریر ایسی چیز ہے جو باوجو مرور ایّام ودہور باقی رہتی ہے اور اس کا فیض جاری وساری

یلوح الخط فی القرطاس دھرا

وکاتبہ رمیم فی التراب

بنابریں بعض مومنین کو خیال ہوا کہ مواعظ سرکار علامہ مرتب ہو کر کتاب کی صورت میں شائع ہوں تاکہ فائدہ عام ہو اور بقا، دوام اور حاضرین وغائبین خاص وعام سب مستفید ہوسکیں۔ چنانچہ ان کا اصرار بہت بڑھ گیا۔ تو حقیر ناچیز نے اس کام کو انجام دینے کا عزم کیا مگر اس عزم کو تقویت صرف جناب مکرم محترم مولوی حاجی سید شریف حسین صاحب بریلوی سابق مدرس سنٹرل ماڈل سکول لاہور کی ہمت افزائی اور کوشش سے ہوئی۔ جنہوں نے اثناء وعظ میں یادداشت لکھنے کا ذمہ لیا مجھے خود اثناء وعظ میں نہ لکھنے پڑے۔ اس لئے کہ بعد اختتام وعظ مکان پر جا کر فرصت پانی اور وعظ کو ضبط رکھ کر لکھنا مجھ جیسے کم فرصت کے لئے بہت دشوار تھا۔ خصوصاً ایام عشرہ محرم الحرام میں ایک گھنٹہ فرصت کا ملنا بھی ناممکن تھا۔ ہاں فرصت کے زمانہ میں جب کہ میں ملازم نہ تھا یہ امر مشکل نہ تھا اور بعض مواقع پر ایسا کرتا بھی رہا۔ بلکہ ہفتوں بعد بعض مواعظ لکھے ہیں ولا فخر اور اس واسطے جناب مولوی صاحب موصوف اس امداد میں سب سے پہلے قومی شکریہ کے مستحق ہیں اور بعدازاں جناب مولوی معنوی شیخ نبی بخش صاحب پٹیالوی وارد حال مشہد مقدس زید فضلہ جنہوں نے تمام مسودات کو صاف کرنے اور خوشخط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اور ان کے بعد وہ مومنین باتمکین جنہوں نے ان کی اشاعت میں مالی امداد میں حصہ لیا۔ فجزاھم اللہ خیرا۔ اس طرح سے عشرہ محرم الحرام 31,32,33ھ کے مواعظ لکھے گئے بعدازاں احقر مولف نے انہیں ترتیب دیا اور چونکہ اثنائے وعظ میں تمام وعظ کا بعینہ لکھا جانا سوائے شارٹ ہینڈ رائٹر (مختصر نویس) کے اور کسی کو ممکن نہیں۔ خصوصاً وہ مواعظ جو غیر زبان یعنی فارسی میں ہوں اور وہ وعظ جو اصطلاحات علمیہ ودلائل وبراہین فلسفیہ ومنطقیہ سے پر اور جن میں بلا مبالغہ سینکڑوں آیات قرآنی پڑھی جائیں اور استدلال میں لائی جائیں اس لئے ان کی ترتیب دینے میں جو جو مشکلیں پیش آئیں۔ ان کو وہی جان سکتا ہے جس کو یہ کام کرنا پڑے کیونکہ یادداشت اشارات

ہوتے ہیں۔ آیات کے شروع سے ایک دولفظ لکھے جاتے ہیں اور نیز مضامین میں ہمیشہ وہ ترتیب نہیں رہتی جو وعظ میں ہوتی ہے اور خصوصاً تقریب وسوق الدلیل الی المطلوب مضامین کی ترتیب۔ آیات کی تشریح اوران کوربط دینا اور تقریب کا خیال رکھنا جدید تصنیف سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

عشرہ محرم الحرام میں ہر سال یوں تو بہت سے مواعظ سرکار علامہ نے بیان فرمائے اور مختلف مضامین و عناوین وقتی وغیر وقتی بحث میں آئے لیکن یہ مواعظ جو "مواعظ حسنہ" کے نام سے موسوم کر کے بصورت کتاب پیش کئے ہیں صرف وہ ہیں جو بسلسلہ مباحث امامت جناب محترم قوم سید رجب علی شاہ صاحب مرحوم ومغفور کے عزاخانہ واقع موچی دروازہ لاہور میں مسلسل بیان فرمائے۔ اس لئے میرے خیال میں ان مجالس مواعظ کے منعقد کرنے والے ممبران انجمن اخوان الصفا لاہور اور صاحب خانہ بھی ہماری دعا اور شکر کے مستحق ہیں۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ تقریر وتحریر دو حیثیتیں رکھتی ہیں اور تقریر مضامین کا ایک سیلاب متلاطم ہوتا ہے اور کسی ایسی تقریر کو تحریر میں لانے سے اسلوب تقریر ضرور بدل جاتا ہے۔ خصوصاً بصورت ترجمہ کیونکہ ہر ایک زبان کا اسلوب جدا ہوتا ہے۔ خاص کر اردو زبان میں فارسی کے مضامین عالیہ کا ترجمہ کرنے سے جو ابھی مضامین علمیہ کے ضبط سے قاصر و بلحاظِ اصطلاحات علمیہ ناقص زبان ہے۔ اصلی تقریر کا وہ زور جو فارسی میں ہوتا ہے اردو میں باقی نہیں رہ سکتا اور جو لطف کہ اصل فارسی کے خصوصاً مقرر کی زبان معارف بیان سے سننے میں آتا ہے اردو مین نہیں آسکتا۔ تاہم اصل کو باقی رکھنے اور ترتیب وتقریب کو قائم رہنے کی بہت کوشش کی گئی ہے اور ترتیب ہی کی غرض سے بعض اور آیات بھی زیادہ کردی گئی ہیں اور بعض اور باتیں جو دیگر مواعظ کے موقع پر سرکار نے فرمائی تھیں یا جو ہم نے مناسب سمجھیں حسب ضرورت بڑھادی ہیں۔

بعض اقوال علماء اعلام بھی بضرورت تائید مولف نے درج کردیئے ہیں اور عبارت کو حتی الامکان بہت ہی آسان کیا گیا ہے اور سرکار علامہ نے اول سے آخر تک ملاحظہ فرما کر اصلاح بھی کردی تھی۔ اس لئے کتاب انشاء اللہ ایک مکمل صورت میں ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچی ہے۔ جس سے خاص و عام سب مستفید ہوسکتے ہیں اور ناظرین مواعظ کو اگر بالکل مطابق اصل فارسی نہیں تو قریب باصل پائیں گے اور ہر ایک وعظ مشتمل برنکات دقیقہ واشارات لطیفہ وحقائق ومعارف مفیدہ اہل ذوق وشوق خصوصاً ذاکرین و واعظین کے لئے باب علوم ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ان مواعظ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ مضامین وعناوین سلسلہ امامت ارتقا کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اول آسان ترین عناوین وبیانات ہیں اور رفتہ رفتہ دقیق ہوتے جاتے ہیں اور اگر اس سلسلہ کے بعد

کے مواعظ موجود اور طبع ہوتے تو یقیناً ان کی کچھ اور ہی شان نظر آتی" **و ما کل ما یتمنی المرء یدر که ما شاء الله کان و ما لم یشاء لم یکن**"

نیز یہ کہ بعض بیانات ایک جگہ مجمل ہیں۔ دوسری جگہ یا دوسرے وعظ میں مفصل۔ لہذا ناظرین کرام کتاب کو اخیر تک بغور پڑھے و سمجھے بغیر نکتہ چینی سے کام نہ لیں اور بعض مضامین مکرر معلوم ہوں گے وہ اصل مکرر نہیں ہیں۔ ضرور کسی نہ کسی جدید مطلب کو مفید یا موئد یا اس کے مفسر یا مُذکّر ہیں۔ ممکن ہے کہ ناظرین ان مواعظ میں بعض استدلالات واستنباطات یا بعض مضامین ایسے بھی پائیں گے جو پہلے نہ سُنے ہوں یا جن کے سُننے کے عادی ہیں اس کے خلاف ہوں اور اس لئے ان کی طبیعت ان کو قبول نہ کرے تو **بل کذبوا بما لم یحیطو بعلمه** کے خلاف انکار یا تکذیب یا اعتراض و ایراد سے پہلے اس مثل پر غور فرمائیں **کم ترک الاولون للاخرین**۔ انشاءاللہ بعد غور وخوض اطمینان حاصل ہوگا۔

گواندھے مقلد یا غیر معمولی متعصب یا خاص چٹ پٹے مضامین کے عادی یہ کہہ دیتے تھے یا اب بھی کہہ دیتے ہوں کہ یہ مضامین کوئی غیر معمولی نہیں۔ لیکن جن کو خداوند عالم نے حق شناسی اور حق گوئی کے زیور سے آراستہ کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ شیخ کی زبان حال کہہ رہی ہے۔

وانی وان کنت الاخیر زمانة

لات بمالمه تستطعه الاوائل

اس کی سطحی بات میں وہ عمق ہے۔ جہاں عقلوں کی رسائی نہیں۔ معمولی استدلالات ہیں وہ نکات ہیں جہاں دوسرے کی فکر مشکل سے پہنچ سکتی ہے۔ تیس سال قبل تو نہیں۔ لیکن ہاں، آج لونڈوں کی زبان پر بھی ایسے مضامین ہیں اور شیخ ابھی زندہ ہوتے تو تعجب نہ تھا کہ لونڈیوں کی زبان پر بھی آجاتے۔

اسی کی یہ معجز بیانی ہے جس نے ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

اور لطف یہ ہے کہ جن باتوں میں مرحوم کی سخت ترین مخالفت کی گئی اور اس پر طرح طرح کے طوفان باندھے گئے۔ وہی باتیں آج عقائد بن رہی ہیں اور ہر ایک نہیں تو اکثر منبروں پر شیخ جلوہ گر دکھائی دیتا ہے۔ جادووہ جو سر چڑھ کر بولے

زندہ است نام فرخ عبدالعلی بعلم گرچہ بسے گذشت کہ عبدالعلی نماند

جن بابصیرت اصحاب کے سامنے پنجاب خصوصاً مومنین پنجاب کی تیس سالہ تاریخ یعنی تاریخ دیانت ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ احساس دینداری، معلومات مذہبی اور نشوونمائے دینی کے اعتبار سے ان تیس سال

میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا ہے اور وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ یہاں تک ترقی کی ہے کہ اب دوسرے صوبے پنجاب کو رشک آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اتنا حسن ظن اس معاملہ میں رکھتے ہیں جس کے دراصل اہل پنجاب مستحق نہیں ہیں۔ لیکن فی الحقیقت دیگر صوبوں کا یہ حسن ظن کوئی معنی رکھتا ہے اور وہ یہی اہل پنجاب کی امور دینی اور تبلیغ واشاعت دین میں غیر معمولی ترقی ہے کہ آج معمولی زمیندار تک بھی معقول معلومات مذہبی کا ایک معتدبہ ذخیرہ اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔ سطحی قابلیت کے اشخاص اچھے اچھے باسواد مخالفین کو نیچا دکھادیتے ہیں۔ باسواد مومنین علماء کاملین کی شان دکھاتے ہیں اور وہ تقریریں کرتے ہیں کہ سننے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔ اہل علم کا رنگ بدل گیا ہے اور ان کی تقریرات اور تحریرات کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ اودھ شیعوں کا دینی مرکز ہے اور سینکڑوں ذی علم اور باکمال وہاں موجود ہیں۔ مگر پنجاب جو جہالت میں ضرب المثل تھا۔ اس کے فرزند صوبجات متحدہ، اودھ، بہار میں جا کر کامیاب تقریریں کرتے ہیں۔

مادر زاد اور امّی مجتہد علامہ بن گئے ہیں۔ ہدایت النحو تک کے تعلیم یافتہ باہمت طالب علم فلسفیانہ مضامین کے مصنف کہلاتے ہیں اور ان کی تقریروں میں میر داماد اور ملا صدر کا رنگ جھلکتا ہے گو اکثر جگہ کوّا اچلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ کی مثال صادق آتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بھونڈے پن سے کسی کی نقل کی جا رہی ہے۔ تاہم ان کی ہمت اور جرات مستحق آفرین ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اہل بٹالہ، جگراؤں پٹیالہ، لاہور اور ملتان جیسے خاص خاص مقامات کے سوا اہل پنجاب عالم کی صورت تو کیا عالم کے نام سے واقف نہ تھے اب معمولی اہل قریہ علماء کاملین کے مواعظ سے مستفید ہوتے ہیں۔ تیس سال قبل شاید شیعیان پنجاب میں کسی مذہبی انجمن کا نام بھی نہ تھا۔ آج سینکڑوں کی تعداد میں مذہبی انجمنیں بلکہ کانفرنسیں کام کر رہی ہیں اور ان کے عظیم الشان سالانہ جلسے منعقد ہوتے ہیں جہاں اہل علم کی کثیر جماعت اکٹھی ہوتی ہے۔

صرف یہی نہیں کہ یہاں علماء کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے بلکہ عام پبلک کی یہ حالت تھی کہ علماء کے وعظ سے نفرت کرتے تھے۔ اگر کبھی کسی عالم کی زبان سے "**اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرحیم**" سن پاتے تھے۔ تو **اعوذ باللہ** کہتے ہوئے کوسوں بھاگتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا کوئی ذاکر ہی نہیں رہا۔ یہ "**قل اعوذیہ**" کہاں سے بٹھا دیا؟ آج وہی لوگ اہل علم کا وعظ سننے کے فریفتہ نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان کو سوائے وعظ کے اور کسی چیز میں لطف ہی نہیں آتا۔

اشاعت مذہب میں سینکڑوں رسائل اور کتب پنجاب سے شائع ہوتی ہیں جو ملک کے اہل علم کی نظر میں خاص وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔

کئی اخبار اور رسالے جاری ہوئے اور ہو رہے ہیں جو خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ دیگر اہل پنجاب مومنین پر ہمیشہ اعتراض اور طعن کیا کرتے تھے کہ تم میں نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی قرآن کو جانتا ہے نہ تمہارے یہاں علمی کتب ہیں تم سوائے پیٹنے اور گالیاں دینے کے اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ اب یہ اعتراضات خود بخود رفع ہو گئے بلکہ بعض منصف مزاج برادران اسلام تو بعض اوقات کہہ اٹھتے ہیں کہ "اگر علم ہے تو انہیں میں ہے" اور اس کا ہمیں ذاتی تجربہ ہے۔

غرض اس تیس بتیس سال میں (یعنی ۱۹۰۵ء سے ۱۹۳۷ء تک کے عرصہ میں) پنجاب کی زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس انقلاب کا کوئی سبب اور کوئی موجب ضرور ہے ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ زمانے کا اقتضاء ہے اور چونکہ تمام ممالک اور کل اقوام میں علمی اور مذہبی ترقی ہو رہی ہے اور ہر طرف یہی چہل پہل نظر آتی ہے۔ اس لئے پنجاب میں بھی ہونا تھا جہاں نئی نئی نبوتیں قائم ہو کر نئی تحریک مذہبی کا موجب ہو رہی ہیں۔ یہ صرف اس زمانہ کا اثر ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ضرور ایسا ہی ہے۔ یا ہو سکتا ہے لیکن "ابی اللہ ان یجری الاشیاء الا بالاسباب" دنیا عالم اسباب ہے اور کوئی شے بغیر سبب یہاں ظاہر نہیں ہوتی۔ لہذا ضروری ہے کہ زمانے کا یہ اثر کسی خاص مبارک ہاتھ پر ظاہر ہوا ہو اور قدرت نے اس ترقی اور اس تحریک کے لئے کسی خاص ہستی کو چنا ہو اور یہ سعادت اس کے حصے میں آئی ہو۔ واللہ یختص برحمتہ من یشآء۔

ہر یکے را بہر کارے ساختند

اس لئے جملہ اہل پنجاب خصوصاً با بصیرت اور انصاب پسند مومنین با تمکین اس کا یہی جواب دیں گے کہ شیعیان پنجاب میں اس چہل پہل، اس ترقی دینی، اس تحریک، اس اشاعت و تبلیغ کا مبداء اور مبتداء اور مرکز و معدن رئیس المحققین، تاج المفسیرین فخر المتالّہین، سرکار شریعت مدار علامہ شیخ الاسلام شیخ عبدالعلی ہروی الطہرانی، اعلی اللہ مقامہ کی ذات بابرکات ہی تھی۔ جس کو حوادث زمانہ نے طہرانی قصروں سے نکال کر پنجاب کے جنگلوں میں لا بٹھایا اس کی معجز بیانی اور دفتر البرہان کی شائع کردہ جدید محققانہ تالیفات اور تصنیفات خصوصاً مواعظہ حسنہ، کشف الاسرار، خلافت الہیہ، الصراط السوی، مصحف ناطق۔ پیغام توحید وغیرہ اور رسالہ البرہان اس جدید انقلاب کا موجب ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا سوائے دشمن ایمان حاسد کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا اور حاسد بھی زبان سے انکار کر سکتا ہے مگر دل اس کا بھی تصدیق کرے گا کہ یہ بالکل حق و صدق ہے۔ یہ واقعہ ہے، حقیقت ہے اور اسی لئے یہ عرض کیا گیا نہ بطور

فخر و خاصہ ہے۔ یہ ہمارا احسان نہیں بلکہ اس ذات پاک کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے دین کی خدمت کے لئے ہمیں چنا۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمے کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صدقین الحجرات (پ۲۶ع۳) بلا شک وشبہ اسی نے شیعیان پنجاب میں دین و مذہب کی ایک تازہ روح پھونکی۔ اسی نے ان مردوں کو زندہ دلان پنجاب میں شامل کیا۔ شیخ کیا آیا۔ گویا مومنین پنجاب کے گلشن دین وایمان میں تازہ بہار آئی۔ نئے سے نئے پھول کھلے جن کی روح افزا مہک سے نہ اپنوں بلکہ غیروں تک کے دماغ معطر ہو گئے۔

ان مواعظ حسنہ کی اشاعت کو تقریباً چوبیس سال ہو چکے ہیں اور آج کم وبیش ہر ایک مقرر کی تقریر میں اس کا حسن خاص نمایاں نظر آتا ہے اور ان میں وہ نکات وہ اصطلاحات اور وہ خصوصیات ظاہر ہیں جو انہی کتب و رسائل سے مخصوص ہیں۔ مقررین میں سے بہت کم حضرات ایسے ہوں گے۔ جنہوں نے ان مواعظ اور کتب مذکورہ سے استفادہ نہ کیا ہو۔ اسی نوے فیصدی مقررین کی زبان میں مولف کا قلم اور شیخ کی زبان گویا ہے۔

مگر یہ حضرات تین قسم کے ہیں تو وہ لوگ ہیں جو سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی زندگی میں ان کے دشمن تھے اور آتش حسد میں جلتے رہے اور جہاں تک ہوا اس سلسلہ اشاعت وتبلیغ دین کے قطع کرنے میں بدل و جان کوشاں رہے اور ان ہی کی وجہ سے بہت سے اہل ہند اس فیض سے محروم رہے اور مرحوم بھی جو خدمت دین کرنی چاہتے تھے۔ ان موانع وعوائق کی وجہ سے نہ کر سکے اور دل ہی دل میں اس کی حسرت لے گئے۔ بلکہ خود اہل پنجاب بھی جیسا کہ چاہئے تھا اس چشمہ علوم سے فیض یاب نہیں ہوئے اور اس کا حال ہم کسی قدر بسط سے علامہ قدس سرہ کی سوانح میں لکھیں گے۔ ان میں سے بعض حضرات ان کتب سے استفادہ فرماتے ہیں اور پھر آج تک اس معدن علم کو برا بھی کہتے ہیں۔ کاش یہ حضرات نہ کہتے تو کم از کم برا بھی نہ کہتے۔

مرا بخیر تو امید نیست شرمرساں

انہی میں ایسے افراد بھی ہیں جو باوجود تین جماعت تک اردو پڑھنے اور عربی فارسی سے قطعاً نابلد ہونے کے محض انہی مواعظ کو حفظ کر کے کامیاب تقریریں کرتے ہیں لیکن مواعظ حسنہ کے ذکر پر کہتے ہیں کہ

اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے اور مولف نے انہیں اور خراب کر دیا ہے۔ یہ ناشکر گذار بلکہ ناخلف اس کمینہ پرور دور کے برساتی مینڈک ہیں جو شرعی سینماؤں اور تھیٹروں میں رقص منبری کی مشق رکھتے ہیں۔ خدا توفیق خیر دے۔ آمین۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جو استفادہ کرتے ہیں اور ان جواہر ریزوں کو چنتے ہیں اور ان سے اپنی تقریرات اور تحریرات کو مزین کرتے ہیں۔ مگر پوشیدہ۔ اور اس اظہار کو گوارا نہیں کرتے کہ یہ کس کان کے گوہر اور کس سمندر کے موتی ہیں کیونکہ وہ اس اظہار حقیقت کو اپنی مصنوعی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** کی تہدید کی پرواہ نہیں کرتے۔ **اخذتھم العزۃ بالاثم** ۔ یہ طفیلی عزت ان کے اس ارتکاب جرم کی موجب ہے۔

تیسرے وہ نفوس ہیں جو قولاً فعلاً مرحوم کے شکر گذار ہیں اور کارکنان دفتر البرہان کو اپنا حقیقی محسن جانتے ہیں اور کلمۂ خیر کہتے اور اظہار حق میں شرم نہیں کرتے اس کو وہ بے عزتی نہیں سمجھتے۔ بلکہ عین عزت خیال کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ایک دین دار اہل علم کے لئے اس سے بڑھ کر کیا شرف ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی مقدس اور عالم کامل ہستی کی نسبت تلمذ و استفادہ سے منسوب ہو۔ ہمارے لئے تو اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں کہ شیخ ''ارشد تلامذہ'' کے مبارک لفظ سے یاد کرتا تھا لیکن۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

توفیق شکر بھی حسب استعداد قابلیت اسی مبدءِ فیض و معلم حقیقی کی طرف سے عطا ہوتی ہے

''ولئن شکرتم لا زیدنکم''

ایسے ہی نفوس اور ان کے اصرار کی بنا پر آج ہم پھر ان مواعظ کو بعد نظر ثانی و اضافہ تیسری مرتبہ طبع کرانے پر مجبور ہیں کیونکہ اس کے نسخے چند سال سے قطعاً نایاب ہیں اور خواص مومنین کے دست شوق برابر اس طرف بڑھ رہے ہیں اور وہ ایک ایک نسخہ دس دس روپیہ میں خریدنے کو تیار ہیں اور جن کے پاس ہیں وہ اس کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتے۔ ان جواہر قرآنی کا دس دس دفعہ مطالعہ کر چکے ہیں اور پھر سیر نہیں ہوتے۔

ورنہ ہمارا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس کے اور حصص شائع کرنے کی جرات نہیں کی ورنہ ایک دو حصے اسی سلسلہ مواعظ میں اور تیار ہو سکتے تھے۔

خصوصاً اس لئے بھی جرات نہیں ہوتی اور اب بھی اکثر طبیعت متردد ہو جاتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں

کہ جہاں ان مواعظ سے دین اسلام و مذہب حق کو غیر معمولی فائدہ پہنچا ہے وہاں ایک حد تک نقصان بھی پہنچا ہے اور وہ یہ کہ مست کے ہاتھ میں تلوار آ گئی ہے یعنی وہ لوگ جو اس کے اہل نہیں ہیں اور اتنی استعداد نہیں رکھتے ہیں کہ ان مطالب علیہ و فلسفیہ اور معارف الٰہیہ کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر اپنی تقریر میں ان کا حق ادا کرسکیں۔ مگر وہ ایسا کرتے ہیں اور **لقد افسد اکثر مما اصلح** کا مصداق بن کر نہ صرف ان مضامین کو خراب کرتے۔ بلکہ دین اور اہل دین پر بھی ظلم کرتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ بدلنے اور آسان ہو جانے سے علم نہیں بدل جاتا۔ مضامین علمیہ کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے یقیناً علم کی ضرورت ہے۔ جاہل اگر کسی مسئلہ شرعیہ کو بیان کرے تو شریعت کو تباہ اور اہل دیانت کو ہلاک کرے گا۔ اور اسی وجہ سے نیم ملا خطرہ ایمان سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح جیسا ان مطالب کلامیہ کو جو ملا صدرا میر داماد اور محقق طوسی کی زبان پر سجتے ہیں۔ پنجاب کا ایک تین جماعتوں تک اردو پڑھا ہوا ذاکر بیان کرے تو کیا ہوگا۔

گر ہمیں مکتب است وایں ملا

کار طفلاں تمام خواہد شد

کا مصداق ہوگا۔

ایسا ہوتا ہے اور ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور ہمیں ایک مکرم دوست پنجابی ذاکر کا یہ مقولہ نہیں بھولتا کہ ''آپ یا تو رسالہ بند کردیں یا عربی میں چھاپا کریں ورنہ ہمارے علاقہ کے کل پنجابی ذاکر مجتہد بن جائیں گے'' بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ اگر ہم ان معارف الٰہیہ اور ان مطالب علمیہ کو ذرا اور وضاحت سے بیان کردیں اور جو نہیں بیان کیا ہے۔ وہ بھی بیان کردیں تو بقول خود سرکار مرحوم اکثر لوگ ان مضامین کو لے کر دعوئ نبوت کریں بلکہ نبوت تو پنجاب میں اب عام ہو چکی ہے اور اس دعوے کی اب کوئی زیادہ وقعت نہیں رہی ہے۔ شاید بعض لوگ دعوائے الوہیت کر بیٹھیں اور اہل پنجاب کی زندہ دلی، ہمت، جرات اور جفا کشی سے یہ کچھ بعید نہیں ہے۔

جو کتاب طبع کی جاتی ہے وہ اسی لئے ہے کہ لوگ اس سے مستفید ہوں اور اگر وہ ایسا کریں تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اپنی حیثیت سے آگے قدم نہ رکھے اور اپنی بساط سے نہ بڑھے۔ وہی مضمون بیان کرے۔ جس کو وہ خوب سمجھتا ہو اور جس پر وہ ہر طرح سے حاوی ہو۔ جس کے ہر پہلو پر بحث کرسکتا ہو۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ بجائے حق ناحق کی اشاعت کا مرتکب ہو۔ **اعاذنا اللہ من ذالک**

اہل پنجاب اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ میں بہت جری ہوتے ہیں اور تحصیل علم کے طریقہ سے اکثر ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو اس کی محنت کو گوارا نہیں کرتے۔

اخی لاتنال العلم الا بستتہ سانبیک عن تفصیلھا ببیان

ذکاء و حرص و اجتھاد و بلغتہ وا رشاد استاذو طول زمان

یعنی تحصیل علم کے لئے چھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ ذکاء ذہنی، حرص تحصیل علم، اجتہاد اور کوشش، قوت لایموت، استاد کی ہدایت اور زمانہ دراز۔

یا وہ جانتے ہیں مگر وہ خیال کرتے ہیں کہ جب بلا محنت و مشقت بلا پڑھے لکھے آدمی علامہ حجتہ الاسلام، آیۃ اللہ بن سکتا ہے اور جہاں عالم تشیع میں بارہ سو سال میں ایک شخص علامہ کے لقب سے ملقب ہوا وہاں آج گھر گھر علامہ نظر آتے ہیں۔ مدرسوں میں پڑھنے والے۔ دفتروں میں کلرکی کرنے والے۔ منبروں پر اچھل کود کرنے والے سب علامہ ہیں تو پھر محنت و مشقت تحصیل علم میں برداشت کرنا خلاف عقل اور اصول اقتصاد کے بالکل منافی ہے اگر ایک سال میں آدمی بغیر لکھے پڑھے صرف مضامین غیر حفظ کر کے عالم ہو سکے تو پھر اپنی عمر کے بیس یا پچیس سال کیوں ضائع کرے اور اپنی صحت اور روپیہ کیوں برباد کرے۔

اس واسطے ہم نے دیکھا ہے کہ صرف میزن و منشعب تک پڑھے ہوئے لڑکے اچھے خاصے ملا بنے ہوئے ہیں۔ دو کتابیں اردو فارسی کی پڑھ لیتے ہیں اور گاؤں میں نکل جاتے ہیں اور ''علماء'' بن جاتے ہیں اور اگر کوئی ان کی تعظیم نہ کرے تو لڑتے ہیں اور یہ سب واقعات ہمارے تجربہ میں ہیں۔

خدمت دین سے بہتر کیا چیز ہے۔ اگر یہ حضرات کچھ وقت تحصیل علم میں بھی صرف کریں تو کیا اچھا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم سے کم جو بات نہ جانتے ہوں یا کتاب سے سمجھ میں نہ آئے اس کو ضرور کسی جاننے والے پوچھ لیا کریں۔ ایسا کرنے سے ان کے علم میں اضافہ ہوگا اور غلط بیانی کے خطرے سے بھی محفوظ رہیں گے اور صحیح معنی میں خدمت دین بجالا سکیں گے۔

واقعاً تحصیل علم لوہے کے چنے چبانا اور آنکھوں کا تیل نکالنا ہے۔ جنہوں نے تحصیل کی مصیبتیں اٹھائی ہیں وہی اس کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔

کوچہ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

تحصیل اردو فارسی و عربی میں پورے بیس سال اساتذہ کی خدمت میں گزرے اور سولہ سال سرکار

علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی خدمت کی اور استفادہ واستفاضہ کیا۔اس عرصہ میں صحرا نوردی وکوہ پیمائی اور کوچہ گردی سب ہی کچھ کی۔ ۳۶ سال ماحول علمی پروفیسری میں گذارے۔ پھر بھی "من آنم کہ من دانم" "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔" "العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشآء" "وانی لھم ذالک"۔

خوشا حال ان طلبہ کا جو تحصیل علم میں اپنی اوقات عزیز صرف کرتے ہیں اور محض خوشنودی خدا کے لئے علم دین کو حاصل کرتے ہیں۔"وانما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"

اگرچہ ان کتب کی ایک خصوصیت خاص ہے جو شاید دوسری کتب میں نہ ہو یا بہت کم ہو وہ یہ کہ ان کو پڑھ کر معمولی قابلیت کا انسان جس میں بولنے کی استعداد ہو اچھا واعظ بن جاتا ہے۔خواہ کوئی اور کتاب دیکھے یا نہ دیکھے۔ چنانچہ یہ بالکل مشاہد اور محسوس ہے اور بہت سی زندہ ہستیاں اس کی گواہ ہیں اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ جو ہم نے اوپر عرض کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتب کا مقصد ہی تعلیم دینا اور سکھانا ہے اور ہر ممکن طریقے اور طرز واسلوب سے مطالب کو عام فہم بنانے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر ایک مضمون اور ہر ایک استدلال میں ترتیب اور ارتقاء کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اکثر مضامین ایسے بھی ہیں کہ جنکو بلا کم وکاست بجنسہ لفظ بلفظ پڑھا اور بیان کیا جاسکتا ہے اور ایسا کیا جاتا ہے۔تاہم ہر مضمون کو ہر ایک شخص اپنے اپنے علم وفہم کے موافق ومطابق ہی سمجھے گا۔سب یکساں اور مساوی طور پر اس کو اخذ نہیں کرسکتے جس طرح ایک عالم فارغ التحصیل ان کو سمجھ سکتا ہے۔اسی طرح ایک عامی یا دو چار جماعتیں پڑھا ہوا کیونکر سمجھ سکتا ہے۔

لہذا یہ کتب اہل ایمان کے لئے درس کا کام دیں گی۔ بشرطیکہ کچھ محنت تحصیل برداشت کی جائے اور اصول استفادہ کو ملحوظ رکھا جائے اور ایسا کرنے سے یہ حضرات حقیقی معنی میں واعظ ومبلغ بن جائیں گے۔ خدا توفیق عنایت فرمائے کہ تحصیل کی طرف متوجہ ہوں اور محض تیر تکے پر کام نہ چلائیں۔علم دین کو نجات آخرت کا ذریعہ بنائیں نہ کہ تحصیل احکام دنیویہ کا۔شہرت اور نام ونمود کے لئے خدا کو نہ بھولیں۔شہرت سے صرف مال دنیا میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ثواب آخرت میں زیادتی ناممکن ہے۔رب اھد قومی انھم لا یعلمون اکثر لوگ خوف خدا اور لوگوں سے حیا نہیں رکھتے۔ یہ مواعظ یا ہماری دیگر کتب علمیہ کے مضامین کو بیان کرتے ہیں تو آیات اور احادیث اور اقتباسات عربی کو ضرور پڑھتے ہیں بلکہ ان میں عربی سے جاہل بلکہ حقیقۃ اردو سے بھی جاہل منبر یا کرسی پر بیٹھ کر عربی خطبہ بھی ضرور پڑھتے ہیں۔جس میں ہزاروں غلطیاں کرتے ہیں اور مجمع سے ذرا نہیں شرماتے ایسے حضرات کو اس عمل سے اجتناب لازم ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں بہ نسبت ثواب عذاب زیادہ ہوتا ہے اور خدا ورسول اور آئمہ ہدے کی توہین وتذلیل۔کیا اچھا ہو کہ وہ

اپنی بساط سے باہر قدم نہ رکھیں اور چادر سے زیادہ پیر نہ پھلائیں۔اگر عربی خوانی کا ہی شوق ہے تو اسے علماء سے حاصل کریں۔اس طبع ثالث میں ہم نے جملہ مطالب کتاب پر مثل طبع ثانی ایک نظر ڈال لی ہے بعض الفاظ اور فقرات جو مبہم تھے انہیں واضح کر دیا ہے جو مشتبہ تھے ان کو ان سے بہتر الفاظ میں بدل دیا ہے۔بعض مقامات پر تائیدی آیات، احادیث روایات اور اقوال وتحقیقات علماؤ حکماء کا اضافہ کر دیا بعض جگہ کسی حدیث وروایت کا صرف ترجمہ تھا۔اس کی اصل عبارت نقل کردی ہے اور بعض مقامات میں آیات کا ترجمہ نہ تھا وہ بڑھا دیا گیا ہے۔جو طباعت کی غلطیاں رہ گئی تھیں۔وہ حتی الامکان درست کردی گئیں۔اگر کاتب اور مصحح نے بھی ان کو درست رکھا۔آخر میں چند خاص مواعظ کا جو اضافہ طبع ثانی میں کیا گیا تھا اور ایک مضمون تحریری سرکار علامہ مرحوم اعلیٰ مقامہ کا عربی میں بعینہ خاص اہل علم کی خاطر اضافہ کر دیا گیا تھا اور وہ اس طرح مواعظ ومضامین کا تیسرا حصہ بن گیا تھا بدستور رکھا ہے اور ان پر بعض باتوں کا مزید اضافہ اور اس لئے اب یہ کتاب ان حیثیات سے پھر بالکل نئی ہوگئی ہے اور ساتھ ہی سرکار علامہ مرحوم کی سوانح عمری بھی بعض واقعات متاخرہ کو شامل کر دیا گیا۔خصوصاً حالات دفن وروانگی تابوت نجف اشرف شامل کردی گئی ہے اور اسی طرح مرحوم کی شبیہہ بھی سرورق کے ساتھ چسپاں ہے۔**و ما التوفیق الا باللہ**۔

اب ہم اس دیباچہ طبع ثالث کو ختم کرتے ہیں اور ناظرین کرام سے یہ امید کہ بوقت مطالعہ واستفادہ سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں اور ان کے ساتھ اس ناچیز کو بھی یاد رکھیں۔

ہر کہ خواند و عاطمع دارم
زانکہ من بندہ گنہگارم

الاحقر المذنب المسئی
السید محمد سبطین السرسوی
عفی عنہ

واقعات وسوانح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

حضرت سرکار شریعتمدار رئیس العلماء الاعلام حجتہ الاسلام الشیخ عبدالعلی الہروی الطہرانی قدس سرہ العزیز مصنف کی معرفت اور اس کی عظمت تصنیف کی عظمت و وقعت کو عام و خاص کی نظروں میں دوبالا کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام میں کسی مصنف کی تصنیف کے ساتھ اس کا ترجمہ مجملاً یا مفصلاً ضرور طبع کیا جاتا ہے اور اس طرح سے مصنف کی مساعی جمیلہ کا قوم کی طرف سے عملاً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

بنا برین یہ مناسب اور موزوں خیال کیا گیا ہے کہ ہم بھی سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے ان ''مواعظ حسنہ'' کے ساتھ ان کی مختصر سوانح عمری درج کریں۔ اور یہ کہ مرحوم کے بقائے نام کی ایک بہترین صورت ہوگی۔ مخلصین ان حالات کو پڑھ کر خوش ہوں گے اور مرحوم کی یاد تازہ ہوتی رہے گی اور دشمن آتش حسد سے جلتے رہیں گے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہات سے مرحوم کی گراں بہار زندگی کے مفصل حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔

اول تو اس لئے کہ سرکار علامہ کے مخلصین پر کچھ ایسا غفلت کا پردہ پڑا رہا۔ خصوصاً اس ناچیز پر کہ گویا اس حقیقت ہی کو بھولے ہوئے تھے کہ علامہ کو ایک دن ہم سے جدا ہونا ہے۔ کچھ ایسا تصور بندھا ہوا تھا کہ علامہ ہمیشہ ہی ہمارے ساتھ اور ہمارے پاس رہیں گے۔ اس لئے بہت سی باتیں جو پوچھنی تھیں نہ پوچھ سکے۔ بلکہ بہت سی خاص چیزیں جو لینی تھیں اور جواب کسی دوسری جگہ سے نہیں مل سکتیں نہیں لے سکے۔

دوسرے چونکہ سرکار علامہ قدس سرہ کی مقدس زندگی کا وہ دور جس میں ان کے کمال کی شہرت کا آفتاب طالع ہوا تھا۔ چند سال ہی کے بعد سیر وسفر سے بدل گیا اور اس واسطے ان کے خاص ایرانی احباب بھی مرحوم کے تفصیلی حالات سے مطلع نہ ہو سکے۔ چہ جائے کہ دیگر اہل ملک۔

تقریباً چونتیس، پینتیس سال کے ہوں گے۔ تہران پہنچے۔ ناصر الدین شاہ قاچار کی نظر چڑھے اور غالباً اپنی عمر کے چالیسویں سال میں تہران بلکہ ایران کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا پڑا اور باقی تمام عمر پردیس میں گذر گئی۔ اور اسی وجہ سے خود ان کی اولاد بھی ان کے پورے حالات سے واقف نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ ابھی بچے ہی تھے کہ باپ کے سایہ تربیت سے جدا ہو گئے۔ چنانچہ شیخ نصر اللہ مرحوم فرزند ارجمند سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ سے دریافت کیا تو یہی جواب ملا کہ ہمیں وہ دن ہی نصیب نہ ہوا کہ مرحوم کے حالات سے آشنا ہوں۔ لہذا یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہے جو کبھی کبھی کسی واقعہ کے ذکر میں ضمناً خود سرکار علامہ کی زبان سے نکل گیا ہے اور ہمارے ذہنوں میں محفوظ رہا ہے یا جو کچھ جستہ جستہ کسی ایرانی واقف سے معلوم ہو گیا ہے۔ اسی قدر اشارات کافی ہیں اور انہی سے ناظرین سوانح عمری کے نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو
آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو

ولادت باسعادت وابتدائی تربیت

سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہروی الطہرانی بن حاجی شیخ احمد مرحوم بن شیخ ابراہیم خاص شہر ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد نے علاقہ مشہد مقدّس میں کچھ زمین حاصل کر لی تھی اور اکثر وہاں رہائش رکھتے تھے۔ شیخ احمد مرحوم کا ایک بیٹا تھا جو نہایت درجہ شیخ کو محبوب تھا۔ بقضائے الٰہی اس کا انتقال ہو گیا اور شیخ مرحوم کو سخت صدمہ پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ حج سے مشرف ہوئے اور تحت المیزاب دعا کی کہ خداوند مجھے ایک فرزند عطا فرما۔ جو میرا خلف صالح ہو اور اس سے میرا یہ غم غلط ہو اور اس صدمہ کی تلافی ہو۔ حج سے واپس آ کر ایک عقد کیا اور اس معظّمہ سے شیخ عبدالعلی ہروی الطہرانی اعلیٰ اللہ مقامہ متولّد ہوئے اور وہ اس سے کہیں بڑھ کر نکلے جیسا کہ شیخ احمد مرحوم کی خواہش تھی۔

صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں لیکن شیخ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں 1341ھ میں انتقال فرمایا اور اس لئے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ 1377 ہجری میں ولادت ہوئی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنے والد مرحوم سے ہی پائی تھی۔ کمال ذہانت کے ساتھ طبیعت میں ظرافت وخوش طبعی بھی تھی۔ چھوٹی سی ہی عمر میں والد مرحوم کے وعظ میں شریک ہوتے اور کہیں کہیں ٹوک دیتے اور بحث کرنے لگتے۔ ملا مرحوم آپ کو دھمکاتے تو فرماتے کہ دھمکانے سے مسئلہ تو حل

نہیں ہوا وہ تو اپنی جگہ رہا۔ غالباً دس سال کی عمر ہو گی کہ ماہ مبارک رمضان میں ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ملا احمد مرحوم گھر نہ تھے اور اُن کی عادت یہ تھی کہ دعائے ابوحمزہ ثمالی ہر شب وقت سحر پڑھتے تھے اور علامہ کی والدہ کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اس شب وہ دعا نہ پڑھ سکیں یہ جاگ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں پڑھائے دیتا ہوں۔ کہا تو کیسے پڑھا سکتا ہے۔ کہا مجھے یاد ہو گئی ہے۔ والد سے سُنتے سُنتے حفظ ہو گئی ہے اور حفظ دعائے ابوحمزہ ثمالی پڑھا دی۔ جب شیخ مرحوم واپس آئے تو یہ حال معلوم ہوا۔ سجدہ شکر ادا کیا کہ الحمدللہ ! کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے لئے میں نے تحت المیز اب کعبہ میں دعا کی تھی۔

جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ امیر عبدالرحمان خان والی افغانستان مرحوم کے سن زمانہ تک جس میں بہت سے شیعہ شہید اور جلاوطن ہوتے تھے۔ جس کا باعث صرف جند اللہ (طلبہ) اور دنیا طلب ملاّ تھے جو رفض کا الزام لگا کر ان کے قتل کے فتوے دیتے تھے اور خود جـــنـــد اللہ حملہ آور ہوتے تھے اور یہ طوفان ہرات میں حسد سے تجاویز کر گیا تھا۔ بے گناہ شیعوں سے مقبرے پُر ہو گئے تھے اور اسی سلسلہ میں مرحوم کے مکان پر بھی حملہ کیا گیا تھا اور اسی حملہ میں ان کی لڑکی جس کا سِن تقریباً چھ، سات سال کا تھا شہید ہو گئی تھی۔ جس کا علامہ کو سخت صدمہ تھا۔

اور گورنر ہرات (سعد اللہ خان جہاں تک ہمیں یاد ہے) شیخ اور ان کے خاندان سے واقف تھے اس لئے ان کو زیادہ تکلیف نہ پہنچ سکی اور اسی واقعہ پر خاتمہ ہو گیا اور اسی گورنر نے ملاؤں کی زیادتی کی امیر موصوف سے شکایت کی اور اس کا انتظام کیا گیا۔ ان کی سکونت ہرات ہی میں تھی مگر اسی طوفان کے بعد ان کو ہرات کو بالکل چھوڑنا پڑا اور اس کے بعد ہرات کی جائداد بھی ضبط ہو گئی۔ جس کی استخلاص کے لئے مرحوم نے اب حال میں کوشش بھی کی تھی۔ مگر امیر امان اللہ خان نے منظور نہ کیا اور اپنی مجبوری ظاہر فرمائی۔

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

اس کے بعد علاقہ مشہد مقدّس میں بمقام ترشیز موضع فدافن جہاں ملا مرحوم کی زمین تھی اصلی مسکن قرار پایا اور اب بھی مرحوم کے متعلقین وہیں سکونت پذیر ہیں۔

استعدادِ فطری اور ذہانت طبعی

توارثِ اموال کی طرح توارث صفات مسلم ہے۔ اکثر کاملین میں یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ ایک عرصہ تک چلا آیا ہے اور چلا آتا ہے اور شرفا کی نسل اکثر شریف ہی ہوتی ہے۔ نیک انسانوں کی اولاد اکثر نیک

ہوا کرتی ہے۔علماء کے گھرانے میں علم مدتوں رہا ہے ''گندم از گندم بروید جوز جو''۔ دادا عالم، باپ کامل پھر باپ کی خاص دعا اور وہ بھی کعبہ میں تحت المیز اب۔ ایسوں کا بچہ کامل ہو تو کیا تعجب ہے۔ علامہ میں بچپن ہی سے آثار کمال نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی میتافت ستارہ بلندی

مشہد مقدس کے قیام میں بعض مدارس مشہد و غالباً مدرسہ شیخ جعفر مرحوم میں بھی داخل رہے۔سن رشد کو نہ پہنچے تھے لیکن بعض اساتذہ جو منبر پر کبھی کوئی علمی تقریر کرتے تھے تو وہ ان کو یاد ہو جاتی تھی اور لڑکوں میں اس کو دہرایا کرتے تھے۔

ایک دن اُستاد کو بھی یہ خبر پہنچی بلایا اور تقریر سنی تعجب کیا کہا اس کا مطلب کیا ہوا۔عرض کیا مجھے کیا معلوم کہ مطلب کیا ہوا۔ مطلب آپ جانیں میں نے تقریر سُنی تھی، مجھے یاد ہو گئی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوت حافظہ بھی خاص عطیہ خداوندی وعنایت الٰہی تھی اور اس استعداد فطری، کمال ذہانت اور انتہائے کمال قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ اپنے پدر بزرگوار کی تعلیم کامل و اساتذہ کاملین کا فیض اور ارشاد ہدایت سے چودہ سال کی عمر میں اتنا کچھ پڑھ گئے تھے کہ عام لوگ تیس سال کی عمر میں بھی اس درجہ کو نہیں پہنچے۔یعنی چودہ سال کی عمر میں ملکہ استنباط موجود تھا۔ چنانچہ ماہ مبارک رمضان تھا اور شیخ ملا احمد مرحوم مع اہل و عیال مشہد ہی میں تھے۔ علامہ کی عمر کا یہ چودھواں سال تھا۔ والدین کے ساتھ بچوں کی طرح روزے رکھنے شروع کئے۔ چند دن کے بعد گرمی بڑھ گئی تو والدین نے کہا۔ روزے چھوڑ دو۔ کہ گرمی بہت ہو گئی ہے، تکلیف ہو گی۔ پھر آئندہ سال رکھنا۔ باز نہ آئے۔ والدین بچپن کی ہٹ سمجھے۔ ایک دو دن کے بعد پھر تاکیداً منع کیا نہ مانے۔ والد نے سختی کی اور سست و درشت کہا۔ جواب دیا کہ میں بالغ ہوں روزے مجھ پر فرض ہیں۔ کیسے ترک کر دوں۔ شیخ احمد حیران ہوئے اور ساتھ ہی غصّہ بھی آیا۔ دھمکایا، گھر کا اور بلوغ کے علائم ثلثہ کا ذکر کر کے کہا کہ کون سی علامت پائی جاتی ہے۔ جو تو بالغ ہو گیا ہے عرض کیا۔ ان میں سے تو کوئی نہیں۔ کہا پھر عرض کیا۔ از روئے حدیث و حکم معصوم۔ بہت متعجب ہوئے اور سمجھے کہ یہ لڑکپن کی ضد نہیں۔ کوئی گہری بات ہے۔ کہا کونسی حدیث ہے اور کہاں ہے۔ عرض کیا کافی میں اور کتاب لا کر حدیث نکال دی۔ جس میں بلوغ کی عِلّتِ مستقلّہ مذکور ہے۔ ملا مرحوم دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے۔ یہ سِن اور یہ جرأت اور یہ نظر اور واقفیت! اس سِن میں عام مسلمان بچوں کو طہارت کرنی بھی درست نہیں آتی۔ قوت استدلال تو طلبہ علم میں بھی مدّت کے ریاض اور خدمت اساتذہ ۔ کے بعد بڑی

عمر میں جا کر پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی خاص خاص میں۔ یہ علامہ جیسے ہی خاص نفوس کا حصہ ہے۔

فان العلم نور من الله و نور الله لا یعطی لعاص

"و فضلنا بعضهم علی بعض".

اس کمال قوت استنباط کی حقیقت کو وہی لوگ خوب سمجھتے ہیں۔ جنہیں علامہ مرحوم کے فیض صحبت سے کافی حصہ ملا ہے اور مرحوم کے استدلالات اور استنباطات ہر علم وفن میں سُنے اور دیکھے ہیں۔ البتہ یہاں سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ جب چودہ سال کی عمر میں یہ حال تھا۔ تو اب چونسٹھ سال کی عمر میں کہاں سے کہاں پہنچے ہوں گے اور ان کی نظر کس قدر عمیق ہو گی۔ جس وقت ایسے بزرگوار اس زمانہ قحط الرجال میں موجود ہوں۔ تو کچھ تعجب نہیں کہ علامہ حلّی اعلیٰ اللہ مقامہ ونور ضریحہ وقدس سرہ وطاب مرقدہ جیسے بزرگ بارہ سال کی عمر میں مجتہد ہو گئے ہوں اور ان نفوس کے لئے ایسے امور کیونکر تعجب خیز ہو سکتے ہیں۔ جن پر ان نفوس قدسیہ مقدّسہ طاہرہ قاہرہ کی خاص نظر عنایت ہو جو شکم مادر سے معاون علوم وفنون ومعالم تنزیل وتاویل اور مخزن اسرار الٰہی پیدا ہوتے ہیں۔ صلوات اللہ و سلامہ علیهم اجمعین مرحوم کے مفصل تعلیمی حالات اور جملہ اساتذہ کا حال افسوس ہے کہ معلوم نہیں ورنہ بہت کچھ دلچسپ ہوتا۔

سطحی درس وتدریس

سے فراغت حاصل کر کے کچھ عرصہ درس خارجی میں شریک ہوئے۔ جبکہ حجۃ الاسلام اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی مرحوم کی تعلیم کا آخری زمانہ تھا۔ اس وجہ سے علامہ مرحوم اور اخوند مرحوم ہم درس کہلاتے تھے اور اخوند ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چند سال ہی گذرے تھے کہ بعض مطالب اصولیہ وعلمیہ پر ایسی مدلل اور زبردست تقریریں کیں کہ اساتذہ نے کہا تمہیں ان کتب کے درس خارجی میں شریک ہونے کی اب چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اب خود ایسی تمام کتب پر نظر ڈال جاؤ۔ بس کافی ہے۔

اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا۔ اول کتب فقہ واصول فقہ جہاں تک بھی دستیاب ہو سکیں اور مل سکیں دیکھیں۔ بعد ازاں کتب احادیث اور پھر تفاسیر۔ مگر تفاسیر کے اختلافات نے انہیں ثابت کر دیا کہ "کل شی فی التفاسیر الا التفسیر" کتب تفاسیر علماء میں سوائے تفسیر واقعی سب کچھ موجود ہے۔ عام کتب تفاسیر سے قطع نظر کر کے قرآن پاک میں تدبّر وتامل وتفقہ شروع کیا اور اس میں صرف ان تفاسیر سے مدد لی۔ جن میں محض احادیث معاون علوم ومعالم تنزیل ہیں اور اس تدبر وتفکر وتامل سے وہاں پہنچے۔ جہاں دوسروں کا ہاتھ

بہت کم پہنچا ہے وہ نکات جو علامہ فرقان حمید وقرآن مجید سے بیان کرتے تھے۔ ہمارے متقدمین کی کتب میں ملتے ہیں مگر عام طور پر نہیں۔ مخصوصین میں اور خاص خاص مقام پر "وکم ترک الاولون للاخرین" بلاشک وشبہ بزرگوار انہیں نفوس میں سے تھے۔ جن کے متعلق حضرات صادقین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا ہے "علماء وارثانِ علوم انبیا ہیں" اور یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ بلکہ وہ اپنے علوم واحادیث چھوڑ گئے ہیں بس جس نے اس میں سے حاصل کرلیا۔ اس نے بہت کچھ پالیا۔ پس تم دیکھو علم کس شخص سے لیتے ہو اور مسائل کس سے پوچھتے ہو (ہر کس وناکس سے علم دین نہ سیکھو۔ فان فینا (لنا) اھل البیت فی کل خلف علو لا ینفون عن دینا تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین کیونکہ ہمیشہ ہمارے سلسلہ میں کچھ ایسے عادل علماء رہتے ہیں جو دین سے غالیوں کی تحریفات اور علماء نماؤں کی مدخولات اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کرتے رہتے ہیں اور یہی دین کے سچے حامی ہوتے ہیں اور انہیں کو حصن اسلام کہا گیا ہے۔ انہی کی موت سے اسلام میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔

فجزا اللہ شیخنا عن الاسلام و اھل الاسلام خیر الجزاء وحشرہ مع آئمۃ الھدے امین رب العالمین۔

علوم باطنی وریاضات نفسانی

علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے علوم وفنون کا یہ عمق صرف تحصیلاتِ ظاہریہ وتعلیمات سطحیہ وخارجیہ ہی سے نہ تھا۔ بلکہ اس لئے کہ علم حقیقی نور ہے اور جس قلب میں جتنی صفائی ہوتی ہے اُسی قدر نور اُس میں چمکتا ہے اور منعکس ہوتا ہے۔ محل مطابق حال اور ظرف موافق مظروف ہونا ضروری ہے۔

علوم باطنیہ

وریاضات نفسانیہ میں علامہ مرحوم کے استاد رئیس العارفین قدوۃ الزاہدین محمد اکبر ترشیزی رحمۃ اللہ تھے۔ کمال صفائی باطن وصفائی نفس سے آراستہ تھے۔ بلاناغہ نماز تہجد باغسل ادا فرماتے تھے اور یہ علامہ مرحوم کا بیان ہے کہ آخر میں وہ صاحب کرامت تھے۔ غسل خانہ میں پانی کا کوئی انتظام نہ کرتے تھے۔ مگر نصف شب کے بعد جب تہجد اور اذکار واوراد کے لئے اٹھتے تھے تو گھڑوں میں پانی بھرا ہوا پاتے تھے اور ان کی اور بہت سی ایسی باتیں مشہور ہیں جن کے سمجھنے اور سننے کی ہر ایک میں استعداد نہیں ہے۔ لہذا ہم ترک کرتے ہیں غالباً ان

علوم میں اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی اعلیٰ اللہ مقامہ ونور ضریحہ بھی انہیں بزرگوار موصوف کے شاگرد تھے۔ آخوند مرحوم نے نو سال برابر ریاضت کی تھی اور علامہ مرحوم نے چھ سال ریاضات نفس۔ تزکیہ نفس۔ خاص اذکار و اوراد میں گذارے۔ بڑے بڑے خوفناک اور ہولناک مقامات میں آیات وسور کے ختم کیے۔ مدتوں اس کی خاطر اور کمال طہارت و نظافت کی غرض سے اپنے ہاتھوں سے روٹیاں پکائیں اور اس میں بہت کچھ کمال حاصل کیا اور کیوں نہ ہو حالانکہ پروردگار عالمین فرماتا ہے۔ "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین" "و قد افلح من زکھا و قد کاب من دسھا"

کثرتِ مُطالعہ

باوجود ان حالات کے بھی مطالعہ میں کمی نہیں کی۔ بلکہ نفس میں خاص استداد وصفائی پیدا ہونیکے بعد مطالعہ کتب احادیث و کتاب اللہ کی طرف خاص توجہ کی۔ اپنے کتب خانے میں۔ آٹھ ہزار کتابیں تھیں کل دیکھیں۔ پھر ملکِ ایران میں کتابوں اور کتب خانوں کی کیا کمی ہے۔ جہاں بھی کوئی کتاب ملی یا سُنی۔ وہ لی۔ حاصل کی اور اس کو دیکھا۔ خصوصاً کتب کلام و فلسفہ، اصفہان میں علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ کا کتب خانہ بھی دیکھا ہے اور تہران میں شاہی کتب خانہ بھی اور اب تک بھی یہ حال تھا کہ گو آپ بہت کم کتاب دیکھتے تھے۔ ہر شب اور اکثر دن میں بھی صرف کلام پاک ہی میں غور فرماتے تھے مگر پھر بھی جو کتاب سامنے آجاتی تھی تو اس کو بغیر دیکھے اور ختم کئے نہ چھوڑتے تھے۔ کمال استعداد، تہیہ اسباب تعلیم و تعلم، قیام دار الاسلام صفائی قلب۔ تزکیہ نفس پر جب مطالعہ کی یہ شان ہو تو علامہ کے تبحر علمی کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی بزرگ وجود کے لئے لفظ علامہ زیب دیتا ہے اور ایسے ہی نفوس اسلام کے لئے حجت ہو سکتے ہیں۔ گو وہ اپنے لئے ایسے الفاظ کو پسند نہ کرتے ہوں۔ کمال علمی اس طرح حاصل ہوتا ہے نہ اخباروں اور اشتہاروں میں ان الفاظ کی بوچھاڑ سے اور نہ ان کی خوشہ چینی اور دیگر علماء کی کتب و رسائل اور تقاریر سے چند مضامین رٹ کر اور رقص منبری دکھا کر۔

زبانیں

فارسی تو ان کی مادری زبان تھی اور قیام زیادہ تر مشہد مقدس میں تھا اس لئے ان کی فارسی دانی کی نسبت تو کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔

عربی تحریر و تقریر میں جو کمال حاصل تھا وہ دیگر علماء میں کم ہی پایا جاتا ہے۔ ان کی عربی تحریر کے متعلق کلکتہ سے جو ایک زبردست مصری (سنی المذہب) عالم نے لکھا ہے اس کی میں اُردو میں تصریح کرنا

مناسب خیال نہیں کرتا۔ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان کی تحریر عربی دیکھ کر یہ لکھا تھا کہ آپ ہندوستان کے متعلم نہیں معلوم ہوتے۔ جل علماء الهند یجهلون عن العربیة و عریتهم اشبه شی بصوت الرعد۔ الخ غالباً وہ خطوط جناب محترم خان بہادر شیخ عزیز الدین خان صاحب مرحوم کے پاس محفوظ تھے۔ و من شاء فلیرجع الیه ۔ عربی فارسی میں کمال مہارت کے علاوہ علامہ مرحوم ترکی زبان بھی جانتے تھے اور فرنچ بھی۔ ترکی زبان کی بعض ضخیم کتب بھی علامہ کی کتب میں موجود تھیں روسی زبان سے بھی واقف تھے اور کسی قدر انگریزی بھی جو یہاں حاصل کی تھی اور اپنے تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے پشتو، پنجابی، سندھی کچھ سمجھتے تھے۔ اردو میں اب کچھ تقریر کر سکتے تھے۔ 1340ھ میں آگرہ میں منبر پر دیر تک اردو میں وعظ بھی کیا تھا۔ جیسا کہ بعض احباب کی زبانی ہم نے سُنا ہے۔ اس جامعیت کا انسان اس زمانہ میں کہاں پیدا ہوتا ہے۔ مادر گیتی ہمیشہ کہاں ایسے نفوس جنتی ہے۔ بڑی گردشوں اور اہم انقلاب کے بعد ایسی ہستیاں عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ خدا رحمت کرے اس وجود مقدس پر عجب انسان تھے۔

قیام تہران و نیابت وزارت

بعض حکام مشہد اور بعض شہزادگان اور اہل علم کے ذریعے آپ کے تبحر علمی کی خبر تخت ایران تک بھی پہنچی۔ جب کہ آپ کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ مرحوم ناصر الدین شاہ قاچار خود فاضل و علم دوست اور ایک ممتاز دماغ کا انسان تھا۔ فوراً طلب کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دیگر مقامات ایران سے ہوتے ہوئے اور سیر کرتے وعظ کرتے تہران پہنچے۔ شاہ مرحوم نے کافی احترام کیا۔ امین الدولہ وزیر خارجیہ ایران ان سے خاص تعارف رکھتا تھا اور خود صاحب فہم و فراست اور ذی علم انسان تھا۔ اس نے اپنے پاس ہی رکھا۔ سلطنت کی طرف سے جاگیر ملی اور تھوڑے ہی عرصہ میں نائب وزیر خارجہ یا دوسرے لفظوں میں افسر محاکمات خارجہ کے منصب پر ممتاز ہوئے۔ جس سال ایران میں سرکار میرزا اعلی اللہ مقامہ کی طرف سے تمباکو کے متعلق ایک فتویٰ شائع کیا گیا تھا۔ سرکار علامہ اس وقت تہران ہی میں تھے۔ بابیوں کا طوفان بھی اسی زمانہ میں اٹھا اور جب ناصر الدین شاہ مرحوم نے ان کے قتل عام کا حکم دیا تھا اور ایک ہفتہ امن ان پر سے مرتفع تھا۔ تب بھی سرکار علامہ وہیں تھے۔ آپ کے فتویٰ اور حکم سے بھی آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے اور اس دن سے امین السلطان وزیر اعظم میرزا محمد تقی خان (غالباً) جو در پردہ بابی تھا۔ آپ کا سخت مخالفت اور دشمن ہو گیا۔ اگرچہ مع اہل و عیال علامہ تہران ہی رہنے لگے تھے اور تہرانی کہلاتے تھے۔ لیکن اس وقت بھی چونکہ

آپ کا اصل وطن ہرات تھا۔ رعایا افغانستان ہی شمار ہوتے تھے اور ممالک خارجہ میں رعایائے افغانستان برٹش سفیر ہی کے زیر حفاظت سمجھی جاتی تھی۔ البتہ افغانستان کے سفراء دوسرے ممالک میں پہنچ گئے ہیں۔

ناصر الدین شاہ مرحوم نے ایک ادارۃ المعارف قائم کیا اور وہ بھی تاحیات شاہ مرحوم آپ ہی کے زیر نگرانی رہا۔ آپ نے مدارس کی خاص طور سے اصلاح کی اور ایک مکتب خاص قائم کیا اور اس کا نصاب اور اسلوب تعلیم ایسا عجیب وغریب اور مکمل رکھا کہ چند سال میں طالب علم عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی پانچ زبانوں سے آگاہ ہو جاتا تھا اور معمولی تقریر و تحریر کر سکتا تھا اور یہ سب ایک ساتھ پڑھائی جاتی تھیں۔ اگر یہ نصاب تعلیم ایران میں عام طور سے شائع ہو جاتا تو دینوی اور تمدّنی حیثیت سے ایران تمام دوسرے ممالک سے بڑھ جاتا۔ مگر افسوس کہ شاہ ناصر الدین شاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی قتل کر دیا گیا۔ **و ما شاء اللہ کان و ما لم یشاء لم یکن و ھو الفعال لما یرید۔**

ادارہ تالیف وتصنیف تفسیر

ایران میں ایک شخص نے ایک قرآن شریف اس خاص اہتمام سے طبع کرایا کہ اس کے حاشیہ پر کل احادیث و روایات جمع کر دیں۔ جو تفاسیر قرآن کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ شاہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا بہت ہی پسند کیا اور ساتھ ہی کہا کہ اگر کوئی عالم ان تمام احادیث و روایات مختلفہ کی تصحیح وتنقید کر دے تو ایسی مکمل تفسیر قرآن تیار ہو جائے کہ جس کے بعد کسی اور تفسیر کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ امین الدولہ نے عرض کیا۔ علم قرآن میں میرے نزدیک فلان شخص سے بہتر کوئی نہیں ہے اگر وہ اس کام کا ذمہ لے لے تو بہترین تفسیر قرآن مرتب ہو جائے، بلائے گئے اور یہی مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تفسیر قرآن جیسا کہ اس کا حق ہے میری طاقت سے باہر ہے اور میں اس کو بہت ہی اہم اور مشکل کام سمجھتا ہوں۔ میں ایسی جرات نہیں کر سکتا مگر شاہ کے اشارہ سے امین الدولہ نے اصرار کیا۔ بلکہ مجبور کیا تب آپ نے کہا کہ اس شرط پر کہ اول اس کے لئے ایک خاص دفتر اور محکمہ قائم کیا جائے اور مصارف شاہ برداشت کرے اور بارہ زبردست علماء اس تفصیل کے ساتھ مجھے دیئے جائیں اور ان کے مخارج ومصارف کا انتظام سلطنت کی طرف سے مکمل ہو۔ دو فلسفی، دو متکلم، دو فقیہہ، دو ادیب، دو مفسر، دو محدث۔ شاہ نے منظور کیا اور تمام مصارف ومخارج بھی منظور ہو گئے اور یہ مبارک کام شروع ہوا اور غالباً یہ وہی سال تھا۔ جس میں سرکار مرزا اعلیٰ اللہ مقامہ کی طرف سے ایک خط شاہ کو پہنچا تھا۔ یا پہنچایا گیا تھا کہ ملک کا انتظام اہل ملک کی امداد و مشورہ سے کیا جائے۔ پہلے تو شاہ بہت ناراض ہوا اور جب حقیقت

معلوم ہوئی کہ علماء اور وزراء دونوں چاہتے ہیں اور مصلحت سمجھ میں آئی اور امین الدولہ نے تجویز سمجھائی تو شاہ نے منظور کیا اور کہا کہ جشن پنجاہ سالہ جو دو سال کے بعد ہوگا۔ اس میں خود پارلیمنٹ اور مجلس شوریٰ کا اعلان کروں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ کم سے کم بارہ وزراء اور اہلکار ایسے تیار کر دو جیسے کہ تم ہو۔ عرض کیا کہ مجھے ایسا آپ ہی کی نظر توجہ نے بنایا ہے لوگ قابل موجود ہیں اگر ان کو کام میں لگایا جائے گا تو نظر توجہ رہے گی۔ ایسے ہی کامل نکلیں گے۔ غرض یہ کام شروع ہوا۔ ہر علم کے عالم اپنے اپنے علم کی رو سے ایک آیت پر بحث کر کے لکھ کر لاتے تھے اور پھر سرکار علامہ منبر پر تشریف لے جا کر ان کے متعلق تقریر فرماتے اور پھر ایک فزلکہ تحریر فرماتے اور پھر وہ جز و فوراً طبع کے لئے دے دیا جاتا۔ اس طرح چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر کی گئی اور ڈیڑھ سال میں اھدنا الصراط المستقیم تک پہنچے اور اس کے صرف چار سو نسخے اس غرض سے طبع کروائے گئے کہ دیگر علماء کی خدمت میں بھیجے جائیں تا کہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ سب نے پسند کیا اور سو اشرفیاں اسی وقت علامہ کو بطور انعام شاہی دی گئیں۔ بعض وزراء نے کہا کہ اس طرح تمام عمر میں بھی یہ تفسیر ختم نہ ہوگی۔ شاہ نے فرمایا کہ نہیں اگر اس طرح صرف ایک پارہ کی مکمل تفسیر ہو جائے تو سارا قرآن آ جائے گا۔ کیونکہ باقی خود بخود حل ہو جائے گا۔ شاہ کا یہ خیال درست تھا۔ کیونکہ ایک استعاذہ ہی کی تفسیر میں وہ کل آیات حل ہوگئی تھیں اور اس کی تفسیر کے ضمن میں آگئی تھیں جو اس لفظ کے متعلق قرآن میں ہیں اور عوذ کے مادے سے تعلق رکھتی ہیں یعنی چالیس آیات قرآنی اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم کی تفسیر کے ساتھ حل ہوگئی تھیں اور علی ہذا القیاس اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں اور سینکڑوں آیات قرآنی آ گئی تھیں۔ واقعی اگر اس طرح سے ایک پارہ کی بھی تفسیر ہو جاتی تو قرآن کی بہترین تفسیر ہو جاتی اور یہ تفسیر بہت سی تفاسیر سے بے پرواہ کر دیتی مگر افسوس کہ قدرت کو منظور نہ تھا۔ اسی سال شاہ مرزا محمد رضا بابی کے ہاتھ سے قتل کیا گیا۔ جبکہ وہ امین السلطان کے ساتھ شاہزادہ عبدالعظیم کی زیارت کو گیا تھا۔ واپس لاش ہی آئی اور یہ سب کچھ امین السلطان ہی کی شرارت تھی "و قضی الامر" اور شاہ کے انتقال کے بعد یہ محکمہ اور ادارہ ہی ٹوٹ گیا۔ مظفر الدین شاہ اس دماغ کا بادشاہ نہ تھا اور نہ امین السلطان نے خزانہ میں کچھ باقی چھوڑا تھا اور اس وجہ سے مظفر الدین شاہ ایران میں امین السلطان کا یا بو مشہور تھا۔

مظفر الدین شاہ جب سفر یورپ سے واپس آیا اور اس نے امین السلطان کے مشورے سے روس سے ساٹھ لاکھ منات (روس کا ایک طلائی سکہ مثل پونڈ) قرضہ کا معاہدہ کیا تو ملک کے خیر خواہ وزراء میں کھلبلی مچی۔ کیونکہ چالیس لاکھ منات پہلا قرض تھا۔ اب ایک کروڑ منات ہو جانا تھا اور ملک ایران کا ریونیو

اس وقت اس قدر تھا اور اس صورت سے گویا ایران ان دو قرضوں کے عوض مفت میں روس کے ہاتھ فروخت ہو رہا تھا۔ امین الدولہ اور اس کے ہم خیال وزراء اس کو سمجھتے تھے۔ علامہ نے اس امر میں خاص مدد کی اور اکثر علماء کو اس حقیقت اور ملک کی آنے والی تباہی اور بربادی سے آگاہ کیا اور اسی خاطر خاص عراق کا سفر کیا اور وہاں بھی اکثر علماء اعلام مثل اخوند مرحوم، ملا عبداللہ المازندرانی مرحوم و شیخ الشریعۃ اصفہانی مرحوم وغیرہم کو متفق الرائے کیا۔ سرکار صدر نیوٹرل رہے اور جناب سید طباطبائی مرحوم مخالف اور آخر وقت علماء کی طرف سے یہ اعلان شائع کر دیا گیا۔ یہ قرضہ ملی نہ سمجھا جائے گا۔ بلکہ شخصی اور ملک وملت ادائیگی کی ذمہ وار نہ ہوگی۔

اس وقت مجلس شوریٰ کی تحریک پھر تازہ ہوئی اور بعد اللتیا والتی ملت کو اس میں کامیابی ہوئی۔ جس وقت مظفر الدین شاہ نے اس کی منظوری دی ہے۔ سرکار علامہ ہندوستان پہنچ چکے تھے۔ کراچی میں مقیم تھے۔ حبل المتین نے اس اعلان کا حال لکھتے ہوئے یہ فقرہ لکھا تھا ''دستِ شاہ مے لرزید فلاں کس را بدمیگفت وامضاء می فرمود'' یہی تحریک اور اس کی تکمیل کا خیال آپ کے ایران سے باہر نکلنے کا باعث ہوا۔

ایران سے روانگی

جب یہ تحریک شدت پر تھی اور مظفر الدین شاہ نے در پردہ سختی شروع کی اور ایک دو عالم قتل کراوئے تو ان کو بعض مدبّروں نے یہ رائے دی کہ آپ یہاں سے باہر رہ کر بہت کچھ کام ملک وملت کے کر سکتے ہیں۔ یہاں اب آپ کو موقع کم ملے گا۔ یہ رائے ان کو بہت پسند آئی اور ملک وملت اور دین اسلام کی خاطر ترک وطن اختیار کیا۔ آخر شب میں **اذا قرات القران جعلنا بینک و بینھم حجابا مستورا** پڑھتے ہوئے نکلے۔ گھوڑا باہر شہر کے تیار تھا۔ آیہ مبارکہ کی برکت سے باوجود پہرے کے کسی نے نہ دیکھا۔ **فخرج منھا خائفا یترقب** اور یہاں سے ماسکو کے قصد سے سرحد روس کی طرف چلے اور اس غرض کے لئے یورپ کے ان اہم مقامات پر پہنچے جہاں ایران کے وہ سفرا اور زبردست تجار تھے۔ جن کے ہم خیال بنانے کی اور اس کام میں مدد لینے کی ضرورت تھی۔ ماسکو گئے۔ برلن گئے۔ پیرس گئے۔ اسکندریہ گئے۔ مصر گئے اور آخر میں سلطان عبدالحمید خان مرحوم سلطان روم کی خدمت میں قسطنطنیہ پہنچے اور اس وقت پانچ اور علماء عراق کی راہ سے آکر ان کے شریک ہوئے اور چھ زبردست علماء ایران کا وفد سلطان کی خدمت میں پیش ہوا۔ سلطان نے واجب احترام کیا اور ان کی تقریروں سے بہت خوش ہوا اور یہ لفظ کہے کہ کاش میرے ملک میں بھی ایسے علماء اور ایسے پاک اور مفید خیالات کے لوگ ہوتے اور وعدہ کیا کہ میں اس مقصد میں ضرور مدد دوں گا۔ وہاں سے

عراق واپس آئے۔ یہاں پر علماء سے ملاقاتیں ہوئیں ایک روز اخوند مرحوم کے درس میں جا بیٹھے۔ اجتہاد اور تقلید پر کئی ماہ سے اخوند مرحوم تقریر فرما رہے تھے مگر کوئی آیت ایسی ان کے پیش نظر نہ تھی جو وجوب تقلید میں بلا شبہ سند ہوتی۔ آپ نے اپنے ایک ہم پہلو سے کہا کہ "اگر اخوند یک نسخہ کتاب کفایہ خود بدہد من حالا یک آیت نشان مید ہم" وہ ہنسا آخوند نے سنا۔ پوچھا کیا ہے عرض کیا۔ یہ صاحب فرماتے ہیں کہ گر اخوند یک نسخہ کتاب کفایہ دیں۔ تو میں آیت ابھی بتلاتا ہوں۔ اخوند مسکرائے اور کہا۔ ایک کیا ساری ہی کتابیں فلاں شخص کا مال ہیں اور اس دوران میں حرم جناب امیرؑ اور جناب سید الشہداء علیہم السلام میں بہت سی علمی تقریریں علامہ مرحوم نے کیں۔ وہیں بعض مدبرین نے ان کو ہندوستان میں آنے کی رائے دی اور علامہ ہندوستان میں آئے۔ کراچی میں اترے اور اس طرح لطف خداوندی اور رحمت واسعہ کاملہ الہیہ ہماری خاطر اس وجودِ مقدّس کو ایران سے ہندوستان کھینچ لائی۔ "و ذلک فضل اللہ"

دوران سیر یورپ اور ترکی میں بھی اکثر جگہ علمی تقریریں کرنے کا اتفاق ہوا۔ برلن میں علوم شرقیہ کے کالج میں پہنچے وہاں ایک پروفیسر عربی زبان میں کتاب نہج البلاغہ پر لیکچر دے رہا تھا اور وہی اس کے ہاتھ میں تھی اور اس کا یہ بیان تھا کہ یہ کتاب نبوت نبیؐ عربی کی ایک ایسی زبردست دلیل ہے کہ جس کو کوئی ردّ نہیں کر سکتا اور کوئی دوسری دلیل نہ بھی ہو تو یہی کافی ہے۔ اس پروفیسر سے اور علامہ سے علمی گفتگو ہوئی پروفیسر اچھا ذی علم تھا محظوظ ہوا۔

مصر میں زیادہ قیام کیا اور دو مقام پر بضرورت دینی تقاریر کرنی پڑیں ایک "انجمن تحقیق مذاہب"، جس میں کل یوروپین ممبر و مقرر تھے جو کئی کئی زبانیں جانتے تھے اور اکثر عربی کے فاضل تھے اور یہ انجمن جملہ مذاہب عالم پر جرح اور تعدیل کرتی تھی۔ مگر در پردہ مقصد اس کا مذہب عیسیٰ کو ترجیح دینا تھا۔ علامہ اس میں پہنچے اور حقیقت اسلام پر وہ جامع و مانع عربی تقریر کی اور آیات مشکلہ توحید کو اس طرح حل کیا کہ سامعین عش عش کرنے لگے اور حیران رہ گئے اور متعجب ہو کر کہتے تھے کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی۔ اور جو معانی آیات کے آپ بیان کرتے ہیں۔ یہ تمہاری عام تفاسیر میں نہیں ہیں۔ ایک تقریر میں فلسفہ طبعیہ سے معاد جسمانی کا ثبوت دیا کہ سامعین مبہوت رہ گئے۔ تیسری تقریر حقوق انسانی پر کی۔ ان کا ایک لیکچرار یہ تقریر کر رہا تھا۔ کہ ایک انسان پر دوسرے انسان کے بحیثیت انسانیت دس حقوق ہیں۔ آپ نے ثابت کیا کہ نہیں چودہ حق ہیں۔ لیکچرار نے اس تقریر کی داد دی وہ سوسائٹی ان کی فریفتہ ہوگئی۔ بعض ممبروں نے بے تکلفی ہو جانے کے بعد کہا کہ اگر آپ ہمارے ممبر بن جائیں تو ہم ہزار اشرفی ماہوار آپ کو دیں گے۔ آپ

نے مزاحاً فرمایا کہ ہزار اشرفی لے کر بھی آپ کے مذہب کو باطل ہی ثابت کروں گا۔ کیونکہ وہ فی نفسہ باطل ہے۔ اس لئے آپ کو مجھ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

شیخ محمد عبدہ مفتی مصری سے ملاقات اور اکثر علمی صحبتیں رہیں۔ اسی زمانہ میں ایک زبردست پادری روزانہ جامع ازہر میں آتا تھا اور طلبا کے ساتھ بحث کیا کرتا تھا۔ علامہ کو خبر لگی فوراً پہنچے اور اس پادری کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ اس نے پھر جامع ازہر کا رُخ نہ کیا۔ طلبہ جامع ازہر نہایت درجہ خوش ہوئے اور مفتی مرحوم نے کہا اس کم بخت نے تنگ کر رکھا تھا۔ آپ نے اسلام پر بڑا احسان کیا۔

شیخ محمد عبدہؒ ہی کے کتب خانہ میں علامہ جلال الدین سیوطی کا وہ رسالہ دیکھا جو قاموس کے حاشیہ پر ہے اور اس کے خاص مقامات بھی۔ جامع ازہر ہی کے کتب خانہ میں مسعودی کی مشہور تاریخ اخبار الزمان ملاحظ فرمائی۔ جس کی فہرست ہی متعدد جلدوں میں ہے۔ نہایت گرانقدر کتاب ہے طبع نہیں ہوئی۔ قسطنطنیہ میں بھی اکثر جگہ تقاریر کیں۔ ایک جگہ مجلس عزا بھی پڑھی اور ہر جگہ اپنے علم کے آثار چھوڑے۔

ورود ہندوستان

علامہ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور ہندوستان میں ورود کا یہ بیسواں یا اکیسواں سال تھا اور تین چار سال یورپ، مصر، ترکی، عراق کے سفر میں گذرے۔ گویا چالیس سال کی عمر میں کامل ہو کر ملک ایران سے نکلے تھے اور دراصل چالیس سال کے بعد پختگی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی دراصل ہدایت و تبلیغ کا وقت تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قدرت نے اس وقت علامہ کو اس ملک میں پھینکا۔ جہاں نہ ان کی زبان سمجھنے والا اور نہ اہل ذوق وشوق اور نہ عوام ایسے ذی فہم جن پر علامہ اپنے جواہر علمی نثار کر سکیں۔ تقریباً دو سال تو بالکل خاموشی کے عالم میں کراچی ہی میں گذر گئے۔ سوائے اپنی عبادت اور اذکار کے اور کچھ مشغلہ نہ تھا۔ ایک مسافر کی شان سے رہتے تھے۔ ملازمین بھی ہمراہ اس وقت ایرانی ہی تھے۔ مومنین کراچی کو یہ علم بھی نہ تھا کہ اجنبی ایرانی علم و معارف کا مجسمہ ہے جو ہمارے شہر میں پھر رہا ہے اور جب اس کے جوہر کھلیں گے تو یہ آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکے گا۔ کراچی سے سندھ میں آئے۔ شکار پور وغیرہ میں رہے اور پھر وہاں سے پنجاب میں پہنچے اور اکثر مالیر کوٹلہ، پٹیالہ، لاہور میں قیام رہا۔ مگر اس خزانہ جواہر علمی کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔ طبیعت میں ملائیت نہ تھی اور نہ پرستش کی خواہش۔ اس لئے ایسے روٴساء کے مکان پر نہ گئے۔ جن کے ذریعہ سے فوراً شہرت ہوتی۔ مدت تک ایک عامل و عابد و زاہد کی صورت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ نہ کہیں وعظ تھا اور نہ تقریر رفتہ رفتہ لوگوں کو خصوصاً بعض اہل علم کے ملنے جلنے سے معلوم ہوا کہ یہ خاموش ایرانی اور مقدس صورت

یکتائے روزگار عالم دین ہے۔ غالباً سب سے پہلی مجلس میں پہلا وعظ پٹیالہ میں فرمایا اور یہاں جناب مولانا خلیفہ سید محمد کاظم مغفور و مرحوم اور جناب سید العلماء مولانا سید عنایت علی صاحب سامانوی مرحوم نے ان کے کمالات علمی محسوس و معلوم کر کے مومنین اور اہل علم سے تعارف کرانا شروع کیا۔ یہاں سے مالیر، کوٹلہ پہنچے اور نواب احسن علی خان مرحوم مغفور نے شیخ میں وہ جوہر پایا جس کے وہ طالب تھے اور پھر مرحوم نواب شیخ کے اور شیخ مرحوم نواب کے ہو رہے اور تقریباً ایک سال یا زائد کوٹلہ میں رہے۔

اس کے بعد اہل لاہور مطلع ہوئے اور اہل لاہور نے بلاشبہ ان کے علم کی قدر کی اور وہیں سے علامہ کے علم کے جوہر کھلے۔ مگر مخصوصین میں۔ انہی مخصوصین نے خواہش کی کہ پبلک وعظ ہوں۔ سخت مشکل تھی۔ ایک جید ایرانی عالم اور ان معارف اور سلسلہ وزارت اور ہیئت علمیہ میں رہا ہوا، علم کلام، فلسفہ، دقائق قرآن و اسرار فرقانی سے دل و دماغ پُر ایسے عالم کا کلام فارسی سمجھے تو کون؟ ترجمہ کیا جاتا تھا۔ مگر علامہ سخت پریشان تھے اور ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ خداوند کوئی صورت نکال تاکہ میں اپنے فرض کو ادا کروں اپنی تکلیف سے سبکدوش ہوں اور اپنے بار کو منزل تک پہنچاؤں۔ ان کے بعض خاص ہمنشین بیان کرتے ہیں کہ علامہ اس مقصد کے لئے روزانہ دعا مانگتے تھے اور حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوتے تھے۔ آخر کار دعا مقبول ہوئی۔ علامہ نے خواب دیکھا کہ سمندر ہے اور وہ اس کو عبور کرنا چاہتے ہیں مگر خائف ہیں کہ اس سمندر کو کس طرح عبور کروں دیکھا ایک نوجوان آیا آپ نے اسے بلایا اور وہ بھی سمندر میں داخل ہوا۔ علامہ نے اس کے اوپر ہاتھ رکھ لیا اور تیرنا شروع کیا اور اس کے سہارے سمندر عبور کر گئے۔ پنجاب میں ۱۹۰۶ء سے وعظ شروع ہو گئے تھے۔ جس کو آج اکتیس برس ہوئے۔ مگر یہ خواب ۱۹۰۸ء کا ہے۔

غرض کامل سولہ برس مرحوم نے پنجاب و سندھ میں دین اسلام و مذہب حق کی وہ خدمت کی کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں اور پنجاب کے عالم تشیع میں ایک عجیب انقلاب آیا۔ مردے چونکے، سوتے بیدار ہوئے، روحانیت چمکی، اور وہ لوگ جنہوں نے کبھی سوائے سندھی مصنوعی روایات مصائب کے اور کچھ سنا ہی نہ تھا، جواہر نکات علمی و معارف حصہ اسلامیہ سے مالا مال ہوئے۔

شیخ کا وجود بلاشبہ شیعیت کے مردہ جسم میں تازہ روح تھا، اس وجود سے شیعوں کو بڑی ڈھارس تھی، بڑا حوصلہ تھا، بڑی امید تھی، بڑا فخر تھا۔ اور اس وجود پر اہل بصیرت ناز کرتے تھے افسوس ہے کہ سیر ہونے سے پہلے اس کے فیض سے محروم ہو گئے۔ شیخ کے فیوض علمی سے اپنے اور پرائے سب مستفیض ہوئے اور اکثر نے حق کو قبول کیا۔

علاّمہ کی خصوصیات

یوں تو بحمد اللہ ہندوستان میں شیعوں میں اب بھی بہت سی ایسی ہستیاں ہیں جن پر قوم کو ناز ہے۔ عالم بھی ہیں، واعظ بھی ہیں، مدبر بھی ہیں اور مبصر بھی۔ مگر جس وقت علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ تو کہنا پڑتا ہے۔ "لیکن تو چیزے دیگری"۔

اول۔ علامہ کی زبان فارسی تھی اور وہ بھی عالمانہ وفلسفیانہ اور لاہور کے علاوہ دیگر مقامات پر مجمع اور مجلس میں صرف چند نفوس ہی ایسے ہوتے تھے جو کہ زبان فارسی سمجھتے ہوں۔ چہ جائیکہ مطالب علمیہ تک ان کی رسائی ہو۔ مگر جس وقت یہ بحر علم ومعرفت وفصاحت وبلاغت موجزن ہوتا تھا۔ تو مجمع مبہوت ومست نظر آتا تھا۔ کمال شوق سے علامہ کے کلام کو سنتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے اور یہ کمال فصاحت وبلاغت اور روحانیت خاصہ کا اثر تھا۔ وان من البیان السحراً بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ یہ سحر بیانی ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتی ہے ایسے ایسے دیہات پنجاب جہاں کے لوگ فارسی کیا اردو بھی نہیں سمجھتے۔ وہاں بھی علامہ کی فصاحت وبلاغت وروحانیت وہی اثر دکھاتی تھی۔ ساتھ ہی علامہ کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم میں کمال رکھتے تھے اور ایسوں کے لئے علمی مطالب ایسی احتیاط کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ جاہل ان سے مستفید ہوتے تھے۔ یہ علامہ کی خصوصیت تھی اور خاص تائید الٰہی۔

دوم۔ علامہ کی خدمت میں عالم بھی آتے تھے اور جاہل بھی، مسلمان بھی اور غیر مسلمان بھی، آریہ بھی، عیسائی بھی، سُنی بھی، مرزائی بھی، قدیم تعلیم یافتہ بھی اور جدید بھی، فلسفی بھی، اور سائنس دان بھی، اکونامکس دان بھی، مورخ بھی، ریاضی دان بھی اور ہیئت دان بھی۔ مگر ہم نے کبھی نہ دیکھا کہ شیخ کسی سوال کے جواب میں عاجز ہو اور جواب نہ دے اور سائل کو مغلوب ومجوب نہ کر دے اور سائل وسامع اثر لے کر نہ جائے۔ پھر سفر میں حضر میں رات دن میں، ریل میں پلیٹ فارم پر۔ تنہائی میں مجمع عام میں جہاں اور جس نے سوال کیا، اسی وقت اسی جگہ جواب تیار اور تقریر کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ سلسلہ برسوں محل بحث رہا ہے اور اس پر پہلے سے تیار ہوئے بیٹھے تھے۔ ایسا حاضر جواب متجر یہاں دیکھنے میں نہیں آیا۔ نیچری اور فلسفی۔ بلکہ یورپ کے تعلیم یافتہ انہیں سے تسلی پاتے تھے ان مطلق العنان تعلیم یافتہ حضرات نے علامہ کے علم کا لوہا مانا اور اسلام کی عظمت کا اقرار کیا جو معاذ اللہ علماء کرام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کسی کو نہ مانتے تھے۔

سر علی امام، حکیم اجمل خان صاحب مسیح الملک مرحوم۔ مسیح الملک الثانی حکیم محمد احمد خان مرحوم، ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال مرحوم۔ سر نواب ذوالفقار علی خان صاحب مرحوم، آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم، شیخ

اصغر علی کمشنر جیسے عالی دماغ، آزاد خیال، تعلیم یافتہ، پختہ مقرر اور باخبر و بابصیرت حضرات نے بھی علامہ سے فیض پایا ہے اور استفادہ کیا اور ان کے شجر علمی کو تسلیم کیا ہے۔

سوم۔ کمال معلومات اور وسعت بیان اور کمال ذہانت و روحانیت کا یہ حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ وعظ میں بیان کردی دوبارہ نہ آئی۔ اور ہم نے چودہ پندرہ سال میں کوئی وعظ بعینہ علامہ سے دوبارہ نہیں سُنا۔ اگرچہ بعض مواعظ کی تکرار کی خواہش بھی ہوئی۔

بغیر تہیہ بیان فرماتے اور منبر ہی پر سوچتے تھے اور ہر دفعہ مزید معلومات و معارف و حقائق بیان فرماتے تھے۔ یعنی آپ کے مواعظ نہ پیٹنٹ تھے اور نہ لکھے ہوئے اور رٹے ہوئے۔ قرآنی استنباطات ہی ہوتے تھے۔ جن کی تائید معصومین کے کلام میں موجود ہے، شیخ کی مجلس میں جملہ ذی علم بکری کی مثال ہوتے تھے اور شیخ مثل شیر ببر۔

۱۹۰۸ء کے آخر مئی اور اوائل جون میں خاص شہر جھنگ میں تین دن جلسہ وعظ ایک یادگار جلسہ تھا۔ جو خصوصیات خاصہ اور کثرت سامعین و حاضرین کے لحاظ سے ایک عجیب شان رکھتا تھا۔ ہندو و مسلم، سُنی، شیعہ، آریہ، عیسائی، ہر مذہب و ملت کے شائقین موجود تھے اور اکثر اڈیٹران اخبار بھی تھے۔

حقانیت اور صداقت اور حقیقت اسلام پر وعظ تھا اور میں نے خود تین مرتبہ یہ اعلان کیا تھا کہ جس کو حقانیت اسلام پر کوئی اعتراض ہو اس کو اجازت ہے کہ اپنا اعتراض پیش کرے خواہ کسی مذہب و ملت سے ہو۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ ہوں بھی کرے۔

تیسرے دن جناب فاضل علامہ حافظ احمد صاحب مرحوم ساکن جھنگ نے یہ فرمایا کہ آپ سے پہلے میں اپنے سے بہتر کسی کو عالم نہ جانتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ علم کیا چیز ہے اور عالم کسے کہتے ہیں اور چالیس سالہ شبہات رفع ہوئے۔ خدا بخشے حافظ موصوف خود اہل سنت میں ایک بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ مگر یہاں ان کو "فوق کل ذی علم علیم" کی حقیقت آشکار ہوئی۔ صاحب کمال ہی کمال کی قدر کرسکتا ہے۔ آپ صوفی خیالات کے تھے اور خاندان رسالت سے خاص انس رکھتے تھے اور طبیعت میں انصاف تھا۔ بلکہ آپ کا خاندان ہی اس خصوصیت سے ممتاز ہے۔ چنانچہ مرحوم کے بھائی مولوی عبدالرحمان صاحب مرحوم بھی بہت کچھ اس خصوصیت کو لئے ہوئے ہیں اور اہل بیت طاہرین سے دلی محبت رکھتے تھے اور ان کی موجودہ اولاد بھی۔ خدا توفیقات زیادہ کرے۔

ان مواعظ میں جو حقائق اسلام بیان کئے گئے تھے اور جس خوبی سے حقانیت اسلام بمقابل جمیع

مذاہب عالم دلائل و براہین سے بیان کی گئی تھی۔ آج تک پھر اس کے سننے کے کان مشتاق ہیں۔ مگر اس عرصہ دراز میں پھر کبھی وہ تمام مضامین ومطالب ودلائل بعینہا سننے میں نہ آئے۔ اگرچہ آیہ شریفہ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه و هو فی الا خرة من الخاسرین" پر جو جھنگ میں عنوان کی گئی تھی متعدد مرتبہ وعظ فرمائے۔ مگر ہر دفعہ رنگ نیا تھا۔ اسی واسطے بعض اہل بصیرت کا یہ اعتقاد تھا کہ موصوف کو حضرت عجل اللہ فرجہ سے خاص تعلق ہے اوران کی تائید غیبی شامل حال و الله علم بحقیقة الحال

مگر حضرات پنجاب بھی عجیب چیز ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوا جب کہ چند سال قبل بعض مومنین اہل جھنگ سے ان مواعظ اور ان مضامین ومطالب کا ذکر کیا تو انہوں نے نہ صرف یہ بتلا دیا کہ فلاں آیت پر وعظ ہوا تھا بلکہ بعض مطالب ومضامین وعظ بھی بتلائے۔ یہ ان کے شوق دینی۔ احساس اور کمال قوت حافظہ کی دلیل ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اہل جھنگ ان خواص مومنین سے ہیں جنہیں مرحوم سے ایک خاص روحانی تعلق اور انس ہے اور آج تک وہی خصوصیت رکھتے ہیں

علامہ مرحوم کی معجز بیانی اور دفتر البرہان کی محققانہ تصانیف کا یہ اثر ہے۔ جس نے اسی ضلع جھنگ میں دو زبردست فاضلوں فخر العلماء الاعلام، عدیم الامثال والاقران حافظ مولوی علی محمد خان سلمہ اللہ الرحمان، اور جناب حذاقت مآب فضیلت انتساب امیر کبیر حاجی مولوی حکیم امیر الدین صاحب مصنفین کتاب مستطاب فلک النجاۃ جیسی ہستیوں کو اس طرف کھینچ لیا ومن یرد الله ان یهدی یشرح صدره للاسلام اوران کے دائرہ ایمانی میں داخل وشامل ہونے سے ان کے علاقہ میں گویا ایک تبلیغی مشن قائم ہو گیا ہے اور سینکڑوں نفوس دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور انشاءاللہ ہوتے رہیں گے۔ خدا ان کی توفیقات زیادہ کرے۔

"دو دل یک شود بشکند کوه را"

اور یہ سب کچھ شیخ ودفتر البرہان کے آثار وجود سے ہے۔ نکتب ما قدموا و اثارهم و کل شی احصیناه فی امام مبین۔ یہ خبر اور بھی مومنین کے لئے مسرت خیز ہے کہ فخر الحکماء زین الفضلاء تاج العلماء العالم الربانی حکیم مولوی السید بدر الاسلام المدنی مدظلہ العالی نے بھی حقانیت مذہب حق کا اعلان کر دیا ہے۔ آپ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رسالہ "حسبنا کتاب الله" حصہ اول پر فریفتہ ہو کر حق کے شیدا بن گئے ہیں اور آپ تبلیغ حق اور اشاعت عزائے حسینؑ پر مٹے ہوئے ہیں۔ خدا کرے کہ صحیح ہو کیونکہ

ہمیں خود ان صاحب کے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ یہ تمام آثار ہیں تبلیغ حق کی اس مستحکم عمارت کے جس کا سنگ بنیاد قدرت نے صوبہ پنجاب میں سرکار علامہ مرحوم کے دست مبارک سے اب سے اکتیس سال قبل رکھا تھا۔ "**واللہ یفعل ما یشاء و ھو فعال لما یرید**"

"**اللھم اجعلنی ممن تنتصر لدینک من الاخیار و لا تستبدل بی غیری**" تبلیغ دین اس کا نام ہے نہ اخباری "پراپیگنڈا" کا۔ "**و ان فی ذالک لذکریٰ لاولی الالباب**"۔

چہارم۔ علامہ انتہا درجہ کے نظافت پسند اور طہارت کے پابند و عامل تھے۔ مگر آپ کی طہارت و نظافت کچھ ایسے اعلیٰ اصول پر تھی۔ کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتی تھی اور کسی کو آپ کی یہ انتہائی پابندی طہارت گراں نہ گذرتی تھی۔ آپ کا لباس ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی تازہ تیار ہو کر آیا ہے اکثر پہنے ہوئے کپڑے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا ابھی پہنے ہی نہیں گئے ہیں۔ ایسی ہی نظافت اکل وشرب میں بھی تھی۔ نہایت خوش خوراک، خوش لباس تھے اور عام لوگوں میں پھول کی طرح سے رہتے تھے، ان کی طہارت کٹ ملاؤں کی طرح رسمی اور خود ساختہ نہ تھی بلکہ حقیقی اصول مسلمہ شریعت غرائے محمدی پر مبنی تھی۔

پنجم۔ اوراد و اذکار کے نہایت درجہ عامل تھے اور ان میں کچھ ایسا اثر ہوتا تھا کہ اگر کبھی کسی کو سننے کا اتفاق ہو جاتا تھا تو سُن کر ہی دل میں نورانیت بڑھ جاتی تھی اور روحانیت کی لہر دوڑ جاتی تھی خصوصاً آخر روز جمعہ کی دعائیں اور تہجد کے وقت کی مناجاتیں سامعین کا دل ہلا دیتی تھیں۔ مرحوم علامہ شب کو ہمیشہ تقریباً تین چار بجے اٹھنے اور ادعیہ کے علاوہ اس وقت قرآن شریف کی تلاوت کے عادی تھے اور اس بات میں شیخ بہت کچھ خصوصیات رکھتے تھے جس کا ذکر بھی اس مادہ پرست والفاظ پرست مناسب نہیں۔

دراصل یہی عمل علامہ کا اور یہی عادت ریاضت ان کی کمال روحانیت و نورانیت قلب و انشراح صدر کا وسیلہ تھی۔ اس عمل ریاضت کی وجہ سے علامہ کو یہ شجر عملی حاصل تھا اور کمال ملکہ استنباط و استخراج مسائل و احکام و تحقیق تحصیل حقائق و معارف و وقت نظر و عمق عملی خصوصاً علم قرآن میں اس کا نتیجہ تھے اور شیخ کا نفس مزکی و مصفاّ اور مرتاض تھا۔ رحمہ اللہ

ششم۔ اس ریاضت نفس و عبادت پر شیخ کا یہ حال تھا کہ شیخ اس زمانہ کے اصطاحی ملانہ تھے یا یوں کہئے کہ ملاّ منش نہ تھے یا یوں سمجھئے کہ زاہد خشک نہ تھے، نہایت خوش خلق و خوش مزاج، خوش صحبت، شاہ مزاج، شاہ دماغ تھے اور پھر شاہ پرست نہ تھے اور شاہ پرست نہ ہونے ہی نے انہیں یورپ و ہندوستان کی سیر کرائی۔ جس کو وہ کبھی پسند نہ کرتے تھے **ولکن اللہ یفعل مایشاء** مدبر تھے، سیاست دان تھے

۔وزیروں میں وزیر تھے اور مدبروں میں مدبر اور امیروں میں امیر اور غریبوں میں فقیر

علم سیاست مدن میں ایسی دستگاہ حاصل تھی اور ایسی سوچتے تھے کہ بڑے بڑے مدبر حیران ہو جاتے تھے اور اکثر امور فہمہ میں شیخ سے مشورہ لیتے تھے۔علوم شرعیہ وغیر شرعیہ اسلامیہ کے علاوہ علوم مروجہ حالیہ میں اثر میں کافی دستگاہ تھی اور بہت سے عجائبات زمانہ سے واقف تھے اور اخبار بینی بھی ایسی تھی کہ روئے زمین کی شاید ہی کوئی خبر ایسی ہو جس کا شیخ کو علم نہ ہو یا شیخ کسی دن اخبار نہ دیکھیں۔

ہفتم۔شیخ اعلیٰ درجہ کے سوار تھے،اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز تھے اور اعلیٰ درجہ کے شکاری۔ ہمیشہ پستول ، بندوق ساتھ رکھتے تھے۔اور اس طرح اعلیٰ درجہ کے تیراک اور یہ سب باتیں ہماری چشم دید ہیں گویا **السبق و الرمایه** والی حدیث کے بھی عامل تھے اور عملاً آیہ مجیدہ **اعدولهم ما استطعتم** کی تعلیم دیتے تھے او علمائے دین میں سے شیخ جس خصوصیت سے متصف تھے کم متصف پائے جاتے ہیں۔

ہشتم۔علوم غریبہ جن کی تعلیم مفقود ہے۔شیخ ان میں سے اکثر میں بہت کافی دستگاہ رکھتے تھے۔مثلاً نجوم ، جفر وغیرہ اور ان علوم میں بھی علامہ کی معلومات ، احادیث وفرمائشات معصومین ہی سے ماخوذ تھیں۔بلکہ اکثر و بیشتر کتاب اللہ سے مستنبط تھیں۔

آخر الذکر کے بعض عربی رسائل پر علامہ نے حواشی بھی لکھے تھے۔مگر افسوس ہے کہ علامہ کی کتاب ومسودات میں وہ نہیں نکلے۔

نہم۔علامہ کی شہامت نفس ،علو ہمت اور بلند خیالی و بلند نظری کا یہ حال تھا کہ چوبیس سال گویا جلاوطنی اور غربت میں گذارے مگر کبھی ہمارے سامنے ان تکالیف کا ذکر نہیں کیا۔اپنی مصائب کا تذکرہ مخلوق کے سامنے زبان پر نہیں لائے۔دوستوں عزیزوں اہل وعیال اور اپنی جاگیرات سے جدا ہوئے۔چوبیس سال تنہا گذارے۔مگر کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ میرے بچے مجھے یاد آتے ہیں،کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ مجھے خرچ کی تکلیف ہے۔جب آپ کا تینتیس ہزار روپیہ جوار باب جمشید کے بنک میں تہران میں جمع تھا خرچ ہو گیا اور ایران کے دوست واحباب سے بھی منگانا چھوڑ دیا یہاں کے خاص ومخلص دوستوں نے ان کی مدد کی۔مگر شیخ نے مثل عام لوگوں کے اپنی ضرورت کا اظہار نہ کیا اور یہ شیخ ہی کا نفس تھا۔

دہم۔ہندوستان میں آکر شیخ کی ذات کو روحانی آلام بھی پہنچے جس سے کل باخبر واقف ہیں اور اخبار شاہد۔ایک عالم دین جس نے تمام عمر خاص خدمت دین میں صرف کی ہو جو اسلام و مذہب حق کا سچا خیر خواہ وحامی ہو۔اس کو ان امور سے سابقہ پڑے اور وہ باتیں سنی پڑیں جو کسی شریف کے لئے زیبا نہیں ہو

سکتی اور کوئی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ مگر ان کو بھی بہت کم محسوس کرتے تھے۔ بڑا صدمہ تھا۔ مگر ہم سے کبھی اس طرح اظہار نہ کیا کہ مجھے ان کا صدمہ ہے اور یہ لوگ میرے ساتھ کیا کررہے ہیں اور خون کا سا گھونٹ پی کررہ گئے اور صبر کیا۔ ہاں دینی رخنہ اندازی میں بہت غصہ آتا تھا اور اس معاملہ میں سخت تھے۔ **لاتاخذہ لوعتہ لائم فی دین اللہ** اس حالت میں بھی جب کہ قوم کی طرف سے ان کے ساتھ یہ سلوک ہوتا رہا حتی الامکان خدمت دین سے غافل نہ رہے۔ ہائے ہائے! یہی وہ باتیں ہیں جن کو اہل دل اور اہل درد ہمیشہ یاد کریں گے۔ شیخ انہیں نہ بھولے گا۔ دنیا بہت کچھ رنگ بدلے گی۔ بہت پلٹے کھائے گی۔ بہت نفوس پیدا کرے گی۔ مگر شیخ کی یاد مومنین منصفین سے فراموش نہ ہوسکے گی۔

''خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں''

حیف صد حیف کہ وہ اعلم دوراں نہ رہا — منبع علم و ہنر معدن عرفاں نہ رہا
اس کی ہر بات میں صد نکتہ علمی تھے نہاں — کاشف سرِ خفی عارف سبحاں نہ رہا
اس سے پاتے تھے شرف علم وفنون واخلاق — مصدر علم و عمل عالم قرآن نہ رہا
جو چہکتا تھا صدا گلشن توحید تو آہ — آج وہ بلبل خوش لہجہ و الحاں نہ رہا
متجر، متکلم، متفقہ، عارف — عابدو زندہ دل و قاری قرآن نہ رہا
فیض سے اس کے ہوئیں علم کی نہریں جاری — آہ پنجاب میں وہ شیخ خوش ایمان نہ رہا
شیخ سے عالم دیں نے کیا قصد جنت — اب کوئی ہند میں علامہ تہراں نہ رہا
ڈوبا پنجاب میں تہراں کا وہ ''اختر علم'' — افق دین پہ اب نیر تاباں نہ رہا

نوٹ:۔ چھٹے اور ساتویں شعر کا مصرع اول، مادۂ تاریخ بھی ہے اور آٹھویں میں ''اختر علم''

تالیف وتصنیف

اس عنوان کو ذکر کرتے ہوئے ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس باب میں اتنی کمی ہے کہ کچھ لکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ دوسرے مرحوم ومغفور کا اس باب میں جو کچھ خیال تھا افسوس ہے کہ وہ پورا نہ ہوا اور اجل نے مہلت نہ دی کہ وہ ہندوستان میں کوئی خاص ایسی تصنیف چھوڑ جائیں جو یادگار رہے۔ **وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ۔**

علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تصانیف کا کم ہونا چند وجوہ سے ہے

اول۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ لکھنے میں زیادہ جری نہ تھے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں وہ بہت ہی کم لکھ سکتے تھے۔ کیونکہ بفضلہٖ تعالیٰ علم اتنا وسیع تھا کہ جس وقت کچھ لکھنے کا قصد فرماتے تھے تو مضامین اس طرح چاروں طرف سے فوج فوج آتے تھے کہ علامہ ان کا انتظام نہ کرسکتے تھے یعنی چاہتے یہ تھے کہ ہر مضمون نہایت اعلیٰ درجہ کا ہو اور بالا کلیہ یہ ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ کوئی ماله و ما علیه باقی نہ رہ جائے۔ کوئی شبہ ایسا نہ ہو جس کا جواب نہ آ جائے۔ کوئی اعتراض ایسا نہ ہو جس کا رد نہ ہو جائے۔ میرا تجربہ بھی ہے اور عقیدہ بھی یہی ہے کہ ایسا شخص اور ایسے خیال کا مصنف بہت کم لکھ سکتا ہے اور اگر کچھ لکھے بھی تو اس کی طبع کی نوبت نہ آسکے گی۔ اگر چھاپنے کا قصد کرے گا تو اس پر نظر ثانی نہ کرسکے گا۔ کیونکہ نظر ثانی میں ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ مضامین اور آ جائیں گے کچھ شبہات کا جواب اور سوچے گا اور یہ بات علامہ میں ضرور تھی خواہ اس کو نقص کہا جائے یا کمال علمی کا نتیجہ۔

دوم۔ چونکہ شاہی مزاج رکھتے تھے۔ محنت کم برداشت کرسکتے تھے اور اس ملک کی گرمی کی بھی برداشت نہ لا سکتے تھے۔ کیونکہ ان کو اکثر سرد یا معتدل مقامات ہی میں رہنے کا اتفاق ہوا اور ہمیشہ امیرانہ شان سے رہے وہ ایسی حالت میں تصنیف کرسکتے تھے کہ ہر قسم کا سامان تصنیف موجود ہو اعلیٰ درجہ مکان ہو اور ایسے مقامات پر جہاں موسم تقریباً معتدل رہے اور ہر طرح کی بے فکری ہو۔ اہل علم کا مجمع ہو منشی اور نساخ موجود ہوں اور یہ میری وہ رائے ہے جو میں اب سے چند سال پیشتر قائم کر چکا تھا۔ چنانچہ اسی کی تصدیق تصنیف تفسیر کے واقعہ اور شاہ ناصر الدین شاہ کے ''ادارۃ التالیف'' قائم کرنے سے ہوتی ہے کہ یہ سامان تھا تو علامہ کچھ کر سکے وہ صورت اگر باقی رہتی تو بیشک علامہ کی تصانیف بہت ہوتیں اور لاجواب ہوتیں اور اگر صرف وہی ایک تفسیر مکمل ہو جاتی تو بھی ہزار تصنیفوں سے بہتر ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ زمانہ نے مہلت نہ دی اور فلک کج رفتار شیعہ قوم کی یہ زبردست کامیابی نہ دیکھ سکا۔

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''

سوم۔ یہ بھی مسلم ہے کہ علامہ نے امیرانہ زندگی بسر کی مگر انصاف یہ ہے کہ جو اطمینان کہ چاہیے مرحوم کو حاصل نہ ہوا۔ خصوصاً ان کے اپنے نقطہ خیال سے اور جس حال میں انہوں نے تیئیس چوبیس سال گذارے ہیں کہ آج کہیں اور کل کہیں۔ آج اس شہر میں اور کل اس گاؤں میں۔ آج کچھ پروگرام اور کل کچھ۔ قیام کہیں۔ مرکز کہیں، آپ کہیں اور کتب کہیں۔ ایسی صورت میں ناممکن تھا کہ علامہ جیسا شخص اپنے منشاء کے موافق کوئی چیز لکھ سکے اور مجھے علم ہے کہ وہ اس کو محسوس کرتے تھے بلکہ بعض اوقات متاسف بھی ہو

جاتے تھے اور انہیں واقعات کو دیکھتے ہوئے اور علامہ کے مزاج کو پہچانتے اور ان کی مجبوریوں کو جانتے ہوئے اکثر مخلصین کا یہ خیال تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ علامہ اس کام کے ہیں کہ چند اہل علم ہر وقت ان کے ساتھ رہیں اور جو کچھ یہ کہیں وہ لکھ لیا کریں۔ مجھے بھی اس سے اتفاق تھا اور واقعاً علامہ سے لینے کی بہترین صورت یہی تھی۔ ذرا چھیڑ دو اور جواہرات علمیہ سے جیب و دامن بھر لو۔ بس یہی سب سے بہتر صورت ان سے کچھ حاصل کرنے اور ان کے علوم و معلومات کے محفوظ رکھنے کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اہل علم کو یہ موقعہ بہت کم ملا۔ کوئی شخص جس کو شوق ہوا ایسا فارغ البال نہ تھا جو ہمیشہ علامہ کی خدمت میں رہتا۔ اگرچہ بعض اہل علم نے اس امر کو علامہ کے ابتداء زمانہ ورود پنجاب ہی میں سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ سُنا ہے کہ شروع ہی ملاقات میں جناب مولانا عنایت علی صاحب سامانوی اعلیٰ اللہ مقامہ نے جناب مولوی سید محسن علی شاہ صاحب مرحوم سے فرمایا تھا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جب اس کے پاس بیٹھو کاغذ، قلم، دوات لے کر بیٹھو اور جو یہ کہے لکھتے جاؤ۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خذو العلم من افواہ العلمائع لماء کی زبان سے علوم حاصل کرو۔

تفسیر مذکور کے علاوہ ایک رسالہ مسئلہ قضا و قدر پر ایک تجسم اعمال پر اور ایک ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفہ طبیعیہ پر علامہ نے لکھا تھا اور یہ سب رسالہ مطبوعہ ہیں مگر ان کا کوئی نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ ایک آدھ دفعہ ایران لکھا بھی مگر کوئی جواب نہیں آیا اب ہم اس کی نسبت مزید سعی سے کام لیں گے۔ شاید کامیاب ہو جائیں۔

مسودہ امامت

یہاں علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی تصنیفات میں سے ایک مسودہ تھا اور جس کے اکثر مباحث و مطالب امامت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کچھ نوٹ اور اشارات تھے جو وقتاً فوقتاً مرحوم لکھتے رہتے تھے اور چند سال سے برابر مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اس سال کوئٹہ جا کر ان مسوادت کو ضرور مرتب کر دوں گا۔ مگر قدرت نے ان کی ترتیب کا موقع نہ دیا اور علامہ اس کی حسرت دل ہی میں لے گئے اور نہایت افسوس ہے کہ مسودات و کتب کی تلاش کی وہ مسودہ بھی اب نہ نکلا جس کو خود میں نے قبل ازیں دیکھا تھا اور ساتھ ہی آپ کے خاص اوراد و وظائف و اعمال کا مجموعہ بھی مفقود ہو گیا۔ ان دونوں چیزوں کے گم ہونے کا مجھے سخت صدمہ ہے۔ اکثر احباب سے دریافت کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا اور بعض حضرات نے کچھ جواب بھی نہ دیا۔ ”وقا جف القلم بما ھو کائن“۔

علامہ کے خاص قلم کا لکھا ہوا ایک مضمون جو عربی میں ہے اور آیہ مجیدہ انا کل شیی خلقناہ بقدر کی تفسیر پر ایک سنی المذہب افغانی عالم کے سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے اب سے چند سال پیشتر "البرہان" میں بجنسہ و بلفظہ شائع ہو چکا ہے۔ مضمون مختصر ہے مگر اہل علم کے دیکھنے کے قابل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اس کو کہتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں۔ یہ چند صفحے اہل بصیرت کے نزدیک فی الحقیقۃ ابواب علم ہیں۔ اس طرح اور بھی چند مضمون علمی بعض مومنین کو لکھ کر دئے ہیں جو قابل دید ہیں اور نہایت مفید رسائل مثلاً سورہ کہف کی ان آیتوں کی تفسیر لکھ کر بعض احباب کو عنایت فرمائی ہے جس میں حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ ہے اور ان آیات سے مسائل قضا وقدر اور بندے کے فاعل مختار ہونے کے اہم مباحث کو ایک عجیب و غریب اسلوب حل کیا ہے اور اعلیٰ ترین نکات بیان فرمائے ہیں۔ کشمیر میں ایک تحصیلدار صاحب کو ہدایت وہادی اور اقسام ہدایات کے بیان میں ایک نہایت مفید مضمون لکھ کر عنایت فرمایا تھا اور ان دونوں کا خود مجھ سے ذکر کیا تھا۔ وعلی ھذ القیاس بعض دیگر مومنین کو وقتاً فوقتاً مفید مضامین دئے ہیں۔ اگر یہ حضرات یہ مضامین عنایت کر دیتے تو یہ علیحدہ صورت میں بھی شائع ہو سکتے تھے۔ نیز اس موجودہ مسودہ میں البتہ وہ عربی مضمون ناظرین اس کتاب کے حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اہل علم اور اہل بصیرت کے نزدیک علامہ کی وقعت اور عظمت

یہ سب کچھ ہے مگر علامہ سے جس کی امید ہم لوگ رکھتے تھے اور جو کچھ ہمارے نفوس چاہتے تھے اور جو علامہ کی طرف سے ہونا چاہیے تھا اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ علم و معرفت کی ایک بجلی پنجاب پر چمکی اور غائب ہوگئی۔ ایک پھول تھا جو کھلا مہکا اور فوراً مرجھا گیا۔ بیس سال کا عرصہ اس اعتبار سے ایسا گذر گیا کہ گویا بیس دن۔

علامہ نے یہاں علمی بوٹے لگائے مگر ان کو پروان نہ چڑھا سکے۔ علامہ نے ہندوستان میں اور بالخصوص سندھ و پنجاب میں شجرہ اسلام کو زندہ کیا مگر اس کو کامل شاداب نہ دیکھ سکے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ان کو خود اس کا افسوس رہا اور مرتے وقت اگر علامہ کے دل میں کوئی حسرت تھی تو یہی کہ اسلام پھر مضمحل ہو جائے گا بلکہ جب زندگی سے مایوس ہو گئے تھے تو فرماتے تھے کہ افسوس ہے کہ میں نے بڑی محنت سے اسلام کو زندہ اور تازہ کیا تھا وہ پھر اسی حالت پر آ جائے گا اور پھر مضمحل ہو جائے گا اور جو روح اسلامی میں

نے پھونکی ہے وہ باقی نہ رہے گی چنانچہ اپنی اور وصایا کے بعد میرا سینہ کھلوا کر دیر تک سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے دعائیں پڑھتے رہے اور بعد ازاں فرمایا کہ "ملازمت را ترک کنید و خدمت دین را پیش گیرید تا محنت بندہ برباد نردد و ضائع نہ شود" اور یہ بالکل سچ ہے اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہر طرف سے اہل علم کا سایہ مومنین کے سر سے اٹھتا جاتا ہے۔ یہ نعمتیں پھر کہاں حاصل ہوں گی۔ اگر ہماری ناشکر گذاری نہ ہوتی تو ہرگز ابھی یہ نعماتِ الٰہی ہم سے سلب نہ ہوتیں۔ بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم الایۃ برسوں کے بعد یہ دولت ہاتھ آئی تھی۔ جو بہت جلد ہم نے ضائع کر دی۔ جناب مولانا حالی مرحوم کا یہی قول بالکل صحیح ہے کہ دو سو سال کے عرصہ میں ہندوستان میں ایسا جید عالم نہیں آیا۔ عالی جناب حذاقت مآب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب زید مجدہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا۔ پہلا ہی وعظ دہلی میں علامہ کا سن کر حکیم صاحب نے فرمایا تھا۔ جس کو ہم نے خود سنا تھا "ما سمعت قط" میں نے ایسا وعظ کبھی نہیں سنا اور اب بھی زمانہ مرض میں حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں نے عراق بھی دیکھا ہے اور شام بھی، مصر بھی اور یورپ بھی اور ہندوستان میں اکثر علماء کو دیکھا اور سنا ہے۔ خصوصاً ان چند سال کے عرصہ میں، میں نے اس پایہ کا عالم نہیں دیکھا۔ جناب مولانا مولوی سید محسن علی شاہ صاحب مرحوم فرمایا کرتے ہیں کہ جناب مولانا سید عنایت علی صاحب اعلی اللہ مقامہ جیسے متکلم لاثانی و فاضل اجل فرماتے تھے کہ تیس تیس سال کے بعض شبہات شیخ ہی نے حل کئے ہیں اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ گو شیخ کی تصانیف بہت کم ہیں۔ مگر شیخ کے آثار علمیہ مفقود نہ ہوں گے۔ دیر تک رہیں گے۔ کتنی ہی روحیں ہیں جو زندہ ہوئی ہیں جن میں شیخ کے علم کی شعاعیں چمکی ہیں اور وہ بہت مدت تک روشن رہیں گی۔ اگر ہم اس کی تفصیل لکھیں کہ کن کن باسواد حضرات نے شیخ سے فیض پایا۔ جن سے شیخ کا نام روشن رہے گا۔ تو بہت طول ہوگا اور ایک مستقل مضمون بن جائے گا۔ مثال کے طور پر ہم بعض عالموں کا ذکر کر چکے ہیں اور بعض سے خود ناظرین واقف ہیں۔

بہر حال گو ایسے اہل علم بھی ہیں اور بہت ہیں جنہوں نے علامہ کے خرمن علم سے بہت خوشہ چینی کی ہے۔ مگر علامہ کے اس احسان و انعام کا کبھی اظہار نہیں فرماتے ہیں تا کہ وہ نکاتِ علمی جو ان کی زبان سے ادا ہوں ان کی اپنی طبیعت کا نتیجہ سمجھے جائیں۔ جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن تاہم ایسے نفوس بھی ہیں جو علامہ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتے اور وہ اس کے نام کو انشاء اللہ دیر تک زندہ رکھیں گے اور ان کی روحیں ہمیشہ شیخ کی شکر گذار رہیں گی۔ وہ شیخ اور شیخ کے کمالات کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے اور ان کی آنکھیں ہمیشہ شیخ کی مفارقت میں آنسو بہائیں گی۔ مخلصین ہمیشہ علامہ کا مرثیہ پڑھیں گے۔ عارفین ہمیشہ شیخ کی روحانیت کو یاد کریں گے۔

علامہ کی اولاد

شاید ہمارے اس بیان سے بعض حضرات کو یہ شبہ گذرا ہو کہ علامہ کے نام لیوا اور اس کے آثار وجود بس یہی اہل ہند ہیں یا اہل پنجاب۔ علامہ کے دو صاحبزادے تھے۔ جن میں سے بڑے نے شیخ کے دس ماہ بعد انتقال فرمایا۔ چھوٹے صاحبزادے تہران میں ہیں اور عالم و فاضل فائز بدرجہ اجتہاد ہیں گو ہمیں یہ علم نہیں کہ وہ علامہ کی خصوصیات کے زیور سے کہاں تک آراستہ ہیں لیکن الولد سر لابیه کی حقیقت کچھ نہ کچھ تو ضرور ایسے فاضل میں صادق آتی ہوگی۔ خدا کرے کہ ان سے ملاقات ہو اور ان میں شیخ کے آثار دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ان کی صرف ایک تحریر حکومت ہند کی وساطت سے درباب دریافت حال مرحوم و وصیت نامہ 1923ء میں وصول ہوئی تھی۔ پھر کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔

دوسرے صاحبزادے مشہد مقدس تھے اور وہاں کی جائیداد موقوفہ اور غیر موقوفہ کا انتظام انہیں سے متعلق تھا۔ یعنی شیخ نصر اللہ مرحوم مغفور 1340 ہجری میں وہ یہاں تشریف لائے تھے اور چند ماہ باپ کے سایہ عاطفت میں بسر کر کے مشہد ہی واپس چلے گئے تھے۔ بعد وفات شیخ انہی کو تار دئے گئے وہ تشریف لائے اور علامہ کا جملہ سامان و اسباب حسب وصیت مرحوم انہی کو سپرد کیا گیا۔ یہ صاحبزادے صورت اور شکل میں بعینہ علامہ تھے۔ مگر علم و فضل میں جُدا یعنی فاضل نہیں تھے معمولی اہل علم تھے۔

علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی وصیت سے یہ معلوم ہوا کہ مرحوم کی ایک ہمشیرہ بھی بقید حیات ہیں۔ مگر اس خبر سے اس لئے افسوس ہوا کہ خدا جانے اس بیچاری پر کیا گذری ہوگی۔ جبکہ اُس نے سُنا ہوگا کہ بھائی نے غربت میں وفات پائی۔ گو میرے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنا سامان اور اسباب اپنے فرزند ارجمند کو دیئے جانے کی وصیت کی اور کتب خانہ میں جو تقریباً ایک سو کتب تھیں وہ کل احقر کو دیئے جانے کی لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ تو سو کتابیں ہیں۔ شیخ کے سینے میں جو کچھ تھا اور جو فیض ہمیں وہاں سے پہنچتا تھا۔ اس کی تلافی دس ہزار کتب کا ذخیرہ بھی نہیں کر سکتا "لیس العلم فی السماء فینزل علیکم و لا فی تخوم الارض فینبت لکم بل ھو مجبول فی قلوب العارفین" تادبوا بآداب الروحانیین یظھر علیکم شیخ وہ وجود تھا جس نے اپنی ریاضات نفسانیہ کے ذریعہ حقیقی عارفین کے فیض باطنی سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ نہ صرف الفاظ کے قالب سے پھر کتابیں اس کی کیا تلافی کر سکتی ہیں۔ جب کہ بہت سی مفید اور نادر کتب جو مرحوم کے پاس تھیں ضائع ہو چکی تھیں۔ اور ان کا کوئی پتہ نہیں۔ کہاں گئیں اور کس کے پاس ہیں۔ مگر جب شیخ ہی ہم سے چھن گئے۔ تو کتب کہیں

جائیں۔ ان کا مجھے افسوس نہیں۔ کتابیں بہت ہیں اور بہت ملیں گی۔ مگر شیخ جیسا روحانی مربی اب میسر نہ آئے گا۔

شیخ نصر اللہ مرحوم ماہ ذی الحجہ ۱۴ھ ہجری میں مشہد سے لاہور تشریف لائے سامان مرحوم ان کے سپرد کیا گیا اور وہ از راہ کوئٹہ بلوچستان ماہ عزا ۴۲ھ میں واپس وطن مالوف کی طرف عازم ہوئے۔ مگر افسوس صد افسوس نہ معلوم کس بری گھڑی گھر سے چلے تھے۔ کہ زندہ وطن واپس نہ پہنچے۔ سیستان میں زہر سے شہید کئے گئے اور شیخ مرحوم کی زندہ تصویر خاک میں مل گئی۔ مگر تفصیل اس حادثہ جانکاہ کی صحیح طور پر معلوم نہ کر سکے کس طرح اور کیوں واقع ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ اسد اللہ پسر نصر اللہ مرحوم بنیرہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ سامان ملازم نے گھر پہنچا دیا اور اب یہی بچہ مرحوم کی یادگار ہے۔

صبح کو طائران خوش الحان پڑھتے ہیں کل من علیھا فان

وفات حسرت آیات

کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذی الجلال و الاکرمہ

سرکار شریعتمدار شیخ الاسلام شیخ عبد العلی اعلی اللہ مقامہ فی اعلیٰ علّیین نے 9 دسمبر 1922ء مطابق 17 ربیع الثانی 1341 ہجری (شبشنبہ) اس عالم فنا سے عالم بقا کو رحلت فرمائی "وانا للہ وانا الیہ راجعون"

یہ دن عجب قیامت خیز تھا۔ دنیا تیرہ و تار اور عالم مومنین کی آنکھوں میں سیاہ تھا۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔ دل خود بخود بیٹھے جاتے تھے۔ طبیعتیں بے چین تھیں۔ غم و الم کا ہجوم تھا اور شہر لاہور میں ہر طرف پریشانی کے آثار ہویدا تھے۔ اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ ماہ عزا تھا۔ مگر مومنین کے گھر عزا خانے بنے ہوئے تھے۔ ہر طرف سیلاب غم و الم اُمڈ رہا تھا۔ کیوں؟ کس لئے؟ اس لئے کہ "آفتاب معارف غروب ہو گیا۔ اختر علم" ڈوب گیا۔ نیز روحانیت نظروں سے غائب ہو گیا۔ چشمہ ہدایت خشک ہو گیا۔ علم و عمل کا بحر مواج پایاب۔ وہ بلبل ہزار داستان و خوش الحان خاموش ہو گیا۔ جو ہمیشہ گلشن توحید میں چہکتا تھا۔ وہ قمری خوش لہجہ چپ ہے۔ جو ہمیشہ عرفان کا نغمہ سناتی تھی۔ وہ حکیم اسلامی جو اپنے دلائل و براہین سے قلوب مومنین کو روشن کرتا تھا ایک تاریک کوٹھڑی میں سو رہا ہے۔ جہاں صرف اس کے نور ایمان کی شمع روشن ہے۔ اس فلسفی متکلم کا ماتم برپا ہے۔ جو ہزاروں کے مجمع میں بڑے بڑے ملحدوں اور دہریوں کے سر اپنے دلائل قاطعہ کے آگے خم کرا دیتا تھا۔ جو ہر ایک سوال کے جواب کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جس کی ذہانت اور ذکاوت اس کو سوچنے کی تکلیف نہ دیتی تھی۔ جس کی روحانیت اس کو الفاظ کے خول میں مقید رہنے سے باز

رکھتی تھی۔ جس کی عمیق نظر ہمیشہ کلام کے مغز تک پہنچتی تھی۔ جس کی زبان سے فصاحت اور بلاغت کے دریا بہتے تھے اور جس کی مناجات رات کے وقت سُننے والوں کے دل ہلا دیتی تھی اور ہر ایک دل میں معرفت اور روحانیت کی ایک لہر دوڑا دیتی تھی۔ جس کے فضل وکمال کا ہر طرف شہرہ تھا۔ جس کے تبحر علمی کے اپنے پرائے یگانے بیگانے موافق ومخالف سب قائل تھے جس کو نہ صرف شیعہ بلکہ عام مسلمان ایک عالم عدیم المثال جانتے تھے۔ جس کے کمال علمی کا لوہا غیر مسلم بھی مانتے تھے۔ جس کی ذات ستودہ صفات کے لئے لفظ علامہ زینت نہ تھا بلکہ اس کی ذات سے اس لفظ کی عزت تھی جو مادر زاد مجتہد اور امی علامہ نہ تھا۔ اس نے مدتوں ریاض کیا تھا۔ صحراؤں کی خاک چھانی تھی۔ ہولناک خرابات کے مناظر دیکھے تھے۔ جس نے ہزار ہا کتب کا مطالعہ اور ہزار ہا مناظر قدرت کا مشاہدہ کیا تھا۔ جس نے ریاضت نفس کو مزکی بنایا تھا اور اس کا عمل علم سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی نے اس کو کامل بنایا تھا اور وہی اس کی سچی اور حقیقی شہرت کا باعث تھا۔ وہی لوگوں کے دلوں کو کھینچتا تھا اور سچے عالم کے معنی بتلاتا تھا" **و انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** "اس کے عملی تبحر کا ثبوت قومی اشتہارات واخبارات اور ملک کی انجمنوں کے ریزولیوشنوں۔ اور حاشیہ نشین چائے خوروں کے افسانوں پر موقوف نہ تھا۔ بلکہ اس کی زبان اور اس کا دل اس کا ثبوت تھے۔ **والمرء باصغریہ قلبہ ولسانہ** وہ محقق تھا، مدقق تھا، حکیم تھا، فلسفی تھا، مجاہد تھا، مرتاض تھا، فقیہہ تھا، اعلم تھا، وہ فصیح البیان مفسر قرآن تھا۔ صاحب الرائے اور صائب الرائے تھا۔ شاہ مزاج تھا، شاہ دماغ تھا، مگر شاہ پسند نہ تھا۔ آہ وہ وجود دنیا سے اُٹھ گیا جو قوم کا سرپرست اور مذہب وملت کا سچا محافظ اور حامی تھا۔

لی راہ خلد شیخ نے دنیا کو چھوڑ کر
ہم بدنصیب رہ گئے رونے کے واسطے

وہ بلبل علم وعرفان جو چند روز قبل عرشہ منبر پر باغ توحید میں چہکتا تھا۔ اب اس کا تابوت مومنین کے کندھوں کی زینت تھا۔ عجب شان کا تابوت تھا۔ ہزار ہا مومنین روساء عظام بعض والیان ریاست اور بعض دیگر اقوام کے معزز منبر احاطہ کئے ہوئے تھے۔ تمام مجمع پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ اکثر کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مومنین کے چہروں سے اخلاص ٹپک رہا تھا۔ اکثر مومنین خصوصاً نوجوانان قوم تابوت کو لئے ہوئے تھے۔ کندھا دینا نہایت دشوار تھا۔ ہر گلی کوچہ سے مجمع میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سیاہ علم آگے آگے رواں تھے اور مومنین تصویر غم بنے ہوئے پیچھے پیچھے جابجا مصور فوٹو لیتے جاتے تھے۔ مومنین کے محلوں سے مستورات پھول برسا رہی تھیں اور اپنے قیمتی آنسو اس فدائے املت پر نثار کر رہی تھیں۔ یہ بھی اسی کی

خصوصیت تھی کہ سینکڑوں چھوٹے بچے ساتھ تھے اور ایک برات کے تمام براتی مع دولھا۔تشیع جنازے میں شریک، حسب وصیت مرحوم آخری خدمت کے جملہ فرائض اس حقیر کے ذمہ تھے جو ادا کئے گئے۔

عالی جناب معلّٰی القاب نواب ابن نواب خان بہادر کربلائی نواب محمد علی خان صاحب قزلباش سی۔ایس۔آئی بالقابہ مرحوم کی کوٹھی سے تابوت اُٹھا اور شہر میں سے گذرتا ہوا تقریباً تین چار گھنٹہ میں گامے شاہ کی کربلا میں پہنچا۔ وہیں مسجد میں نماز ہوئی۔ جس کا شرف محسن قوم مخلص خاص جناب مولوی محسن علی شاہ صاحب سبزواری مرحوم ومغفور کو حاصل ہوا اور آہ وبکا کے اژدحام میں تابوت نجف اشرف پہنچانے کی غرض سے کربلائے مذکور میں امانت رکھا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون مرحوم کی ہمیشہ یہی خواہش تھی کہ اُن کا عالم آخرت کا سفر ہندوستان سے نہ ہو بلکہ دارالاسلام "ایران" سے ہو مگر ما تدری نفس ما زا تکسب غدا و ما تدری نفس بای الرض تموت ارادۃ اللہ غالبۃ علی کل ارادۃ غربت میں شاید ہی کسی غریب کا جنازہ اس دھوم سے اُٹھا ہوگا اور اس شان سے ماتم پرستی ہوئی ہوگی۔ اگر ان کے اقرباء موجود ہوتے تو خیال بھی نہ کرتے کہ وہ پردیس میں ہیں اور یہ سب کچھ مرحوم کی روحانیت اور نواب محمد علی خان قزلباش موصوف کی شخصیت کا اثر تھا۔ جنہوں نے مرحوم کی تیمارداری اور بیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا وہی صاحب عزا تھے اور حق عزا بھی ویسا ہی ادا کیا جو ان کی شان کے شایان تھا۔ غفر اللہ لہ

کل پنجاب وسندھ اور اکثر مقامات ہندوستان میں مرحوم کا سوگ منایا گیا، تعزیت کی گئی، تعزیت نامے لکھے گئے، تعزیتی جلسے ہوئے، تاریخیں لکھیں گئیں اور مومنین نے اپنے اخلاص ایمانی کا آخری ثبوت پیش کیا۔ لیکن

پس از انکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

آج بابصیرت اہل پنجاب خود کہہ رہے ہیں اور افسوس کر رہے ہیں کہ شیخ کے علم وفضل کی جیسی کہ چاہیئے تھی قدر نہ کی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی ناقدری میں اور تشہیر وتذلیل میں بعض دوکاندار اہل علم اور ان کے حوارییں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جس کو ذکر کرتے شرم آتی ہے اور دل دکھتا ہے اور اس کا وقت بھی نہیں رہا۔ مثل مشہور ہے کہ آدمی کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن یہاں یہ مثل حقیقت کے لباس میں جلوہ نما ہے۔ اپنے پرائے سب شیخ کو یاد کر رہے ہیں۔ الامن فی قلوبھم زیغ اور آج عالم کی موت کے متعلق فرمان معصومین کی تصدیق مشاہدے میں آرہی ہے۔ حضرت صادق آل محمدؑ ارشاد فرماتے ہیں اذا مات المومن الفقیہ ثلم فی الاسلام ثلۃ لا یسدھا شی جب کوئی مومن فقیہہ مرجاتا ہے تو

دیوار اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جس کو کوئی شے بھر نہیں سکتی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں۔" اذا مات مومن الفقیه بکت علیه الملائکة و بقاع الارض التی کان یعبد الله علیها و ابواب السماء التی کان یصعد فیها علمه و ثلم فی الاسلام ثلمة لا یسدها شیء لان المومنین الفقها حصون الاسلام کحصن اسوار المدینة لها " یعنی جب کوئی مومن عالم مرجاتا ہے تو فرشتے اس پر روتے ہیں اور وہ بُقعاتِ زمین روتے ہیں۔ جن پر وہ عبادت خدا کرتا تھا......اور ابواب آسمان روتے ہیں جن سے اس کا عمل کاتبان اعمال لے کر جاتے ہیں اور اس کے مرنے سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ جاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ کیونکہ علماء اسلام، اسلام کی پناہ اور اس کا حصار ہوتے ہیں۔ جس طرح فصیل شہر، شہر پناہ ہوتی ہے۔

آہ! ہمارا شیخ انہی حصون اسرارِ معارف دینیہ سے تھا۔ جس میں احادیث معصومین اور اُن کے اسرار مخزون و مکنون اور محفوظ ہوتے ہیں۔ کما قال علیه السلام احادیثنا صم مستصعب لا یتحملها الا حصون حصینة او حلوم رزینة او صدور امینه رحم الله الشیخ اس کے مرنے سے جو رخنہ پڑا ہے۔ اس کو اہل بصیرت کی آنکھیں صاف دیکھ رہی ہیں اور اُسے یاد کر کے اشک حسرت بہا رہی ہیں۔ مخلصین خاص کو اس لئے بھی زیادہ صدمہ ہے کہ ایسے فاضل متبحر کی کوئی یادگار قائم نہ کی جو اس کے نام کو خصوصیت سے زندہ رکھتی اور ساتھ ہی احساس مذہبی اور حیات قومی کا ثبوت دیتی کیونکہ زندہ قوموں کے ذی کمال مُردے ایسی ایسی یادگاروں سے ہمیشہ زندہ رکھے جاتے ہیں۔ مگر یہاں شیخ کا لگایا ہوا تبلیغ ہدایت کا سر سبز بوٹا "البرهان" بھی شیخ کے ساتھ قوم کی غفلت اور ناقدر دانی اور ناحق شناسی کی اندھیری قبر میں زندہ درگور کر دیا گیا تھا۔ جو بعض مخلصین کی مسیحائی سے دوبارہ زندہ ہوا ہے اور ابھی ابتدائی نشو و نما کے سانس لے رہا ہے۔ خدا ہماری قومیت کے سکون و جمود میں حرکت پیدا کر دے۔ آمین" والله علی کل شی قدیر و بیده ازمة التقدیر و کل عسیر علیه سهل یسیر"۔

تاریخ ہائے وفات

مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ کی تعزیت کے سلسلے میں ان کے مخلص احباب نے بہت سی اُردو، عربی، فارسی تاریخ ہائے وفات نکالیں اور نظم کیں جن میں سے مومنین مخلصین کی خاطر ہم پانچ تاریخیں یہاں درج کرتے ہیں یعنی از جناب سید محمد عسکری صاحب اغلب باہروی برادر عزیز ملک الشعرا سید ناظر حسین ناظم

مرحوم و مغفور، جناب سید حسین علی صاحب ماہر لدھیانوی مرحوم، جناب ابوالحامد شیخ فتح محمد صاحب سیوستانی (ایرانی) جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب دُرانی سلطان لاہوری مرحوم و جناب سید علمدار حسین صاحب علمدار واسطی بنوڑی مرحوم یہ تمام حضرات شیخ مرحوم سے تقریباً اسی وقت سے تعارف رکھنے والے ہیں۔ جس وقت سے کہ پنجاب وسندھ میں سرکار علامہ مرحوم کے مواعظ کی شہرت ہوئی اور اس لئے ان حضرات نے قطعات و رباعیات تاریخ میں صرف شاعری ہی نہیں کی ہے۔ بلکہ ہر ایک نے شیخ کی شخصیت اور اس کی خصوصیات کو حقیقت کے الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور یہ قطعات ہمارے تمام بیانات سابقہ کا آئینہ ہیں۔ خصوصاً آخر الذکر دو صاحبان یعنی شہزادہ صاحب اور واسطی صاحب۔ شہزادہ صاحب خود ذی علم اور صاحب سواد اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور اسی طرح واسطی صاحب جن کے اکثر مضامین نظم و نثر ناظرین "البرہان" مطالعہ فرماتے رہے ہیں اور اکثر ملک کے ادبی رسالوں میں آپ کے گرانقدر مضامین طبع ہوتے رہے ہیں اور ہلال محرم و تعمیر عشق و پیمان وفا وغیرہا ان کے کمال کی ناقابل انکار دلائل ہیں۔

جہاں تک مجھے یاد ہے۔ لاہور میں اہل لاہور سے اس عالم عدیم المثال اور اعجوبہ زمان کا تعارف کرنے والے شہزادہ صاحب ہی ہیں اور یہ غالباً ۷ محرم ۱۹۰۵ء کا ذکر ہے جب کہ جناب شیخ پٹیالہ میں تھے۔ اس وقت سے آخری ساعات وفات تک شہزادہ صاحب نے شیخ کے حالات واقعات، علم و عمل، فضل و کمال کا مطالعہ اور مشاہدہ سفر و حضر میں کیا ہے اور اس طولانی عرصے میں شیخ کی فضیلت کا جو نقش ان کے دل میں بیٹھا ہے اس کو اپنی نظم میں ظاہر کیا ہے۔

واسطی صاحب بھی خوش قسمتی سے شیخ سے اس وقت سے تعارف رکھتے ہیں۔ جب کہ میں خود شیخ کے نام سے ناواقف تھا اور اس لئے انہوں نے بھی شیخ کی ذات اور شخصیت کے متعلق اپنی دیرینہ حقیقی معلومات اور معتقدات کا اظہار فرمایا ہے۔ خصوصاً موصوف نے اپنے مرثیہ میں پوری پوری حقیقت کو واضح کر دیا ہے اور مرثیہ شیخ کی سوانح عمری اور اس کے فضل و کمال اور اس کے کارناموں کا آئینہ ہے " فجزاہ اللہ خیرا لجزاء "

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیین از جناب شرافت مآب سید محمد عسکری صاحب اغلب باہروی

از چشم اشکِ خوں چرامی بارد آسماں	حالا چہ ماتم است کہ میگرید انس و جاں
از چشم خلقشد نہاں افسوس دفعتہً	عالی ہمم، نجتہ شیم والاد و دماں
بگذشت از جہان غلام شہِ نجف	عابد، فقیہہ اعلم و عامل بلند شاں

در ہند مُرد حیف زایران آمدہ بگریست میزبان کہ شدہ راہی میہماں
روز نہم زماہ دسمبر بود کہ شد آن نیّر علوم و معارف زمانہاں
اغلب بگو کہ نزدِ جنابِ امیر رفت
سرکار شیخ عبدالعلی نادر جہاں
۱۹۲۲ء

ازکلک گہربار جناب سیادت مآب میر حسین علی صاحب ماہر لدھیانوی مرحوم

چند تا ادوارِ جور چرخ برآدم گذشت کے گراں بودند زیں بکدم کہ برعالم گذشت
فارغ البال از ستمہائے فلک بودم کہ دی ایں ندائے از سروش ہوش در گوشم گذشت
سایہ سرکارِ شیخ از فرقِ ما مفقود شد جعفری باشیا گرنتواں ازیں ماتم گذشت
ماخذِ علم و ادب علامہ شیریں بیاں روز آدینہ بوقت شب ازیں عالم گذشت
ماھر از سال مسیحی ہاتفم داد ایں ندا آہ ازیں دنیائے دوں آں فاضل اعظم گذشت
۱۹۲۲ء

ازنتیجہ افکار جناب مجدت نصاب فضیلت انتساب ابوالحامد فتح محمد السیوستانی ایرانی

کرد مارا غرقِ رنج و اندوہ فراق شد بجنت شادماں علامہ عبدالعلی
چوں پرسیدم سن وسال وفاتش از سروش
گفت گو فخر زماں علامہ عبدالعلی
۱۳۴۱ھ

ایضاً

در زمانِ قحطِ مردانِ خدا گشتہ جدا کرد مارا مضمحل علامہ عبدالعلی
گفت ہاتف سال فوتِ آں خدا آگاہ مرد فاضل و آگاہ دل علامہ عبدالعلی

ازرشحاتِ قلم حقائق رقم جناب مجدت نصاب فضیلت انتساب جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب دُرانی مرحوم المتخلص بہ سلطان

شیخ عالی جناب والا جاہ کہ نہ بودش مثیل در امکاں

صاحبِ علم و فضل و زہدو ورع بوذرؓ عہد و ثانی سلماں
در معانی بیان و علم ادب بود شاگردِ مکتبش حسّاں
واقف نکتہ ہائے فرقانی ماہرِقولِ سرورِ ذی شاں
عارفِدو دمانِ پیغمبرؐ خادم و عاشقِ امامِ زماں
ہرچہ می گفت جملہ حق میگفت زانکہ بود است صاحبِ عرفاں
جدّ وے بود شیخ ابراہیم باب ہمنام سرورِ ذی شاں
مسکن و جدّ و باب بود ہرات لیک خود شد مقیم در طہراں
صیتِ فضلش بگوشِ ناصرِ دیں چوں رسید از زبانِ عالمیاں
نزدِ خود خواست با دو صدا عزاز حاکمِ شرع ساخت در ایراں
گردشِ دھر چوں بدور آمد شیخ از وی رسید ہندوستاں
بست و یک سال بود در پنجاب آخرش شد بسوئے خلد رواں
غیر حق بہرکس بقا نہ بود گفتہ خود کل من علیھا فان
داغ بر قلب مومنین بنہاد آہ از دستِ گردشِ دوراں
دیں فروشان وطالب دنیا کہ نہ دارند بہرہ از ایماں
روز و شب در تلاش سیم وزراند در پے جیفہ مثل خوک وسگاں
طالب جاہ و بے خبر از حق جاہل مطلق اند ابجد خواں
دعوے علم ولیک جاہل محض از کلام نبی و از قرآں
بہ وجودِ مبارک مرحوم ہمہ پامال بودہ اند خراں
لیک افسوس طالع منحوس کر دشمنِ علوم راپنہاں
در گلستان علم بود بہار لیک تاراج شد زبادِ خزاں
رحمت حق بہ روح انورِ او کہ زفیضش بماست ضدا احساں
خود سوئے خلد رفت و داد بما درد چہ درد درد بے درماں
اے خدائے کریم صبرِ جمیل کن بہ سلطاں عطا دریں حرماں
سال فوتش بجستم از ہاتف آہ ازدل کشید مُو یہ کناں

از سرِ کرب و حزن گفت کہ شد شیخ عبدالعلی بہ سوئے جناں
۹۱۰ ۲۱۷ ۱۳۴۱ ھ ۸۳ ۱۰۴

ازرشحات قلم جواہر رقم جناب نجابت مآب شرافت نصاب سید علمدار حسین صاحب واسطی بنوڑی مرحوم

لُٹ گیا آہ آہ باغِ علم ۔ مٹ گیا دہر سے سراغِ علم
چل بسا ساقی مے عرفاں ۔ بزم اُجڑی، لٹا، ایاغِ علم
تیرہ و تار ہو گیا عالم ۔ مہر ڈوبا، بُجھا چراغِ علم
در ودل میں ہے لب پہ دُودِ آہ ۔ جل رہا ہے جگر میں داغِ علم
اُٹھ گیاوہ وجود دنیا سے ۔ عرش پر جس سے تھا دماغ علم
خُلد میں پہنچے شیخ عبدالعلی ۔ سر گیا گل ہوا "چراغ علم"

ایضاً

آہ از دستِ جفا کیشِ فلک صد آہ آہ ۔ آتشے اندر جگر برقلب زد تیربلا
سوختہ از برق عالم سوز طومارِ حیات ۔ نقش ہستی محو شداز صفحہ دار فنا
مرکز ما بود درپنجاب وا ویلا نہ ماند ۔ عارف و علامہ شیخ عبدالعلی پارسا
علم قرآن و آئمہ را معلم بد وہم ۔ شیخ ما بود و رئیس مابد و غمخوارما
بودآوازش صدائے قوم وزآتش روح قوم ۔ پیکرِ ملّت بغیرش ماند بے روح وصدا
ہفدہم بود از ربیع ثانی و ہنگام شب ۔ شد بہ فردوس آں وحید عصر زیں مہمانسرا
آہ از سر شد علمدار ازدلم صبرم ربود ۔ انتقال شیخ از دنیا سوئے دار البقا

نوٹ:۔اب ہم چاہتے ہیں کہ شیخ کی سوانح عمری میں میر صاحب موصوف کا تعارفی مقالہ جو "قومی ماتم کے عنوان" سے البرہان (جلد۱۳) ۱۳۴۱ھ میں طبع ہو چکا ہے۔اس ایڈیشن میں بڑھا دیں۔جس سے شیخ کے کمال روحانیت اوراس کی غیر معمولی شخصیت پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے اور ہمارے بیانات کی تصدیق، ناظرین اس کو پڑھ کرضرورخوش ہوں گے۔ وھو ھذا

قومی ماتم

بہ ضبط گریہ مشغولم اگر بینی درونم را زول تا پردہ چشم دوشاخ ارغواں بینی

تمہید:۔ اگر حالات و واقعات کا اعتبار کیا جائے تو شیعیت مستلزم ماتم ثابت ہوگی۔ تاریخ اسلام کے صفحات الٹکر پیچھے ہٹتی ہٹتی دیباچہ تک پہنچ جائے۔ شیعہ مخلوق روتی بسورتی نظر آئے گی۔

ہم خدانخواستہ شیعوں کو برا نہیں کہہ رہے۔ لفظ شیعہ کی ہمارے دل میں از حد وقعت واحترام ہے نہ اس لئے کہ ہم خود شیعہ ہیں بلکہ اس واسطے کہ یہ کلام اللہ کی مقدس والہامی زبان کا باعظمت لفظ ہے۔

مگر عرف عام میں اس محترم لفظ کا اطلاق آج کل مسلمانوں کے اس خاص گروہ پر ہوتا ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر جناب ختم المرسلینؐ تک انبیاء مرسلین کو معصوم ومحفوظ عن الخطا سمجھتا ہے اور بعد آں حضرت آئمہ اثناعشر کو آپ کا جانشین ومعصوم یقین کرتا ہے۔ جو علم تمدن میں، عمل میں، پالیٹکس میں، اخلاق میں دنیا کی کل متمدن ومہذب قوموں سے ہٹا اور گرا ہوا ہے۔

سُنا ہے کہ مسٹر محمود مرحوم اپنے حلقہ احباب میں صاحب کمالان اسلام کا جب کبھی ذکر کیا کرتے تو کہا کرتے کہ کوئی صیغہ لے لیجئے۔ اس میں جو چوٹی کا آدمی ہوگا شیعہ ہوگا۔ اور اپنے اس دعوے کی تائید میں ہر لائن میں بیسیوں شیعہ نام گنوا دیا کرتے۔ مثلاً سپاہی صنّاع، بہدر، مدبر، حکیم، فلاسفر، ریاضی دان، عالم، شاعر، موجد، فاتح وغیرہ وغیرہ ہر عنوان کے تحت میں بیسیوں پچاسیوں سیدوں کے نام ان کو یاد تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس فن کی جیتی جاگتی بولتی چالتی انسائیکلوپیڈیا ہیں۔

ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کیونکہ ان کا علم ٹھوس معلومات وسیع، نظر غائر اور قوت حافظہ بے مثال تھی۔ مگر ہمارے نزدیک یہ صرف ایک کہانی ہے۔ کیونکہ ہمارا آج کا مشاہدہ اور تجربہ اس کے برعکس ہے۔ اگرچہ عقل یہی چاہتی ہے۔ کیونکہ یہ گروہ جن برگزیدہ ہستیوں کی رہنمائی سے ان کے نقش قدم پر چلنے کا مدعی ہے۔ وہ ایسی ہی تعلیم کے معلم تھے۔ ان کے سکول سے فارغ التحصیل ہو کر نکلا ہوگا۔ یقیناً ناموران عالم اور مشاہیر اسلام سے ہوا ہوگا۔ لیکن اس پر فخر کرنا اور خود کچھ نہ ہونا محض استخوان فروشی ہے کیونکہ۔

آدمی را بچشم حال نگر از خیال پری دوی بگذر

ہمیں تو اس خیال سے شرم آتی ہے کہ ان کے اسلاف کے خلف، ہم مغل بادشاہوں کی اولاد، آج کل دِلّی میں موجود ہے۔ مگر رسواذلیل، محتاج! کیا ان کو "پدرم سلطان بود کہنا" زیبا ہے۔

شمس الدین التمش کے زمانہ سے ہندوستان میں آ کر آباد ہونے شروع ہو گئے تھے۔اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز ہوئے۔بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بنے۔فتوحات میں دربار دہلی میں زور رہا۔اودھ میں ان کا خوب طوطی بولا۔بادشاہ گر کہلائے اور ایسے صاحب علم و عمل ہوئے کہ امجد علی شاہ وغیرہ بغیر حکم قبلہ و کعبہ زبان نہ ہلا سکتے تھے۔مذہبی تصانیف کا بھی معتد بہ ذخیرہ فراہم ہو گیا۔مختصر یہ کہ شیعت یا کم از کم سیادت پیکر محسوس کی طرح نظر آ گئی۔ہنوز اس میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش تھی کہ سیاسی انقلاب آیا۔تخت دہلی اُلٹ گیا۔سلطنت اودھ خاک میں مل گئی اور لکھنو لُٹ گیا۔

یہ زمانہ علمائے ہند کے لئے ویسا ہی نازک وخطرناک تھا جیسا کہ عہد بنی امیہ اور خلافت عباسیہ میں علماء عراق وعرب کو پیش آیا تھا۔جب کہ ہندوستان و یونان کا الہیات وفلسفہ بذریعہ تراجم اسلامی لٹریچر اور مذہبیات میں نفوذ وحلول کر رہا تھا۔

سیلاب مغرب بڑے زور شور سے سرزمین ہندوستان پر چڑھتا چلا آ رہا تھا۔پرانے درخت اور قدیم سر بفلک عمارتیں جڑ بنیاد سے اکھڑ رہی تھیں اور ہم میں سے کچھ بالو کی دیوار سے اس کو روکنا چاہتے تھے اور کچھ سراب سمجھ کر لوگوں کو اس دھوکہ سے بچنے کی ہدایت کر رہے تھے کہ دور اندیش سر سید احمد خان نے زمانہ کی نبض پہچانی اور دین سے پہلے مسلمانوں کی دنیا درست کرنے کی فکر میں اُٹھے۔بہت سے زمانہ شناس ان کے ساتھ ہوئے اور وہ اہم ترین وعظیم الشان کام کر دکھایا۔جو آج مسلم یونیورسٹی کی صورت میں دنیا کے سامنے ہے۔

علی گڑھ پارٹی کی تحریریں اور تقریریں فضائے ہندوستان میں گونج رہی تھیں اور ہر شخص پرانے پھندوں کو توڑ کر اور قدیم قیود سے آزاد ہو کر اس کثرت میں جا ملنے کو آمادہ تھا۔دنیا بن رہی تھی گو روح دینی مر رہی تھی۔

ہمارا خیال تھا کہ اگر ہم نے اپنے مرکز پر قائم رہ کر ترقی کی۔تب تو ترقی ہے ورنہ کسی سوال کے جواب میں ؎

میر کے دین و مذہب سے کیا پوچھتے ہو تم اے ہمدم
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

کہنے سے تو موجودہ حالت ہی بہتر ہے

ان لوگوں کی زمانہ شناسی کا تو یہ حال تھا کہ اگر کسی نااہل کا ذکر بھی کیا ہے تو اس حسن ودل آویزی سے کہ اس میں شان معصومیت پیغمبری نظر آ گئی ہے۔

اور ہمارے ہاں یہ حال تھا کہ مجالس میں اگر کسی معصوم و برگزیدہ ہستی کا ذکر بھی ہوا ہے تو بجائے فلسفیانہ اور سائنسی ہونے کے اس کی شخصیت کے منصوص من اللہ ہونے کا ثبوت اس طرح دیا گیا کہ انسان کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں جن کے منجملہ تین تین لکیریں تو چار انگلیوں میں ہیں۔ چنانچہ تین کو چار میں ضرب دینے سے بارہ ہو جاتے ہیں اور انگوٹھے میں دو خط میں جو بارہ میں جمع کرنے سے چودہ ہو جاتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ بارہ امام اور چودہ معصوم منصوص من اللہ ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ شاعرانہ حسن تعلیل صحیح ہو لیکن کیا اس کو ایک عیسائی یا آریہ یا ہندو یا فلسفی شیعہ تسلیم کرے گا۔

یا یہ بات ذہن نشین کرنے کے لئے کہ جو شخص رسول اللہؐ کے بعد علیؑ کو بزرگ کائنات عالم اور اپنا امام و پیشوا یقین کرے۔ خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ دلیل دی جاتی تھی کہ چونکہ محمدؐ اور علیؑ کے حروف کے اعداد کا حاصل جمع لفظ ب کے عددوں کے برابر ہے۔ لہذا اس منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

لیکن اگر معترض کہے کہ یہ ہم عددی صداقت اور روحانیت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوفہ اور لکھنؤ" ہم عدد ہیں اور چلکانہ" کے عدد مدینہ سے ملتے ہیں تو ہم اس کا کیا جواب دیں گے۔

غرض ہمارا اسکول ہم کو اس قسم کی تعلیم دے رہا تھا کہ مصلحت الٰہی سے ملک ایران میں انقلاب آیا اور آفتاب علم و معرفت آج سے بیس تیس سال قبل افق پنجاب پر طلوع ہوا۔

یعنی سرکار شریعتمدار علامہ لاثانی شیخ عبدالعلی صاحب ہروی الطہر انی اعلیٰ اللہ مقامہ کے قدوم ممینت لزوم سے زمین ہند کا سر آسمان سے جاملا۔

آپ کے مفصل حالات زندگی لکھنا تو مرحوم کے سوانح نگار کا کام ہے۔ ہمارا مقصد اس وقت آپ کی اس عظیم الشان شخصیت کا مختصر ذکر کرنا ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان جہالت نشان تو کیا یقین نہیں کہ کسی دوسری جگہ بھی موجود ہو۔

اگر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ حیات انسانی یا دوسرے لفظوں میں انسان کے کارنامے طول و عرض بھی رکھتے ہیں اور عمیق بھی۔ چنانچہ جناب شیخ علیہ الرحمہ کی مدت حیات میں بھی یہ صفات نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔ مگر ہم یہاں طول و عرض سے تو بحث نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہ ہمارے مبحث و مقصد سے علیحدہ ہے۔ البتہ عمق سے ہمیں بہت کچھ تعلق رہا ہے۔ لہذا اس کا بطور نمونہ ذکر کریں گے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں بہ حیثیت عالم تشریف لائے۔ اس وقت یہاں عجب طوفان بدتمیزی مچا ہوا تھا۔ ہندو، آریہ، سکھ، عیسائی ہی اسلام پر طرح طرح سے حملے نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ خود

مسلمانوں میں مذہبی تصادم ہو رہا تھا۔ کہیں قادیاں سے نئے پیغمبر کے الہام شائع ہوتے تھے۔ کہیں امرت سر سے اہل حدیث شیعوں پر طعن کر رہا تھا۔ کہیں لاہور سے اہل قرآن کی صدائے بے ہنگام بلند تھی۔ کہیں دلّی سے مرزا کرزن گزٹ زہر اُگل رہے تھے۔ کہیں لکھنو میں النجم اور اصلاح کا دنگل قائم تھا۔ غرض ہندوستان اچھا خاصہ چڑیا گھر بنا ہوا تھا۔ جہاں طرح طرح کے جانور اپنی اپنی بولیاں بول رہے اور کلیلیں کر رہے تھے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ گورنمنٹ شیخ مرحوم کی ذات سے مطمئن نہ تھی۔ پولیٹیکل شبہات میں مبتلا تھی۔

شیخ تازہ ولایت، اجنبی حالات ملک و زبان ملک سے ناواقف عجب مشکل میں تھے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ زمانہ حضرت مرحوم نے کیونکر اور کس طرح بسر کیا۔ ہمیں تو جب آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملک و قوم کے حالات و ضروریات پر پورا عبور و علم حاصل کئے ہوئے ہیں۔

تقریباً اٹھارہ سال ہوئے کہ پٹیالہ کے مجلسی خلیفہ سید محمد کاظم صاحب مرحوم و مغفور اعلیٰ اللہ مقامہ کی بزم اعزا میں اول اول ہم نے اس مرکز علم کی زیارت سے دیدہ دل روشن کیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا فرشتہ رحمت آسمان سے منبر پر اُتر آیا ہے۔

بیان کی روانی اور زور کا یہ عالم تھا کہ جیسے کوئی دریا پہاڑ سے نشیب میں گر رہا ہو۔ باوجودیکہ غیر زبان میں تقریر فرماتے تھے مگر سامعین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا مسحور ہو گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ شربت ان کو کانوں کی راہ سے برابر پلایا جاتا رہے۔

اس وقت مولوی محمد تقی صاحب مرحوم (مالیر کوٹلہ) آپ کے ترجمان تھے جو بذریعہ ترجمہ ان نکات و اسرار قرآنی کو اردو میں بطور قند مکرر سامعین کے ذہن نشین کرتے جاتے تھے۔

اربعین کی مجالس تھیں۔ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ شہرت ہو گئی۔ سنّی، شیعہ، آریہ، ہندو غرض ہر فرقہ کے اہل ذوق مجلس میں آنے لگے۔ ہمین یہ بھی یاد ہے کہ ایک یا دو دفعہ سامعین میں سے بعض اشخاص نے کسی مسئلہ پر یا طریق استدلال پر برسر مجلس اعتراض بھی کیا۔ مگر شیخ نے اصل سلسلہ کو چھوڑ کر تاوقتیکہ مشکک یا معترض کی تشفی نہیں فرمادی۔ آگے نہیں بڑھے۔

اس کے بعد آپ دوبارہ رونق افروز پٹیالہ ہوئے تو مجلس میں زیر منبر کرسی پر ایک نوجوان مترجم کے لئے تشریف فرما تھے۔ جن کے ظاہر حال اور جثہ سے بعضوں کا خیال تھا کہ کوئی طالب علم ہوں گے۔ یہ ہیوا ذاتی مشاہدہ ہے کہ علامہ مرحوم نے تقریر شروع فرمائی اور اس قدر مضمون کہ یقیناً دو ورق پر لکھا جائے گا۔ بیان فرما کر خاموش ہو گئے۔ اب مترجم صاحب کا کمال دیکھئے کہ جن الفاظ سے اور جہاں سے سرکار شیخ

نے تقریر کی ابتدا کی تھی وہیں سے آپ نے ترجمہ کرنا شروع کیا اور اسی ترتیب سے جہاں جہاں آیات قرآنی آئی تھیں۔اسی طرح آئیں اور جن الفاظ پر اصل بیان کا پیرے گراف ختم ہوا تھا۔انہی الفاظ پر ترجمہ ختم ہوا۔اب تو وہ مجلس محو حیرت تھی۔کہ الٰہی یہ شیخ صاحب کی کرامت ہے۔یا ذہانت کا معجزہ۔غرض مجلس ترجمہ کی اسی شان سے ختم ہوئی۔اب لوگوں کو سب سے زیادہ اس کی فکر تھی کہ کسی طرح یہ راز معلوم ہو جائے کہ یہ مترجم صاحب کون بزرگ ہیں؟ اس کمال و ذہانت اور اس علم و معرفت کا آدمی ہندوستانی تو ہو نہیں سکتا۔اب جس سے پوچھتے ہیں وہ خود اس معمہ کے حل کرنے کی فکر میں ہے۔آخر ایک صاحب نہ رہ سکے اور میر مجلس سے جا ہی پوچھا۔انہوں نے فرمایا۔آپ مولانا سید محمد سبطین صاحب ہیں۔سرسی ضلع مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔سرکار شیخ نے جوہر قابل دیکھ کر اپنی ترجمانی کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

بس اب کیا تھا۔پٹیالہ بھر میں بچہ بچہ کی زبان پر مولوی سید محمد سبطین صاحب کا نام تھا اور جو تھا آپ کی ذہانت اور لیاقت کا معترف۔

جس زمانہ میں خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم ریاست مالیر کوٹلہ میں چیف جج تھے۔راقم کو اکثر مالیر کوٹلہ جانے اور خواجہ صاحب کے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ایک دفعہ خواجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا۔غالباً اس وقت تک جناب شیخ پٹیالہ میں تشریف نہیں لائے تھے کہ آج کل یہاں ایک ایسا عالم متبحر اور عارف کامل موجود ہے کہ عمر بھر میں اس جامعیت کا انسان دیکھنے میں نہیں آیا۔اگر آپ ان سے کوئی دقیق سے دقیق اور باریک سے باریک مسئلہ دریافت کریں اور کہہ دیں کہ میں اس کا جواب محض قرآن سے چاہتا ہوں۔حدیث کا ذکر نہ آئے۔تو تاوقتیکہ وہ قرآن ہی سے آپ کا اطمینان نہیں کر دیں گے خاموش نہیں ہوں گے۔یا مثلاً آپ کہیں کہ میں حدیث سے اس کا جواب چاہتا ہوں۔قرآن سے استدلال نہ کیا جائے تو وہ حدیث کے احاطہ سے ایک انچ بھی باہر قدم نہ رکھیں گے۔اور حدیث ہی سے آپ کا اطمینان فرمائیں گے۔یا محض فلسفہ سے یا سائنس سے یا عقل سے۔غرض جس پہلو میں بھی آپ جواب چاہیں گے وہ اسی سے اطمینان قلب فرمائیں گے اور یہ بھی کہا کہ ایک آدھ بار ایسا بھی اتفاق ہوا کہ کسی مسئلہ میں سائل نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا۔تو انہوں نے فرمایا کہ اچھا کل صبح اس کا جواب دوں گا۔اور صبح کو جو جواب دیا تو ایسا تھا کہ گویا اس سے پہلے جو کچھ فرمایا تھا کچھ بھی نہ تھا اور سائل کا بالکل اطمینان ہو گیا۔

خواجہ صاحب مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ جہاں تک میرا علم و یقین ہے اس بزرگوار کو ضرور حضرت حجتؑ کی زیارت ہوئی ہے اور ہر اہم امر میں یہ حضرت کی تائید اور ارشاد سے جواب دیتے ہیں۔

یہ فرما کر مجھ سے پوچھا۔ سید صاحب آپ سمجھے کہ وہ کون بزرگ ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ ہی فرمائیں۔ فرمایا سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہروی الطہرانی۔ میں اپنا تمام خالی وقت آپ کی خدمت میں صرف کرتا ہوں۔ آپ بھی ضرور چلئے! چنانچہ رات کے وقت خواجہ صاحب خود میری آرم گاہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ چلئے آپ کو سرکار شیخ کی زیارت کرائیں۔ مگر چونکہ ایک دوسرے دوست کے یہاں اس وقت میں مدعو تھا۔ اس سعادت سے محروم رہا۔

حضرت شیخ صاحب مرحوم فرقہ اثنا عشری کے لئے خدا کی رحمت تھے۔ آپ کے وعظ نے اہل ملک کے خیالات منجمد وسکوت میں ایک ہیجان وحرکت پیدا کردی اور وہ لوگ جو محض سطحی اور پیش پا اُفتادہ باتین اپنی مجالس میں بیان کرتے تھے۔ اکثر قرآن سے استنباط اور استدلال کرنے لگے۔

سچ تو یہ ہے کہ علامہ شیخ عبدالعلی صاحب مرحوم کے ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے ہمارے مواعظ کا یہ رنگ ہرگز نہ تھا۔ شیخ صاحب کے بیان میں سب سے بڑی اور ممتاز خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہر مذہب اور ہر اعتقاد کا آدمی بے دغدغہ سُن سکتا تھا۔ باوجودیکہ وہ اس جامعیت کو لئے ہوئے تھے کہ اگر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا گھروندا ڈھیتا تھا تو دوسری جانب اہل حدیث کے عامیانہ ومغویانہ اعتراضات جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتے تھے اور اگر ایک پہلو سے آریوں کے زہر کا تریاق ہوتے تھے۔ تو دوسرے پہلو سے مرزا حیرت کی دروغ گوئی کی قلعی کھولتے تھے اور اسی سے اہل قرآن کے دعاوی کی تردید ہو جاتی تھی۔

یہاں تک امر واقعہ ہے کہ حقیقت اسلام نبوت اور شان امام مبین جس معنویت اور عمق علم کامل سے حضرت شیخ صاحب مغفور نے بیان کی ہے اور جس دلاویزی سے وہ اپنے مذہب اور عقیدہ کی تبلیغ وتعلیم کر گئے ہیں۔ اس کی نظیر ہمارا ملک پیش کرنے سے قاصر ومعذور ہے۔ اثنا عشریت کا بیان وہ بھی وہی کرتے تھے جو اور علماء کرتے ہیں۔ لیکن یہاں محض مغز ہوتا ہے۔ معنویت ہوتی ہے اور عمق سائنس اور فلسفہ۔

علامہ شیخ کا بیان سُن کر سمجھ میں آتا تھا کہ قرآن کا دعویٰ لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین کہنا کس قدر برحق وصداقت ہے۔ شیخ صاحب نے حقیقی اسلام کی تعلیم کی اور شیخ صاحب نے علم قرآن کے دریا بہادیئے۔ مختصر یہ کہ شیخ صاحب نے ہمارے لڑیچر کی کایاپلٹ کردی۔ شیخ صاحب کی سنجیدگی، متانت بیان، وزن علم اور مقصد کے عمق کا اندازہ صرف اس واقعہ کے بیان سے ہوسکتا ہے کہ جس زمانہ میں "خلافت الہیہ" مصنفہ مولانا سید محمد سبطین صاحب زید فضلہ شائع ہوئی ہے اور قادیانی گروہ کے ایک سنجیدہ شخص نے اپنے احباب سے بیان کیا ہے کہ شیعہ اہل قم نے پشتہا پشت سے خلافت وامامت پر تصانیف کا

انبار لگا دیا ہے لیکن اس سے ہمارا بال بیکا نہیں ہوا۔ اس سے ان کا لہجہ اور انداز بیان ایسا ناگوار و تلخ تھا کہ کوئی مہذب آدمی اس کو پڑھ نہیں سکتا تھا۔ نیز ان کی بنیاد پیشتر روایات پر ہوتی تھی۔ آیات سے استنباط و استدلال نہ ہوتا تھا۔ دو چار سطریں پڑھ کر کتاب پھینک دی جایا کرتی تھی۔ لہذا مصنف اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ جو بات سُنی یا پڑھی ہی نہیں جائیں گی۔ اس کا اثر کیا ہوسکتا ہے۔ لیکن شیخ عبدالعلی نے ہندوستان میں آکر اپنے مقصد کی تعلیم و تبلیغ کا وہ انداز اختیار کیا ہے کہ جس کی نظیر ہندوستان میں نہیں ملتی اور انہی کی پیروی ان کے مبلغین کر رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب (خلافت الہیہ) اس سنجیدگی و متانت سے مکمل کی ہے کہ بغیر پڑھے ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی آدمی ایک دفعہ اس کو سمجھ کر پڑھ لے اور اس پر اثر نہ ہو۔ اس لئے میں نے قادیاں لکھ دیا ہے کہ خلافت الہیہ کی صورت میں ایک سخت غنیم نے آپ کے مذہب پر حملہ کیا ہے۔ یہ وہ مدبّر بہادر اور سنجیدہ جرنیل ہے۔ جو آپ کے حلقہ کی دیوار کو سرمہ کی طرح پیس کر خاک میں ملا دے گا۔ لہذا جلد اس کے حملہ سے بچنے کے لئے کوئی تارپیڈو سب میرن جہاز یا ایروپلین تیار کر لیجئے۔ یعنی اس کا جواب لکھئے ورنہ بچنا محال ہے۔

اگر کسی آرگنائزیشن کو کسی خاص شخص کے علم و کمال اور خیالات نادرہ کا مبلغ کہہ سکتے ہیں۔ تو ہمیں یہ کہنے کی جرات ہو گی کہ رسالہ البرہان شیعی دنیا میں پہلا پرچہ ہے جس نے حقیقت اسلام معیار نبوت، شخصیت امام اور اسرار شہادت پر وغیرہ گراں قدر اور بے نظیر لٹریچر مہیا کر دیا ہے۔ کہ جس کو ہر شخص نہایت ٹھنڈے دل سے پڑھ کر مستفید ہوسکتا ہے اور جس کے مضامین عالی آج واعظوں کی زبان پر اضطراراً آجاتے ہیں۔ نہیں بلکہ مجھے یہ کہنا چاہئے کہ البرہان وہ پرچہ ہے کہ جس نے معمولی لکھے پڑھے آدمیوں کو عمدۃ الذاکرین اور صدر الواعظین والمحققین کے اعلیٰ خطاب دلوا دیئے۔ یہ البرہان ہی کا فیض ہے کہ جس نے مناظرہ کا رنگ بدل دیا مختصر یہ کہ برہان کل ہندوستان کا پہلا اور صرف ایک پرچہ ہے۔ جس نے مندرجہ بالا عنوانات پر ایسا سنجیدہ اور محققانہ اور گہرا مواد فراہم کر دیا ہے جس کی مثال اردو میں نہیں مل سکتی۔

با این علو مرتبت و عظیم الشان تبحر علم سرکار شیخ قبلہ و کعبہ کہنے کو بہت بُرا تصور فرماتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بانی اسلام یک قبلہ معین و مشخص فرمود و در ہندوستان بسیار قبلہ و کعبہ ہا ہستند۔ ایسا ہی حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی العلمین نائب امام وغیرہ الفاظ کا کسی قابل سہو و خطا اور غیر معصوم شخص کے نام کے ساتھ لکھنے کو معصیت فرمایا کرتے تھے اور کبھی ایسے جلیل المعنی الفاظ اپنے نام کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے بلکہ منع فرما رکھا تھا۔

مختصر یہ کہ علامہ شیخ ان مستجمع صفات جامع کمالات انسانوں میں تھے جن کا ممتاز اور عدیم المثال وجود پوری ایک قوم کا وجود تصور ہوتا ہو اور جن کی زندگی قوم کی زندگی اور جن کی موت قوم کی موت اپنے اصل معنوں میں کہی جا سکتی ہو۔ ایسی مستثنیٰ اور مخصوص ہستیاں صدیوں بعد قوم اور ملک کی خوش نصیبی سے عدم سے وجود میں آیا کرتی ہیں۔ نہایت بدقسمت ہے وہ قوم جس کا ایسا فرد فرید دنیا سے اُٹھ جائے۔

سرکار شیخ کے تدبر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مخالفین نے جھوٹی رپورٹیں دے کر اور سازشیں کر کے گورنمنٹ کو آپ سے بدظن کر دیا تھا۔ لیکن جب حکام کو آپ کی شخصیت کا اندازہ ہوا تو علامہ کی ذاتی قابلیت سے حکومت کی بدظنی ان سے صاف ہوگئی اور بعض پولیٹیکل امور میں مشورہ بھی لینے لگی۔

عرصہ ہوا آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم نے اپنے مشہور رسالہ عصر جدیدہ میں مولانا حالی مرحوم کی جو رائے درج کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جناب شیخ صاحب مغفور کیسی شخصیت کے بزرگ تھے۔ لکھا تھا کہ مولانا حالی فرماتے ہیں کہ میں نے سریندر ناتھ بینرجی نواب محسن الملک اور سرسید کی پرزور اسپیچیں اور لیکچر سُنے۔ لارڈ کرزن کی دھواں دھار تقریریں سُنیں۔ لیکن یہ سب لوگ شیخ عبدالعلی صاحب کے مقابلہ میں کوئی چیز معلوم نہیں ہوتے۔ یہ علم، یہ مغز اور یہ عمق کسی میں نہیں پایا گیا۔ ایک اور موقع پر مولانا حالی نے فرمایا تھا کہ اس علم و معرفت کا انسان دو سو برس کے عرصہ میں ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔

آہ آہ آج وہ مرکز علم و عرفان ہم میں نہیں رہا۔ وہ بحر بیکران فیوض باطنی دنیا سے اُٹھ گیا۔ وہ آفتاب فضل و کمال غروب ہو گیا۔ وہ بدر کامل آسمان ہدایت گہنا گیا۔ وہ اعلم بے مثال وہ عارف خجستہ خصال دنیا سے اُٹھ گیا۔

بلبلِ علم مر گیا ہیہات — جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس — پاک دل پاک ذات پاک صفات
اعلم و عارف اور بذلہ سنج — بے وطن مرجع کرام و ثقات
اس کے مرنے سے مر گئے مومن — زندگی اس کی قوم کی تھی حیات
یاں اگر بزم تھی اُس کی بزم — یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا!
قوم میں اِک چراغ تھا نہ رہا!

زمانہ حسب معمول رنگ بدلے گا۔ سورج نکلے گا اور غروب ہوگا۔ چاند چڑھے گا اور چھپے گا۔ صبحیں شام ہوں گی اور راتیں دن۔ دریاؤں میں مد و جزر آئے گا۔ خزاں کے بعد بہار آیا کرے

گی۔ مادرِ گیتی لاکھوں کروڑوں فرزند جنیں گی۔ مگر آہ ہمیں نہ ایسا مرکز علم و عرفان میسر آئے گا نہ اس حادثہ جان کاہ اور اس واقعہ ہائلہ کی تلافی ہو سکے گی۔

رفتم و از رفتنِ من عالمے تاریک شد　　من مگر شمعم جو رفتم بزم برہم ساختم

(علمدار واسطی)

مرثیہ سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیین

از جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی بنوڑی

موصوف الصدر مرحوم نے شیخ اعلیٰ اللہ مقامہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ''اند کے از بسیار'' کا مصداق ہے۔ ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور شیخ کا مرثیہ وہ قومی مرثیہ ہے جو مدتوں پڑھا جائے گا لیکن ہم اس سلسلہ کو یہاں بالفعل اپنے مکرم دوست جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی کے مرثیے پر ختم کرتے ہیں۔ جس کا تاریخی نام ''یاد مغفور'' ہے۔ جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے۔ وہ سب اس آئینہ میں منعکس ہے۔ اکابران قوم کے بہت سے مرثیے لکھے گئے ہیں۔ لیکن ''یاد مغفور'' کو پڑھ کر اہل بصیرت صاحبان دل بیساختہ کہہ اٹھیں گے کہ ''ایں زمیں را آسمانے دیگر است''۔

شیخ کی شخصیت کی طرح یہ مرثیہ بھی سب سے ممتاز ہے۔ زبان لطیف، الفاظ چست، اسلوب پسندیدہ، شاعیت اعلیٰ درجہ کی۔ مگر پھر شاعرانہ مبالغہ سے خالی اور شیخ کی شخصیت کا مع جملہ خصوصیات مکمل نقشہ۔ لفظ لفظ اور بیت بیت میں درد، مرثیت، روحانیت۔ یہ بھی شیخ کی روحانیت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ امید ہے ناظرین بہت محظوظ ہوں گے اور یہ مرثیہ شیخ کی یادگار رہے گا۔ میر صاحب موصوف نے دردِ دین اور احساس قومی کا پورا ثبوت دے دیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

یاد مغفور ۱۳۴۱

اے خوشا خاکِ خطۂ پنجاب　　ہیں نہاں جس میں گوہر نایاب
جو جھکا سُن کے نعرۂ تکبیر　　جو بڑھا اُٹھ کے سوئے راہ صواب
تازیوں کے لئے ہیں جس نے قدم　　جس نے چومی ہے غازیوں کی رکاب
ہے جو منّتِ کشِ نگاہِ علی　　جو ہے مرہون حیدری آداب

دے رہے ہیں شہادت سبقت
آج تک جس کے منبر و محراب

جس نے دیکھے بہت نشیب و فراز
جس پہ گذرے بہت عتاب و خطاب

علماء، صوفیہ، مجدد، شاہ
جس کے آغوش میں ہیں محوِ خواب

ایک مدت سے اس کی بزم عمل
تھی پڑی بے چراغ و بے مشعل

علم و عرفان کا نشان نہ تھا
عمق و روحانیت پہ دھیان نہ تھا

اوپری اوپری سی باتیں تھیں
مغز ہو جس میں وہ بیان نہ تھا

یوں تو ہر گھر بنا تھا بقعہ نور
دل کا روشن مگر مکان نہ تھا

جو ہوا ہو نہ بندہ مغرب
قوم میں ایسا اک جوان نہ تھا

تھی نہ کس کی زبان طعن دراز
معترض کون بدگمان نہ تھا

جب یہی حالت ہو کہے پھر مذہب
اور کیا تھا؟ جو نیم جان نہ تھا

ہم تھے اور یاس و حسرت و حرماں
ہم اور اغیار کی تھی تیغ زبان

پیدا آخر ہوئے نئے ساماں
درد کا اپنے مل گیا درماں

یعنی علم مجسم و عرفاں
ہند میں آیا چھوڑ کر ایراں

کی ہویدا حقیقتِ اسلام
اس نے سمجھائے معنیٰ ایماں

ناطقے بند کر دئے سب کے
کٹ گئی گویا معترض کی زباں

ہو گئے چپ مذاہبِ عالم
سُن کے اُس کے دلائل و بُرہاں

خود پکار اُٹھے فلسفہ سائنس
واقعی ہے کتابِ حق قرآن

فخر کرتے تھے اس پہ فقہ و حدیث
اس پہ تفسیر و ترجمہ نازاں

کون تھا وہ وحید لاثانی؟
شیخ عبدالعلی طہرانی

آہ! وہ شیخ دھوم تھی جس کی
قلزم علم عقلی و نقلی

آہ! وہ ذات جو تھی جانِ عمل
ناز کرتی تھی جس پہ شرع نبی

وہ سمندر کہ عمق تھا بے تھاہ — وہ سما حد نہ اوج و رفعت کی
علم یہ جس کو اُستاد پڑھیں — معرفت وہ کہ نور کی بجلی
حکمت ایسی کہ بوعلی بھی پڑھے — فلسفہ وہ کہ سیکھے فارابی
قوم کو تھا وجود شیخ مفیدؒ — گویا زندہ تھے مرتضیٰؒ و رضیؒ
ہم کہاں وہ ملک نفوس کہاں — دیکھ پائے تھے مجلسیؒ، حلیؒ
آفتابِ الٰہیات تھا شیخ — قوم وملت کی کائنات تھا شیخ
واعظوں کا بدل گیا انداز — منشیوں کو سکھا گیا پرواز
بزم میں کر گیا کشش پیدا — نطق حق کا دکھا گیا اعجاز
یوں بیاں کی حقیقتِ اسلام — گویا چھیڑا نہ تھا کسی نے یہ ساز
جو کہا جب کہا وہ قرآں سے — منکشف کر گیا نکات دراز
مولوی لے اُڑے وہ طرز بیاں — ذاکروں کو ملے پرِ پرواز
گو روایت سے کم تھا استدلال — دل میں تھا پر حدیث کا اعزاز
کر گیا ایک طرزِ نو قائم — حسبِ حالِ زمانہ و ممتاز

بزمِ مذہب میں شمعِ نور جلی
وہ بیاں تھا بیان عبدالعلی

ملکِ مذہب کا بادشاہ تھا شیخ — قوم و ملت کا خیر خواہ تھا شیخ
اِس سے بچتے نہ تھے حقیقت و مغز — یم شگاف اور کوہ کاہ تھا شیخ
قوم کے حق میں تھا وہ زرہ وسپر — غیر کو تیغ بے پناہ تھا شیخ
تھا علوم آئمہ کا عارف — واقفِ رمزِ لا الہ تھا شیخ
اس سے ملتی تھی منزل مقصود — رہنما و چراغِ راہ تھا شیخ
حیف صد حیف ! کہہ رہے ہیں آج — کہنے والے کہ آہ ! آہ ! تھا شیخ

شیخ منہ ہم سے آہ موڑ گیا
اور ہمیں بے پناہ چھوڑ گیا

لُٹ گیا آہ! آہ! باغِ علم — مٹ گیا دہر سے سراغِ علم!

چل بسا ساقی مے عرفاں بزم اُجڑی لٹا ایاغِ علم!
تیرہ و تار ہو گیا عالم مہر ڈوبا بجھا چراغِ علم!
اُٹھ گیا وہ وجود دُنیا سے عرش پر جس سے تھا دماغِ علم!
دل میں سوزش ہے لب پہ دردِ آہ جل رہا ہے جگر میں داغِ علم!
چھپ گیا آفتاب فضل و کمال حیف گُل ہو گیا چراغِ علم!

شیخ عبدالعلی سحر بیاں!
مر گئے بزمِ دیں ہوئی سنساں

عارف بے مثال تھا نہ رہا ایک صاحب کمال تھا نہ رہا
صاحب باطن اور روشن دل ہم میں اک اہلِ حال تھا نہ رہا
ہوگئی شمعِ معرفت خاموش جلوہ نور آل تھا نہ رہا
اب وہ ذوقِ الہیات کہاں؟ شیخ حکمت مقال تھا نہ رہا
ہوں گے جادو بیان اور مگر وہ جو سحرِ حلال تھا نہ رہا
کھو گئی لذتِ محبت موت! عشق و شوقِ وصال تھا نہ رہا

ہو گیا ختم درس روحانی
ہو چکے حل نکاتِ قرآنی

وعظِ علمی سُنائے گا اب کون دل کو مومن بنائے گا اب کون
ہو گئے ہوں جو نوجواں گمراہ راہ پر اُن کو لائے گا اب کون
ذکر سے مد و جزر ملّت کے ہم کو پہروں رولائے گا اب کون
من لے جو فضیلتِ اسلام معترض کو بتائے گا اب کون
ہو رہا ہے جو حملہ اغیار اس سے دین کو بچائے گا اب کون
خانۂ دل ہوا ہے تیرہ و تار شمع عرفاں جلائے گا اب کون
ہو علمدار ملتجی کس سے؟ اُن کے شبہے مٹائے گا اب کون

یہ نہیں چند یوم کا رونا!
عمر بھر کا ہے قوم کا رونا!

سرکار علامہ شیخ اعلیٰ اللہ مقامہ کا تابوت

مرحوم قدس سرہ نے بوقت انتقال جناب نواب کربلائی محمد علی خان صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کو باستدعائے نواب صاحب وصیت فرمائی تھی کہ ان کا تابوت نجف اشرف پہنچا دیا جائے۔ لہذا تابوت مرحوم اس غرض کے لئے کربلائے گامے شاہ لاہور میں امانت رکھا گیا۔ نواب صاحب اپنے حالات کی ناموافقت سے اس کے متعلق کوئی فوری اقدام نہ فرما سکے۔ کہ میر علی محمد خان صاحب مرحوم آف خیرپور سندھ نے قصد کیا کہ وہ اس خدمت کو انجام دیں۔ وہ اس کار خیر کے عازم ہوئے۔ مگر موت نے مہلت نہ دی۔ اور وہ مرحوم بھی موفق نہ ہو سکے۔ پھر سادات جہانیاں شاہ نے یہی قصد کیا۔ مگر ناسازگاری زمانہ سے اس خدمت کو انجام نہ دے سکے اور قاصر رہے۔ بعض مومنین نے چند مرتبہ ارادہ کیا کہ یہ فرض ادا کیا جائے کہ وہ بھی ناکام رہے۔ کیونکہ نواب صاحب مرحوم بھی نہ چاہتے تھے کہ کوئی اور اس مقدس خدمت کا شرف حاصل کرے اور وہ محروم رہ جائیں۔ تا ایں کہ ڈیڑھ سال قبل ازیں وہ بھی راہی ملک بقا ہوئے اور جوار رحمت وقدس الٰہی میں اپنے رفقا سے ملحق، موافق وصیت مرحوم نواب صاحب کے بعد ان کے صاحبزادگان اور ورثا کثر ہم اللہ ادام اعزاز ہم کا فرض تھا کہ وہ اس فرض کو ادا فرمائیں اور مرحوم نواب صاحب کو اس بار سے سبکدوش۔ مگر زمانہ نے انہیں بھی یہ توفیق نہ ہونے دی اور وہ بھی نواب صاحب کی طرح قاصر ومقصر رہے اور نومبر ۲۲ء سے لے کر ۶ جون ۳۶ء تک تقریباً ساڑھے چودہ سال تابوت مرحوم اس عالم غربت میں کربلائے گامے شاہ کی زینت رہا کہ اس کار خیر کی توفیق جناب مکرم میجر سردار محمد سرور خان صاحب ای۔ اے۔ سی سپرنٹنڈنٹ جیل ملتان کے شامل حال ہوئی۔ جو سرکار مرحوم کے مخلصین اور سچے بہ ارادت معتقدین اور فدائیوں میں سے مع اپنے خاندان کے ایک معروف وممتاز فرد ہیں۔ ہر طرف سے مایوسی دیکھ کر میجر صاحب نے عزم بالجزم کر لیا کہ مرحوم کا تابوت وہ منزل مقصود تک پہنچائیں گے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا بہ بخشد خدائے بخشندہ

آخر اپنی ہمت اور محض اپنے اقربا وارکان خانوادہ کی رفاقت اور سادات کرام جہانیاں شاہ کی شرکت سے اس مقدس کام کو سرانجام دیا۔

چنانچہ ۵ جون ۳۶ء کی صبح کو میجر صاحب اور بندہ ناچیز لاہور پہنچے۔ تابوت کھولا گیا اور کفن تبدیل کیا گیا اور آخری سامان سفر سے آراستہ اور شام کو مسجد کربلائے گامے شاہ میں ایک شاندار مجلس عزا بغرض ایصال ثواب روح پرفتوح مرحوم منعقد ہوئی۔ جس نے مومنین کے قلوب میں مرحوم کی یاد کو تازہ کیا۔ ۶ جون ۳۶ء کو

تابوت ایک مجمع مومنین میں لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچایا گیا۔ اسٹیشن پر اکثر مومنین مخلصین جمع تھے۔ ایک مختصر مجلس عزا پلیٹ فارم پر بھی قائم ہوئی اور تابوت کراچی میل سے بسپر دگی جناب سید حسن صاحب کربلائی و جناب شیخ ظاہر حسین صاحب دلیل الزائرین روانہ ہوا اور اسی دن اس ٹرین سے خود جناب نواب صاحب اعلی اللہ مقامہ و جناب سردار ہدایت علی خان صاحب مرحوم و مغفور و جناب شیخ مولا بخش صاحب مرحوم پدر بزرگوار جناب دلیل الزائرین کے تابوت بھی روانہ کربلا معلیٰ ہوئے۔ اکثر مومنین کا خیال ہے کہ سرکار علامہ قدس سرہ نواب صاحب مرحوم سے اخلاص خاص رکھتے تھے۔ اس لئے اس وقت تک ان کے تابوت کے روانہ کرنے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی۔ جس وقت تک نواب صاحب مرحوم کا تابوت ہمراہ نہ ہو جائے اور ساتھ ہی اور مومنین بھی رفیق سفر نہ ہوں اور یہ بزرگ ہستی جس کی محفل علم مخلصین مومنین سے پر رہتی تھی۔ اس سفر آخرت میں تنہا نہ رہے۔ و کل امر مرھون باوقاتھا۔ ہم میجر صاحب کو اس خدمت کی انجام دہی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور پسماندگان مرحوم اور مومنین کی طرف سے شکریہ ادا۔ زاد اللہ توفیقاتہ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنین کنند

وکل الیہ راجعون

سرکار علامہ ہروی اعلی اللہ مقامہ کی تدفین

سرکار موصوف کے تابوت کی روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اکثر مقامات کے مومنین اسٹیشن پر پہنچ کر زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ اکاڑہ کے عام مسلمانوں نے بہت اہتمام سے استقبال کیا۔ کراچی میں ۷ جون کو تابوت پہنچا۔ وہاں کے مومنین کرام نے بھی مرحوم کے جنازہ کی عزت افزائی میں دلی جذبات کے ساتھ حصہ لیا۔ خصوصاً انجمن حیدریہ کراچی نے اس باب میں خاص اخلاص کا ثبوت دیا۔ خطوط آمدہ عراق اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ اول ضریح اقدس کاظمین شریفین اور سامرہ کا طواف کرایا گیا اور پھر 22 جون 36ء کو جنازہ کربلائے معلیٰ پہنچا۔ وہاں بھی پہلے سے اعلان ہو چکا تھا۔ ہر طبقہ کے مومنین و علماء و مجتہدین و شرفاء و رؤسا اور طلبہ نے تشیع میں شرکت فرمائی۔ کافی جمعیت صحن اقدس میں جمع تھی اور قابل دید منظر تھا۔ یہاں سے بعد طواف جنازہ ہاتھوں ہاتھ حضرت عباس علیہ السلام کے حرم کی طرف روانہ ہوا اور بعد طواف صحن اقدس میں ہی فوٹو لیا گیا اور یہاں سے بذریعہ موٹر کار نجف اشرف روانہ ہوا۔ اکثر علماء کرام و رؤسا و شرفا بغرض تحصیل ثواب موٹروں پر ہمراہ گئے۔ شہر نجف اشرف سے بھی حضرات علماء، رؤسا، شرفاء

اورطلبہ نے پر اخلاص استقبال کیا اور ہاتھوں ہاتھ جنازہ صحن اقدس علوی میں لایا گیا اور بعد طواف ضریح اقدس وادی السلام کوروانہ ہوااور قریب ضریح حضرت ہود وحضرت صالح دفن کیا گیا۔ سردار محمد سرور خان صاحب کے نام آمدہ خطوط عراق سے معلوم ہوتا ہے کہ نجف اشرف میں آج تک ایسی تشیع کبھی نہ ہوئی تھی اوراس بزرگ نفس قدسی کے لئے اسی اعزاز کی امید تھی۔ بعد دفن حسب قاعدہ عراق میں شب کے وقت مجلس فاتحہ خوانی منعقد ہوئی۔ جس میں اکثر مؤمنین واہل علم نے شرکت فرما کر مرحوم مغفور کی روح پرفتوح کو قرآن خوانی وفاتحہ خوانی سے شاد کیا اور مرحوم اب اپنے مرکز اصلی پر پہنچ کر محوخواب ہیں اور مرحوم کا گنبد مزار مومنین کی زیارت گاہ۔

''پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''

اعلیٰ اللہ مقامہ وقدس سرہ فی اعلیٰ علیین۔ خداوند عالم جناب سردار محمد سرور خان صاحب اور جناب شیخ محمد طاہر صاحب کو اجر خیر عطا فرمائے کہ ان حضرات نے مرحوم کی آخری خدمات وفرائض کو نہایت حسن عقیدت کے ساتھ ادا فرمایا (جزاھم اللہ عنا و عنہ خیر الجزاء)

موعظہ اوّل

۲محرم الحرام ۱۳۳۱ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قال عز من قائلہ"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و المواعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ و ھو اعلم بالمھتدین"(نحل ۱۶ ع)

نئی روشنی اور زمانہ موجودہ کی حالت

اس وقت اسلام دوصورتوں میں جلوہ گر ہے۔(۱)صورت قدیم (۲)صورت جدید۔صورت جدید یعنی نئی روشنی،نئی روشنی کے معنی ہیں ہرایک چیز کو چھوڑ دینا۔اسی پر اکتفا نہیں۔بلکہ یہاں تک ترقی کر لی ہے کہ کہتے ہیں قرآن کی بھی ترمیم ہونی چاہئے۔یہ کتاب جُہال عَرَب ہی کے واسطے تھی۔اب اس ترقی کے زمانہ میں اس کے قوانین واحکام قابل عمل نہیں رہے۔ترمیم ہونی ضروری ہے۔اس روشنی کے زمانہ میں نئے نئے فرقے اور مجددین پیدا ہورہے ہیں!مثال کے لئے اہل القرآن کو لے لیجئے۔وہ احادیث واخبار نبوی کے بالکل منکر ہیں۔متابعتِ پیغمبر کو منع کرتے ہیں اوراپنے آپ کو خالص پیروقرآن کہتے ہیں اور دراصل قرآن کے منکر ہیں۔قرآن کو اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔نہ کہ قرآن کے احکام کی پیروی۔اس قسم کے فرقے ہرروز پیدا ہوتے رہتے ہیں اور رواج پاتے ہیں اور پیرواور مقتدی پیدا کر لیتے ہیں کہ علم صحیح مفقود ہے اور تحقیق کا مادہ معدوم۔یہی وجہ ہے کہ باوجودان مجددین کے بیانات وکلمات صراحتہً کتاب خدا کے مخالف ہیں۔نہ صرف جزوی مخالفت۔بلکہ نصوص ظاہریہ قرآن کے مخالف ہیں۔مگرلوگ ہیں کہ ان کے پیروہوتے جاتے ہیں۔نہیں سمجھتے کہ وہ ہمیں کہاں لئے جارہے ہیں اور کس قعرضلالت میں پھینک رہے ہیں۔

قرآن اور تبیان

قرآن شریف وہ کتاب ہے جس کی شان میں خداوند تعالیٰ تبیا نا لکل شی فرماتا ہے۔ بیان بھی نہیں تبیان۔ تبیان اور بیان دو چیزیں ہیں۔ بیان صرف اظہار کر دینے کو کہتے ہیں اور تبیان ایسے بیانِ روشن اور آشکارا کو کہتے ہیں۔ جو قابلِ قبول ہو۔ سوائے اس منکر اور جاحد کے جو دیدہ و دانستہ انکار کرتا ہے۔ کوئی اس کا انکار نہ کر سکے۔ گویا قرآن مجید ایسا روشن و آشکار ہے کہ قابل انکار ہی نہیں کتاب لا ریب فیہ ہے۔ لیکن یہ کتاب نہایت مختصر اور مختلف اجزاء قصص، حکایات، امثال، مواعظ، احکام وغیرہا کو شامل ہے۔ پانچ سو تیرہ (513) آیات احکام کے متعلق ہیں۔ جن میں سے صرف ایک سو تیرہ (113) صریح اور باقی غیر صریح ہیں۔ جن سے صراحتہً احکام مستنبط نہیں ہوتے۔ مثلاً ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما و من تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم (یعنی کوہِ صفا و مروہ) شعائر الٰہیہ اور اس کی یاد دہندہ نشانیاں ہیں (کہ وہاں اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے) پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ بجالائے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کا طواف کرے اور سعی بجالائے۔ اور جو شخص خیر کو بجالائے۔ خدا اس کا شکر گذار اور اس کو جاننے والا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں لفظ لا جناح حکم ہے اور سعی درمیان صفا و مروہ احکام و مناسکِ حج میں داخل ہے حالانکہ ظاہر لفظ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح آیہ مجیدہ و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا والنساء (۱۵ ع) میں فلیس علیم جناح حکم کے واسطے ہے اور مقامِ خوف اور سفر میں نماز قصر کرنا واجب ہے۔ مگر آیہ مجیدہ سے صریح معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض احکام بطور اخبار کے وارد ہوئے ہیں۔ جیسا کہ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ الخ میں بحکم رضاعت کہ بچہ کو دو سال دودھ پلایا جائے۔ بطور اخبار بیان ہوا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں گی۔ حکم یا امر بطور انشاء نہیں ہے۔ بعض امور لفظ ماضی سے بیان ہوئے ہیں اور مراد مستقبل ہے جیسا کہ اتی امرو اللہ امر خدا آ گیا (یعنی آئے گا) غرضیکہ ایک سورہ بقر سے پانچ سو (۵۰۰) حکم مستنبط ہوتے ہیں اور ایک آیت سے پندرہ پندرہ اور اٹھارہ اٹھارہ حکم نکلتے ہیں بلکہ آیہ شریفہ و ذروا ظاھر الاثم و باطنہ سے آٹھ سو (۸۰۰) حکم اخذ ہوتے ہیں۔ حالانکہ نہایت ہی مختصر آیت ہے صرف دو

ہیں۔ فلا شک ولا ریب کلام حمید مجید تبیان کل شے ہے۔ ہر ایک شے اور ہر ایک امر کا بیان اس موجود ہے۔ لیکن جب تک علم قرآن حاصل نہ ہو اس مختصر کتاب سے اس قدر احکام نکالنا محال ہے اور محال در محال ہیکہ ہر کس و ناکس ماہر عربی دان تمام احکام معلوم کر سکے۔ ہزار کتب منطق و فلسفہ جمع کر لو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ علم قرآن اور چیز ہے منطق اور فلسفہ اور شے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کتاب پاک میں قیامت تک کے جملہ احکام و ضروریات و مایحتاج عالم موجود ہیں۔ حتی کہ ذکر معاون و معدنیات اور ان سے متمتع ہونے کا طریق حرف و صناعات اور ان کو کام میں لانے کا طریقہ اور کمال اعجاز یہ ہے کہ تمام احکام معاون اور معدنیات وغیرہ کو ایک مختصر سی آیت میں ظاہر فرما دیا ہے۔ فرمایا ہے خلق لکم ما بی الارض جمیعا یعنی جو کچھ زمین میں ہے۔ سب تمہارے انتفاع کے لئے خدا نے پیدا کیا ہے۔ بعض قسم کے انتفاعات نباتات سے حاصل ہوتے ہیں اور بعض حیوانات سے اور بعض جمادات و معدنیات سے اور جب ہر ایک شے ہمارے انتفاع کے لئے خلق فرمائی ہے تو ضروری و لازمی ہے کہ ان سے منتفع ہونے کا علم اور طریقہ بھی عطا ہوا ہو کہ ہم نباتات سے کس طرح متمتع ہوں۔ حیوانات سے کیونکر مستفید ہوں اور معدنیات سے کس طرح نفع اٹھائیں۔ دریاؤں کو کیسے کام میں لائیں وغیرہ وغیرہ اور اگر اُن سے منتفع ہونے کا علم نہیں دیا۔ تو یہ دعویٰ غلط ہوگا اور احسان جتانا عبث پس ضرور ان سے متمتع اور منتفع ہونے کا علم عطا کیا ہے بلکہ ان کی خلقت سے پہلے علم عطا کیا ہے چنانچہ فرمایا وعلم ادم الاسماء کلھا اللہ نے حضرت آدم کو تمام اسماء کا علم سکھایا اور اُن اسماء کو ان کی ذرّیت کی پشتوں میں ودیعت فرمایا اور ان کے نطفوں میں بالفطرۃ پیدا کیا۔ اس لئے اب جو کوئی شے ایجاد ہوتی ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ وہ تمام پہلے سے نطف انسانی میں موجود تھا اور حضرت آدم کو سکھلایا گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان خلقت انسانی کے ساتھ ہی اس کو بیان اور قوت اظہار مافی الضمیر عطا ہوئی ہے۔ لاکن یہ بیانِ ناقص انسانوں میں ناقص ہے اور کامل میں کامل اور اکمل میں اکمل۔ پس بیان کامل و اکمل وجود اقدسِ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔ جو افضل الموجودات و اکمل المکنونات و اول صادر از مصدر ہیں۔ پس ضرور ہے کہ جمیع علم موجودات و حرف و صنائع و اسماء و مسمیات و اسباب و ذرائع انتفاع اور ان کا بیان وجودِ پیغمبر میں ہو اور حدیث شریف انا مدینۃ العلم سے یہ مطلب خوب واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مدینہ اور شہر اسی کو کہتے

ہیں۔ جس میں جملہ ضروریات اہل شہر و بنی نوع انسان موجود ہوں اور آسانی سے مہیا ہو سکتی ہوں اور علی بابھا سے ظاہر ہے کہ اظہار اور بیان تفصیلی اس شہر علم الٰہی کے علی ابن ابی طالب وصی رسول اللہ علیہ الصلوۃ و السلام ہیں۔ کیونکہ آپ بھی آنحضرت کی طرح انسان کامل واکمل ہیں و الانسان الکامل ھو المظھر الجامع لجمیع الصفات الکمالیة علمک مالم تکن تعلم اس حدیث کا مدرک ہے (تفصیل اس کی دوسرے مقام پر آئے گی)۔

قصص و حکایات کلام مجید میں اس کثرت سے ہیں کہ کوئی سورہ ان سے خالی نہیں ہے۔ صراحۃً اشارۃً کنایۃً ہر ایک سورہ میں کوئی قصہ موجود ہے اور سورہ یوسف تو تمام کی تمام قصہ ہی ہے۔ حتی کہ سورہ انا اعطیناک الکوثر جیسی مختصر سورت میں بھی ایک قصے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ان قصص میں بڑی حکمت و مصلحت ہے اور بعض احکام قصص ہی سے ماخوذ ہیں اور ان قصص کے واسطے اس قدر تاکید ہے کہ پیغمبرؐ کو حکم تھا اور مامور تھے منجانب اللہ کہ ان کو بیان کریں۔ فقال عز من قائلہ ۔اتل علیھم بنا ابنی ادم آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ انہیں سنادو۔ و قال واتل علیھم نبا الذی اتینا ہ ایاتنا فانسلخ منھا فاتبعه الشیطان و کان من الغوین و لو شنا لرافعنا ہ بھا و لکنه اخلد الی الارض واتبع ھوہ فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلھث او تترکه یلھث ذالک مثل القوم الذین کذبوا با یا تنا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون (اعراف ۲۰ ع)

ترجمہ:۔ اے رسولؐ تو ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سُنا جس کو ہم نے آیتیں عطا کی تھیں۔ پھر وہ اُن سے نکل گیا اور جدا ہو گیا تو شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور آخر کار وہ گمراہ ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی بدولت اس کو بلند مرتبہ بنا دیتے۔ مگر وہ تو خود ہی پستی کی طرف مائل ہو گیا اور جب دنیا اس پر غالب آ گئی اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہو گیا تو اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اگر دھتکارو تو بھی بھونکے اور اگر چھوڑ دو تو بھی بھونکے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

اے رسول قصے ان لوگوں سے بیان کر دے تا کہ یہ ان میں غور کریں اور عبرت حاصل کریں و قال واتل علیھم ما اوحی علیک الخ یعنی کچھ تجھ کو وحی کی گئی ہے سب کو تلاوت کر دے۔ ان قصص کی تلاوت کو پیغمبر پر واجب کیا ہے کہ پڑھے اور لوگوں کو سنائے ان قصص سے احکام کا نکالنا بہت دشوار ہے۔

قرآنی اوران کی علت ومصلحت

یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن جو معجزہ باقیہ اور حجت دائمہ ہے۔ بطور قصص کیوں نازل ہوا ہے؟ اور اس قدر قصص کیوں وارد ہوئے ہیں؟ کہ قریب دو تہائی قرآن قصص سے پُر ہے۔ علت یہ ہے کہ طریق دعوت وہدایت یہ ہے جس کی بابت خدا فرماتا ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظه الحسنة الخ حکمت ودانائی کے ساتھ لوگوں کو دین کی دعوت دی جائے اور حکمت دو قسم پر ہے۔ حکمت علمی و نظری اور حکمت علمی وفعلی اور یہ امر بدیہیات سے ہے کہ ہر ایک جنس اپنی جنس سے مانوس اور مالوف ہوتی ہے اور اپنی جنس کے حالات وحکایات سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان اپنے ہم مثل اور اپنی نوع سے مانوس اور ان کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کے حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ قصص وحکایات وامثال سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قصوں کو موجبِ تذکر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیات مذکورہ میں فاقصص القصص لعلهم یتفکرون سے ظاہر ہے اور نیز فرمایا و ذکرهم بایام الله یعنی ایام خدا انہیں یاد دلا و تلک الایام نداد لها بین الناس یہ ایام ہیں کہ ہم انہیں لوگوں میں گردش دیتے ہیں اور ایام خدا سے وہ ایام خاص مراد ہیں۔ جن میں آثار الٰہی خاص طور پر ظاہر ہوئے۔ پس اول شے ہدایت کے لئے عبرت ہے اور وہ قصص سے حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازاں احکام وتکالیف مثل روزہ ونماز وغیرھما کا قبول کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسی واسطے ان تمام امور میں سے جن کے بیان کرنے پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے اعظم تر قصص کا بیان ہے تاکہ تاریخی حوادث وواقعات کی حسی مثالیں لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوں۔ اسی سبب سے مذاہب وامم گذشتہ کے قصص کو بیان کیا گیا ہے کہ دین عبرت سے ثابت ومستحکم ہوتا ہے۔ لہذا تجربیات تاریخی کا بیان کرنا تمام باتوں سے ضروری ہے۔ اس زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ گذشتہ امتوں کے تاریخی واقعات سے احکام وعلوم استنباط کرتے ہیں اور جس طرح سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمم گذشتہ کے قصے بیان کرنے پر مامور تھے۔ اسی طرح ہم بھی مامور ہیں کہ اُمم آخرین کے قصص اور واقعات کو بیان کریں ان سے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ قرآن میں وہ قصے بھی موجود ہیں اور اس امتِ محمدی میں بھی مثل امم سابقہ قصص وارد ہوئے ہیں اور ان قصص میں کوئی قصہ قصہ روز عاشورہ اور کوئی واقعہ واقعہ کرب وبلا سے بالاتر نہیں ہے جو لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا باعث ہو جس کی مثال ونظیر نہ گذشتہ واقعات میں ملتی ہے اور نہ آئندہ میں۔ واقعہ جس قدر عظیم ہوگا اسی قدر زیادہ باعث عبرت ہوگا۔

سب سے اول قصہ حضرت آدم اور شیطان ہے اور یہ قصہ خارجی ہے کہ ایک غیر جنس سے حضرت آدم کے ساتھ واقع ہوا اور شیطان کے تکبر کا یہ نتیجہ ہوا اور غرض اس کے بیان سے یہی ہے کہ بنی آدم متنبہ ہوں اور عبرت حاصل کریں۔

آدم کے بیٹوں کی قربانیاں

بعد ازاں قصہ داخلی ہے۔ یعنی خود حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا ہے۔ **فقال عز وجل واتل علیھم بنا ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما و لم یتقبل من الاخر قال لا قتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین** سُنا دوان کو آدمؑ کے دونوں بیٹوں کی سچی خبر کہ جب دونوں اپنی اپنی قربانی لے کر گئے۔ تو ایک کی قبول کی اور دوسرے کی اللہ نے قبول نہ کی تو اُس نے حسد سے کہا کہ میں تجھے قتل کروں گا اور اُس نے جواب دیا کہ خدا تو صرف متقی پرہیز گاروں سے قبول کرتا ہے قربانی سے گوسفند وغیرہ حیوان کی قربانی ہی مراد نہیں ہے بلکہ **ما یتقرب الی اللہ** یعنی وہ چیز جو موجب تقرب خدا ہو مراد اور مقصود ہے اور قابیل از قسم زراعت کچھ لے کر گیا تھا اور ہابیل گوسفند لے گئے تھے۔ پس ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی نہ ہوئی اور اس سے قابیل کو حسد پیدا ہوا اور اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا الخ۔

اسی طرح بلعم باعور کا قصہ ہے جس کی طرف حق سبحانہ وتعالیٰ نے آیہ مذکورہ **واتل علیھم بنا الذی اتینا ہ ایتنا** الخ میں اشارہ کیا ہے یہ شخص بنی اسرائیل میں نہایت عابد اور زاہد تھا اور اس کے زہد وتقویٰ کی یہ حالت تھی کہ دعا اس کی مستجاب تھی۔ مگر حرص وطمع مال دنیوی نے اُسے ایسا گمراہ کیا کہ مخالفین جناب موسیٰؑ سے اشرفیاں لے کر اُن کے اصحاب کے لئے بددعا کی۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکتے پھرے (افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بلا اشرفی وروپے کے ہی بہت سے لوگ دین کو ہاتھ سے دیے دیتے ہیں)

سب سے زیادہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصص مذکور ہیں۔ حتی کہ ولادتِ باسعادت سے لے کر آخر عمر تک کے قصص موجود ہیں۔ قصہ حضرت ابراہیمؑ بھی نہایت عبرت خیز ہے کہ راہ خدا میں قربان کرنے کے لئے کس طرح سے اپنے بیٹے جناب اسماعیل کو پیش کیا۔

مسلمان اور واقعہ کربلا حسینی دعوت اور اصحاب حسینؑ

مگر روزِ عاشورہ کے واقعہ ہائلہ میں تمام واقعات سابقہ کی مثالیں اور نظیریں موجود ہیں۔ بلکہ ایک امر زیادہ ہے اوہ یہ ہے کہ انبیائے سابقین کے ابتلاات وتکالیف کفار ومشرکین کے مقابلے میں تھیں اور یہاں کرب

وبلا کی ابتلا داخلی ہے۔ یعنی ان مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے جو در باطن مشرک تھے۔ وما یومن اکثر هم باالله الا و هم مشرکون اور اسی فساد باطنی نے امت محمدی کو پریشان و منفرق کیا ہے اور آج جو مسلمانوں میں یہ اختلاف نظر آ رہا ہے۔ جس نے اسلام برباد کر دیا ہے۔ وہ اسی کا نتیجہ ہے اور خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کی کرتوت ہے۔ منافقین اسلام نے اسلام کی بیخ کنی کی۔ کیونکہ لوگ انہیں مسلمان سمجھ کر ان پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے اس میں ان کی پیروی کرنے لگتے تھے اور ظاہر ہے کہ فساد داخلی فساد خارجی سے بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔ روز عاشور امام حسین علیہ الصلوۃ السلام نے اپنی حکمت عملی و علمی دونوں سے دعوت ایمانی دی ہے۔ نہ دعوت اسلامی۔ پیغمبر دعوت اسلام دیتے تھے اور جو شخص صرف لا اله الا الله محمد رسول الله کہتا داخل اسلام ہو جاتا اور جان و مال اس کا مصئون اور محفوظ۔ خواہ ابھی دل میں ایمان مستحکم نہ ہوا ہو کیونکہ ابتدائی دعوت تھی اور ابتدائی تعلیم میں حضرت صرف یہی فرماتے تھے۔ قولو الا اله الا الله تفلحوا اور یہی وجہ تھی کہ اکثر اصحاب پیغمبر باوجود وعدہ نصرت و فتح لڑائیوں سے بھاگ جاتے تھے۔ لیکن امام حسین علیہ الصلوٰۃ و السلام جس کو بلاتے تھے اور دعوت دیتے تھے۔ موت اور فنا ہونے کی دعوت دیتے تھے کہ جس کو قتل ہونا ہے۔ وہ میرے ساتھ آئے یہ مسلمانوں کو دعوت ایمانی تھی کیونکہ ایمان کی یہی نشانی ہے۔ ان الله اشتریٰ من المومنین انفسهم باموالهم بان لهم الجنة يقاتلون فی سبيل الله فيقتلون و يقتلون رالخ اور حضرتؑ کے ساتھ وہی لوگ ہوئے جن کے دلوں میں نور ایمان نہایت درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اور خوشی سے راہ خدا میں حسین فرزند رسول الثقلین کے قدموں پر ہزار بار سر نثار کرنے کو تیار تھے۔ ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا اور یہ چند نفوس ہزاروں کے مقابلہ میں ایسے لڑے کہ بھاگنا تو در کنار کسی نے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔ یہ دعوت، دعوت پیغمبر کا عکس تھی۔ اور اس سے اثر میں اعظم تر پس اس واقعہ کا ذکر و تذکرہ تمام قصص سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے۔ بحکم خدا حضرت ابراہیمؑ راہ خدا میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے صدق دل سے تیار ہو گئے تھے اور انہیں خبر نہیں تھی کہ عوض میں فدیہ آ جائے گا اور اسمعیلؑ بچ جائے گا۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے خلیلؑ خاص کا اس عظمت سے ذکر کیا ہے۔ لیکن ابراہیمؑ کربلا نے ایک اسمعیل نہین قربان کیا بلکہ علاوہ اصحاب و انصار و احباب اٹھارہ بنی فاطمہؑ کو جن کا روئے زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھا راہ خدا میں لڑنے کو خوشی سے بھیج دیا اور امام حسین علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ سب کے سب بھوکے پیاسے نہایت سختی اور بے رحمی سے ذبح کئے جائیں گے۔ الخ

فلا حول ولا قوة الا باالله العلی العظيم

موعظہ دوم

۳۔محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

قال عزمن قائله يوم ندعو اكل اناس بامامهم (بنی اسرائیل ع ۸)

ضرورت امام

بدیہی وضروری ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہر گھر میں ایک شخص بڑا ہوتا ہے۔ جو اُس گھر کا منتظم کہلاتا ہے۔ وہ گھر کا انتظام درست رکھتا ہے۔ ہر شخص اس کی بات کو مانتا ہے اور وہ ہر ایک کے حق کا خیال رکھتا ہے۔ ہر آدمی اس کی اطاعت کرتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی بڑا نہ ہو اس کا انتظام درست نہیں ہوتا۔ ہر ایک فرد اس گھر کا خود رائے ہوتا ہے اور فتنہ وفسادات برپا رہتے ہیں اسی طرح اگر وہ منتظم موجود ہو۔ مگر افراد خانہ اس کی اطاعت نہ کریں اور بات نہ مانیں۔ یا وہ سب کے حقوق کی مساوی رعایت نہ رکھے تب بھی انتظام خانہ داری درست نہیں رہتا۔ اس سے اوپر ترقی کر کے ہر ایک محلّہ میں ایک میر محلّہ ہوتا ہے۔ جو اپنے محلّہ کی تمام جزوی ضروریات کا لحاظ رکھتا ہے اور محلّہ کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت کرتا ہے۔ جزوی معاملات ونزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس صورت سے ان کے بہت سے معاملات مشترکہ بلا کسی فساد عظیم وحرج ومرج ونقصان جان ومال کے طے ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جہاں ایسا شخص موجود نہ ہو۔ وہاں تمام امور درہم وبرہم ہو جاتے ہیں۔ پھر اوپر چل کر اسی طرح ہر گاؤں میں ایک مقدم کی ضرورت ہے جو اسی طرح گاؤں والوں کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت رکھے اور ان کے جزوی معاملات و نزاعات کا فیصلہ کرے وعلی ہذا القیاس ہر شہر میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے۔ جو شہر کا انتظام کرے اور اپنے معاملات ونزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور وہ ان کو رفع کرے اسی اصول پر بوجہ احتیاج اجتماع نوعی ضرورت ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا شخص ہو۔ جو سارے ملک کا نظم ونسق درست رکھے اور تمام نوعی شخصی وملکی نزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور باقی تمام منتظمین اس کے تحت حکم ہوں۔ وہ

ہر شخص کے حق کی رعایت کرے۔ مظلوم کا ظالم سے بدلہ لے۔ ہر ایک حق دار کو اس کا حق دلوائے۔ جس قوم یا ملک میں ایسا شخص موجود نہ ہو۔ وہ کبھی تہذیب یافتہ نہیں ہو سکتی اور متمدن اقوام میں شمار ہونے کی ہرگز مستحق نہیں۔ بلکہ روزمرہ کے فسادات اور خانہ جنگیوں سے برباد ہو جائے گی۔ بے سری قوم جس کے سر پر کوئی حاکم و منتظم نہ ہو۔ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ ہر شخص صاحب حاجت و محتاج ہے اور ہر ایک اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے نیز یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کی طبیعت میں حرص و طمع داخل ہے اور منشاء ان کا ضروریات واقعیہ سے زیادہ لینا ہے۔ جب یہ حرص و طمع انسان پر غالب آ جاتے ہیں تو وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے اور ان کے ظلم و جود پر آمادہ ہو جاتا ہے اور چونکہ دوسرے انسان میں بھی یہی احتیاج موجود ہے پس وہ اپنی ضرورت پوری کرنی چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اس کا حق دوسرا لے لے۔ لہذا دفاع پر آمادہ ہوتا ہے اور فساد و نزاع قائم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بے انتہا کشت و خون تک منتہی ہوتا ہے۔ انہیں فسادات و نزاعات کے رفع کرنے کے لئے اس منتظم و مدبر کی ضرورت ہے کہ وہ ان کے واسطے ایک قانون مرتب کر دے۔ جس کی رو سے کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کر سکے اور حق دار کو اس کا حق پہنچ جائے اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرے اس کو وہ مدبر و منتظم سزا دے۔

لیکن چونکہ تمام نوع انسان احتیاج و حرص و ہوا میں مشترک ہے۔ اس واسطے اگر وہ منتظم و مدبر بھی عام لوگوں کی طرح ان ہی میں سے ایک شخص انہی جیسا محتاج و ہوا و ہوس کا پتلا ہو تو یہ نظام درست نہیں رہ سکتا اور اگر یہ قانون انہی لوگوں کا بنایا ہوا ہو یا ایسے ہی منتظم و مدبر کا مرتب کیا ہوا ہو تو وہ کامل قانون نہ ہو گا۔ جس میں ہر شخص کے حق کی پوری رعایت رکھی گئی ہو۔ اور جمیع ضروریات شخصی و نوعی کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ پس ایسا قانون نہیں بنا سکتا۔ مگر وہ جو ان کا خالق و صانع ہے اور ہر ایک کی ضروریات کا بالذات عالم۔ یعنی اگر یہ قانون قانون الٰہی نہ ہو گا تو کبھی کامل قانون مبنی بر عدل و انصاف نہ ہو گا۔ اسی طرح اس قانون کا جاری کرنے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے ذریعہ سے متخاصمین سے نزاع کو رفع کرنے والا بھی ایسا ہی شخص ہونا چاہیے جو عام لوگوں سے خارج ہو مثل ان کے محتاج و حریص نہ ہو ورنہ نزاعات و فسادات قائم و ثابت رہیں گے۔

لہذا اس سلسلہ انتظام عالم میں ضرور ہے کہ ایک شخص ایسا موجود ہو جو حقوق افراد انسانی کی حفاظت کرے اور ہر ایک حق دار کو اس کا حق پہنچائے اور مثل دیگر افراد نہ ہو۔ ورنہ اغنیا کی رعایت کرے گا۔ خالق عالم واجب الوجود غنی مطلق ہے۔ ہر ایک قسم کی احتیاج سے ارفع و اعلیٰ ہے پس چاہیے کہ وہ شخص واجب الوجود سے دوسرے درجہ پر غنی ہو۔ سوائے واجب الوجود کے اور کسی کی احتیاج نہ رکھتا ہو۔

محافظ وحاکم دوطرح کے ہیں ایک ظاہری محض اوروہ بادشاہ ہے۔ بادشاہ اگراپنی رائے سے اوراپنی طرف سے حکم کرے۔تو وہ حکم مبنی برعدل نہ ہوگا۔ کیونکہ خواہش نفسانی واحتیاج سے وہ خالی نہیں ہے اوراگراز روئے عدالت حکم کرے تو بھی من حیث المجوع جامع جمیع ضروریات شخصی ونوعی نہ ہوگا اورعدل وانصاف مطلق پر مبنی اورحق وباطل میں فارق نہ ہوگا۔ دوم۔ ظاہری وباطنی اوروہ نبی وامام ہے اوراس کی بھی دوقسمیں ہیں جزئی و کلی۔ قسم اول کی طرف خداوندعالم آیہ مجیدہ میں ارشادفرماتا ہے۔ واتیناہ الحکم وفصل الخطاب یعنی ہم نے داود کوحکم اوروہ کلام عطا کیا ہے جوحق وباطل میں فاروق وفاصل ہے۔ پس حکم صحیح وہی ہے جوحکم الٰہی کے مطابق ہوورنہ غلط وباطل اورجواس حکم کے ادا کرنے میں تساہل اورکوتاہی کرے وہ عنداللہ مسئول و ماخوذ ہے۔ چنانچہ خداارشادفرماتا ہے۔ و لنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین یعنی جن کوہم نے اپنے احکام واوامرونواہی کے ساتھ بھیجاہے۔ ہم ان سے دریافت کریں گے کہ انہوں نے ہماراحکم پہنچایایانہیں اورنیز جن کی طرف وہ بھیجے گئے۔ ان سے بھی دریافت کریں گے کہ انہوں نے ہمارےاحکام پرعمل کیایانہیں۔

امامت دراصل دوطرح کی ہے ایک امامت صغریٰ اوردوسری امامت کبریٰ اورصاحبِ امامتِ صغریٰ دو ہیں۔ امام جمعہ وجماعت۔ وامام فتویٰ۔ حشروحساب کاتعلق زیادہ ترامام فتویٰ سے ہے نہ امام جماعت سے۔ اگرفتویٰ امامِ فتویٰ (مفتی ومجتہد) موافق ومطابق حکم امام صاحب امامت کبریٰ ہے۔ تو یہ فتویٰ دراصل فتویٰ امام مفترض الطاعت ہے اورمفتی مستحق ثواب اورعمل کرنے والے ناجی اوررستگار۔ اوراگرفتویٰ خلاف حکم امام ہے تومفتی اوراس کے پیرو ایک علیحدہ جماعت ہے اوراُن کاحشراسی مفتی کے ساتھ ہوگا۔ ویوم ندعوا کل اناس بامامھم اورامامت کبریٰ مطابق پیشوائی دین ہے اورامام صاحب امامت کبریٰ خلیفہ خدا۔ وجہ اللہ، ویداللہ ومفترض الطاعۃ ہوتا ہے اورامام اصل وامام عدل ہے اوریہی اصل صاحب حکم ہے اور ضرورتِ وجودامام پروہ دلائل عقلی ونقلی قائم ہیں۔ جوضرورت نبوت پردال ہیں اوریہ امامت اورنبوت ایک ہی سلسلہ ہے جیسا کہ ثابت ہوگا اوریہی امامت کبریٰ منقسم ہوتی ہے۔ امامتِ جزئی وکلی کی طرف۔ جس کی قسم اول یعنی امامت جزئی کی طرف پہلے بھی اشارہ کیاجاچکا ہے۔ صاحب دُرّ مختار مطلق امامت کے متعلق لکھتے ہیں کہ امامت دوقسم پرہے۔ امامتِ صغریٰ وامامتِ کبریٰ اورامامت کبریٰ رکن اعظم دین ہے۔ اسی واسطے اس امام کے تقررکومسلمانوں نے دفن وکفن پیغمبرؐ صاحب معجزات وصاحب شریعت پرمقدم رکھا۔ قسم دوم امامت کبریٰ، یعنی امامتِ مطلقہ کاسلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوا فقال عزوجل انی جاعلک للناس اماما اورحضرت مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ پرختم ہوتا ہے۔

اختیارِ مذہب وجملہ معتقدات نجات کے واسطے ہیں اور نجات موقوف ہے معرفت امام وقت پر۔ اگر کوئی شخص روزے نماز کا پابند ہو اور اعمال خیر بجالاتا ہو۔ مگر اپنے امام مفترض الطاعۃ کو نہیں پہچانتا کہ وہ کون ہے تو وہ جہنمی ہے۔ ہر ایک فعل مثل روزہ اور نماز اس کے لئے ایک درجہ جہنم کا کھولتا ہے۔ چنانچہ آیات ذیل اس پر شاہد ہیں۔ **قال عز و جل عاملة ناصبة تصلى نار حامية** یعنی بعض نفوس ایسے ہیں جو نہایت محنت ومشقت سے اعمال بجالاتے ہیں۔ مگر وہی اعمال ان کے لئے آتش جہنم بنتے جاتے ہیں۔ و **قال عز و جل قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا و هم يحسبون انهم يحسنون صنعا اولئک الذين كفرو بايات ربهم و لقائه فحبطت اعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيمة وزنا** یعنی کہہ دواے پیغمبر کہ کیا ہم تم کو خبر دے دیں ان لوگوں کی جو از روئے اعمال نہایت ہی خسارے میں ہیں ان کی تمام کوشش زندگی دنیا ہی میں ضائع ہوگئی اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ وہ نیک کام کررہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے آیات الٰہی اور حشر ونشر اور حساب وکتاب کا انکار کیا۔ پس ان کے سب اعمال حبط وضائع ہوگئے اور روز قیامت ہم ان کے لئے کوئی وزن قرار نہ دیں گے اور وہ کسی شمار میں نہ ہوں گے۔

امامت نفس نبوت ہے۔ بلکہ غایتِ قصویٰ نبوت اور معرفت امام معرفت خدا ہے۔ **قال النبى صلى الله عليه و آله وسلم من مات و لم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة الجاهلية** جس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا اور مر گیا۔ وہ جاہلیت کی موت، مشرک، کافر یا منافق مرا۔ بلا معرفت امام نہ توحید صحیح ہے اور نہ اعتقاد نبوت اور اسی وجہ سے ہر ایک شخص اپنا کوئی پیشوا (امام) رکھتا ہے اور پیشوا دو قسم کے ہیں۔ پیشوائے حق اور پیشوائے باطل۔

امام حق وامام باطل

چنانچہ قرآن شریف میں خداوند عالم نے دو قسم کے اماموں کا ذکر کیا ہے ایک تو وہ امام ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ وہی لوگ ہیں جو بحکم خدا دعوت نہیں دیتے۔ بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں اور بندگانِ خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے **وجعلناهم آئمة يدعون الى النار** یعنی یہ امام بنائے گئے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی دعوت دیتے ہیں دوسرے وہ امام ہیں جو بامر خداوند عالم لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ ہروقت تابع مشیت الٰہی رہتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے اور وہی

راہ مستقیم دکھلانے والے اور اصل مقصد پر پہنچانے والے اور خدا سے ملانے والے ہیں جن کی بابت ارشاد فرماتا ہے۔ وجعلنا منهم آئمة يهدون بامرنا لما صبروا یعنی ہم نے ان کو امام بنایا ہے جب کہ صبر ان سے ثابت ہوا۔ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ وقال عز وجل وجعلنا ہم[1] منهم آئمة يهدون بامرنا و اوحينا اليهم فعل الخيرات و اقام الصلوة و ايتاء الزكوة و كانوا عابدين اور ہم نے ان میں سے امام بنائے ہیں جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو فعل خیرات اور اقامة الصلوة و ایتاء الزکوة کی وحی کی ہے اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔ اس آیت کے رو سے وحی شرط امامت ہے اور ہر فعلِ امام و قول امام تحت وحی الٰہی ہوتا ہے۔

پس ان دونوں قسم کے اماموں میں فرق و امتیاز ضروری ہے کہ بہشت میں پہنچانے والا امام کون ہے اور دوزخ میں ڈالنے والا کون۔

ظاہر ہے کہ اس لفظ امام سے امام جمعہ و جماعت، یا امام فتویٰ مراد نہیں ہے۔ بلکہ امام اصل مفترض الطاعت مراد ہے۔ جو حکم خدا لوگوں تک پہنچائے اور موافق امرِ الٰہی بندگان خدا ہدایت کرے۔ یعنی مالک امامتِ کبریٰ۔

امامت کی شناخت کیونکر ہوسکتی ہے؟

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آیا امام کی شناخت کتب احادیث وغیرہ سے ہوسکتی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنی کتب سے اپنے امام کی صداقت ثابت کرتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے برخلاف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اکثر کتب احادیث کذب و جعل سے خالی نہیں ہیں اور یہ امر آیت قرآن سے ثابت ہے کہ محافظ تورات اور اس سے حکم کرنے والے انبیاء تھے۔ جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے۔ انا انزلنا التورة فيها هدى و نور يحكم بها النبيون الذين اسلموا للذين هادوا والربانيون والاحبار بما استحفظوا من كتاب الله و كانوا عليه شهداء الخ (مائدہ ع ۷)

یعنی ہم نے توریت کو نازل کیا ہے اور اس میں ہدایت اور نور ہے۔ حکم کرتے ہیں اس سے یہود کو انبیاء جو اسلام لائے ہیں اور مطیع و منقاد مطلق خداوند عالم ہیں اور نیز خدا پرست اور صاحبانِ علوم کیونکہ وہ

نوٹ:۔ اگرچہ لفظ جعل دونوں مقام پر آیا ہے۔ یعنی آئمہ باطل و آئمہ حق دونوں کے ساتھ۔ لیکن اول میں جعل جعل ثانوی ہے اور ان کو آئمہ ضلال بنایا جانا ان کے افعال باطلہ اور ہدایت نہ پانے اور آیات میں تدبّر نہ کرنے اور خواہشات نفسانی میں منہمک ہوجانے اور لوگوں کو بہکانے اور اپنی طرف بلانے کا نتیجہ ہے کہ وہ پیشوائے باطل و داعیان نار قرار پائے اور دوسرے روز ازل سے آئمہ ہدایت بنائے گئے ہیں یعنی امامت حقہ کے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ بجعل اولی يعنی خلق انه بجعل ثانوی بمعنی صير فتدبر (مولف)

کتاب اللہ کے مستحفظ اور اس پر شہید تھے (الخ) باوجود اس کے بھی یہود نے تورات میں وہ چیزیں داخل کر دی ہیں کہ پناہ بخدا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ موجودہ تورات میں لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت لوط کی دونوں بیٹیوں نے چاہا کہ باپ کے ساتھ خلوت کریں تاکہ اولاد پیدا ہو۔ پس ان کو شراب پلائی اور شب کو ایک ان کے ہمراہ سوئی۔ دوسری شب دیگر اور ان سے حاملہ ہوئیں اور انہیں اسے ان کی نسل چلی اور حضرت عیسیٰؑ ابن مریم (معاذ اللہ) ماں کی طرف سے انہیں کی نسل سے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پس جب ان کتابوں میں جن کے محافظ انبیاء رہے۔ منافقین نے ایسے ایسے بہتان اور لغو باتیں داخل کر دیں تو کیا حال ہوگا۔ ان کتب احادیث کا جن کو ہر قسم کے تجار فساق نے جمع و مرتب کیا ہو۔ جو لوگ محض ایک شخص کی سبزی فروخت کرانے کے لئے حدیث وضع کر لیں۔ ان کی احادیث اور ان کی کتب پر کیونکر اعتماد ہوسکتا ہے۔ ہر شخص نے اپنے مطلب و مقصد ثابت کرنے کے لئے ایک حدیث اختراع کر لی ہے۔ لہذا محض ان کتب سے امامت کا فیصلہ ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں اگر شیعہ اپنی کتب سے احادیث پیش کر دیں تو سُنی انکار کرتے ہیں اور اگر سُنی پیش کریں تو شیعوں کے نزدیک وہ مردود ہے۔ پس ایسی صورت میں اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جو متفق علیہ امت ہے۔ یعنی کلام حمید مجید جس کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے۔ ھذا کتاب انزلناہ مبارک فاتبعوہ (انعام ۲) یہی کتاب مبارک ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اس کی تم پیروی کرو۔ لیکن جب قرآن شریف کے ترجموں اور تفاسیر کو دیکھا جاتا ہے تو ایک آیت کی تفسیر میں بائیس بائیس قول اور رائیں پائی جاتی ہیں اور ہر ایک دوسرے کے خلاف۔ حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ کلام کرنے والا صرف ایک مطلب کو مدنظر رکھ کر گفتگو کرتا ہے اور الفاظ میں اس کو ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ سُننے والے اس سے آگاہ ہوں۔ پس لابدّ خلاقِ عالم نے اپنے کلام میں ہر ایک آیت میں ایک مطلبِ خاص کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو اپنے بندوں کو پہنچانا چاہتا ہے۔ لہذا حقیقت واقعیہ ایک ہے۔ نہ کہ بائیس بائیس مختلف مطالب اسی وجہ سے ہر ایک امر میں اختلاف ہے۔ مثلاً وضو شرط نماز ہے اور آیہ وضو نہایت واضح ہے۔ مگر اس میں بھی اختلاف موجود ہے اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آیہ وضو میں ایک سو متشابہ ہیں۔ حالانکہ ظاہر آیت حقیقت وضو پر بالصراحت دال ہے۔ جب کلام حمید مجید کے ترجموں اور تفاسیر کا یہ حال ہے۔ تو اس سے از خود کوئی مطلب کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔

مسلم ہے کہ کلام مجید کمال درجہ مختصر ہے اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ہر ایک خشک وتر کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے۔ حالانکہ بظاہر قرآن کا بہت بڑا حصہ قصص وحکایات سے پُر ہے کوئی صورت قصے سے خالی نہیں۔ سوائے سورہ اخلاص کے مگر تمثیل اس میں بھی موجود ہے۔ جو تشحیز اذہان کے لئے نہایت مفید ہے اور مطلب خوب سمجھاتی ہے۔

توراۃ بصورت معجزہ نازل نہیں ہوئی اور نہ اس سے تحدّی کی گئی ہے مگر اس حکم کرنے اور احکام بیان کرنے کے لئے انبیاء مقرر کئے گئے تھے۔ پس وہ کتاب جو معجزہ ہو اور بطور تحدّی نازل کی گئی ہو۔ اُس سے عوام یا خواص کیونکر احکام نکال سکتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے حکم کر سکتے ہیں۔ حقیقت معجزہ کو سوائے معجز نما اور کوئی نہیں جان سکتا۔ پس لازم ہے کہ جس پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ خود احکام کو بیان کرے۔ یا وہ شخص جو نفس پیغمبر ہو اور درجہ نبوت کی صلاحیت رکھتا ہو اور صاحب علم لدنی۔ جو یھدون بامرنا سے ظاہر ہے۔

زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی اختلاف نہ تھا کیونکہ حضرت ختمی مرتبتؐ ہر ایک اختلاف کو قرآن مجید فرقانِ حمید سے رفع فرما دیتے تھے اور قرآن مجید رفع اختلاف ہی کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ **و ما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیه ھدی ورحمة لقوم یومنون** (نحل ع ۸) یعنی نہیں نازل کیا ہم نے کتاب کو تجھ پر مگر اس لئے کہ تو بیان کر دے ان سے وہ باتیں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور یہ رفع اختلاف و ہدایت رحمت ہے اہل ایمان کے لئے۔ پس پیغمبر اسی قرآن سے اختلاف کو رفع فرماتے تھے۔ لیکن اب اگرچہ وہی قرآن موجود ہے۔ مگر اختلاف روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے مدعیان قرآن فہمی و اہل الذکر اور اہل القرآن موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء اختلاف کو رفع نہیں کر سکتے اور اگر کر سکتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔ ذکر کیا گیا کہ حقیقت واقعیہ ایک ہے اور مقصود خداوند عالم واحد۔ پس اگر لوگ حقیقت قرآن کو سمجھ سکتے اور اصل مقصود معلوم کر سکتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا اور ایک ایک آیت سے بیس بیس مختلف و متضاد مطالب بیان نہ کئے جاتے۔ علماء حقیقت قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ پس ضروری ہوا کہ بعد پیغمبر بھی مثل پیغمبر مبیّن قرآن موجود ہو جو اختلافات کو رفع کرے اور اصل حکم خدا بندگان خدا کو پہنچائے اور وہ شخص سوائے خصائص خاصہ نبوت و مثل زائد بیبیاں وغیرہ رکھنا جو قرآن شریف میں خاص ذات قدسی صفات حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہیں اور خاص احکام شریعت کی اس کو وحی ہونا وغیرہ۔ باقی تمام صفات وکمال میں مثل پیغبر ہو۔ قرآن فہمی کے لئے مبیّن قرآن کی ضرورت ہے۔ بلا اس کے بیان کے صحیح حکم قرآن سے معلوم نہیں ہو سکتا اور نفس پیغمبر مبیّن قرآن ہی عہدہ امامت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فرق درمیان کتاب وقرآن

قال عزوجل هو الذی انزل علیک الکتاب منه ایات محکمات هن ام الکتاب اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ (پیغمبر) پر کتاب کو نازل کیا ہے کہ بعض اس میں سے آیات محکمات ہیں اور وہی ام الکتاب ہیں۔ اس آیہ مبارکہ میں خداوند عالم نے قرآن نہیں فرمایا۔ بلکہ کتاب فرمایا ہے کہ خدا نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے اور قرآن وکتاب میں فرق ہے۔ مگر اس فرق کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا اور اگر کوئی ہوا بھی ہے تو اس کا حق ادا نہیں کیا۔ لوگ چار کتابوں کے قائل ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم نے ہر ایک نبی کے ساتھ اس کی کتاب نازل کی ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ کان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرین و منذرین و انزل معهم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیه (بقر ع ۲۴) یعنی سب آدمی امت واحدہ تھے پس اللہ نے ان میں انبیاء کو مبعوث کیا۔ جو بہشت کی بشارت دینے والے اور آتش جہنم سے ڈرانے والے تھے اور انکے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ ہر نبی کے ساتھ کتاب ہوتی ہے اور وجود نبی اور کتاب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور اسی طرح میزان بھی ہر ایک نبی کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ فقال عزوجل ولقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط (حدید ع ۳) پس اس کتاب سے کتاب تنزیلی اور میزان سے میزان ظاہری مراد نہیں۔ بلکہ یہ کتاب کتاب وجودی ہے اور موازین اس کتاب کی موازین علمیہ ہیں۔ نضع الموازین بالقسط (تحقیق حقیقت میزان کسی دوسرے موقعہ پر بیان ہوگی) یہاں سے معلوم ہوا کہ کتاب اور قرآن دو چیزیں ہیں قرآن قرآت سے ہے یعنی مقرء جو کچھ کہ زبان مبارک نبوی سے بیان ہوا اور انہوں نے قرآت فرمایا اور کتاب نفس وجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل اس کی تشریح کرتی ہے انه لقران کریم فی کتاب مکنون لا یمسه الا المطهرون مقصود یہ ہے کہ اے پیغمبرؐ یہ قرآن جو تم قرآت کرتے ہو کتاب مکنون میں ہے۔ اس کتاب کو سوائے مطہر و معصوم اور کوئی مس نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ توضیح اس آیت میں ہے کہ قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں۔ ما کان هذا القران ان یفتری من دون الله و لا کن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل الکتاب لا ریب فیه یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ غیر خدا سے افترا کیا گیا ہو لیکن یہ مصدق ہے کتب سابقہ کا اور تفصیل ہے اس کتاب وجودی

پیغمبر کی جو شہر علم الہی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پس یہ کتاب نہیں ہے مگر وجود پیغمبر اور کتاب سے مراد کتاب وجودی ہے نہ مکتوب یا مقروٌ۔ صورت مقروٌ قرآن ہے اور جب تک کوئی خانہ طہارت میں داخل نہ ہو اس کتاب کو مس نہیں کرسکتا۔ اس کتاب کے مس کرنے والوں کی شان میں فرماتا ہے۔ **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا** پس سوائے ان نفوس طاہرہ مطہرہ کے اور کوئی اس کتاب وجودی پیغمبر کو مس نہیں کرسکتا۔ جن کی شان میں یہ آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے۔ یعنی اہل بیت نبوت ورسالتؑ۔

تقسیم آیات قرآن

آیات کے تین درجے ہیں ایک جگہ خداوند عالم بیان فرماتا ہے کہ تمام آیات مفصل اور محکم ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ **کتاب احکمت ایاتہ ثم فصلت** ۔ یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات محکم اور مفصل ہیں۔ دوسری فرماتا ہے۔ تمام متشابہ ہیں۔ **نزل علیک احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی** ۔ خدا نے بہترین کلام کو کتاب متشابہ مثانی کی صورت میں نازل کیا۔ یعنی تمام آیات متشابہ ہیں۔ حالانکہ ایک تہائی قرآن ایسا ہے کہ اس میں تصور تشابہ ممکن ہی نہیں۔ پھر کیونکر سب متشابہ ہو گیا۔ تیسری جگہ فرماتا ہے کہ بعض آیات کتاب محکم ہیں اور بعض مشابہ **ھو الذین انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و اخری متشابھات** یعنی خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیات محکم ہیں اور وہی ام الکتاب ہیں اور بعض متشابہ ضمیر **ھن** راجع ہے آیات کی طرف اور ام الکتاب **ما یام الیہ** سے ماخوذ ہے۔ یعنی اصل مقصود بہ و مرجع اصل اور بظاہر یہ تینوں آیات ایک دوسرے کی مناقض معلوم ہوتی ہیں اور پھر متشابہات کی بابت فرماتا ہے کہ ان کی تاویل سوائے خدا اور کوئی نہیں جانتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ تمام قرآن فہمی کا دعویٰ سوائے اس کے جو معلم بہ تعلیم الہی ہو اور کسی کے لئے جائز نہیں۔ تمام قرآن کو وہ جانتا ہے۔ جس کے لئے تمام قرآن آیات محکمات ہے۔ ورنہ عام علماء تو محکم ترین آیات کو بھی متشابہ کر دیتے ہیں۔ اگر انسان محکم اور متشابہ کے معانی جانتا ہو تو بعد غور و تامل سمجھ سکتا ہے کہ مطلب ان آیات کا کیا ہے۔ نیز انہیں سے حقیقت کتاب بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ دیکھئے منجملہ آیات محکمات آیہ **اطیعو اللہ و اطیعوا لرسول و اولی الامر منکم** ہے یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کروں رسول کی اور اولی الامر کی۔ مگر مفسرین میں اولی الامر کے مصداق کے متعلق بھی اختلاف

کثیر ہے۔ حالانکہ نفس مفہوم اولی الامر صاف ظاہر کرتا ہے کہ اولی الامر وہ صاحب حکم وامر ہیں۔ جن کا حکم اور امر خدا پہنچتا ہے۔ یھدون بامرنا کا مصداق ہیں اور جن کا امر ہر شے میں جاری وساری ہے اور ان کے امر سے کسی کو کسی حالت میں تخلف جائز نہیں۔ جو ان کے حکم سے پھرا وہ خدا اور رسول کے حکم اور امر سے پھرا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا پیغمبر خداؐ نے اس کو پکارا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ بعد فراغ نماز جب وہ حاضر خدمت نبویؐ ہوا تو حضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ تو نے جواب کیوں نہیں دیا؟ تب اس نے عرض کیا۔ چونکہ میں نماز میں تھا جواب نہ دیا۔

حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم یعنی جواب دو اللہ اور اس کے رسول کو خواہ کسی حالت میں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر پیغمبریؐ سے کسی وقت میں بھی عدول جائز نہیں ہے۔ نماز میں بھی ہو تو اس کو جواب دو۔ وقال عزوجل ما کان لاھل المدینۃ و من حولھم من الاعراب ان یستخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ (الخ) اہل مدینہ اور جو ان کے گردونواح میں اعراب ہیں۔ انہیں سزاوار نہیں کہ وہ رسول خداؐ سے تخلف کریں اور پیچھے ہٹ رہیں اور نہ یہ کہ نفس رسول سے اعراض کریں۔ اس آیت میں تخلف سے جہاد سے ہٹ رہنا اور جہاد پر نہ جانا ہی مراد نہیں۔ بلکہ تخلف سے تخلف امری مراد ہے۔ یعنی خدا فرماتا ہے کہ اہل مدینہ وغیرہم کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حکم پیغمبری سے تخلف کریں۔ بلکہ اسے فوراً بجالائیں۔ خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں اور کسی قسم کا امر ہو۔ پس بعد پیغمبر اولی الامر وہ ہے جس کا حکم مثل پیغمبر ہر حالت میں واجب العمل ہو اور ہر شے میں جاری اور ساری۔ اور اسی امام کے ساتھ ان کا حشر ہوگا جو اس کے ساتھ ہے وہ ناجی ہے۔ آیہ یوم ندعوا کل اناس بامامھم صاف دلالت کرتی ہے کہ اولی الامر بعد رسول امام ہے (و ھو الحاشر الی اللہ) قرآن شریف میں پیغمبرؐ کے دس نام ہیں اور امامؑ کے بھی دس۔ رسول پیغمبرؐ کے لئے مخصوص ہے اور اولی الامر امام کے لئے اور باقی دونوں میں مشترک ہیں ایک پیغمبر ہے اور ایک نفس پیغمبر۔ جیسا کہ آیہ مباہلہ سے بھی ظاہر ہے۔ اس آیہ مذکورہ لا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ۔ میں نفس سے مراد نفس پیغمبر ہوتا تو عنہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جس طرح امر پیغمبر سے تخلف واعراض جائز نہیں اس طرح نفس رسول یعنی امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام کے امر سے بھی تخلف واعراض جائز نہیں۔ اسی غزوہ تبوک کے بعد جس کا اس آیت میں اشارہ ہے۔ حضرت رسولؐ نے جناب امیر المومنینؑ کو اپنا جانشین بنایا اور فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی (الخ) اور بعد

رسول وہی اولی الامر ہے۔جس کی اطاعت مثل رسولؐ فرض کی گئی ہے۔اور اسی کے ساتھ حشر ہوگا۔پس مفہوم ومنطوق قرآن سے ثابت ہے کہ امام اصل ذریت رسولؐ ہی سے ہوتا ہے۔جن کا آئندہ اور مفصل ذکر آئے گا۔اگر نفسانیت وتعصّبات اور خود رائے کو قرآن میں دخل نہ دیا جائے تو اصل امامت نصوص محکماتِ قرآن سے ثابت ہوسکتی ہے۔گو کیفیات جزئیہ امامت مفصلاً ظاہر قرآن سے نہ معلوم ہوں اور ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے اور اس کا تصرف ...... تصرف پیغمبری ہوتا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ پیغمبر صاحب شریعت وصاحب دین ہے۔وہ دین لایا ہے اور یہ (امام) محافظ دین ومکمل دین ہے۔ نفس رسول اس وقت بحکم آیہ مباہلہ چار شخص تھے اور مع پیغمبر پانچ تن ہوتے ہیں اور بلا ان کی معرفت کے نجات ممکن نہیں۔اول معرفتِ امام موجب بہشت ہے اور عمل کرنا دوسری چیز،اور دوسرا درجہ ہے۔زمانہ کا امام اور نفس رسول ان ایام (ایام عاشورہ محرم الحرام) میں متزلزل ہے۔اس لئے کہ وہ شہید علی الناسہ ہے اور وہ دیکھا ہے کہ ذریت رسولؐ و اولاد رسولؐ وطن سے دور اور روضہ رسولؐ سے مہجور ایک میدان کربلا میں بے یارومددگار مضطرب ومضطر نظر آرہے ہیں۔ایک نفس رسول وجگر گوشہ بتول سرتاپا خون میں ڈوبا ہوا پکار رہا ہے۔هل من ناصر ینصرنا هل من مغیث یغیثنا (الخ)

لا حول و لا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

موعظہ سوم

۴محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

امام، اُم الکتاب اُم القریٰ پیغمبر امی لقب

اجمالاً بیان کیا جاچکا ہے کہ انتظام عالم کے لئے ایک منتظم و مدبّر کی ضرورت ہے جو فسادات عالم اور طوائف الملو کی کو دور کرے اور وہ قوت منتظمہ امام ہے لفظ امام مشترک ہے۔ حتی کہ امام جمعہ و جماعت کو بھی شامل ہے اور معنی اس کے من یقتدی بہ ہیں یعنی وہ شخص جس کی اقتدا کی جائے اور چونکہ لوگ نماز میں اس کی اقتدا کرتے ہیں۔ اس واسطے اس کو امام کہتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر ؐ کو بھی امام کہا جاتا ہے اور معنی اس کے ما یام الخلق الیہ ہیں یعنی جس کی طرف لوگ رجوع کریں اور مقصودِ خلائق و مرجع انام ہو۔ پس اس اعتبار سے کہ وہ صاحب درجہ رفیعہ ہے۔ نبی کہلاتا ہے اور اس لحاظ سے کہ تبلیغ احکام الٰہی پر مامور کیا گیا ہے پیغمبر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مطلق مقتداء امت ہی امام کہلاتا ہے۔ ام الکتاب وام القریٰ بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں۔ ام الکتاب وہ کتاب ہے کہ تمام عناوین و مضامین کتب الٰہیہ اس کی طرف منتہی ہوں اور اس سے جدا نہیں۔ لہذا تمام خلق کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وعلی ہذا القیاس اُم القریٰ وہ ہے کہ تمام قرئے اس سے جدا ہوئے ہوں اور وہ سب کا مرکز ہو اس واسطے مکہ کی طرف تمام لوگ رجوع کرتے ہیں اور وہی قبلة الانام ہے۔ امی کے بھی یہی معنی ہیں۔ کہ رجوع خلائق اسی کی طرف ہے اور وہ مقصد کائنات و مرجع مکونات ہے۔ کسی خاص امر میں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز میں علم میں، معرفت میں، تحصل فضل و کمال میں۔ غرض محتاج الیہ کل ہے۔ اس کی طرف ہر شی ءمحتاج ہے اور وہ سوائے خدا کسی کا محتاج نہیں۔ ہر شے اس کی طرف رجوع کرتی ہے اور وہ خدا کی طرف۔ وہ کوئی چیز کسی سے حاصل نہیں کرتا۔ وہ کسی سے تعلیم نہیں پاتا۔ اگر وہ دوسرے سے تعلیم حاصل کرے تو وہ پیغمبر و امام نہیں ہے۔ جو ایسا خیال کرتے ہیں وہ اس کے معنی نہیں سمجھتے۔

افضلیتِ خاتم الانبیاء بر جمیع انبیاء علیھم السلام

مرجع تمام پیغمبران پیغمبر امی لقب نبی مطلق ہے اور بعد ازاں انبیاء فرداً فرداً مرجع امت ہیں۔ آیت ذیل اسی پر دال ہے۔ اور یہی اس کا مطلب ہے۔ کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھولاء شھید۔ یعنی خداوند عالم فرماتا ہے اس دن گنہگاروں کا کیا حال ہوگا۔ جبکہ ہم ہر ایک امت میں سے ایک شہید کو لائیں گے اور تجھ کو اے پیغمبرؐ ان تمام شہدا پر شہید قرار دیں گے۔ ہر ایک امت کا شہید اس کا پیغمبر ہے۔ جیسا کہ قول حضرت عیسیٰؑ سے صاف ظاہر ہے۔ وکنت شھیدا علیھم ما دمت فیھم میں ان پر شہید تھا جب تک کہ میں ان میں رہا۔ اس آیت سے دو باتیں صاف ثابت ہیں۔ اول یہ کہ جناب عیسیٰؑ اپنی امت پر شہید تھے۔ دوم یہ کہ وہ جناب شہید مطلق نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی امت کے لئے اور وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ ان میں تھے۔ اور پیغمبر امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء پر شہید ہیں اور خداوند عالم تمام مخلوقات و مکونات پر شہید ہے۔ جس میں پیغمبر امیؐ بھی داخل ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔ ان اللہ علی کل شی شھید بتحقیق کہ اللہ تعالیٰ ہر ہے ایک شے پر شہید ہے۔

شہید اور شاہد کے معنوں میں فرق ہے۔ شہید خواہ حاضر ہو۔ یا غائب وہ ان لوگوں پر شہید ہے جن پر اس کو شہید قرار دیا ہے اور وہ ان پر ہمیشہ حاضر و ناظر ہے۔

اور شاہد وہ ہے جو بذریعہ علم شہادت دے سکے۔ خواہ اس کا یہ علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار وغیرہ (اس کی مزید تشریح عنقریب آتی ہے) پس آیہ شریفہ وما کنت بجانب الغربی (اے پیغمبر تو جانبِ غربی پر موجود نہ تھا) مخالف و منافی شان شہید نہیں۔ کیونکہ یہاں حضور جسمانی کی نفی ہے اور یہ منافی شہیدیت نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ شہید کے لئے حضور و غیاب مساوی ہے اور نبوتِ نبی روح قدس نبوتی سے ہے نہ کہ جسم سے۔ بلکہ حقیقتہً نبی وہ روح ہی ہے۔ وہ ہمیشہ شہید ہے۔ خواہ اس کا ظہور صورتِ جسمانی میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اور یہ خیال و شبہ کہ نبوتِ نبی جسم نبوتی پر موقوف ہے۔ وسوسہ شیطانی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس آیہ مجیدہ نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھذا القران و ان کنت من قبلہ لمن الغفلین۔ (یعنی اے پیغمبر ہم تجھ سے بہترین قصص کو بیان کرتے ہیں۔ اسی ذریعہ سے جس سے کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے۔ اگرچہ تو اس سے پہلے غافلین میں سے تھا) بھی منافی شانِ شہیدیت نہیں ہے۔ کیونکہ غافلین فرمایا ہے نہ جاہلین۔ اور غفلت و جہالت دو چیزیں ہیں اور یہ غفلت بھی خاص غفلت ہے۔ جس کے معنی بما

اوحینا و من قبلہ کے سمجھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ بہرحال یہ منافی شہادت نہیں۔ کہ یہ غفلت قبل وحی الٰہی و قبل ظہور نور نبوتی ہے اور نبوت حجاب الٰہی ہے اور اتنا ہی پردہ اٹھتا ہے جتنا قدرت اٹھائے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے لحاظ سے فرمایا ہے۔ ووجدک ضالا فھدی (فافھم و تدبر) مولف۔

شہید ثالث یا امام خلق

بعد خدا و پیغمبر خدا ایک اور شہید بھی ہے اور وہ امام ہے اور بلا اس کے وجود کے قیامت قائم نہیں ہو سکتی۔ جائت کل نفس معھا سائق و شھید روز قیامت ہر نفس بارگاہ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا کہ اس کے ساتھ اس کا یک سائق (ہانکنے والا) اور ایک شہید ہوگا۔ یہ شہید، شہید باطنی ہے۔ قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم من عندہ علم الکتاب ۔ پس یہ شہید غیر پیغمبر و خدا ہے اور یوم ندعو کل اناس بامامھم سے صاف ظاہر ہے کہ شہید امام ہی ہے۔ کیونکہ حشر امام ہی کے ساتھ ہوگا اور یہ شہید ظاہری و خارجی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں من عندہ علم الکتاب (وہ شخص جس کو علم الکتاب حاصل ہے) سے مراد عبداللہ سلام یہودی ہے جو تورات کا عالم تھا اور بعد میں اسلام لایا اور پیغمبرؐ کی تصدیق کی لیکن یہ محض غلط ہے اور قصہ حضرت سلیمانؑ میں تخت بلقیس کا واقعہ اس کی نفی کرتا ہے۔

وَ مَنْ عِندہ عِلْمُ الْکِتَاب

قال یا ایھا الملاء ایکم یا تینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین. قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان توم من مقامک و انی علیہ لقوی امین. قال الذی عندہ علم من الکتاب ان اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی. یعنی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اے گروہ حاضرین تم میں سے کون تخت بلقیس کو میرے پاس لا سکتا ہے۔ قبل اس کے وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آئیں؟ عفریت جنّی نے کہا کہ یا نبی اللہ میں اس کو لاتا ہوں۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس کو برخاست کریں۔ یعنی صبح سے ظہر تک اور میں اس کی قوت رکھتا ہوں اور اس کا ذمہ دار ہوں۔ پھر اس شخص نے (وزیر جناب سلیمانؑ آصف برخیا) کہا۔ جس کو کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا کہ یا نبی اللہ میں اس کو چشم زدن سے پیشتر لا سکتا ہوں اور جب حضرت سلیمانؑ نے فوراً اس کو وہاں مع تخت کھڑا دیکھا تو فرمایا یہ میرے پروردگار کا فضل و احسان ہے (الخ)۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس کو تھوڑا سا علم کتاب حاصل تھا وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو ایک ماہ کی

مسافت سے لے آیا۔ پس جس کو علم الکتاب حاصل ہے اس کے کمالات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ عبداللہ سلام یہودی کو یہ قدرت کہاں حاصل؟ نیز عبداللہ سلام مدینہ میں ایمان لایا ہے اور یہ سورہ مکیّہ ہے جو اس کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا **من عندہ علم الکتاب** کا مصداق وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تمام کتاب کا علم سوائے نبیؐ کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر کس طرح سے عبداللہ سلام مثل حضرت موسیٰؑ ہو گیا اور اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کو تمام تورات کا علم حاصل تھا اور **من عندہ علم الکتاب** سے وہی مراد ہے۔ یہ غلط محض ہے۔ علم الکتاب میں کتاب پر جو الف لام ہے یا تو عہد کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایک کتاب مخصوص معہود مراد ہے یعنی قرآن یا جنسی ہے اور جنس کتب مراد ہے اور مقصود پیغمبرؐ کا یہ ہے کہ جس کو کل قرآن یا تمام کتب کا علم نہیں وہ مجھ کو نہیں پہچان سکتا اور جس کو کل کتب کا علم ہے وہی میری نبوت کی سچی شہادت دینے والا اور تصدیق کرنے والا ہے۔

پس بعد پیغمبرؐ تمام کتب کا علم سوائے نفس پیغمبرؐ اور کسی کو نہیں ہو سکتا اور وہ علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ پس علی ہی دلیل نبوت ہے اگر وہ تصدیق نہ کرتے تو کوئی تصدیق نہ کرتا۔ کیونکہ وہ جناب حضرت ابراہیمؑ کی اس ذریت میں سے ہیں۔ جس کے واسطے انہوں نے اس طرح دعا کی تھی۔

امت مسلمہ

اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم
یعنی جس وقت حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ خانہ کعبہ تیار کر رہے تھے تو انہوں نے اس طرح دعا کی۔ اے ہمارے پرودگار ہماری خدمت کو قبول فرما۔ بتحقیق کہ تو ہر ایک بات کو سنتا ہے اور ہر شے کا عالم ہے۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ یعنی اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا اور منقاد و مطیعِ مطلق قرار دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو ہماری طرح کا مسلمان بنا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی تھی۔ آپ مسلمان تھے، پیغمبر تھے، خلیل تھے، امام تھے۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ جس اسلام کی اپنے اور اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے لئے التماس کر رہے ہیں وہ فعلیت اسلام ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ پرودگار جس طرح سے تو نے ہم کو کاملِ الایمان و کاملِ الیقین پیدا کیا ہے۔ اسی طرح ہم کو یہ بھی توفیق دے کہ ہم سے اعمال بھی ویسے ہی صادر ہوں۔ اعتقاد کے موافق ہمیں عامل بھی بنا اور توفیق دے کہ ہر حال میں تیرے مطیع و منقادِ مطلق رہیں۔ پھر اسی اسلام کی خواہش اپنی اولاد میں سے ایک خاص امت کے لئے کی ہے۔ کیونکہ لفظِ

جعل مکرر نہیں لایا گیا ہے جو تکرار معانی کرے بلکہ و اجعلنا بصیغہ متکلم مع الغیر فرمایا ہے اور جولام اختصاص اپنے لئے استعمال کیا ہے وہی اپنی اس ذرّیت کے لئے استعمال کیا ہے۔ غرض جو اپنے لئے مانگا ہے وہی اپنی اولاد میں سے ایک گروہ خاص کے لئے مانگا ہے اور یہ ثابت ہے کہ اسلام پیغمبر اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے۔ خدا اور اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ حتی کہ جبرائیلؑ بھی۔ جیسا کہ خدا حضرت ابراہیمؑ کی بابت خبر دیتا ہے۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین۔ یعنی جب اس کے پروردگار نے اس سے فرمایا کہ اسلام لا۔ تو اس نے کہا۔ میں اسلام لایا اور میں پروردگار عالمین کا مطیع و منقاد ہوں۔ بخلاف دیگر مسلمانوں کے کہ ان کا اسلام، اسلام بالواسطہ ہوتا ہے۔ یعنی پیغمبر یا امام یا کسی عالم کے ہاتھ پر اسلام لاتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اس ذرّیتِ خاص کے لئے اسلام نبوتی واسلام بلاواسطہ کی خواہش کی ہے۔ بلکہ اس پر عامل ہونے کی اور اس کو فعلیت میں لانے کی۔ پھر اس ذرّیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک پرودرگاران میں سے ایک شخص کو مبعوث برسالت فرماتا کہ وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔

یہ ثابت و محقق ہے کہ ذرّیت حضرت ابراہیمؑ اولادِ حضرت اسمٰعیلؑ میں صرف پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مبعوث برسالت ہوئے ہیں۔ پس یہ امت مسلمہ جس کے لئے دعا کی گئی ہے وہ ہے جس میں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور خود پیغمبر خداؐ اس کا ایک فرد ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا چاہے کہ قبل از بعثت پیغمبر خداؐ چاہئے کہ یہ امت موجود ہو۔ جس میں پیغمبرؐ مبعوث ہو اور یہ بھی معلوم ہے کہ پیغمبر قبیلہ بنی ہاشم سے مبعوث ہوا ہے۔ لہذا امت مسلمہ باسلام بلاواسطہ بنی ہاشم میں موجود تھی اور یہی سوائے حضرات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام جو اسلام فطری پر باقی تھے اور صغیر سنی ہی میں پیغمبر پر ایمان لائے اور نبوت کی تصدیق کی اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یعنی جس وقت پیغمبر خداؐ مبعوث برسالت ہوئے حضرت علیؑ موجود تھے۔ پس امت مسلمہ رسول و نفس رسول ہوئے اور اس میں سے جناب رسول خداؐ مبعوث ہوئے اور نفس رسول نے ان کی تصدیق کی اور شہادت دی اور وہی شہید اور امام امت ہوئے اور امت کا لفظ ایک شخص پر بھی بولا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے کان ابراھیم امۃ قانتا یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سولہ سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے اور اس وقت بتوں کو توڑا جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے۔ واتیناہ رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین۔ یعنی ہم نے اس کو پہلے ہی سے رشد و ہدایت عطا کی اور اس کو ہم جانتے ہیں۔ پس یہ بھی عہدِ طفولیت ہی سے امتِ مسلمہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے انا اول من امن بہ یعنی میں ہی پہلا شخص ہوں جو پیغمبر پر ایمان لایا۔

یعنی اسلام تو پہلے ہی سے حاصل تھا پیغمبرؐ پر ایمان سب سے پہلے لائے اور اس کی تصدیق فرمائی اور حضرتؑ کا پیغمبرؐ پر ایمان لانا وہی معنی رکھتا ہے۔ جو حضرت لوطؑ کے حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کے ہیں۔ فامن له لوط یعنی لوط نے ان کی تصدیق کی اور شہادت دی۔ اسی طرح جناب امیرؑ مصدق حضرت ختمی مرتبؐ ہیں۔ یہ معنی نہیں کہ پہلے مومن نہ تھے۔ اس وقت ایمان لائے تھے اور اسلام نبوتی منزہ ہوتا ہے۔ شرک ذاتی، شرک صفاتی، شرک افعالی اور شرک عبادتی سے۔ چنانچہ قول جناب یوسفؑ سے ظاہر ہے واتبعت ملة ابائی ابراهیم و اسحاق ویعقوب ما کان لنا ان نشرک بالله من شی یعنی میں اپنے آباؤ اجداد ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کی ملت کا پیرو ہوں اور ہم اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے کسی بات میں اس کا شریک قرار نہیں دیتے اور کسی جزوی شرک کے بھی قائل و عامل نہیں ہوتے۔

پس جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام جو مسلم باسلام نبوتی و بلا واسطہ ہیں۔ ہر ایک قسم کے شرک سے مبرا اور منزہ ہیں۔ انہی کی شان ہے لم یشرک بالله طرفة عین ابدا پس وہی بعد پیغمبر شہید امت ہیں۔

(نکتہ) حضرت ابراہیمؑ مسلمین میں سے ہیں اور مسلمان باسلام بنوتی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول المسلمین۔ پس ان بزرگواروں سے جو ذریت ہوگی وہ کیسی ہوگی۔ بلا شک وشبہ مصداق آیہ مجیدہ نور علی نور ہو گی یکاد ذریتها یضی ولولم تمسه نار ان کا نور خود بخود روشن و درخشان ہے۔ ان کے فضائل و کمالات علوم و معارف بلا تحصیل و اکتساب تعلیم ان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر چاہتے ہو کہ اس کا امتحان کرو تو تھوڑی دیر کے واسطے میدان کربلا کا تصور کرو ظہور و بروز نورانیتِ فرزندِ پیغمبر خدا ذریت ابراہیمؑ کا تماشا دیکھو۔ یہ ہے مسلمان باسلام نبوتی و مطیع و منقاد مطلق پرودگار عالم کہ جس قدر مصائب وشدائد زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ نورانیت زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے اور رنگتِ چہرہ اقدس سُرخ۔ راہ خدا میں گھر کو لٹا رہا ہے۔ دوست احباب، عزیز و اقرباء، شیر خوار بچے تک ظلم وستم سے بھوکے، پیاسے نہایت بیکسی کے عالم میں سامنے ذبح کئے جاتے ہیں۔ مگر نہ چہرے پر حزن و ملال اور نہ لب پر حرف شکایت۔ بکمال طیب خاطر اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اسلام کی خاطر قربان کرتا ہے مگر سوائے رضا بقضائه و تسلیما لامره زبان مبارک سے کچھ نہیں فرماتا۔ اس کی راہ میں صابر و شاکر ہے۔ وہ صبر دکھا رہا ہے کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں اور امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں لقد عجبت من صبرک ملائکة السماء یعنی اے جدِ بزرگوار آج آپ نے ایسا صبر دکھایا ہے کہ ملائکہ آسمان آپ کا صبر دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

موعظہ چہارم

۵ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

سابقہ بیان کیا گیا ہے کہ نظام وسلسلہ عالم میں ایک منتظم کا وجود ضروری ہے اور طبیعین واہل حکمت کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ نظام عالم کے لئے ایک بادشاہ بااختیار کا وجود ضروری ہے۔ جو نزاعات ومشاجرات کو رفع کرے اگرچہ لوگوں کے دل اس سے متنفر ہی کیوں نہ ہوں۔

جسم ورزق جسمانی

جسم انسان روح کے لئے بمنزلہ مقدمہ ہے اور مقدمہ ذی المقدمہ سے اخس و ادنی ہوتی ہے۔ لیکن وجود ترکیب فعلی میں مقدم ہوتا ہے۔ اگرچہ ذی المقدمہ من حیث الایجاد مقدم ہے اور وہی علّت غائیہ۔ مثلاً مکان دراصل کسی انسان کی رہائش کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس کا وجود بالذات مقصود نہیں۔ مگر اس کے واسطے اینٹ، گارا، چونا، لکڑی، تختے وغیرہ پہلے تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مکمل ہو کر رہائش انسان کے قابل ہو جائے اور مسلم ہے کہ جزوِ اخیر شے علّت تامّہ ہوتا ہے اور وہ رہائش وسکونتِ مکان ہے اور وہی مقصود بالذات ہے نہ ترتیب وترکیب اسباب مکانیہ۔ اس طرح سے ترکیب وترتیب اجزاء ماریہ انسانیہ، نطفہ، علقہ، ومضغہ وعظام، لحم نسبت بہ نفس انسان مقصود از خلق نہیں ہیں۔ بلکہ مقصود وعلت تامہ جزو اخیر ہے جو مقام **ثم انشاناہ خلقا اخر** ہے اور اس خلقت سے بھی نیز اصل مقصود تربیت وتکمیل نفس انسانی ہے۔ لیکن اس کے کمال پر پہنچے کے لئے حفاظت جسم بھی ضروری ہے اور مقدم۔ حفاظت وبقائے جسم کے سارے اسباب خدا ہی کی طرف سے مہیا ہوتے ہیں اور وہی انجام دیتا ہے اور یہ اس کا فضل وانعام اور احسان ہے اور اول اسی انعام واحسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے **فلینظر الانسان الی**

طعامه یعنی چاہئے کہ انسان اول اپنے کھانے کی طرف نظر کرے اور اس کی پیدائش میں بدقت تمام غور وفکر کرے تا کہ اپنے خالق کو پہچانے کہ کس طرح اس نے اس کو ہمارے لئے بہم پہنچایا ہے۔ انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیها حبا و عنبا و قضبا و زیتونا و نخلا و حدائق غلبا و فاکهة و ابا متاعا لکم و لانعامکم (عبس) یعنی ہم نے اول پانی برسایا اور پھر زمین کو شق کیا اور اس سے غلّے، انگور تنا ور سایہ دار درخت، زیتون، کھجوریں اور گنجان باغ اور میوے، چراگاہیں اور سبزہ زار اُگائے اور پیدا کئے جو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا رزق ہیں۔ واقعاً یہ تمام پروردگار عالم وعالمیان کے انعامات وتفضّلات ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو ہم ایک دانہ اور ایک تنکا گھاس کا پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اگر چہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اور منکرین موثر حقیقی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو خود انسان کرتا ہے۔ کیونکہ اول وہی زمین میں ہل چلاتا ہے۔ پھر بیج بوتا ہے، پھر پانی دیتا ہے، لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ اگر انسان تمام کام کرے اور خداوند عالم نہ چاہے تو ایک دانہ بھی نہ اُگے۔ گو انسان زمین میں ہل چلاتا ہے اور بیج بکھیرتا ہے لیکن اس دانے کو زمین سے اُگاتا کون ہے؟ پھر اس کو سر سبز کون کرتا ہے؟ پھر خوشہ لگاتا ہے؟ اور پختہ کون کرتا ہے؟ اور ہر قسم کی آفات ارضی وسماوی سے حفاظت کون کرتا ہے؟ کیا انسان ان میں سے کسی چیز پر قادر ہے؟ ہر گز نہیں ہے؟ ہر گز نہیں یہ سب اسی کی قدرت کاملہ کا اثر ہے۔ اسی واسطے وہ دوسرے مقام پر بتصریح اس زراعت کے متعلق فرماتا ہے افرایتم ما تحرثون ء انتم تزرعونه ام نحن الزارعون تم اس کی بابت کیا خیال کرتے ہو۔ کہ تم جو یہ کھیتی کرتے ہو در اصل تم اس کی زراعت کرتے ہو۔ یا ہم زراعت کرنے والے ہیں۔ لو نشاء لجعلناه حطاما فظلتم تفکهون اگر ہم چاہیں تو اس کو خشک و ریزہ ریزہ کر دیں اور ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو۔ پس تم متعجب و حیران کھڑے رہ جاؤ۔ افرایتم الماء الذی تشربون ء انتم انزلتموه من المزن ام نحن المنزلون۔ تم دیکھتے ہو کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو۔ تم نے اس کو مزن سے نازل کیا ہے یا ہم اس کے نازل کرنے والے۔

(نکتہ) یہاں خداوند عالم نے لفظ سحاب (بادل) نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ (مزن) استعمال کیا ہے۔ کیونکہ مزن اور سحاب دو چیزیں ہیں۔ پانی کا تجربہ وتحلیل کرنے سے ثابت ہے کہ پانی دو چیزوں سے مرکب ہے جن کو فلاسفہ جدید اپنی اصطلاح میں آکسیجن وہائیڈروجن کہتے ہیں اور یہ دونوں ہمیشہ مدارجِ معلومہ حرارت میں بحالت گیس یعنی حالت ہوائی میں موجود رہتے ہیں اور یہ دونو جزو ایسے ذرات واجزاء خورد پر مشتمل ہیں۔ کہ کسی طریق سے ان کا تجزیہ وتقسیم نہیں ہوسکتی اور صورت ترکیبی میں نو جزو آبِ خالص میں ایک حصہ

ہائیڈروجن اور آٹھ حصے آکسیجن ہوتی یہ 1/9 اور 8/9 کی نسبت ہے۔ پس ایک جزو مفروض آب یعنی جزو لاتجری بھی چاہئے کہ اجزائے لاتجری آکسیجن و ہائیڈروجن سے مرکب ہو اور ان کے اوزان کی یہی نسبتِ موجود آب خالص میں بصورت ترکیبی پائی جائے اور علماء محققین دلائل و براہین سے ثابت کرتے ہیں کہ ہر ایک (ہر مولیقونِ آب) یعنی ہر ذرہ آب میں ایک اتوم آکسیجن اور دو اتوم ہائیڈروجن ہے اور اتوم جزو لاتجری ہے۔ بہر حال ان اجزاء و ذرّات کی صورت مرکبہ بہ ہیئتِ مذکورہ مزن کہلاتی ہے جو ہمیشہ وارائے آب ہے۔ اور کبھی فضا و خلا اس سے خالی نہیں۔ ہمیشہ اس سے پُر ہے اور صورت مرکب اجزائے آب سحاب کہلاتی ہے۔ کبھی تو اس طریق پر اور کبھی بہ طریق دیگر اور صورت اخیرہ و وارائے آب نہیں ہے۔ صرف کشش ہوائی ہوتی ہے اور کبھی لسان شرع میں اس کو ظل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ **و من فوقه سحاب ظلمات بعضها فوق بعض** غرض سحاب صورت سحاب صورت انجمادی کو جب کہ ایک دوسرے کو کھینچتا ہوا، ہوا میں چلتا ہے کہتے ہیں۔ اس لئے مزن ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے بخلاف سحاب کے۔

نزول و ہبوط بھی دو چیزیں ہیں۔ بطور قہر و غلبہ پستی کی طرف آنے کو ہبوط کہتے ہیں جیسے کہ خدا فرماتا ہے **و ان منها لما يهبط من خشية الله** یعنی اور بعض پتھر وہ ہیں جو خوف خدا سے نیچے گر پڑتے ہیں اور جس وقت انسان کی طرف منسوب ہو۔ تو بطور استخفاف ہوتا ہے۔ جیسے **اهبطوا مصرا** شہر میں اُتر جاؤ اور نزول و انزل مطلق انحطاط از علو کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

لیکن یہ امر کہ موردِ استعمال دونوں (ہبوط و نزول کا) حقیقۃً اجسام ہیں یا حقائق کسی دوسرے موقع پر بیان ہوگا۔ نیز انزال اور تنزیل کا فرق **فلينتظروا**۔

نزول آہن

و انزلنا الحديد فيه باس شديد و منافع للناس اور ہم نے نازل کیا ہے لوہے کو اس میں خوف ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہاں خداوند عالم نے لوہے کی بابت یہ فرمایا ہے کہ وہ نازل کیا گیا ہے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ لوہا زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔ پھر یہاں نزول کس طرح صادق آیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نزول موادِ اصلیۂ آہن دراصل ہوا سے ہے اور اسی مزن سے نازل ہوتا ہے اور قوت برقیہ بھی اسی سے لی جاتی ہے۔ یہی ہوائے موادِ مزنیہ زمین میں بذریعہ مسامات داخل ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ بقوت قابضہ زمین صورت انجمادی پیدا کرتی جاتی ہے اور جب حرارت چھٹے

درجے پر پہنچ جاتی ہے تو لوہا بن جاتا ہے۔غرض تمام اجسام میں تثاقل وتدافع (دباؤ) اور تجاذب (کشش) موجود ہے۔کوئی جسم اس سے خالی نہیں چونکہ ہوا بھی جسم ہے۔وہ بھی اس میں شریک ہے ۔دوسرے اجزائے مادیہ کے دباؤ اور قوت جاذبہ زمین کے سبب سے زمین میں داخل ہوتی ہے اور زمین میں دختقن، بند اور محبوس ہو جاتی ہے اور چونکہ تمام مکونات ارضیہ مثل معدنیات کے اجزائے مادیہ ہوا میں موجود ہیں۔وہ بعض اجزائے ارضیہ سے مخلط ہوتے ہیں اور زمین کی قوت انجذاب سے اس میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے۔لہذا اس طرح اجزائے مادہ ہوائیہ وارضیہ سے لوہا وغیرہ معدنیات پیدا ہوتی ہیں اور اکثر مادہ ان کا ہوا میں ہوتا ہے۔اسی واسطے اللہ نے آہن کو نزول سے نسبت دی ہے کہ ہم نے آہن کو نازل کیا ہے۔زمین ومغارات وکہوف کو دیکھنے سے ایک قاعدہ کلیہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اجسام میں مرکز کی طرف منجذب ہونے کا میلان پایا جاتا ہے۔اس لئے کہ جو چیز بھی زمین سے جدا ہوتی ہے وہ خلاء اور فضاء میں واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ زمین کی طرف منجذب ہوتی ہے اور زمین میں آجاتی ہے جو اجسام زمین سے دور پھینکے جاتے ہیں وہ جلد اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔اسی میل کو ثقل وجذب ارضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔پس زمین کی خاصیت یہ ہے کہ تمام اجزائے مادیہ کو جن سے وہ مرکب ہے اپنے مرکز کی طرف کھینچ لیتی ہے اور نیز ان تمام اجسام کو جو سطح زمین پر ہیں یا اس سے دور ہیں۔اور تجربے سے ثابت ہے کہ یہ قوت جذب موافق عکس مربع مافات ہوتی ہے۔اس صورت میں کرہ ارض ان تمام جزئیات کا نام ہے۔جو بقوت جذب مرکزی ایک دوسری سے منضم ہیں (جیسا کہ اپنے مقام پر محقق ہے)۔

یہ بھی معلوم ہے کہ جو پانی آسمان سے زمین پر گرتا ہے۔دو قسم پر منقسم ہے ایک تو وہ ہے جو سطح زمین پر بہتا ہے یا چشموں اور چھوٹی ندی نالوں کی صورت میں اطراف زمین سے جاری ہوتا ہے اور چونکہ وہ عمق طبقات ارض میں زیادہ گہرائی تک نہیں پہنچتا ہے۔اس لئے اس میں اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور وہ آب شیریں ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جو بعض مقامات میں جمع ہو جاتا ہے اور اعماق زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے گرم اور تیز چشموں کی صورت میں ابلتا ہے۔جو جواہر معدنیہ سے پر ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ طبعقات ارضی جن پر پانی کا گذر ہوتا ہے۔مختلف الطبیعتہ ہوتے ہیں اور نیز اعماق زمین جہاں تک پانی جذب ہو کر پہنچتا ہے۔مختلف ہوتے ہیں پس اس واسطے ان کی ترکیب مختلف ہوتی ہے اور درجات حرارت بھی مختلف ہوتے ہیں اور وہ اعماق ارض میں بانواع مختلف متفادتہ

منقسم ہوتا ہے پس کبھی اس سے چشمے، نہریں اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ کنوئیں ابلتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا درجہ حرارت اس طبقہ زمین کے درجہ حرارت کے موافق ہوتا ہے۔ جہاں یہ چشمے پائے جاتے ہیں اور بعض اور بھی چشمے ہوتے ہیں۔ جن کا پانی ان مواد سے بھرا ہوتا ہے جو اس زمین سے نہیں پائے جاتے جہاں وہ چشمے نکلتے ہیں۔ اور ان کا درجہ حرارت مختلفۃ الارتفاع ہوتا ہے اور وہ ہی نیابیع معدنیہ وینابیع حازہ ہیں جو مختلف اعماق زمین واغوار ارضی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان مواد معدنیہ کے اجزائے اصلیہ سب ہوئے مزنی سے بذریعہ بارش نازل ہوتے ہیں اور نسبت انزال بطرف آہن و دیگر معدنیات بالکل صحیح ہے۔ (والتفصیل فی مقامہ)

خلقت آتش

پھر آگ کی پیدائش کی نسبت خداوند عالم نے اپنے انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے۔ افرایتم النار التی تورد ن ء انتم انشاتم شجر تھاامر نحن المنشئون کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ آگ جو تم روشن کرتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے۔ یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں۔ دو درخت خدا نے ایسے پیدا کئے ہیں جن سے آگ پیدا ہوتی ہے اگر ان کی سبز شاخوں کو لے کر رگڑا جائے تو آگ روشن ہو جاتی ہے۔ بخلاف اور درختوں یا جسموں کے کہ ان سے آگ بالکل نہیں نکلتی۔ البتہ حرارت ہر دو جسموں کے آپس میں رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے ان درختوں کو عربی میں مرخ و عفار کہتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ بھی درختوں سے پیدا ہوتا ہے یہی اشجار حوادث وطوفانات سے زمین میں دب گئے ہیں۔ اور زمین کی حرارت اور اس کی قوت قابضہ سے یہ صورت موجودہ اختیار کی جیسا کہ اب کانوں سے کھودا جاتا ہے۔ کیفیت اس کی یہ ہے کہ بعض وادیوں اور پست زمینوں میں جہاں پانی گھرا رہتا ہے اور جمع ہو جاتا ہے۔ رسوبات (ورد، تہ نشین) نباتات مختلفہ پیدا ہو جاتی ہے جن کے تحلل سے ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قابل احتراق ہو اور یہ رسوبات حالات مخصوصہ میں ہی پیدا ہوتی ہیں اور کوئی شک نہیں کہ وہ رسوبات جن سے کوئلہ بنتا ہے۔ تراکم و تراخم نباتات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ علم جیالوجی کے جاننے والے اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ (والتفصیل فی مقامہ) اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ "نحن جعلنا ھاتذکرۃ و متاعا للمقوین" یعنی ہم نے ان درختوں کو مقوین کے لئے موجب عبرت و سرمایہ دولت بنایا ہے۔ مقوین آہن نکالنے۔ کوئلہ کھودنے والے اور قوت بہم پہنچانے والوں کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مشین بنانے والوں اور آہن گروں کی تمام قوتیں

زیادہ اسی کوئلہ پر موقوف ہیں اور یہی مشین (ا) والوں کے لئے دولت ونعمت ہے۔

رزق روحانی

غرض رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رزق جسمانی جس کا مختصر ذکر ہوا۔ دوسرا رزق روحانی۔ اور وہ

ا قال مصنف کاشف الاسرار النورانیته فی تفسیر قوله تعالی الذی جعل لکم من الشجر الا خضر نارا فاذا انتم منه توقدون اعلم انه یتکون علی سطح الا راضی الغاذیته یومیا فی تجاویف منها و فی الاودیته ذات الانحد ارلقلیل والا ماکن المنحفضته ذات المستنقعات رسوبات من نباتات متی تحللت تحصل منها جسم قابل لا حتراق ولا تتکون هذه الرسوبات الا فی احوال مخصوصة فلا یتکون فی المیاه الجاریة ولا فی البرق العمیقة ولا فی المحال التی یجف ماء ها فی بعض الاحیان وا نما تتکون فی المحال النی تبقیٰ فیها المیاه الراکدة علی الدوام و فی عمق قلیل الغور و هذا لجسم یسمی عندهم بالتورب و تکونه ینشاء خصوصا عن تراکم النباتات الخلویة المغمورة فی الماء علی الدوام وهی تتکاثر بسرعة کانو اع النباتات المائیة فهیا التی تتکون منها العجینة الا صلیة للرسوبات ای المادة التی تحیط بجمیع النباتات المائیة رالخ) یعنی اس زمین کی سطح پر جو روز بروز نئی غذا حاصل کرتی رہتی ہے اور قلیل الانحد ار وادیوں اوان پست زمینوں میں جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں کچھ نباتاتی رسوبات پیدا ہوجاتی ہیں کہ جب وہ تحلیل ہوجاتی ہیں تو ان سے ایک جسم بن جاتا ہے جو جلنے کے قابل ہوتا ہے اور رسوبات خاص خاص حالات میں پیدا ہوتی ہیں اس لئے آب جاری اور گہری جھیلوں اور تالابوں اور مقاموں میں جہاں کا پانی کبھی کبھی خشک ہوجایا کرتا ہے۔ نہیں پیدا ہوتیں بلکہ صرف ان پست زمینوں میں یہ رسوبات بنتی ہیں جہاں پانی ہمیشہ ٹھہرا رہتا ہے اور اس کی گہرائی زیادہ نہیں ہوتی اور اس جسم کو اصطلاح حکماء میں ''تورب'' کہتے ہیں اور یہ خصوصیت سے خلاء وفضا کی ان نباتات کی تہ بتہ جمع ہوجانے سے پیدا ہوتا ہے جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں اور وہ نباتات مائیہ کی طرح بسرعت بڑھتی ہیں۔ یہی وہ نباتات ہیں جن سے ان رسوبات کا اصل خمیر یعنی وہ مادہ تیار ہوتا ہے جو تمام نباتات آبی کو محیط ہے اور سب میں پایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان ہی مواد میں زمین کے اوپر کی نباتات بھی زمین میں گل کر شامل ہوجاتی ہیں اور اس مادہ کے تکون میں مساعد ہوتی ہیں کبھی کبھی انقلاب زمانیہ سے جنگل کے جنگل اس طرح زمین میں دفن ہوجاتے ہیں اور ان سے ایسے مواد پیدا ہوجاتے ہیں اور یہ مواد ہمارے زمانہ کی نباتات سے منسوب ہیں اور ان کو ''رانجی'' درخت کہتے ہیں اور انہیں میں شاہ بلوط کی قسم کے بہت سے درخت شامل ہیں اور اس طرح لسان العصافیر (جو مشہور ومعروف نباتاتی دوا ہے) اور ایسی پست زمیوں اور وادیوں میں جہاں یہ تورب پیدا ہوتے ہیں دودھ والے جانوروں کے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں جیسے گائے کی ہڈیاں اور بارہ سنگھے کے سینگ وغیرہ اور یہ سب ارضی انخسافات اور طوفانوں کا نتیجہ ہے)

ولا شک ان الرسوبات الفحمیة التی توجد فی با طن الا راضی تتکونت من نباتات تراکمت علیٰ بعضها کالتورب و دلیل ذالک البقایا التی تنکشف فیح و فی التورب بالمنظار العظیم و کذا السوق و الا وراق العدیدة التی توجد وی المواد الطینیةالتی تصاجها و قد اتفقت انآء الجیو توجیون علیٰ هذه المسئلة غیر انهم لم یتفقو اعلیٰ کیفیة التراکم۔ بلاشک وشبہ وہ رسوبات جن سے پتھر کا کوئلہ بنتا ہے اور زمین کے اندر پائی جاتی ہیں وہ نباتات متراکمہ ہی سے بنتی ہیں جس طرح کہ تورب بنتا ہے (اور بلاشبہ پتھر کے کوئلہ کی اصل یہی نباتات ہیں) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بڑی بڑی خوردبینوں سے ان رسوبات فحمیہ اور تورب میں نباتات کے اجزاء منکشف ہوتے ہیں اور اس طرح ایسی زمینوں میں درختوں کے تنے اور نیز ان کے پتے وغیرہ پائے جاتے ہیں اور تمام زوالوجسٹ اس پر متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نباتات کسطرح اکٹھے اور تہ بتہ جمع ہوجاتے ہیں اور اس تحقیق سے واضح ہے کہ پتھر کا کوئلہ جو ایک آتشی مادہ اور جسم ہے اور جو نوع انسان کے لئے ایک نہایت زبردست قوت وطاقت ہے سبز درختوں سے بنتا اور پیدا ہوتا ہے۔ وجعل لکم من الشجر الاخضر نارا واللہ هو الخلاق العلیم الحکیم (مولف)

دین ہے اور دین نہیں ہے۔ مگر قرآن پس رزق روحانی قرآن ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ بعد رزق جسمانی فرماتا ہے۔" افبھذا الحدیث انتم مدھنون و تجعلون رزقکم انکم تکذبون" کیا تم اس حدیث (قرآن) کے ساتھ منافقیت کرتے ہو۔ اور اپنے اس رزق روحانی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو کہ اس کی تکذیب کرتے ہو بظاہر اس کے قائل ہو اور عمل اس پر کرتے نہیں۔ یہ رزق روحانی کس سے حاصل کرنا چاہیے؟ کس و ناکس سے یا ان لوگوں سے جن کے پاس یہ خزانہ ہے طعام یعنی رزق جسمانی کی نسبت تو خدا یہ حکم دیتا ہے کہ اہل کتاب سے لینا چاہے نہ کہ مشرکین سے اور وہ بھی ضرورت میں ورنہ تو مومن مسلمان سے لینے کا حکم ہے کیونکہ مشرکین وغیرہ سے لینے اور خرید و فروخت کرنے میں ان کی ایک قسم کی اعانت و امداد ہوتی ہے اور خدا فرماتا ہے **تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان** ۔ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کرو۔ اور گناہ و ظلم وجور میں کسی کی اعانت و امداد نہ کرو اور ظاہر ہے کہ مشرکین سے خریدنے میں اعانت اثم ہے۔ پس جب کہ رزق جسمانی کی نسبت یہ حکم و احتیاط ہے۔ تو رزق روحانی کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر کس و ناکس سے لیا جائے۔ کیا ان مورّخین سے لیا جائے جن میں سے اکثر یہودی اور منافقین بھی ہیں۔

قرآن اور کتاب کا فرق

قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ قرآن قرآت سے ماخوذ ہے اور بمعنی مقروٌ ہے۔ یعنی وہ الفاظ جو زبان حق ترجمان خاتم پیغمبران سے نکلے اور کتاب شے وجودی ہے۔ ہر ایک شے ایک کلمہ وجودیہ ہے اور کوئی چیز کتاب سے خالی نہیں۔ لیکن جس جسم کا تاکید زیادہ ہے۔ اس میں کتابت زیادہ ہے۔ پس صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبتؐ جو سب سے اتم اکمل ہے۔ کتاب بھی اس کی سب سے اتم و اکمل ہے اور وہی کتاب جامع اور حاوی جمیع کتب اور دراصل کتاب وہی ہے۔ **ذالک الکتاب لا ریب فیه**۔ پس کتاب سے مراد کتاب وجودی یعنی صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہذا رزق روحانی اس سے لینا چاہیے **انه لقران کریم فی کتاب مکنون** یعنی یہ قرآن کریم کتاب مکنون میں ہے اور وہ صحیفہ وجودیہ حضرت رسالتمآبؐ ہے **لا تمسه الا المطھرون** سوائے مطہرین کے اور کوئی اس صحیفہ وجودیہ کو مس نہیں کر سکتا اور بعد پیغمبرؐ اس شخص سے رزق روحانی حاصل کرنا چاہیے جو مثل پیغمبرؐ ہو۔ **فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون**۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اہل الذکر یہودی ہیں ان سے علم قرآن حاصل کرنا چاہیے (**نعوذ باللہ من ذالک الاعتقاد**) یہی وجہ ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں پر تقسیم ہو

گئے ہیں کہ قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا حالانکہ آیہ مجیدہ **بل ھو ایت بینات فی صدرو الذین اوتوا العلم**۔ بلکہ وہ قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم فطرۃً عطا کیا، دال ہے کہ امت محمدیہ میں غیر پیغمبر لوگ ہیں۔ جن کے وجود میں قرآن ودیعت ہے۔

معنیٰ مسِ قرآن وامام مبین

لا یمسه الا المطھرون میں **یمسه** ضمیر یا تو قرآن کی طرف راجع ہے یا کتاب کی طرف۔ لیکن بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن صورتِ مقرؤ ہے اور وہ قابلِ مس (چھونا) نہیں اور اگر کتابت قرآن مراد لی جائے۔ تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قرآن اس وقت مکتوب نہ تھا۔ جو قابل مس ہوتا۔ پس کتاب سے مراد صحیفہ وجود یہ حضرت ختمی مرتبت ہے اور وہی کتاب لا ریب فیہ ہے جس میں قرآن ودیعت کیا ہے اور مَس سے مراد مس باطنی ہے نہ مس ظاہری اور اس سے مقصود قرآن کا لینا اور اس کا حاصل کرنا ہے۔ پس وجودِ اقدس نبوی سے اس کو نہیں لے سکتے اور نہیں حاصل کر سکتے۔ مگر وہ لوگ جو مطہر ہیں یعنی مطہر بہ طہارتِ باطنیہ یعنی معصوم ہیں اور آیہ **انما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا** سے ثابت ہے کہ مطہر بہ تطہیر الٰہی غیر اہل بیت رسالت اور کوئی نہیں۔

پس وجودِ اقدس نبوی سے کوئی شخص سوائے امام معصوم مس باطنی نہیں کر سکتا اور انہیں کو اتصال باطنی بلکہ اتحاد باطنی پیغمبر سے حاصل ہے کہ اصل ان کی ایک ہی ہے۔ پس قرآن انہیں کے وجود میں ہے اسی واسطے توصیف امام مبین میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ **وکل شیء احصیناہ فی امام مبین**۔ ہر ایک چیز کو ہم نے وجود امام مبین میں احصار کر دیا ہے۔

(نکتہ) یہاں خدا نے احصاء فرمایا ہے نہ عد و تعدد کیونکہ احصا اور عدد میں فرق ہے اور احصا احاطہ بر اعداد ہے **واحصی کل شی عددا** یعنی مقصود یہ ہے کہ وجود امام ظرف ہے ہر ایک شے کا اور کل اشیاء مظروف اسی واسطے فی امام مبین فرمایا ہے نہ کہ **لامام مبین** اسی کو احصاء کا مفہوم مقتضی ہے۔ کیونکہ احصاء سے ہر ایک شے موجود رہتی ہے۔ اس لئے کہ لغت میں احصاء ہر شے کے مقابل ایک کنکر یا سنگریزہ رکھے جانے کو کہتے ہیں بخلاف عدد کے کہ شمار کرتے چلے جاؤ۔ دوسرا آیا تو پہلا چلا گیا۔ پس وجود امام مبین خزینہ موجودات و مادہِ کائنات ہے۔ مفسرین (امام مبین سے) لوح محفوظ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ بھی غلط محض ہے۔ کیونکہ لفظ امام لوح محفوظ کے لئے قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔ اگر کہیں ہوتا تو اس کا ذکر ہوتا۔

فان القران یفسر بعضه بعضا قرآن میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ کئی کئی جگہ پر استعمال ہوئے ہیں۔ اگر لوح محفوظ کو امام کہا جاتا تو وہ بھی قرآن میں موجود ہوتا۔ **و لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین** اس کا دعویٰ ہے اور صحیح ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل میں امام مبین حضرت شعیب و حضرت صالح دو پیغمبروں کو فرمایا نہ کہ لوح محفوظ کو **انهما لبامام مبین** بتحقیق کہ وہ دونوں امام مبین ہیں۔

مسِ کتابتِ قرآن

آیہ **لا یمسه الا المطهرون** سے ثابت کرتے ہیں کہ کتاب قرآن کو بلا طہارت یعنی وضوو غسل مس کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ظاہر آیت اس پر دال نہیں کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب سے مراد وجود حضرت نبویؐ ہے اور مس سے مراد باطنی مس۔ البتہ مستنبط ہوسکتا ہے اس طرح پر کہ ہر شے کے چار وجود ہوتے ہیں۔ وجود لفظی جیسے لفظ زید جب کہ زبان سے ادا کریں۔ دوم کتبی یعنی صورت مکتوبی زید۔ سوم وجود ذہنی یعنی زید کا وہ تصور جو کسی متصوّر کے ذہن میں ہوتا ہے اور وہ مطابق ہوتا ہے۔ وجود خارجی عینی کے۔ چھارم وجود عینی جو دراصل زید ہے۔ یعنی ایک شخص خاص جو اس نام سے موسوم ہے اور وجود لفظی و وجودِ خارجی پر دلالت کرتا ہے اور اس کو مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے اس کو ایک قسم کی نسبت و تعلق ہے۔ مثلاً جب کہیں کہ زید کو بلا لاؤ تو اس شخص خاص کو بلا لائیں گے نہ اس آواز کو۔ اسی طرح جب حکم لکھتے ہیں کہ زید پر یہ دعویٰ ڈگری کیا گیا۔ تو اس شخص سے ڈگری وصول کی جاتی ہے۔ نہ کہ حرفوں یعنی (ز۔ی۔د) سے وعلی ہذا القیاس۔ غرض حکم وجود لفظی و کتبی پر جو وجود عینی خارجی جاری ہوتا ہے۔ پس اسی طرح سے قرآن شریف کے بھی چار وجود ہیں۔ ملفوظی، مکتوبی، ذہنی اور عینی اور اصل قرآن وہ ہے۔ جو قلب نبیؐ پر نازل ہوا ہے اور وہی وجود عینی ہے نہ وجود ملفوظی و مکتوبی و ذہنی۔ ہاں باقیوں کو اس سے ایک قسم کی نسبت و تعلق اتحادی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس حقیقت قرآن کو سوائے مطہرون کے اور کوئی مس نہیں کر سکتا یعنی مس باطنی۔

پس چونکہ اس وجود مکتوبی (جو قابل مس ہے) کو بھی اس وجود حقیقی سے ایک قسم کا اتحاد ہے۔ لہذا بلا طہارت ظاہری مس کرنا جائز نہیں (۱) ہوگا۔

---

(۱) لا یمسه الا المطهرون (الصافی) لایطلع علی اللوح الا المطهرون من الکدورات الجسمانیة او لا یمسه الا لمطهرون من الاحداث الخ فیکون نفیا بمعنی نهی. و فی التهذیب عن الکاظمؑ المصحف لا یمسه علی غیر طهر و لا تمسسه خطه (خیطه) و لا تعلقه ان الله تعالی یقول لا یمسه الا المطهرون (و فی الاحتجاج) لما استخلف عمر سئال علیا ان یدفع الیهم القران فیحرفوه بینهم فقال یا اباالحسن ان جئت بالقران الذی جئت بهالی ابی بکر حتی نجتمع علیه فقال هیهات لیس الی ذالک سبیل انما جئت به الی ابی بکر لتقوم الحجة علیکم و لا تقولوا یوم القیامة انا کنا

بہر حال یہ حقیقت قرآن وجود نبی میں ہے اور اس سے امام کو اتحاد نفسی ہے پس وہ بھی وجود امام کے ساتھ متحد ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خداؐ نے فرمایا لن یفترقا حتی یرد علی الحوض یعنی وجود امام و

(بقیہ حاشیہ) عن هذا غافلین او تقولوا ما جئتنا به فان القران الذی عندی لا یمسه الا المطهرون و الاوصیاء من ولدی فقال عمر فهل وقت لاظهاره معلوم قال نعم اذا قام القائم من ولدی یظهره فیحمل الناس علیه فتجری السنة به .

اقول و فی التحقیق لا منافاة بین المعنیین لجواز الجمع بینهما و ارادة کل واحد منهما او یکون احد هما تفسیرا و الاخر تا ویلا (انتهی) صاحب صافی لا یمسه الا المطهرون کے ذیل میں تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم لوح محفوظ میں ہے اور لوح محفوظ پر سوائے ان مطہرین کے اور کوئی مطلع نہیں ہوسکتا جو کدورات جسمانیہ سے پاک ہیں اور وہ ظلمانی نہیں بلکہ نورانی نفوس ہین اور وہاں سے علم ان نفوس قدسیہ کے سوا اور کوئی نہیں لے سکتا یا یہ کہ اس کو نہیں چھو سکتے۔ مگر وہ لوگ جو حدث سے پاک ہوں (یا وضو اور با غسل ہوں) اور اس صورت میں یہ نفی بمعنی نہیں ہوگی یعنی حکم ہے کہ بلا طہارت اس کو مس نہ کریں (پہلی صورت میں ضمیر غائب لوح کی طرف راجع ہوئی اور دوسری صورت میں قرآن کی طرف) اور کتاب التہذیب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن کو بلا طہارت نہ چھوؤ اور نہ جنابت کی حالت میں اور نہ اس کو لٹکاؤ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ اس کو سوائے مطہرین اور کوئی مس نہیں کر سکتا اور احتجاج میں ہے کہ عمر کو جب خلیفہ بنایا گیا تو اس نے علیؑ سے سوال کیا ہے کہ وہ اپنا جمع کیا ہوا قرآن دے دیں تا کہ وہ اپنے درمیان اس کو ردو بدل کرلیں تو کہا کہ اے ابوالحسن اگر آپ وہ قرآن ابوبکر کے پاس لائے تھے لے آتے تو بہتر ہوتا تا کہ ہم سب ایک ہی قرآن پر جمع ہو جاتے آپ نے فرمایا ھیہات اب تو اس کی کوئی سبیل نہیں ہوسکتی۔ میں اس کو ابوبکر کے پاس اس لئے لایا تھا کہ تم پر حجت تمام ہو جائے اور روز قیامت یہ نہ کہو کہ ''ہمیں اس کی خبر نہ تھی'' یا یہ کہو کہ اے علی تم ہمارے پاس قرآن لائے نہیں کیونکہ وہ قرآن جو میرے پاس ہے سوائے مطہر اور میری اولاد کے آئمہ کے اور کوئی نہیں چھوسکتا۔ اس وقت عمر بن الخطاب نے کہا کہ کیا اس کے اظہار کے لئے کوئی وقت معین ہے۔ فرمایا۔ ہاں ۔جب میری اولاد میں سے امام قائم ظہور کرے گا تو اس کو ظاہر کرے گا اور لوگوں کو اسی کا پابند کرے گا اور یہی سنت جاری ہوگی میں کہتا ہوں (صاحب صافی) کہ ان دونوں معنوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں یعنی اس کا علم لوح محفوظ سے سوائے مطہرین کے کوئی حاصل نہیں کرسکتا اور اس کو بلا طہارت کے کوئی نہیں چھوسکتا یا یہ کہا جائے کہ ایک معنی اس کے تفسیر ہیں۔ اور دوسرے اس کی تاویل ہیں۔ ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور قرآن کی یہی شان ہو اس کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور باطن کا باطن سات بطنوں تک) یہ ایک دقیق اور طولانی بحث ہے کہ لوح محفوظ کی حقیقت کیا ہے اور وہ کہاں ہے وہ عالم جسمانی سے ہے جیسے کہ ہماری تختیاں ہوتی ہیں یا عالم نفسانی سے جیسے کہ ہمارے نفس میں ہماری معلومات ملکات قائمہ راسخہ ہوتے ہیں یا عالم روحانی سے ہے پہلی صورت میں قرآن کا لوح محفوظ میں ہونا اور معنی میں ہوگا اور دوسری صورت میں اور معنی اور تیسری صورت میں اور معنی۔ اور پہلی صورت میں کعبہ یا بیت المقدس۔ یا بیت المعمور یا اور کسی آسمان پر آسمان کو جسم جانتے ہوئے ایک بہت بڑا سائن بورڈ ہوگا۔ اور یہ سب کچھ عالم جسمانی میں ہوگا ور عالم جسمانی اور زمین و آسمان سے پہلے نہ اس لوح محفوظ کا کہیں وجود ہوگا۔

اور نہ ہی اس لوح محفوظ میں قرآن کریم اور جب یہ مسلم ہوا کہ قرآن کریم کا اور جب یہ مسلم ہوا کہ قرآن پاک کا وجود زمین و آسمان کے وجود سے مقدم ہے حامل قرآن جو ہر اول و اکمل ہے اور تعلیم قرآن بجاہل قرآن خلقت انسان سے اقدم ہے۔ الرحمان علم القران خلق الانسان علمه البیان تو عقل کو تفکر کرتے ہوئے حیرت طاری ہوگی اور جب اس کے ساتھ کنت نبیا و ادم بین الماء و الطین شامل کیا جائے اور نیز اس مسئلہ کو کہ مایہ نبوت و رسالت ختمی بھی قرآن پاک ہے تو اور حیرت بڑھے گی اور ماننا پڑے گا کہ وہ لوح محفوظ جس میں یہ قرآن کریم قبل خلقت زمین و آسمان تھا وہ کوئی جسمانی لوح نہیں ہوسکتی۔ وہ لوح بلا شک وشبہ اس عالم روحانی و نورانی کی اصل اور اسی سنخ سے ہوگی اور اگر عالم جسمانی میں کوئی جسمانی لوح ثابت کی جائے گی تو وہ من حیث النزول به نشات عوالم تیسرے درجہ و مرتبہ

کتاب اللہ ایک دوسرے سے تا روز جزا جدا نہ ہوں گے اور تعریف کتاب میں فرمایا ہے **حبل مندور من السماء الی الارض** یعنی ایک جبل ممدوع ہے زمین سے آسمان تک اسی سے ظاہر ہے کہ اس کتاب سے قرآن کا وجود مکتوبی بین الدفتین مراد نہیں ہے اور مقصود پیغمبر یہ ہے کہ میں اس کتاب اللہ کو اپنے ہمراہ نہیں لے جاتا اس کو یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔

پس وہ کتاب وجود امام میں موجود ہے اور وجودِ امام برائے قیامت ضروری ہے تا کہ ماموین کو جزا دی جائے۔ **یوم ندعوا کل اناس بامامهم**

(بقیہ حاشیہ) پر ہوگی، مرتبہ اول و دوم میں اس کی یہ حقیقت نہ ہوگی۔ لیکن ہم اس بحث کو یہی چھوڑ کر دوسری صورت سے **لا یمسه الا المطهرون** پر روشنی ڈالتے ہیں کہ محققین حکماء کے نزدیک وجوداتِ اربعہ وجود عینی، ذہنی لفظی، کتبی میں سے وجود لفظی و کتبی حقیقتاً وجود نہیں بلکہ اس کو وجود کی طرف ایک نسبت رکھنے کی وجہ سے مجازاً وجود کہا گیا ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں اور یہ بدیہی ہے۔ کون کہتا ہے کہ لفظ انسان کی آواز جو میرے منہ سے نکلی ہے یہی انسان کی حقیقت واقعیہ خارجیہ ہے یا جو صورت لکھی ہے۔ یہی اس کی حقیقت ہے اور وجود ذہنی اگر چہ وجود کہلاتا ہے اور اس پر وجود کا اطلاق ہوتا ہے لیکن نظر تحقیق میں یہ بھی حقیقی وجود نہیں۔ بلکہ وجود حقیقی کا عکس اور ظل ہے کون ذی عقل کہہ سکتا ہے کہ انسان کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہی اس کی حقیقت خارجیہ ہے۔ یہ اس کی صورت ذہنی ہے نہ وجد خارجی عینی وہ تو جسم اور روح کا مجموعہ اعضاء و جوارح کا چلتا پھرتا، ہنستا بولتا، ایک پتلا ہے جو سو ذہنوں میں نہیں سما سکتا۔ پس قرآن کا وجود عینی وجود کتبی نہیں ہو سکتا۔ خواہ آسمانی تختے پر لکھا ہوا ہو یا کسی زمین کے پتھر پر یا کاغذ کے صفحات پر اور نہ ہو آواز عینی وجود ہے جو ہمارے منہ سے نکلی ہے۔ نہ صورت ذہنیہ جو الفاظ قرآنی کے پڑھنے یا سننے سے کسی عالم کے ذہن میں آتی ہے۔ وہ عینی وجود ہے خواہ کسی عالم میں ہو اور کسی ذہن میں ہو اور اس لئے قطعاً قرآن کا وجود عینی اس وجود کے غیر ہوگا۔ جو لوح محفوظ پر نقش ہوگا اور یقیناً وہ لوح محفوظ کے وجود سے مقدم ہوگا اور ان وجودات کو اس سے نسبت اور ربط ہوگا اور جب یہ مسلم ہوا کہ اس کے وجود کتبی کو چھونا ممنوع ہے اور اس طرح بحالت جنابت جو حالت جنابت خاصہ ہے۔ اس کی تلاوت درست نہیں۔ مکروہ ہے اور بعض سورہ کی حرام ہے تو یقیناً اس کے الفاظ اور نقوش سے اسؑ کے معانی اصلیہ کا کسی نجس اور ناپاک دماغ و ذہن میں آنا منفی ہوگا اور منہی عنہ اور وجود عینی پر غیر طاہرین کے لئے اطلاع پانا قطعاً محال ہوگا اور اس وجود حقیقی اور ظلی کے لحاظ سے بلا شک وشبہ مس سے مراد مس معنوی و باطنی ہوگی نہ ہاتھ سے چھونا اور اگر وہ وجود عینی کا مس غیر طاہر کے لئے جائز یا ممکن ہوتو پھر ان وجودات کا مس جو دراصل وجود ہی نہیں ہے کیونکر منفی یا منہی عنہ ہوگا اول وہاں منفی ہے تو پھر ہاں اس نسبت کے لحاظ سے منہی عنہ ہوا تا کہ اصل منسوب الیہ کی حرمت ہر منسوب میں باقی رہے۔ بنا بریں آیہ مبارکہ کے یہی معنی ہوں گے کہ اس قرآن پاک کی حقیقت واقعیہ پر غیر مطہر اطلاع نہیں پا سکتا اور اس کے معانی صحیحہ کسی ناپاک دماغ اور ذہن میں نہیں آ سکتے اور اس کے نقوش و خطوط کو غیر مطہر نہیں چھو سکتا اور اس کے سوا عزائم کی تلاوت غیر طاہر (جنب وغیرہ) نہیں کر سکتا اور عام سورہ کا پڑھنا مکروہ ہے اور سات آیات کا استثناء سہولت کے لئے اور تخفیف تکلیف کے لئے ہے **و لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها** اور یہ بھی اس لئے کہ وجود لفظی بظاہر ابعد وجودات ہے اور اس کتاب عظیم اور قرآن کریم کی حقیقت اور لوح محفوظ اور کتابِ مکنون کی حقیقت، حقیقت روحانیہ محمدیہؐ سے کسی عالم اور کسی فشاء میں جدا نہیں ہو سکتی اور اس لئے قلب محمدی کے لوح محفوظ قرآنی ہونے میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا اور قلب محمدیؐ سے قرآن لینے اور اس پر اطلاع پانے کے لئے بلاشک وشبہ طہارت واقعی کی ضرورت ہے اور وہ مطہرین جو اس پر مطلع ہیں۔ نفس محمدیؐ ہیں اور وہ علیؑ و یازدہ امام از اولاد علیؑ ہیں۔ **بل هو ایات بینات فی صدرو الذین اوتو العلم** یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم ایک مکمل کتاب لکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ حاشیہ اس کو مقتضی نہیں ہے۔ یہاں اسی قدر بیان کافی ہے اور ہماری اکثر کتب میں اس کا مختصر ذکر موجود ہے **حسبنا کتاب الله** میں بھی اشارہ ہے اس لئے بالفعل ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اور تفصیل کی جائے۔
العاقل تکفیه الاشاره۔ (مولف)

سوال جواب طلب از اہل علم

وجود پیغمبر افضل ہے وجود قرآن سے لیکن حروف ونقوش قرآن کو بلا وضو مس کرنا نا جائز ہے۔ مگر پیغمبر نے کبھی حکم نہیں دیا کہ مجھ کو بلا وضو مس نہ کرو اور جس وقت مجھ سے مصافحہ کرو تو پہلے وضو کر لیا کرو۔ بلکہ اعراب بے وضو و بے غسل آتے تھے اور حضرت سے مصافحہ کرتے تھے۔ پس کس واسطے حضرت نے حروف قرآنی کو بلا وضو مس کرنے کو حرام قرار دیا اور اپنے جسم اقدس کے لئے ایسا نہ فرمایا؟

آیۃ اللہ و حجۃ اللہ

اثنائے وعظ میں ایک صاحب نے سرکار علامہ کو آیۃ اللہ کہہ دیا۔ اس پر سرکار علامہ نے فرمایا۔ ایسے الفاظ بلا تکلف استعمال کرنے درست نہیں۔ لفظ آیۃ اللہ مخصوص ہے پیغمبر و امام اولیاء اللہ کے لئے کہ خدا فرماتا ہے۔ **انا جعلنا ها و ابنها اية للعالمين** ہم نے اس (مریم) کو اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو تمام عوالم کے لئے یک آیت قرار دیا ہے۔ پس جو حضرات لفظ آیت اللہ کو کسی عالم یا مولوی وغیرہ کے واسطے استعمال کرتے ہیں اگر آیت کا خاص مراد لیتے ہیں جو وجود پیغمبرؐ یا امامؑ ہے تو اس معنی میں دوسرے کے لئے استعمال کفر ہے اور اگر مطلق آیت مراد ہے تو پھر اس کا استعمال کسی عالم یا مجتہد کے لئے نہ تو باعث فخر ہے اور نہ اس کی تعظیم وتکریم پر دال اس واسطے کہ اس معنی میں تو ہر ایک شے وجود آیتِ خدا ہے۔ حتیٰ کہ وجودِ سگ بھی آیت خدا ہے۔ وہ بھی اپنے خالق وصانع پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بھی کوئی ہے۔ وہی اس کو زندہ رکھتا ہے اور پرورش کرتا ہے۔ بلکہ ذرّہ ذرّہ خدا کے وجود اور اس کی توحید اس کی قدرت وحکمت کی آیت ونشانی ہے۔ اس طرح لفظ حجۃ اللہ بھی ہر کس وناکس کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔ البتہ عالم حقیقی و واقعی کے لئے متاخرین نے اس کو جائز جانا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اسحاق بن یعقوب نے حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ سے دریافت کیا کہ ہم زمانہ غیبت میں کیا کریں۔ تحریر فرمایا کہ ہمارے راویان اخبار سے دریافت کرو۔ جو ہمارے احکام کے عارف ہوں اور حلال وحرام پر نظر رکھتے ہوں۔ کیونکہ وہ ہماری طرف سے حجۃ ہیں لوگوں پر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ حجت ایسے علماء کے واسطے استعمال کر سکتے ہیں۔ جو حرام وحلال سے پورے طور سے واقف ہوں اور اخبار اہل بیت کے راوی۔ نہ کہ ظن وقیاس ورائے پر عمل کرنے والے اور وہ بھی باضافت یعنی حجۃ الاسلام وغیرہ نہ حجتِ مطلق یا حجۃ اللہ کی یہ خاص ہے امام علیہ

السلام کے لئے ،بعض متاخرین نے لفظ آیت اللہ کو بھی ایسے اشخاص کامل الایمان و کامل العلم کے واسطے جائز جانا ہے۔مگر آیت اللہ فی العالمین بجز پیغمبرؐ یا امامؑ کے اور کسی کے واسطے کسی وقت اور کسی کے نزدیک جائز نہیں۔تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا سے ثابت ھے کہ حجۃ اللہ فی العلمین و ایۃ اللہ فی العالمین امامؑ اور پیغمبرؐ ہی ہے۔غرض ایسے الفاظ کے استعمال میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔مولف۔

صفات مشترکہ نبی و امام

آیہ مجیدہ وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونا شھدا علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا (اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے) میں امت وسط سے مراد امام ہے نہ کہ تمام امت۔دوسری آیت اس پر بالصراحت وال ہے۔ یا ایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبد و اربکم و افعلوا لخیر لعلکم تفلحون وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتبکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین من قبل و فی ھذا لیکون الرسول علیکم شھیدا وتکونوا شھداء علی الناس اس آیت میں بارہ دلیلیں وجود امام پر موجود ہیں۔اس آیت میں خطاب ذریت حضرت ابراہیمؑ کی اس امت مسلمہ سے ہے جس کی حضرت نے دعا کی تھی۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (الخ)اور سابق میں ثابت کیا گیا کہ وہ امت مسلمہ پیغمبرؐ و نفس پیغمبرؐ یعنی علیؑ ہے۔جو مسلمان باسلام نبوتی تھے۔بالفطرۃ اور ایک آن واحد کے واسطے شرک نہیں کیا۔اسی واسطے حضرت علیؑ کو مسلمان کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔حضرت کسی بت کے سامنے نہیں جھکے اور اسی واسطے اس آیت میں لفظ امنوا آیا ہے اسلموا نہیں کیونکہ مسلم پہلے ہی تھے۔انہیں کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان و امت مسلمہ کہا ہے اور یہی شھید علی الناس ھیں. شھداء علی الناس عام اور تمام امت محمدی کبھی نہیں ہوسکتی۔(بعض مفسرین لاہور نے لکھا ہے کہ امت مسلمہ سے مراد کفار اولاد حضرت ابراہیمؑ ہیں۔جو حضرت رسول کے ہاتھ پر ایمان لائے لاحول و لا قوۃ الا باللہ)پس ہر زمانے میں ایک شہید کا وجود ضروری ہے اور وہ امام وقت ہے۔لازم ہے کہ تا قیام قیامت امام موجود رہے اور آیہ ذیل اس کی شاہد ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس امامت کو اپنی ذریت میں ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے۔جس کی بابت خدا خبر دیتا

ہے وجعلها کلمة باقیة فی عضبة (یعنی اس کو آپ نے کلمہ باقیہ قرار دیا اپنی اولاد میں) آیت مذکورہ کے بارہ براہین میں سے یہاں ایک برہان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے وجاهدوا فی الله حق جهاده هو اجتبکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج یعنی جہاد کرو راہِ خدا میں حق جہاد کہ خدا نے تمہیں اسی کام کے واسطے انتخاب کیا ہے اور چن لیا ہے اور یہ حق جہاد راہ خدا حضرت ابراہیمؑ کا کام تھا کہ اوّل اوّل یہ جہاد انہی نے کیا کہ بتوں کو توڑا اور خانہ خدا سے باہر کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حکم تھا کہ تم خانہ خدا کو پاک کرو وطهر بیتی للطائفین والعاکفین فالرکع السجود میرے گھر کو طواف کرنے والوں، عبادت گزاروں اور راکعین ساجدین کے لئے پاک کرو۔

حضرت علی علیہ السلام نے بھی یہ کام کیا۔ وقت نزول آیہ بعد از بعثت و قبل از ہجرت جب کہ حضرت ختمی مرتبتؐ شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کو لے کر کعبہ میں آئے اور بتوں کو توڑا بعد فتح مکہ دوبارہ توڑے گئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم دو روز پوشیدہ رہے۔ ابوجہل نے جب بتوں کو دیکھا تو کہا یہ کام سوائے سُرخ آنکھوں والے (حضرت علیؑ) کے اور کسی کا نہیں ہے۔ وہ ملت ابراہیمی ہے۔ جس کی امت مسلمہ متبع رہی۔ افسوس ہے کہ لوگ ملت کے معنی بھی نہیں جانتے اور سنت و ملت میں فرق نہیں کر سکتے۔ ''ملت'' کیش ہے اور سنت چند مرتبہ عمل کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ غرض حق جہاد فی سبیل اللہ کے مصداق آئمہ ہی ہیں۔ جو امت مسلمہ ذریت ابراہیمؑ ہیں۔

فرق شاہد و شہید بعبارتِ دیگر

شَہِدَ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے اول بمعنی حضور۔ دوم بمعنی علم، اور اسی سے شاہد ہے اور جب بمعنی حضور ہوتا۔ وہ مفعول بہ کی طرف متعدی ہوتا ہے کقوله تعالی اشهدوا خلقاهم لیشهدوا منافع لهم . والذین لا یشهدون الزور و ما اشهدکم خلق السموات والارض و لا خلق انفسم اور نہیں حاضر کیا میں نے ان کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت اور نہ خود ان کے نفسوں کی خلقت کے وقت اور اسی سے شہید ہے۔ فالشاهد لشیء من حضر عنده صورة ذالک الشی . والشهید هو القوة التی بها یقع الشهود والحضور سواء کانت معارفة او جسمانیة یعنی شاہد کسی شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شے کی صورت موجود ہو اور شہید وہ قوت ہے۔ جس کے ذریعہ سے شہود و حضور واقع ہے۔ خواہ وہ

مجرد ہو یا مادی۔ پس بعد معلوم ہونے معنیٰ شہید جاننا چاہئے کہ شہید کبھی تو ذاتِ شے میں داخل اور اس کا مفہوم ہوتا ہے۔ یعنی وجود میں ذات سے مبائن نہیں ہوتا۔ کقولہ تعالی وجاءت کل نفس معھا سائق و شھید۔ کیونکہ سائق سے مراد قوّتِ عملیہ محرکہ ہے اور شہید سے مراد قوّت مدرکہ علمیہ ہے اور ہر ایک نفس میں یہ دونوں قوتیں موجود ہیں۔ لیکن بلحاظ نقص و کمال شرافتو خست۔ علو و دنائت مراتب مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں اور کبھی سائق ذات شے سے مبائن ہوتا ہے جیسے کہ شیطان سائق نفس ہے۔ بجانب نار اور کبھی شہید مبائن از ذات شے ہوتا ہے مثل انبیاء علیھم السلام بلحاظ اپنی امتوں کے اور آئمہ بالقیاس اپنے اتباع واشیاع کے کیونکہ وہ بمنزلہ قوت ادراکیہ ہیں۔ اذ لا علم و لا شھادۃ للتابع بما ھو تابع الا بعلم الامام و شھادتہ۔ یعنی تابع کے لئے بحیثیت تابع ہونے کے نہ علم ہے نہ شہادت الاعلم وشہادت امام پس ہر ایک نبی و امام اپنی قوم پر شہید ہے اور آنحضرتؐ چونکہ امام الائمہ و مرکزِ دائرہ نبوت ہیں۔ تمام انبیاء و آئمہ پر شہید ہیں۔ اس لئے سب آپ کے مقتدی اور آپ کے قدم بقدم چلنے والے اور اپنے مقامات و مدارج میں آنحضرتؐ کے تابع اور وہ سب کے سب روز قیامت آپ کے لوائے حمد کے نیچے ہوں گے اور اسی پر یہ آیت شاہد ہے۔ کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھولاء شھیدا کیونکر ہوگا اس دن جب کہ ہم ہر ایک امت کے شہید کو لائیں گے اور تجھ کو تمام شہیدوں پر شہید قرار دیں گے۔ فافھم

غرض شاہد کے لئے حضور لازمی نہیں ہے۔ برخلاف شہید کے کہ وہ احاطہ وحضور رکھتا ہے اور حضور و غیاب جسمانی، خواب و بیداری، قرب و بعد اس کے لئے مساوی ہے۔ وہ ہر وقت ہر شے پر احاطہ رکھتا ہے اور یہ مخصوص ہے خدا و نبی و امام کے لئے۔ چنانچہ حدیث بخاری اس کی خبر دیتی ہے کہ حضرت نے فرمایا تنام عینی و لاینام قلبی میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ منقول ہے کہ حضرتؐ خواب سے بیدار ہو کر بلا وضو ہی نماز پڑھ لیتے تھے تو ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے دریافت کیا آپ نے یہ جواب دیا کہ ہماری آنکھ سوتی ہے۔ مگر قلب بیدار رہتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے نحن معاشر الانبیاء تنام العین و لا ینام القلب۔ ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور قلب بیدار رہتے ہیں۔ یعنی ہماری طرح سے وہ سوتے ہیں۔ بے خبر و غافل نہیں ہوتے۔ اگر اسی طرح غافل ہو جائیں تو شہید علی الناس کس طرح رہیں گے۔ پس خواہ اس جگہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ مگر اس کو دیکھتے ہیں۔ پہاڑ درخت وغیرہ ان کی نظروں کے حاجب و مانع نہیں ہوتے اور شاہد کے واسطے حضور اور شہود ضروری ہے۔ اسی واسطے برادران یوسف نے وقت شہادتِ سرقہ ما شھدنا الا بما علمنا کہا کہ ہم نے وہی شہادت دی ہے جس کا ہمیں علم ہے۔ ما راینا نہیں

کہا۔ کہ ہم نے وہی بیان کیا جو دیکھا ہے کیونکہ وہ شہید نہ تھے اور احاطہ نہ رکھتے تھے۔ بہر حال ہر زمانہ میں وجود امام ضروری ہے جو شہید علی الناس ہے اور وہ ذریت ابراہیمیہ اولاد پیغمبر سے ہوگا۔ اگر کوئی اور شخص اس خاندان کے سوا دعوے امامت کرے تو جھوٹا (۱) ہے۔

ایک عالم بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ایام محرم میں شہید شہید نہیں ہے۔ کیونکہ ان ایام میں تمام توجہ شہید زمان عجل اللہ ظہورہ کرب وبلا کی طرف منعطف ہے کیونکہ جب ہم لوگ ان واقعات ہائلہ کو یہاں پرسُن کر مضطرب و بے قرار ہو جاتے ہیں تو امام زمان علیہ الصلوۃ والسلام جو ان واقعات کو عیاناً دیکھتے ہیں ان کے لئے کوئی حاجب و مانع نہیں۔ تمام منظر اُن کے پیش نظر ہے۔ ان کی کیا حالت ہوگی۔ بلاشبہ آج کل ان کی تمام توجہ اپنے جد بزرگوار کی طرف متوجہ ہے کہ خود حضرت زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں۔ آہ آہ یا جداہ و لئن اخرتنی الدھور و عاقنی عن نصرک المقدور و لم اکن لمن حاربک مھاربا و لمن نصب لک العداوۃ مناصبا فلا تدبنک صباحا و مساء ولا بکین لک بدل الدموع دما (الخ) اے جد بزرگوار اگرچہ زمانوں نے مجھے تاخیر میں ڈالا اور تقدیر آپ کی نصرت سے اس وقت مجھے عائق اور مانع ہوئی اور اور میں آپ کے دشمنوں سے جدال وقتال نہ کر سکا اور آپ کے قاتلوں اور مخالفوں سے مقابلہ نہ کر سکا (لیکن) اے جد بزرگوار اب میں صبح وشام آپ پر بآواز بلند گریہ و بکا کرتا ہوں اور اب میں آپ کے لئے اشکوں کے عوض خون روتا ہوں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

حاشیہ (۱) و کذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکون شھداء علی الناس. عن الباقر علیہ السلام قال نحن الامۃ الوسط و نحن شھداء اللہ علی خلقہ و حجۃ فی الرضہ و عن علی علیہ السلام ایانا عنی بہ لقولہ لتکونا شھداء علی الناس فرسول اللہ شاھد علینا و نحن شھداء اللہ علی خلقہ و حجتہ فی الرضہ نحن الذین قال اللہ فیھم و کذالک جعلنا کم امۃ وسطا لیکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا (و فی الکافی) عن الصادق علیہ السلام فی قوللہ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھولاء شھیدا نزلت فی امۃ محمد کاصۃ فی کل قرن منھم امام منا شاھد علیھم و محمد شآھد علینا۔

ایضا فی قولہ تعالی کذالک جعلنا کم امۃ وسطا الایہ عن الصادق علیہ السلام نحن امۃ الوسطی و نحن شھدا اللہ علی خلقہ وحجتہ فی الرضہ قلت (راوی) قول اللہ عز و جل ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا شھداء علی الناس ایانا عنی خاصۃ فرسول اللہ الشھید علینا بما بلغنا عن اللہ عزوجل و نحن الشھداء علی الناس فمن صدق صدقنا ہ یوم القیامۃ و من کذب کذبنا ہ یوم القیامۃ۔ (آیہ مجیدہ) و کذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس (الخ) کے تحت میں حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم ہی امت وسط اور خدا کی طرف سے اس کی مخلوقات پر شہید اور اس کی زمین میں اس کی حجت ہیں اور جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے

کہ اس آیت سے مراد ہم ہی ہیں۔ پس رسول اللہ ہم پر شہید ہیں اور ہم خدا کی طرف سے اس کی خلقت پر شہید ہیں اور اس کی حجت ہیں۔ ہماری شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ **و کذلک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء اعلی الناس** الخ کافی میں صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے **کیف اذا جعنا من کل امة بشهید و جئنا بک علی هولاء شهیدا** کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ آیت خصوصیت سے امت محمد کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ ان میں ہم میں سے ایک نہ ایک امام ہر قرن میں موجود ہے۔ جو ان پر شہید ہے اور محمد رسول اللہ ہم آئمہ پر شہید ہیں اور اس طرح آیہ مذکور الصدور **و کذالک جعلنا کم امة وسطا الایه** کی ذیل میں فرمایا کہ ہم ہی امت وسطی ہیں۔ ہم ہی خدا کی طرف سے اس کی مخلوق پر شہید ہیں اور اس کی زمین پر اس کی حجت ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا پھر **ملة ابیکم ابراهیم الایه** سے کیا مراد ہے۔ فرمایا اس سے خاص ہم ہی مراد ہیں یعنی ہم ہی امت مسلمہ ہیں۔ ہمارا ہی نام ہمارے جد ابراہیمؑ نے مسلم رکھا ہے اور ہمارا ہی اس قرآن اور پہلی کتب میں ذکر ہے۔ ہم ہی **شهید علی الخلق** ہیں۔ پس رسول تبلیغ رسالت میں ہم پر شہید ہیں اور ہم لوگوں پر شہید ہیں۔ پس جو سچا ہے ہم اس کی روز قیامت تصدیق کریں گے اور جو جھوٹا ہے روز قیامت اس کی تکذیب کریں گے اور اسی طرح آیہ مبارکہ **قل اعملوا فسیری الله عملکم و رسوله والمومنون** الخ (یعنی عمل کرو کہ خدا تمہارے اعمال کو ہمیشہ دیکھتا ہے اور اس کا رسول اور مومنین دیکھتے ہیں) کے ذیل میں حضرت صادق آل محمد علیھم السلام ارشاد فرماتے ہیں اس آیہ مجیدہ میں **المومنون** سے خدا نے ہمیں مراد لیا ہے اور رسول اللہ کی طرح ہم اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ نیز اسی جناب سے حضرت کاظمؑ کی ولادت کے ذکر میں خصائص ولادت امام برحق کے ذیل میں مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ **ان الله عزل وجل اذا اراد ان یخلق الامام من الامام بعث ملکا فاخذ شربة من تحت العرش و دفعاها الی الامام فشربها ۔فیمکث فی الرحم اربعین یوما لا یسمع الکلام ثم یسمع الکلام بعد ذالک فاذا رضعت امه بعث الله الملک الذی اخذا الشربة فکتب علی عضده الایمن تمت کلمة ربک صدقا وعدلا لامبدل لکلماته فاذا قام بهذا الامر رفع الله له فی کل بلدة منارا ینظر به الی اعمال العباد۔**

اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا ہے کہ امام کو امام سے خلق کرے تو ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ تحت عرش سے ایک گھونٹ (پانی) کا لیتا ہے۔ امام کو دیتا ہے۔ اس سے امام بنتا ہے اور جب وہ رحم میں جاتا ہے تو چالیس دن تک کچھ نہیں سنتا۔ جب چالیس دن تمام ہو جاتے ہیں تو وہ آواز سننے لگتا ہے اور جب وضع حمل ہوتا ہے تو وہی فرشتہ پھر بھیجا جاتا ہے اور اس بچے کے داہنے شانہ پر لکھتا ہے۔ **تمت کلمة ربک صدقا و عدلا لا مبدل لکلماته** یہ کلمہ اللہ صدق وعدل کے ساتھ درجہ تمام کو پہنچا اور کلمات اللہ کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اور جب وہ امام ناطق وظاہر ہوتا ہے تو ہر شہر میں ایک منارہ نور اس کے لئے بلند کیا جاتا ہے۔ جس میں وہ اعمال عباد کو دیکھتا ہے۔ یہ روایت یونس بن ظبیان سے ہے اور روایت ابوبصیر میں یوں ہے کہ جب وہ چار ماہ کا ہوتا ہے تو حیوان نام فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور وہ دائیں شانہ پر لکھتا ہے **تمت کلمة ربک الایه** اور جب وقت متولد ہوتا ہے تو سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اور ہاتھ زمین پر ٹیک دیتا ہے۔ پس ایک منادی زیر عرش سے من جانب اللہ اس امام اور اس کے والد ماجد کا نام لے کر ندا دیتا ہے۔ ثابت و مستقیم رہو کہ ایک امر عظیم کے لئے میں نے تجھے خلق کیا ہے تو میری برگزیدہ مخلوق ہے۔ میرا راز دان میرے علم کا خزانہ میری وحی کا امین اور میری زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ تیرے اور تیرے دوستوں کے لئے میں نے اپنی رحمت کو واجب کر دیا ہے اور اپنی جنت کو بخش دیا ہے اور اپنے قرب کو حلال کر دیا ہے۔ مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے کہ میں تیرے دشمنوں کو سخت عذاب کروں گا۔ اگرچہ دنیا میں ان کو وسعت رزق کیوں نہ دوں۔ جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو امام جواب دیتا ہے اور کہتا ہے۔ **شهد الله انه لا اله لا هو والملائکة واولوا العلم ائما بالقسط لا اله الا هو العزیز الحکیم۔** جب وہ یہی کہتا ہے تو اللہ علم اولین وآخرین اس کو عنایت فرما دیتا ہے اور اس وقت سے شب قدر میں زیارت روح القدس کا مستحق ہو جاتا ہے (**تنزل الملائکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر۔**

یونس بن ظبیان کی ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے ''رفع لہ عمود من نور ما بین السماء والارض یری ما بین المشرق والمغرب''۔ یعنی اس کے لئے مابین زمین وآسمان ایک عمود نور نصب کیا جاتا ہے جس سے مغرب سے مشرق تک تمام اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اور ابن مسکان کی روایت میں۔ رفع لہ منار یبصر بہ اعمال العباد ہے ایک روایت میں ہے جعل لہ مصباح من نور وعرف بہ الضمیر ویری بہ سائر الاعمال اس مضمون کی روایت بکثرت ہیں جو معنوی حیثیت سے حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

موعظہ پنجم

۶ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

تفاوتِ انواع موجودات اور اس کی عِلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا و عملوا الصالحات و تواصو بالحق وتواصو بالصبر محسوس ومشاہد ہے کہ انواع موجودات مختلف درجات رکھتی ہیں خواہ جماد ہو یا نبات وحیوان نباتات ہیں بیشمار مختلف درجہ ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو ایک دوروز میں ہی خشک ہو جاتی ہیں اور بعض ایک یا دو ماہ بعد، بعض اپنے موسم تک باقی رہتی ہیں اور پھر خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور بعض کئی کئی برس تک باقی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض درخت ایسے بھی پائے جو ہزاروں برس قائم و باقی رہتے ہیں اور اس وقت دس ہزار سال عمر کے درخت دنیا میں موجود ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ باوجود جسیم ہونے کے بھی سخت سردی و برف وغیرہ کی برداشت نہیں کر سکتے اور بعض باوجود نہایت نازک بیل ہونے کے موسم سرما میں اسی طرح باقی رہتے ہیں۔ پس اگر ان چیزوں کو دیکھ کر بظاہر حکم کیا جائے تو غلط ہوگا۔ عقل ظاہر بین اُن میں کبھی صحیح حکم نہیں کر سکتی۔ کدو کی بیل نہایت نازک ہوتی ہے کہ ذرا ملنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور خراب ہو جاتی ہے اس نازک بیل میں ایک ایک کدو بیس بیس سیر کا لگتا ہے اور ایسا سخت و مضبوط ہوتا ہے کہ بعض اوقات چاقو سے نہیں کٹتا، اگر کدو کو توڑ کر اور بیل سے علیحدہ کر کے ایسے شخص کو دکھلایا جائے جو اس سے واقف نہیں ہے اور کہا جائے کہ یہ پھل اس نازک بیل سے پیدا ہوا ہے اور نکلا ہے وہ اس کے ظاہر پر نظر کر کے یہی کہے گا کہ بالکل غلط ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا اور اس کو کبھی یقین نہ آئے گا کہ کدو اس نازک بیل سے نکلا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ظاہر پر نظر کر کے حکم کر رہا ہے لیکن جو شخص اس کی حقیقت سے واقف ہے اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہوگا۔ غرض حسب ظاہر حکم کرنا غلطی ہے۔ موجودات عالم کی قوتوں اور ان کی بقاونشوونما کا یہ فرق

ظاہری جسامت و مادیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ باطنی قوت پر موقوف ہے۔ جس میں وہ قوت زیادہ ہے۔ زیادہ دیر باقی رہتا ہے اور سردی وگرمی وہوا کے صدمات کو برداشت کرتا ہے اور جس میں قوت کم ہے وہ کم باقی رہتا ہے اور صدمات ارضی وسماوی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ بہرحال یہ نقص وکمال قوت باطنی کا نتیجہ واثر ہے نہ کہ ظاہری جسامت وغیرہ۔

(حکایت) دو طالب علم عراق سے تحصیل علوم کر کے اپنے وطن بخارا واپس جارہے تھے۔ ایک ان میں کمسن، لاغر اور قصیر القامت تھا اور لباس بھی معمولی پہنے ہوئے تھا۔ دوسرا کبیر السن، طویل القامت اور جسیم تھا، اور جبہ، عبا، قبا، عمامہ، کفش وغیرہ سے گذاستہ۔ دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ بڑے نے کہا۔ تم اتنے دنوں عراق میں رہے۔ مگر کچھ نہ کیا۔ وطن پہنچو گے۔ تو تمہاری کچھ عزت نہ ہوگی۔ لوگ جب میری عبا، قبا، جبہ ودستار اور ڈاڑھی اور اس جسم کو دیکھیں گے۔ میری عزت وتوقیر وتعظیم کریں گے۔ اور بڑا عالم سمجھیں گے اور تمہیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ چھوٹے نے ایک حکایت بیان کی کہ جناب عالی ایک درخت مدت سے ایک جنگل میں کھڑا تھا۔ اس کے نیچے سے ایک بیل اُگی اور تین ماہ کے عرصہ میں درخت کی چوٹی سے بلند ہوگئی اور درخت سے کہنے لگی کہ میں تین ماہ میں اتنی بڑی ہوگئی اور تو اتنی مدت سے یہاں کھڑا ہے۔ مگر کچھ ترقی نہیں کی۔ درخت نے جواب دیا۔ جب ہوا چلے گی اور برف پڑے گی۔ ترقی معلوم ہوجائے گی۔ سو جناب عالی جب آپ سے کوئی علمی سوال کیا جائے گا اس وقت آپ کی قلعی کھل جائیگی۔ بزرگی بعقل است نہ بسال و نہ بہ لباس۔ صورت علماء دلیل علم نہیں۔ اسی طرح صورت ظاہری جسمانی دلیل اصل کمال و افضلیت نہیں۔

بہرحال اسی طرح سے انسان بھی بیشمار مختلف درجے رکھتے ہیں اور ہر ایک اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ومتفاوت ہوتے ہیں۔ بعض باعتبار جسامت بہت لاغر ہوتے ہیں۔ مگر قوت و طاقت میں جسیموں سے زیادہ۔ بعض معمولی حادثے کی برداشت نہیں کرسکتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خواہ ان پر کتنے ہی مصائب نازل ہوں مضطرب نہیں ہوتے وعلی ہذا القیاس۔

تحمل انبیاء علیھم السلام

انبیاء اگرچہ صورت بشری میں ہوتے ہیں مگر مصائب وشدائد میں سب سے زیادہ متحمل دیکھے۔ حضرت ابراہیمؑ سولہ برس کے سن میں نمرود کے مقابلہ پر آتے ہیں۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے بتوں کو توڑتے

ہیں۔ ذرا خائف اور ہراساں نہیں ہوتے نہ بھاگتے ہیں نہ چھپتے ہیں۔ بلکہ کمال استقلال سے قوم کو جواب دیتے ہیں۔ فاسئلوھم ان کانوا ینطقون یعنی اگر بت کلام کر سکتے ہیں تو انہیں سے پوچھو کہ ان کو کس نے توڑ کر فنا کر دیا ہے۔ بعض نافہم اس مقام سے حضرت ابراہیمؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت نے نعوذ باللہ جھوٹ کہا۔ بلکہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے تمام عمر میں تین دفعہ جھوٹ کہا ہے۔ مگر غلط فہمی ہے یہ جھوٹ نہیں بلکہ ایک قسم کا استدلال واحتجاج ہے۔ اسکاتِ خصم کے لئے۔ چنانچہ وہ ایسے لاجواب و ساکت ہوئے کہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور سخت شرمندہ ہوئے (والتفصیل فی مقامہ)

نیز بکمال قوت قلب نمرود سے مباحثہ کیا۔ اول دلیل جدلی سے اس کو ملزم کیا اور پھر برہان واقعی سے فبھت الذی کفر وہ کافر حیران ولاجواب رہ گیا۔ اسی واسطے خدا فرماتا ہے لا یخاف لدی المرسلون انبیاء میرے پاس کچھ خوف نہیں کرتے اور کسی سے نہیں ڈرتے۔

رفع اشتباہ

بعض آیات سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء سے خوف ظاہر ہوا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں وفررت منکن لما خفتکم یعنی میں نے تم سے ڈر کر تم سے فرار کیا۔ لہذا اس آیت اور پہلی آیت میں بظاہر منافات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے نبی فرعونیوں سے ڈرے کیوں؟ جواب یہ ہے کہ اول تو یہ خوف آیات الٰہی سے تھا نہ کہ فرعونیوں سے۔ دوم یہ کہ قبل بعثت تھا یعنی جب کہ آپ کو اظہار نبوت اور مقابلہ کی اجازت نہ ملی تھی اور یہی وجہ حضرت ختمی مرتبتؐ اور جناب ولایت مآبؑ کے بت توڑنے کے بعد شعب ابی طالبؑ میں پوشیدہ رہنے کی ہے نہ کہ ابوجہل یا دیگر مشرکین مکہ کے خوف سے چھپے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب ابوجہل نے بتوں کو ٹوٹے ہوئے دیکھا تو حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ یہ کام سوائے تمہارے بیٹے سرخ چشم علیؑ (۱) کے اور کسی کا نہیں۔ تو اس وقت حضرت نے اقرار کیا کہ ہاں میں نے توڑے اور میں اس پر مامور تھا اور یہاں تو خوف کا ذکر بھی نہیں ہے۔ حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم مشرکین سے ڈرے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم دونوں پوشیدہ رہے۔ واختفینا لیلتین ہم دو رات چھپے رہے۔

---

(۱) نوٹ حضرت عقیل بن ابی طالبؑ نہایت تندمزاج تھے۔ ایک مرتبہ ان کی آنکھیں دکھنے آ گئیں۔ ان کی والدہ دوا ڈالنا چاہتیں تھیں تو نہ ڈلواتے۔ ہر چند کوشش کرتیں۔ مگر نہ مانتے اور کہتے اول علی کی آنکھ میں ڈالو تو میں ڈالوں گا۔ مبادا میری آنکھ پھوڑ دو۔ مجبوراً آپ اول علیؑ کی آنکھ میں دوا بلا ضرورت ڈالتیں اس وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور حمر العین کہلانے لگے تھے۔

قاعدہ کلیہ

پیغمبر اور امام ہر وقت تابع حکم الہی ہے۔ بلا اس کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس بعض وقت اس کو جدال و قتال کا حکم ہوتا ہے اور بعض وقت اس پر مامور نہیں ہوتا۔ جس وقت مقابلہ وقتال پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت اگر سارا عالم اس کے مقابلہ پر آ جائے کبھی خوف نہ کرے گا۔ ہرگز نہ بھاگے گا۔ اگر بھاگے تو نبی اور امام نہیں۔ جسوقت مقابلہ وقتال پر مامور نہیں۔ اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حفاظت کرے یا تو اپنے کو چھپائے یا کوئی معجزہ ظاہر کر کے دشمن کو رد کرے اور دشمن کو ضرر پہنچائے جیسا کہ بعض اوقات حضرت ختمی مرتبتؐ سے ظاہر ہوا کہ دشمن قتل کے ارادہ سے آیا ہے اور ہاتھ اٹھایا ہے تو ہاتھ خشک ہو گیا۔ مگر ہر وقت پیغمبر و امام آیات و معجزات ظاہر کرنے پر بھی مامور نہیں۔ اگر آیہ استیصال ظاہر کرنے کہ سب کے سب فنا ہو جائیں۔ تو تبلیغ کس کو کرے گا اور حجت خدا کس طرح تمام ہوگی۔ ہدایت معطل رہ جائے گی۔ ایسے وقت میں آیہ استیصال ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنی حفاظت کرتا ہے یہ اور اگر وہ طلب بھی کریں تو فرماتا ہے قد جائکم رسل من قبلبالبینت و بالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صادقین (ال عمران ع ۱۹) یعنی مجھ سے پہلے اور رسول معجزات کو لے کر آئے اور وہی معجزہ دکھایا جو تم مانگتے تھے۔ اگر تم سچے ہو۔ تو پھر تم نے ان کو قتل کر دیا اور ایمان کیوں نہ لائے۔ پس حضرت موسیٰؑ کو اپنی حفاظت کا خیال مامور بر جہاد نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور یہی معنی خوف انبیاء کے ہیں۔

فضائل و مقامات صبر

شدائد و ابتلاآت میں پیغمبر یا امام نے کبھی خوف نہیں کیا اور بھاگے نہیں بلکہ اس کے دفع کے لئے دعا بھی نہیں کی۔ مگر بعض انبیاء سے ایسا ظاہر ہوا ہے کہ انہوں نے رفع شدائد کے واسطے دعا کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء بھی مساوی درجہ نہیں رکھتے ہیں۔ مقامات متفاوتہ رکھتے ہیں۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض انبیاء میں بھی خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت ایوبؑ نے لسان مفہومی میں زبان حال سے اس کی خواہش کی اور فرمایا رب انی مسنی الضرو انت ارحم الراحمین اور لفظ ضر ضاد کے پیش کے ساتھ بمعنی تکلیف باطنی ہے۔ نہ ضر بمعنی نقصان مال وغیرہ اور جو قصہ کرم وغیرہ حضرت ایوبؑ کی نسبت مشہور ہے۔ وہ غلط ہے۔ بلکہ آپ کا یہ فرمانا تکلیف باطنی کی وجہ سے تھا اور وہ یہ تھی کہ شیطان لعین نے آپ کی زوجہ کے پاس آ کر یہ کہا تھا کہ اگر ایوب مجھے ایک دفعہ تعظیم

دیتا تو اس کی ساری تکالیف رفع ہو جاتیں۔ چونکہ ناموس کا معاملہ تھا۔ حضرت ایوبؑ کو شیطان کا اپنی زوجہ کے پاس آنا اور نبی کی اپنی طرف دعوت کرنا نہایت گراں گذرا۔ اس پر عرض کیا رب انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین اب یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا ہے اور انبیاء اولوالعزم کا صبر غیر اولوالعزم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت ختمی مرتبتؐ کے لئے حکم ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو اصبر کما صبروا لوالعزم من الرسل و لا تستعجل لھم (احقاف) یعنی اے پیغمبر مثل انبیاء اولوالعزم صبر کرو اور ان کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو اور فرمایا و لا تکن کصاحب الحوت اور مثل یونس بن متی نہ وہ۔ کہ انہوں نے طلب عذاب میں جلدی کی اور انبیاء اوالوالعزم کا سا صبر نہ کیا۔ غرض صابر تو تمام انبیاء ہوتے ہیں لیکن حسبِ تفاوت نبوت درجاتِ مختلفہ رکھتے ہیں۔ مگر اس صفت سے متصف سب ہوتے ہیں۔ سورہ انبیاء میں بعد ذکر انبیاء سب کے حق میں فرماتا ہے واسمعیل وادریس و ذالکفل کل من الصابرین و ادخلنا ھم فی رحمتنا فھم من الصالحین ایسے ہی مدح حضرت اسماعیلؑ میں دوسری جگہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ صابر تھے کہ اپنے پدر بزرگوار کے استفسار کے جواب میں فرمایا ستجدنی انشاء اللہ من الصبرین او ر آیہ مجیدہ و جعلنا ھم آئمۃ یھدون بامرنا لما صبروا میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو امام اسی وجہ سے بنایا گیا کہ وہ صابر ثابت ہوئے اور سورہ والعصر میں فرماتا ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایک دوسرے کو وصیت بالصبر کرتے ہیں ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صبر خاصہ نبوت و امامت ہے اور امام کی شناخت صبر سے ہوتی ہے۔

نکتہ بلیغہ:۔ ان آیات میں جن میں صبر انبیاء کا ذکر ہے۔ خواہ ان زبانی یا خود خداوند عالم نے ان کی مدح کے موقع پر فرمایا ہے لفظ (مِن) موجود ہے یعنی من الصابرین ہے کہ وہ صابرین میں سے تھے اور اسی طرح جہاں کہیں صالحین کا ذکر ہے وہاں بھی یہی حال ہے کہ من الصالحین ہے اسی طرح مسلمین کا حال ہے کہ وہاں بھی من المسلمین۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کا قول و انا من المسلمین یعنی میں مسلمین میں سے ہوں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر اول و صالح اول و مسلم اول کوئی اور موجود ہیں کہ جن میں سے انبیاء علیھم السلام اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں۔ پس دیکھنا چاہئے کہ صابر اول و صالح اول کون ہے؟

بعض کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اول مسلم ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت نوحؑ ان سے پہلے

ہیں وہ فرماتے ہیں انا من المسلمین ۔پس حضرت نوحؑ سے پہلے وہ مسلمین موجود ہیں۔لہذا اول المسلمین حضرت ابراہیمؑ نہیں بلکہ اول المسلمین وہ ہے جو فرماتا ہے امرت لان اکون اول المسلمین یعنی اول المسلمین سوائے ذات بابرکات حضرت رسالتمآبؐ اور کوئی نہیں ہے۔وہی جناب فرماتے ہیں انا اول المسلمین پس وہی اول صابرین وصالحین ہیں۔

معنی صبر

معنی صبر کف النفس عما لا ینبغی ہے یعنی نفس سے وہ باتیں صادر وظاہر نہ ہوں جو مناسب نہیں ہیں اور یہ غلط ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ صبر کے معنی ہیں کہ انسان مصائب وشدائد وبلیات میں چپ چاپ خاموش بیٹھا رہے۔ کچھ نہ بولے کیونکہ نصوص آیات اس کی نفی کرتی ہیں۔دیکھو قصہ حضرت یعقوبؑ جس وقت بن یامین کو حضرت یوسفؑ نے اپنے پاس رکھ لیا اور برادران یوسف نے حضرت یعقوب سے یہ حال بیان کیا تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا فصبر جمیل یعنی میرا صبر،صبر جمیل ہے یا میں صبر جمیل کرتا ہوں اور ان کے پشت پھیرتے ہی فرمایا یا اسفی علی یوسفه ہائے افسوس یوسف پر (یا) حرف ندا ہے اور اسفی میں الف حرف ندبہ ہے اور ندبہ بآواز بلند رونے اور فریاد کرنے کو کہتے ہیں۔لہذا یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ بآواز بلند روئے اور پھر اس کو صبر جمیل فرماتے ہیں۔پس معلوم ہوا کہ رونا خلاف صبر نہیں بلکہ رونا اور اپنے حزن وملال کو اپنے پروردگار کے سامنے عرض کرنا عین صبر ہے نہیں بلکہ صبر جمیل ہے۔چنانچہ اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کا یہ قول ہے۔ قالوا تالله تفتو تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الهالکین. قال انما اشکو بثی و حزنی الی الله و اعلم من الله ما لا تعلمون یعنی اس رونے پر ان کے بیٹوں نے کہا کہ تم برابر یوسف کو یاد کئے جاؤ گے یہاں تک کہ عشق میں گھل کر لاغر قریب ہلاکت یا ہلاک ہو جاؤ گے۔آپ نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنی پریشانی اور اپنے حزن و ملال کی اپنے اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں اور میں من اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔پس رونا اور اپنے خدا سے اپنی تکالیف کا ذکر کرنا بے صبری نہیں ہے بلکہ عین صبر ہے۔نہیں بلکہ صبر جمیل ہے۔

اسی طرح حضرت ایوبؑ کا رونا مشہور ہے۔مگر حضرتؑ کو قرآن میں صابر کہا گیا ہے۔لہذا اگر رونا خلاف صبر ہوتا۔یا برا کام ہوتا تو انبیاء سے ہرگز صادر نہ ہوتا۔کیونکہ ان کا ہر فعل فعل خیر ہوتا ہے نہ کہ

شر انهم یسارعون الی الخیرات پس بحکم فاتبعوا الخیرات ہم کو چاہئے کہ رونے میں انبیاء علیہم السلام کی تقلید کریں اور خوب روئیں فلیضحکوا قلیلا و لیبکوا کثیرا ۔

معنی بے صبری

بے صبری دراصل یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ خدا پر اعتراض کرے کہ تو نے ایسا کیوں کیا یا تو نے برا کیا۔ یا مجھ پر ظلم کیا یا سوائے خدا کے کسی دوسرے سے شکایت کرے یعنی فعل فاعل پر اعتراض کرنے کا نام بے صبری ہے۔ خود حضرت موسیٰ و حضرت خضرؑ کے قصہ سے پوری تصدیق ہوتی ہے۔ قال له موسی هل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا یعنی حضرت موسیٰ نے کہا کہ کیا اس شرط پر تمہارے ساتھ چلوں کہ تم مجھے وہ باتیں سکھا دو جو تمہیں منجانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں۔ قال انک لن تستطیع معی صبرا حضرت خضرؑ نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یعنی تمہارے وجود میں وہ قوت ہی نہیں ہے کہ تم صبر کرسکو و کیف تصبر علی مالم تحط به خبرا اور تم کیونکر اس بات پر صبر کر سکتے ہو جس پر تمہارا علم احاطہ نہیں رکھتا قال ستجدنی انشاء الله صابرا و لا اعصی لک امرا کہا انشاءاللہ تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہاری کسی امر میں مخالفت نہ کروں گا۔ پس حضرت موسیٰ نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا تو حضرت خضرؑ نے جواب دیا الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا کیا میں نے نہیں کہا تھا؟ کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت ہی نہیں رکھتے ہو۔ پھر جب قتل غلام پر اعتراض کیا تو پھر حضرت خضرؑ نے بھی فرمایا۔ الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا اس سے معلوم ہوا کہ بے صبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا ہے اور وہ اکثر نتیجہ ہے لاعلمی کا انسان کو جس بات کا علم نہیں اس پر صبر نہیں کرسکتا۔ (حسّی مثال جراح جس وقت فصد کھولتا ہے یا کسی عضو کو کاٹتا ہے۔ اگر وہ شخص عالم ہے اس بات کا کہ اس عمل سے اس کو کس قدر فائدے حاصل ہوں گے اور کیسے کیسے مفید نتائج مرتب ہوں گے اور یہ معمولی سی تکلیف ہمیشہ کے آرام کا باعث ہوگی تو وہ اس تکلیف پر صبر کرتا ہے اور خوشی سے عضو کٹوا دیتا ہے۔ بخلاف اس کے جو شخص اس سے ناواقف ہے وہ صبر نہ کر سکے گا اور اس کو گوارا نہ کرے گا۔ پس بے صبری دلیل بے خبری ہے اور صبر موافقِ مقدار علم ہوتا ہے۔ جس کا صبر زیادہ ہے اس کا علم بھی زیادہ ہوگا۔ یا یوں کہئے کہ جس قدر جس کا علم وسیع ہوگا۔ اسی قدر اس کا صبر وسیع ہوگا۔ غرض صبر مراحل علم سے ہے اور صابر مطلق خدا ہے اور صبر اس کا ذاتی۔ فرعون اس کے مقابلہ میں دعوے خدائی کرتا ہے اور خدا اس کو چار

سو سال تک مہلت دیتا ہے اور انتقام نہیں لیتا اور مظہر اس صبر مطلق کا ذات مقدس محمدی ہے۔ جس قدر بلیات پڑتی ہیں بخوشی ان کا تحمل فرماتے ہیں۔ قوم سے جس قدر مصائب پہنچتے ہیں اس کی شکایت نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے یہی دعا کرتے ہیں۔ **رب اھد قومی انھم لا یعلمون** (یعنی اے میرے پرودگار میری قوم کو ہدایت دے کہ میری قدر کریں کہ یہ جاہل ہیں مجھے نہیں پہچانتے) کیونکہ آپ بعثت کے فوائد و عواقب کو خوب جانتے تھے۔ لہذا باوجود گوناگون مصائب و شدائد کے قوم کے حق میں دعا کرتے تھے نہ کہ بد دعا۔ جنگ احد میں حضرت کے لب و دندان مبارک مجروح ہوتے ہیں مگر آپ شکایت نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا احاطہ علمی نہایت وسیع ہے۔ غرض بے صبری نتیجہ بے علمی ہے اور اس میں حسبِ مراتبِ علمیہ کمی و بیشی ہوتی ہے۔

صبر ابراہیمؑ واسماعیلؑ

اولاد جزو انسان ہوتی ہے۔ اس کی مفارقت وجدائی نہایت شاق گذرتی ہے۔ ان کی تکالیف سخت درد انگیز ہوتی ہیں۔ کون انسان ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو سامنے ذبح ہوتے دیکھ سکے۔ چہ جائیکہ بطیّب خاطر ذبح کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ یہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا کلیجہ تھا واقعاً جو کام انہوں نے کیا کسی سے نہیں ہو سکتا۔ ایک ایسے بیٹے کے ذبح کے لئے تیار ہو گئے جو پیغمبر برگزیدہ خدا تھے۔ کیونکہ اس کے انجام سے واقف تھے اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ بھی پیغمبر تھے اور علم احاطی رکھتے تھے۔ باپ کے استفسار پر انکار نہیں کیا اور نہ اعتراض کیا فوراً ذبح کے لئے آمادہ ہو گئے اور فرمایا **یا ابت افعل ما تومر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین**۔

صبر ابراہیم کربلا

لیکن جو صبر ان ایام میں فرزند پیغمبر نے کیا ہے وہ نہ کسی نبی سے ہو سکا اور نہ وصی نبی سے وہ مظہر صبر محمدی ہے۔ اگر تمام پیغمبروں کے صبر جمع کر کے صبر حسینی سے موازنہ کیا جائے تو صبر حسینی بدرجہا اَجَح ہوگا۔ حضرت نوح جیسا پیغمبر اولوالعزم قوم کے ظلم سے تنگ آ کر یہ دعا کرتا ہے۔ **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** مگر ابراہیمی قربانی کو حسینؑ ہی روز عاشور افعلیت میں لائے۔ یعنی مقصود یہ تھا کہ جو امر اس وقت فعلیت میں نہ آ سکا اسے میں بجالاتا ہوں۔ واقعاً امام حسینؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہیں زیادہ کر دکھایا۔ اس بات میں مورخین کو اختلاف ہے کہ خاندان بنی ہاشم میں روز عاشورا

پہلا شہید کون ہے؟ لیکن فرمائش امام زمان عجل اللہ فرجہ سے ظاہر ہے کہ اول مقتول علی اکبر فرزند سبط پیغمبر ہیں۔سب سے پہلے اپنے ہی لخت جگر کو قربان کیا تا کہ دوسروں کے لئے حجت و دستور العمل ہو۔حضرت ابراہیمؑ اول جناب اسماعیلؑ سے استفسار کرتے ہیں کہ مجھ کو خدا کا حکم اس طرح سے پہنچا ہے کہ میں تمہیں ذبح کروں۔تمہاری اس میں کیا رائے ہے؟ مگر امام حسینؑ مظلوم کے صبر کو دیکھئے کہ وہ استفسار نہیں فرماتے مشورہ نہیں لیتے بلکہ اول ہی فرماتے ہیں یا بنی تقدم اے فرزند میدان جنگ میں شہید ہونے کے لئے جاؤ۔

حضرت علی اکبرؑ فوراً حکم سُنتے ہی چل دیتے ہیں۔اس وقت امام حسینؑ ان کی آمادگی دیکھ کر فرماتے ہیں الی الی اے فرزند میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ۔حضرت علی اکبرؑ واپس آئے تو حضرت نے صندوق اسباب وتبرکات نبوت طلب فرمایا اس میں سے زرہ ذوالفصول نکال کر خود پہنی اور جو خود پہنے ہوئے تھے اتار کر شہزادہ علی اکبرؑ کو پہنا دی اور عمامہ سحاب اپنے سر مبارک پر رکھا اور عمامہ سیاہ جو سر اقدس پر تھا علی اکبرؑ کے سر پر رکھ دیا۔اسی طرح شمشیر جناب امیرؑ نکال کر آپ نے لگائی اور اپنی تلوار علی اکبرؑ کی کمر سے باندھی اور اسپ سابح جس کو عقاب بھی کہتے تھے۔منگایا اور علی اکبرؑ کو اس پر سوار کیا۔اس وقت تمام عورتیں قطار باندھے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھیں۔جب تمام ہتھیار زیب تن فرما چکے اور علی اکبر جانے لگے۔اس وقت امام حسینؑ مظلوم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان اللہ اصطفی ادم و نوحا وال ابراھیم و ال عمران علی العلمین ذریة بعضھا من بعض و اللہ سمیع علیم یعنی درجات و مقامات حضرت علی اکبر بیان فرماتے ہیں کہ بعد درجہ امامت میری ذریت میں سے یہ جوان سب سے افضل ہے اور پھر فرمایا اللھم اشھد علی ھولاء القوم فانہ قد برزا لیھم غلام اشبہ الناس خلقا و خلقا منطقا برسولک و کنا اذا اشتقانا الی نبیک نظرنا الی وجھہ یعنی اے پروردگار اس قوم پر گواہ رہو کہ اب تیری راہ میں قربان ہونے کے لئے وہ شاہزادہ چلا ہے۔جو خلق اور خُلق رفتار وگفتار میں تیرے رسول سے مشابہ ہے اور جب ہم تیرے پیغمبر کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کی صورت زیبا دیکھ لیا کرتے تھے۔یہ بات حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کو کہاں حاصل تھی بہت فرق ہے ذبیح منیٰ اور ذبیح کربلا میں حضرت ابراہیمؑ اپنے اس فعل خاص کی وجہ سے فتیٰ کے لفظ سے متصف وملقب ہوئے کیونکہ فتیٰ (جوان مرد) اس شخص کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں اپنے جان و مال عزت و ناموس سب سے گذر جائے اور سب کچھ قربان کردے۔کسی چیز کی پروانہ کرے۔

اصحاب کہف کو اسی لفظ سے یاد کیا گیا ہے کانوا فتیة امنوا بربهم یعنی وہ چند جوان مرد تھے۔ جو اپنے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ ان کے کیا فتوت (جوان مردی) ظاہر ہوئی تھی صرف یہ کہ اپنا مال دولت، جاہ وحشم چھوڑ کر چلے گئے اور دین سے منہ نہ موڑا مگر امام حسینؑ آیہ قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں افحسبتم ان اصحاب الكهف و الرقيم كانوا من ايتنا عجبا یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ اصحاب کہف ہماری آیات عجیبہ سے ہیں اور مطلب حضرت کا یہ ہے کہ میرا حال اصحاب کہف سے کہیں عجیب تر ہے۔ جو اصحاب کہف نے کیا ہے۔ وہ تو میرے اصحاب سے ظاہر ہوا ہے بلکہ اس سے زیادہ میرا معاملہ تو ان سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہے۔ ان کو یہ یقین نہ تھا کہ ان کے بعد ان کے اہل وعیال لوٹے جائیں گے یا اسیری کی بلا میں مبتلا ہوں گے اور در بدر پھرائے جائیں گے۔ ان کا جوان بیٹا ان کے سامنے سنانِ ظلم کا شکار نہ ہوا تھا۔ ان کے سامنے عباس جیسے برابر کے بھائی کے شانے نہ کاٹے گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں پر چھ مہینہ کا بچہ تیر ظلم وستم کا نشانہ نہ ہوا تھا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ مصائب ابراہیمؑ کربلا کا۔ اگر تنہا مصیبت ہوتو اس کا موازنہ ہوسکتا ہے۔ لیکن جب بیشمار مصیبتیں ایک بار وارد ہوں۔ اس وقت یہ اندازہ مشکل ہے کہ کون سی مصیبت سب سے بڑی ہے۔ سب سے بڑی وہ مصیبت ہے جو صابر کامل کو مضطرب کردے۔ اگرچہ بعض اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر کی مصیبت حضرت ابی الفضل العباس کی مصیبت سے بڑھی ہوئی تھی کہ ان کی شہادت پر پردگیان عصمت وطہارت خیمے سے باہر نکل پڑی تھیں۔ مگر امام مظلوم کو عباسؑ کی شہادت زیادہ ناگوار گذری اور سخت اثر کیا۔ مورخین نے باتفاق ایک لفظ لکھا ہے وہ یہ ہے سقط كالصقر للقض یعنی جس وقت امام مظلوم ہم شکل پیغمبر کی لاش پر پہنچے ہیں تو اس طرح سے بے اختیار ہوکر لاش پر گرے جس طرح شکاری پرندا اپنے شکار پر گرتا ہے۔

مگر جس وقت حضرت عباسؑ کے لاشے پر پہنچے ہیں۔ تو وہاں بھی اسی طرح سے مضطربانہ گرے مگر ایک زیادتی فرمائی یعنی بھائی کی لاش کو دیکھ کر فرمایا الان انكسر ظهری و قلت حيلتی یعنی میرے قوتِ بازو کے شانے کٹ جانے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور روح حیات جاتی رہی۔

لا حول ولا قوة الا بالله۔

موعظہ ششم

۷ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

یوم ندعوا کل اناس باما مھم

مسلمان کی حالت

اخبارات چند روز سے ایک مضمون خاص (عزاداری وگریہ وبکا حرام وبدعت ہے) کو شائع کر رہے ہیں۔افسوس ہے۔اہل اسلام کی اس حالت پر۔اگر ایک چیز نہ ہوتی تو یہ اختلاف افتراق پیدا نہ ہوتا یعنی اگر آراء شخصیہ کو دین میں دخل نہ ہوتا تو یہ صورت نظر نہ آتی۔شخصی رائیں جزو دین ہوگئی ہیں۔کہ اس وقت ان کا جدا کرنا ناممکن ہے۔عام قاعدہ تھا کہ عالم جو بات کہتے تھے۔جاہل اس کی تقلید و پیروی کرتے تھے۔مگر یہاں جاہل بھی دین میں دخل دیتے ہیں اور اس کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ اگر کسی عالم سے دریافت کریں اور بحث کریں اور پھر مغلوب ومجاب ہو جائیں۔تب بھی قبول نہیں کرتے اپنی ہی رائے کی پیروی کرتے ہیں۔حق تو یہ تھا کہ اپنی آرا کو قرآن کے موافق و مطابق کریں۔مگر یہاں قصہ بالعکس ہے چاہتے ہیں کہ قرآن کو اپنی رائے کے موافق کریں۔اگر قرآن ان کی رائے کے خلاف ہوتا ہے تو اس سے صاف اعراض کرتے ہیں۔جب یہ صورت ہو تو پھر اتفاق کیونکر ہوسکتا ہے۔

اگر ایک چیز بھی مسلمانوں میں ما بہ الاشتراک ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔اگر تمام اہل اسلام قرآن کی پیروی کرتے تو ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوتا اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتے۔جس وقت سے نئی روشنی پھیلی ہے حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہزار دلیلیں پیش کرو۔اگر ان کی رائے کے خلاف ہیں تو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ایسی صورت میں یا سکوت کریں یا اخر الدواء الکی (آخری علاج داغ ہے) پر عمل کریں۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں ما بہ الاشتراک موجود ہے۔تو کہا جائے گا کہ پھر ایک دوسرے کی تکفیر کیوں کی جاتی ہے؟ یہ صحیح ہے کہ اسلام ما بہ الاشتراک ہے۔لیکن مسلمان قانون اسلامی کی پیروی نہیں

کرتے۔ اگر قانون اسلام کی پیروی کرتے تو یہ حالت نہ ہوتی اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتے۔ مسلمان زبانی تو بہت کہتے ہیں کہ قرآن ہماری کتاب ہے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن عمل میں اتفاق نہیں۔ صرف زبانی ہی جمع خرچ ہے۔

اسلام کوئی قانون رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو وہ قانون کامل ہے یا ناقص؟ اگر کہا جائے کہ اسلام میں کوئی قانون ہی نہیں۔ اور قرآن قانون سے معریٰ ہے تو بالکل جھوٹ ہے۔ اس واسطے کہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے و لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین ہر خشک وتر کتاب مبین میں موجود ہے ما فرطنا فی الکتاب من شی اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ قانون تو ہے مگر قانون ناقص ہے (جیسا کہ بعض نا عاقبت اندیش عالم نما جاہلوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کی اب ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس وقت کے لئے اس کے قوانین کافی نہیں۔ صرف جہاں عرب کے واسطے تھے (معاذ اللہ) تو محض غلط اور کذب صریح ہے۔ کیونکہ قرآن خبر دیتا ہے کہ دین ہر اعتبار سے کامل کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیہ مجیدہ الیوم اکملت لکم دینکم آج میں نے تمہارے دین کو کامل و اکمل کر دیا۔ صاف دلالت کرتی ہے۔ لہذا مجبوراً تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ قانون قرآن کامل ہے۔ تو پھر یہ اختلاف کیسا؟ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ سوائے اس کے کہ کہا جائے کہ خود رائی نے اہل اسلام کو متفرق کیا ہے۔ جب تک اہل اسلام دیانت اسلامی میں رائے زنی سے باز نہ آئیں گے۔ اتفاق ممکن نہیں۔ جو شخص باوجود قانون کامل موجود ہونے کے اپنی رائے کو دخل دیتا ہے (۱) مشرک ہے۔

حاشیہ (۱) حضرت امیر المومنین امام المتقین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ تو د علی احدھم القضیة فی حکم من لاحکام فیحکم فیھا برائه ثم ترد تلک القضیة بعینھا علی غیره فیحکم فیھا بخلافه ثم یجمع القضاة بذالک عند الامام الذی استقضاھم فیصوب ارآئھم جمیعا و الھھم واحد و نبیھم واحد و کتابھم واحد فامرھم اللہ تعالی بالاختلاف فاطاعوه ام نھاھم عنه فعصوه ام انزل اللہ دینا ناقصا فامستعان بھم علی اتمامه ام کانوا شرکاء ه فلھم ان یقولوا و علیه ان یرضی؟ ام انزل اللہ سبحانه دینا تاما فقصر الرسول صلی اللہ علیه واله وسلم عن تبلیغه و ادائه؟ و اللہ سبحانه یقول ما فرطنا فی الکتاب من شی و قال تعالی فیه تبیان کل شی و ذکر ان الکتاب یصدق بعضه بعضا و انه لا اختلاف فیه فقال سبحانه و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافا کثیرا و ان القران ظاھره انیق و باطنه عمیق لا تغنی عجائبه و لا تکشف الظلمات الا به یعنی جب احکام دین میں سے کوئی مسئلہ اور کوئی قضیاں عالم علماء اسلام کے سامنے پیش ہوتا ہے تو ایک عالم اپنی رائے سے ایک حکم دیتا ہے۔ دوسرا بعینہ اسی مسئلہ میں بالکل خلاف حکم دیتا ہے اور تیسرا اس۔ کے خلاف اور چوتھا اس کے خلاف وعلی ہذا القیاس۔ پھر یہ سارے مفتی اور قاضی اپنے اس پیشوا در بادشاہ وقت کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں۔ جس نے ان کو اپنی طرف سے قاضی و مفتی بنایا ہے۔ وہ ان سب کی آراء متناقضہ کی تصویب کرتا ہے اور سب کو درست قرار دیتا ہے۔ ایک مسئلہ اسلامی اور ان میں اتنی مختلف رائیں۔ حالانکہ ان کا معبود ایک ہے۔ نبی ایک، کتاب ایک تو کیا اللہ تعالی نے ان کو اختلاف کا حکم دیا ہے اور یہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں ایسا کرتے ہیں؟ یا اللہ نے اس اختلاف سے ان کو منع کیا ہے اور یہ اس کی نافرمانی کرتے ہیں؟ یا اللہ نے دین کو ناقص نازل کیا

قرآن فہمی

یہ تو ثابت ہوا کہ قرآن قانون مکمل ہے لیکن کیا ہر شخص قرآن کو سمجھ سکتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے تو یہ قول بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ قرآن بزبان عربی نازل ہوا ہے جو شخص عربی نہیں جانتا وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ بغیر علوم عربیہ صرف ونحو معانی و بیان کی تحصیل کے قرآن نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک عربی دان قرآن کو سمجھتا ہے تو وہ بھی غلط وظاہر البطلان ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو یہ اختلاف کہاں سے آیا۔ علامہ زمخشری علم نحو میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور امام فخر الدین رازی منطق وفلسفہ میں۔ لیکن رازی نے جو تفسیر لکھی ہے وہ زمخشری کی تفسیر کا رد ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر فہم قرآن عربیت پر ہی موقوف ہوتو مفسرین میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا کہ ایک تفسیر دوسرے کی رد اور اس کے بالکل برخلاف ہے۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حلوی علوم عربیہ بھی قرآن کو نہیں سمجھتے تو پھر ایسی کتاب جس میں حذب واضمار، ایجاز، ایہام، اجمال، اطلاق عموم، خصوص، ناسخ، منسوخ ہے پیغمبر کس کے واسطے لیا؟ شاید اپنے ہی واسطے لایا ہے اور حق یہی ہے کہ قرآن پیغمبر کے واسطے نازل ہوا ہے اور وہی اس کا مبین ومفسر ہے جیسا کہ خدا خبر دیتا ہے و ما انزلنا علیک الکتاب التبین لهم الذی اختلفوا فیه هدی و رحمة لقوم یومنون ایضا لتبین للناس ما انزل الیهم اور آیات متشابہات کے باب میں فرمایا لا یعلم تاویله الا اله الله و الراسخون فی العلم یقولون امنا یعنی آیات متشابہات کی تاویل سواء یا اللہ اور راسخون فی العلم پیغمبر اور وہ نفوس جو مثل پیغمبر ہیں اور کوئی نہیں جانتا اول مبین ومفسر قرآن پیغمبر ہے۔

علت ونزول قرآن رفع اختلاف ہے

و ما انزلنا علیک الکتاب (الخ) یعنی اے پیغمبر نہیں نازل کیا ہم نے قرآن کو مگر اس لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷) ہے اور ان سب ملاؤں سے اس کی تکمیل میں اعانت چاہی ہے کہ یہ ملا اس کمی کو پورا کردیں؟ یا یہ مفتی اس کے شریک ہیں او ران کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ فتویٰ دیں اور جو دل میں آئے کہیں اور اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ ان کے ان فتوؤں سے راضی ہو اور ان کو پسند کرے یا اللہ تعالیٰ نے تو دین کامل وتام نازل فرمایا تھا مگر رسول نے تبلیغ میں تقصیر کی اور درست نہ پہنچایا؟ حالانکہ خدا فرماتا ہے ہم نے کتاب میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی اور اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے اور اس میں بالکل اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے کہ اگر یہ منزل من اللہ نہ ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے اور بے شک قرآن کا ظاہر انیق اور باطن عمیق ہے اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے اور ظلمات جہالت وضلالت اسی کی روشنی سے دور ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں اور احکام دین میں قیاس پر حکم کرتے ہیں۔ وہ گویا یا تو شریک خدا ہیں یا اس کے ناقص دین کے مکمل کرنے والے اسکے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دینے والے اپنی غلطی کو خطاء اجتہادی کے پردے میں چھپا کر اس کی مخلوق کو دھوکا دینے والے اور اپنی ضلالت سے رسول اللہ کو بھی مجتہد اور رائے میں غلطی کرنے والا بتلانے والے ہیں اور ایسے علماء عامہ کے طرز عمل سے دنیائے اسلام میں اختلاف کا طوفان اٹھا ہے اور اٹھتا جاتا ہے اعاذ نا اللہ من ذالک (مولف)

کہ تمام اختلافات کو رفع اور بیان کر دے اور رفع اختلاف اہل ایمان کے لئے رحمت و ہدایت ہے۔ یہی وجہ یہ کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ہر ایک اختلاف کو حضرت قرآن سے رفع فرما دیتے تھے۔ اگر کبھی بلا آیت تلاوت فرمائے جواب دیے دیتے تھے تو لوگ دریافت کرتے تھے کہ حضرت آپ یہ خدا کی طرف سے فرماتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے۔ حضرت اس کے جواب میں ایک آیت تلاوت فرما دیتے تھے۔ غرض ہر ایک اختلاف کو قرآن سے رفع فرماتے اور ہر ایک کا جواب قرآن سے دیتے تھے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ قرآن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے تو گویا پیغمبر نے تبلیغ رسالت میں کوتاہی کی۔ کیونکہ قرآن رفع اختلافی کے واسطے اُترا ہے نہ کہ اختلاف کے واسطے اور پیغمبر بھی اختلاف مٹانے کے واسطے آیا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنے کے لئے یہاں سے وہ خیال بھی باطل ہے جو بعض لوگ رکھتے ہیں کہ اختلاف امت محمدی رحمت ہے اور اختلاف امتی رحمۃ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اختلاف کسی وقت میں رحمت نہیں ہو سکتا۔ آیت رفع اختلاف کو رحمت ثابت کرتی ہے نہ کہ اختلاف کو اور جو حدیث خلاف نص آیت قرآنی ہو۔ کبھی تسلیم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس حدیث کو اسی معنی میں صحیح مانا جائے تو گویا پیغمبر نے خلاف فیصلہ قرآنی کیا اور یہ خلاف شان نبوت ہے۔ لہذا حدیث اگر صحیح مانی جائے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے ہاں اگر اختلاف سے آمد و رفت امت شہروں میں مراد لی جائے تو ایک صورت صحت نکل سکتی ہے۔

لیکن پیغمبر ایک زمانہ خاص تک ظاہر رہا۔ اب اس وقت موجود نہیں ہم کیا کریں؟ ضروری ہے کہ بعد پیغمبر مبین و مفسر قرآن موجود ہو۔ جو ان اختلافات کو رفع کرے اور اس کے سینہ میں قرآن موجود ہو۔ بعد پیغمبران ماسبق کتب سابقہ کے محافظ پیغمبر اور اوصیاء پیغمبر ہی تھے۔ پس قرآن جو اکمل اور ناسخ کتب ہے اس کے لئے محافظ کیوں نہ موجود ہو۔ ضرور بعد پیغمبر اس کے محافظ مثل پیغمبر موجود ہیں اور وہ وہی نفوس ہیں جن کے سینوں میں قرآن موجد ہے۔ **بل هو ایات بینت فی صدور الذین اوتو العلم (الخ)** اور ان نفوس قدسیہ کی تعیین و تشخیص میں پیغمبر نے جو حدیث بیان فرمائی ہے تقریباً (۷۳) طریق سے وارد ہوئی ہے۔ موافق و مخالف نے نقل کی ہے۔ کتب فریقین پُر ہیں۔ حتی کہ علامہ ابن حجر مکی نے بھی تقریباً پندرہ طریق سے نقل کی ہے کہ پیغمبر نے فرمایا **انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی و هما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض** یعنی میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ۔ دوسرے میری عترت یعنی اہل بیت جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے۔ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ (قرآن و اہل بیت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ جب تک لوگ حساب و کتاب سے فارغ نہ ہوں۔ پس مُبین قرآن و مفسر

قرآن اہل بیت پیغمبر ہیں۔ جو نہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن ان سے جدا ہے اور وہی محافظ قرآن ہیں۔ بعد پیغمبر علم قرآن ان سے حاصل کرنا چاہیئے۔ تمام اختلافات اہل بیت کی پیروی و متابعت نہ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ان مبینین و مفسرین سے قرآن کی پیروی کی جاتی اور ان سے علم قرآن حاصل کی جاتا تو دنیا میں یہ فسادات و بے دینیاں ہرگز پیدا نہ ہوتیں۔

نوبت بایں جا رسید کہ اہل بیت سے تمسک اور ان کی متابعت تو کجا ذکر اہل بیت کو حرام بتلایا جاتا ہے۔ معلوم نہیں اس کا مدرک و منشاء کیا ہے؟ کوئی آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ذکر اہل بیت نبوی حرام ہے یا حدیث؟

وہ ذریت ابراہیم جس کے واسطے دعا کی تھی و من ذریتنا امة ملسمة لک یہی اولاد پیغمبر ہے نہ کوئی دوسرا۔ تعجب ہے کہ ذریت ابراہیم جو مسلمان اسلام نبوتی ہے اس کا ذکر حرام بتلایا جاتا ہے اور اتباع ملت ابراہیمی کا ادّعا ہے۔

خدا قرآن میں اصحاب کہف کو ایسے کلمہ تعظیمی تکریمی سے ذکر کرتا ہے جس سے ایک برگزیدہ پیغمبر یعنی اپنے خلیل کو متّصف کیا ہے یعنی لفظ فتی سے فتیة امونا بربهم پھر اس سے قرآن میں ان کے کتے کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا حال بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس نے نیکوں کی متابعت اختیار کی تھی۔ ایک ثلث قرآن قصص و امثال سے پُر ہے نہ صرف انبیاء کے حالات۔ بلکہ مچھر، مکھی، چیونٹی تک کے قصص موجود ہیں۔ پس اگر کوئی شخص حالات و قصص انبیاء کو بیان کرے تو کیا اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔ یہ قصص و امثال جزوِ قرآن ہیں اور جزو دیانت، اور ہم کو حکم ہے کہ ہر روز بقدر امکان قرآن کی تلاوت کریں یعنی ان قصوں کو پڑھیں اور ذکر کریں فاقروا ما تیسر من القران لہذا اگر کوئی کہے کہ ذکر ان چیزوں کا حرام ہے تو قرآن پڑھنے سے منع کرتا ہے اور وہ کافر ہے اور منکر قرآن تعجب ہے کہ ذکر سگ و پشہ جزو دیانت ہو اور ذکر ذریت ابراہیمؑ و اولاد رسول حرام سمجھا جائے۔ عجیب و غریب دینداری ہے اگر قصصکو فضول قصص و حکایات سمجھ کر اور امثال کو ناول خیال کر کے اور قصص کفار کو اس لئے کہ یہ قصص کفار ہیں۔ ترک کر دیا جائے تو پھر قرآن کہاں رہے گا؟ کیونکہ قرآن انہیں باتوں سے پُر ہے اور انہیں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذکرِ اولاد پیغمبر حرام ہے انہوں نے قرآن کی متابعت کو چھوڑ دیا ہے۔ پھر کس لئے پیغمبر روز قیامت ان مسلمانوں کی شکایت نہ کرے اور کہے رب ان قومی اتخذوا هذا القران مهجورا یعنی ختمی مرتبت روز قیامت بارگاہِ الٰہی میں شکایت کریں گے اور فرمائیں گے اے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اس پر عمل نہ کیا۔

نظر عوام مین قصہ عشق سے زیادہ شرمناک کوئی قصہ نہیں ہوسکتا اور قرآن میں عشق زلیخا کا قصہ موجود ہے۔ بلکہ خدا اس کو (احسن القصص) بہترین قصہ فرماتا ہے اور بہت سے فاجرین و فاسقین کے قصے قرآن میں مذکور ہیں کسی کا پڑھنا و ذکر کرنا حرام نہیں۔ پھر ذریت رسول کا ذکر کس طرح حرام؟ اول قصہ خوان خدا ہے۔ جس نے یہ تمام قصص و حکایات و امثال ذکر فرمائے ہیں۔ نحن نقص علیک احسن القصص اور پھر پیغمبر کو ان کی تلاوت کا حکم دیا ہے کہ اگر پیغمبر ان قصص کو بیان نہ کرے۔ تو خلاف حکم خدا ہوگا اور پیغمبر گنہگار ٹھہرے گا اور ہم کو بھی یہ حکم ہے کہ ہم سے جس قدر ممکن ہو قرآن کی تلاوت کریں۔ یعنی یہ قصص و حکایات پڑھیں۔ بیان کریں فاقصص القصص خداوند عالم اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایتنا (الخ) ہم نے تمہاری طرف ذکر کو بھیجا ہے جو رسول ہے وہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے یعنی ذکر نام حضرت رسول خداؐ کا ہے۔

اور پھر فرماتا ہے فاسئلو ا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے دریافت کرو۔ پس اہل الذکر آل محمد و اہل بیت پیغمبر ہیں۔ انہیں سے دریافت کرنے کا حکم ہے۔ مگر تعجب ہے اہل اسلام پر کہ انہیں اہل الذکر و اہل بیت نبویؑ و ذریت رسول کے ذکر کو حرام کہتے ہیں۔ پیغمبر گو تو سارے مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا پیغمبر ہے۔ مگر حسین علیہ الصلوۃ والسلام کو شیعوں سے مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر پیغمبرؐ سارے مسلمانوں کا ہے تو حسینؑ جو فرزند رسول و جگر گوشہ بتول ہے وہ بھی سارے مسلمانوں کا ورنہ اگر حسینؑ شیعوں سے مخصوص ہے تو پیغمبر بھی شیعوں ہی سے مخصوص ہے اور مسلمانوں کا پیغمبر نہیں۔ النعم ما قیل

یصلی علی المبعوث فی آل ھاشم
و یغزی بنوہ ان ذالعجیب

(ترجمہ) پیغمبر بنی ہاشم پر تو درود بھیجتے ہیں اور اس کی اولاد سے لڑتے ہیں یہ نہایت عجیب بات ہے۔

ذکر گریہ و بکا

بعض محتاط مسلمان کہتے ہیں کہ ذکر حسینؑ تو ممنوع و حرام نہیں البتہ گریہ و بکا کرنا اچھا نہیں۔ کیونکہ اول تو اس سے جسمانی نقصان پہنچتا ہے۔ دوسرے رونا فطری فعل ہے۔ اس پر کسی قسم کا ثواب مترتب نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ بنصوص آیات ثابت ہے کہ رونا مومنین و انبیاء کی صفات کا خاصہ ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے افمن ھذا الحدیث تعجبون و تضحکون و لا تبکون کیا

تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔ اس آیت سے گریہ و بکا کا وجوب ثابت ہوتا ہے مگر مسلمان اس کو حرام کہتے ہیں یا للعجب

ایضاً و یخرون للاذقان یبکون و یذیدھم خشوعا (بنی اسرائیل) یعنی جب آیاتِ الٰہی ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں اور ان کا خشوع و خضوع بڑھ جاتا ہے۔

ایضاً والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا جب آیات پروردگار ان کو یاد دلائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جو بالصراحت وال ہیں کہ رونا صفاتِ خاصہ مومنین سے ہے۔ بلکہ خواص انبیاء سے ہے۔ پھر نہ معلوم حرام کیونکر ہو گیا۔ شان انبیاء میں فرماتا ہے۔ اذا تتلی علیھم ایات الرحمن خروا سجدا و بکیا (مریم) جب آیاتِ رحمٰن ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں جھک جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی مدح میں فرمایا ہے حلیم اواہ منیب یعنی ابراہیم بہت بڑے بردبار اور بہت آہ آہ کرنے والے اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ پس رونا آہ آہ کرنا صفات انبیاء میں داخل ہے اور ان کی مدح میں شامل۔ نہ یہ کہ حرام اور خلاف تہذیب۔ بلکہ نہ رونا صفات مذمومہ سے ہے اور قساوت قلبی کی نشانی ہے۔ جو بہت ہی بری صفات ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ "ثم قسمت قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ و ان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار و ا ن منھا لما یشقق فیخوج منہ المآء و ان مھا لما کیعبط من خشیۃ اللہ و ما اللہ بغافل عما تعملون" (بقرہ) یعنی بعد اس کے تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں۔ پس وہ مثل پتھر کے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ کیونکہ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں۔ جو شق ہو جاتے ہیں اور ان سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں ہے پس جو لوگ مظلوم کی مصیبت پر آبدیدہ نہیں ہوتے اور آیات الٰہی کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے وہ پتھر سے بھی زیادہ قسی القلب ہیں اور ان لوگوں کی قساوت قلبی کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا جو رونا تو درکنار دوسرے رونے والوں کو بھی منع کرتے ہیں ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ یہ کہنا کہ چونکہ رونا فعل فطری ہے اور فطریات پر ثواب و عقاب مترتب نہیں ہوتا اس لئے رونے سے کچھ فائدہ نیں۔ یہ بھی عدم تدبر قرآن اور دیانت اسلامی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر یہ قول صحیح ہو تو چاہے نفس دین موجب ثواب نہ ہو بلکہ بیدینی باعث ثواب ہو

کیونکہ خدا دین کو بھی فطری فرماتا ہے۔فاقم و جھک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق الله ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون غرض اس قسم کی تحریریں وتقریریں دراصل قرآن پر ایرادواعتراض ہیں اور انکارومخالفت دیانت اسلام پر وال۔

صبرو بے صبری

صبر کے معنی سکوت کے لئے جاتے ہیں یعنی جب کوئی مصیبت نازل ہو تو آدمی خاموش بیٹھا رہے ۔ایک حرف زبان سے نہ نکالے اوراس پر آیہ ذیل سے استدلال بھی لاتے ہیں۔ولنبلونکم بشیی مه الخوف و الجوع و نقص من الاموال و الا نفس وا لتمرات و بشرا لصابرین الذین اذا اصابھم مصیبة قالو انا لله و انا الیه راجعون یعنی وقت مصیبت وہ خاموش ہوجاتے ہیں۔بلکہ فرماتا ہے قالو یعنی کہتے ہیں اور بولتے ہیں۔ہاں اس کی تعیین فرمادی ہے کہ کیا کہتے ہیں۔انا لله وا نا الیه راجعون یعنی ہم خدا ہی کے واسطے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ہم خدا پر اعتراض نہیں کرتے۔اس ابتلاآت میں رضائے خدا پر راضی ہیں اور اس کی قضاوقدر پر خوش۔علاوہ ازیں گریہ حضرت یعقوب اس پر وال ہے کہ باآواز بلند بطور ندبہ تھا پس کلام بھی ہے آواز بھی اور پھر صبر جمیل بھی کہلاتا ہے۔نیز جب برادران حضرت یوسف نے حضرت یعقوب پر بھی اعتراض کیا کہ تم اس قدر فراق یوسف میں کیوں روتے ہو؟تو آپ نے جواب میں فرمایا انما اشکو ا بتی و حزنی الی الله و انی اعلم من الله ما لا تعلمون یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ میں اپنے حزن وملال کو اپنے پروردگار ہی سے بیان کرتا ہوں اور میں منجانب الله وہ باتیں جانتا ہوں جن کا تمہیں علم نہیں یعنی ابتلاآت ومصائب وشدائد میں خدا کی طرف رجوع اور اپنے حزن وملال کو بیان کرنا بے صبری نہیں بلکہ عین صبر اور اصل معبودیت ہے۔بلکہ حکم ہے کہ مصائب وشدائد میں ہم خدا ہی کو یاد کریں اور اپنی تکالیف کو اسی سے عرض کریں امن یجیب امضطر اذا دعاہ و یکشف السوء بے صبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا یا خدا کی شکایت دوسرے کرنا اور راضی برضا نہ رہنا ہے نہ کہ رونا اور اپنا حزن وملال اپنے پروردگار کے سامنے بیان کرنا رکما ذکرناہ سابقا

صبر حضرت یونسؑ

سابقاً عرض کیا گیا ہے کہ بے صبری دلیل بے خبری ہے اور صبر نتیجہ علم۔جس کا علم وسیع ہے اس کا صبر وسیع۔اور جس کا علم کم ہے اس کا صبر بھی ناقص اور چونکہ انبیاء علیھم السلام علم میں درجات مختلفہ متفاد نہ

رکھتے ہیں اور بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور اولوالعزم غیر اولوالعزم سے افضل ہیں۔ اسی واسطے ان کا صبر بھی افضل ہے اور انہیں کی تاسی کا حکم پیغمبر کو ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو۔ نہ کہ غیر اولوالعزم کا سا اور مثل صاحب حوت یعنی یونس بن متی نہ بنو۔ قصہ حضرت یونس یہ ہے کہ حضرت نے اپنی قوم سے تنگ آ کر ان کے لئے بددعا کی کہ خداوندا ان پر عذاب نازل کر۔ دعائے حضرت مستجاب ہوئی اور قوم یونس کو صرف تین روز کی مہلت دی گئی۔ حضرت کی قوم میں ایک عالم تھا۔ روبیل نام اور ایک عابد تھا تنوخا، تنوکا چونکہ عابد تھا اور علم و معرفت کم رکھتا تھا عذاب کا وعدہ سُن کر قریہ سے باہر چلا گیا کہ مبادا اس پر بھی عذاب نازل ہو۔ روبیل چونکہ عالم تھا وہیں رہا۔ تین روز کے بعد عذاب نازل ہونا شروع ہوا۔ اول روز ان کے رنگ زرد پڑ گئے دوسرے روز سیاہ ہو گئے اور تیسرے روز ایک ابر سیاہ ان پر اترنا شروع ہوا۔ یہ لوگ گھبرائے اور روبیل کے پاس گئے کہ عذاب شروع ہو گیا کوئی نجات کی تدبیر بتلاؤ۔ ورنہ ہم تم کو بھی باہر نہ جانے دیں گے۔ روبیل مجبور ہوئے اور حکم دیا کہ اچھا تم توبہ کرو۔ جو کسی پر مظلمہ ہے وہ ادا کر دے اور بچے عورتوں سے الگ کئے جائیں۔ جوان علیحدہ ہوں اور بوڑھے علیحدہ، حیوانات سے ان کے بچے علیحدہ کئے جائیں۔ وادی کوہ میں دربار الٰہی میں استغاثہ کرو۔ ممکن ہے کہ رحم فرمائے۔ غرض اس طرح سے باہر گئے۔ ورآنحالیکہ عذاب ان کے کندھوں تک آ چکا تھا ردبیل نے سر برہنہ قوم کے بیچ میں کھڑے ہو کر دعا شروع کی اور فرمایا کہو ربنا ظلمنا انفسنا و کذبنا نبیک و تبنا الیک من ذنوبنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکوبنن من الخٰسرین المعذبین فاقبل توبتنا وارحمنا یا ارحم الراحمین۔ یہاں تک کہ رحمت خداوند غفار جوش میں آئی اور عذاب ان سے مرتفع ہونے لگا۔ بعد رفع عذاب وہ سب خوش و خرم اپنے گھروں کو واپس آئے۔ حضرت یونس تین دن کے بعد واپس تشریف لائے کہ قوم کا حال دیکھیں فنا ہو گئے ہوں گے۔ لیکن آ کر دیکھا سب کے سب صحیح سالم خوش و خرم پھر رہے ہیں۔ حضرت بہت ملول و غضبناک ہوئے کہ ان سے عذاب کیوں دفع ہوا؟ یہ اب میرا استہزا کریں گے۔ اسی کی طرف اشارہ فرما کر خداوند عالم بیان فرماتا ہے " اذذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیه " یہ تھی بے صبری بمقابلہ صبر انبیاء اولوالعزم جو حضرت یونس سے ظاہر ہوئی۔ یہ دلیل کم علمی ہے بمقابلہ انبیاء اولوالعزم و لا تکن کصاحب الحوت

صبر حسینی

صبر کامل صفت انبیاء اولوالعزم ہے۔ لیکن انہوں نے بھی وقت شدت مصائب وابتلا آت آخر کار

خدا سے خواہش کی ہے کہ ان سے مصائب وشدائد رفع کئے جائیں۔ حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عیسیٰ نے ایسا کیا ایلی ایلی لما شبقتنی۔ حضرت ایوب کا صبر مشہور ہے مگر آخر کار انہوں نے بھی رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین کہا۔ جس وقت نوبت ناموس تک پہنچی ہے۔ اس وقت حضرت ایوبؑ سے صبر نہیں ہو سکا۔ یہ پیغمبر ہیں مگر جب معاملہ ناموس تک پہنچتا ہے تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور رفع تکلیف کی دعا کرتے ہیں۔ مگر صبر ایوبؑ کربلا کو دیکھئے اور انبیاء اولوالعزم کے صبر سے اس کا موازنہ کیجئے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جب انسان پر آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ مصائب ایک بارگی ٹوٹ پڑیں تو انسان تنگ آکر مرنا گوارا کرتا ہے اور ان کا تحمل نہیں کر سکتا۔ جو شخص رات کو بادشاہ ہو مالک ومختار ہو اور صبح کو ہر ایک شے اس سے جدا ہو جائے۔ فقیر ومفلس بے یار ومددگار رہ جائے اس کے صدمہ وملال کا اندازہ ممکن نہیں۔ حسین مظلوم رات کو بادشاہ ہے۔ تمام یار وانصار، عزیز واقربا پاس ہیں۔ اہل حرم محفوظ و مصئون۔ صبح ہوتے ہی احباب واصحاب جدا ہونے لگے ہیں اور ظہر تک سوائے بنی ہاشم کوئی باقی نہیں رہتا۔ مگر وقت عصر جب نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں نہ وہ عزیز ہیں نہ قریب سب خاک وخون میں غلطان پڑے ہیں۔

نہ مونسے نہ رفیقے نہ کثرت الناسے
نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

مشاہد ومحسوس ہے کہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں زیادہ نرم دل اور ضعیف ہوتی ہیں اور جلد مضطرب ہو جاتی ہیں۔ روز عاشورا تین مرتبہ حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس عورتوں کا ہجوم ہوا۔ ایک مرتبہ بوقت صبح۔ دوم بوقت نماز ظہر۔ سوم بوقت عصر۔ مخدرات کرب وبلا حرم پیغمبر تھیں کسی کو ان کا حال معلوم نہ تھا۔ کبھی گھر سے نہ نکلی تھیں۔ اس واسطے آج تک اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی کے بیٹیاں تھیں

بعض کہتے ہیں دو تھیں بعض کہتے ہیں ایک تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جس وقت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے شہادت پائی ہے تو ایک لڑکی برقع اوڑھے ہوئے دروازہ مسجد نبوی پر آئی اور روکر آواز بلند چلائی "یا جداہ قد ماتت امنا" اے جد بزرگوار ہماری والدہ نے انتقال فرمایا پس وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین کے دو بیٹیاں ہوتیں۔ تو دونوں اس وقت گھر سے نکل پڑتیں اور مسجد نبوی میں آتیں۔

غرض یہ مخدرات عصمت وطہارت کبھی لشکر کے مقابل نہ ہوئی تھیں۔ کبھی میدان جنگ نہ دیکھا تھا گھر سے باہر نہ نکلی تھیں۔ روز عاشورا پہلا دن ہے کہ میدان جنگ میں ماں نے بیٹے کو اور بھائی نے بہن کو پھوپھی نے بھتیجے کو ذبح ہوتے دیکھا۔

جس وقت امام مظلوم نماز ظہر میں مشغول تھے اور اس وقت حضرت کے ساتھ معدودے چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ایک دستہ فوج مخالف خیمہ گاہ اہل حرم کی طرف چلا۔تمام عورتیں باہر نکل پڑیں کہ کہیں پناہ لیں۔مگر اس وقت ان کا فریادرس کون تھا باآواز بلند چلانے لگیں یا جداہ یا محمداہ اتنے میں حضرت کی نماز ختم ہو گئی خیمہ عصمت کی طرف تشریف لائے تمام عورتیں حضرت کے گرد جمع ہو گئیں اور چاروں طرف سے احاطہ کر لیا اور کہنے لگیں حضرت ہم کو ہمارے جد بزرگوار کے روضہ پر پہنچا دیجیے۔چشم مبارک سے آنسو نکل پڑے مگر ایسے موقع پر بھی حسینؑ نے کبھی شکایت نہیں کی اور رفع تکالیف کی دعا نہیں فرمائی۔بلکہ جب مصائب کی نہایت شدت ہوئی تو حضرت خیمہ عبادت گاہ کی پشت پر تشریف لے جاتے اور ریش مبارک ہاتھ میں لے کر فرماتے۔ لضا بقضاک اللہ و تسلیمًا لامرک یعنی خداوند تیری رضا پر راضی ہوں اور تیرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔

امام علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اے جد بزرگوار آپ نے صبر دکھایا ہے کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں آپ کی بے کسی اس درجہ پر پہنچ گئی کہ کوئی باقی نہ تھا کہ آپ کی خبر شہادت خیمہ گاہ تک پہنچا دے آپ کے ذوالجناح نے اس فرض کو ادا کیا۔[1]

حاشیہ[1] قال الامامہ علیہ السلام قد عجبت من صبرک ملائکۃ السموات فاحد قوابک من کل الجہات و اثخنوک بالجراح و حالوا بینک و بین الرواح و لم یبق لک ناصرً و انت محتسب صابر تذب عن نسوتک و اولادک حتی نکسوک عن جوادک فهویت الی الارض جریحا و علی التراب طریحا تطوک الخیول بحوافرھا و تعلوک الطغاۃ ببواترھا قدر شح للموت جبینک و اختلف بالا نقباض و الا نبساط شمالک و یمینک تدیر طرفا خفیا الی رحلک دبیتک و شغلت بنفسهک عن ولدک و اھالیک و اسرع فرسک شارداوالی خیامک قاصد مهمهما باکیا فلمارایں النساء جوادک مخزیا و نظرن الی سرجک ملویابرزن من الخدورنا شرات الشعور لا طمات علی الخدو دسافرات الوجوہ الخ ۔اے جد بزرگوار آپ کے صبر سے ملائکہ آسمان نے تعجب کیا۔جب کہ ان ملاعین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور زخموں سے گھائل کر دیا اور ایک قطرہ پانی کا نہ دیا اور اس وقت آپ کا کوئی ناصر و مددگار نہ رہا تھا اور آپ بامید ثواب صبر فرما رہے تھے۔اور اپنے عیال واطفال سے دشمنوں کو رفع کر رہے تھے۔تا اینکہ آپ کو گھوڑے سے گرادیا اور آپ زین سے زمین کی طرف جھکے اور جلتی ریت پر گرے۔دشمنوں کے گھوڑے آپ پر سے گزرتے اور پامال کرتے تھے اور دشمن ہر طرف سے تلواریں لے کر چڑھے چلے آتے تھے۔پیشانی پر موت کا پسینہ آیا ہوا تھا۔کبھی ایک پیر پھیلاتے تھے اور کبھی دوسرا اور حالت نزع میں اہل وعیال کی طرف سے مشغول تھے کہ آپ کا اسپ باوفا خیمہ گاہ کی طرف ہنہناتا اور روتا ہوا دوڑا کہ اہل حرم کو آپ کی سنائی پہنچائے۔جب مخدرات عصمت نے آپ کے ذوالجناح کو اس ذلت وخواری کی حالت میں دیکھا اور زین الٹا ہوا پایا تو سر برہنہ خیمہ سے نکل پڑیں بال کھلے ہوئے تھے اور منہ پر طمانچے مارتی تھیں اور فریاد کرتی تھیں۔الالعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

موعظہ ہفتم

۸ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یوم ندعو اکل اناس بامامھم

شہیدورویت اعمال

بیانات سابقہ سے ثابت ہے کہ دیانت اسلامیہ ایک امام کو مقتضی ہے جو ہاوی ہو تمام امور دینی ودنیاوی پر اور اس کو قرآن میں لفظ شہید سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ہمیشہ شہید کا وجود ضروری ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سلسلہ ابراہیمؑ واسمعیلؑ اور اولاد پیغمبر سے ہے۔ نیز اجمالاً شہید کے معنی بھی بیان کردئے گئے ہیں۔ اگر شہید دوسرے مقامات پر اور معنوں میں استعمال ہو تو بطور حمل مجاز ہوگا۔ اول شہید خدا ہے پھر اس کا رسولؐ۔ پھر امام۔ اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم احاطی شہید کے لئے کافی ہے۔ چونکہ بعض آیات قرآنی بعض دوسری آیات کی مفسر ہیں معنی شہید کی آیہ ذیل تفسیر کرتی ہے۔ **قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ و المومنون و ستردون الیٰ عالم الغیب و الشھادة فینبکم بما کنتم تعملون** (توبة ۱۲) یعنی عمل کرو پس تحقیق کہ خدا اور اس کا رسول اور مومنون تمھارے عمل کو دیکھتے ہیں پھر تم عنقریب **عالم الغیب و الشھادة** کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو تمھارے اعمال کی خبر دے گا۔ اس آیت میں رویت خدا اور رسول اور مومنوں کو سلسلہ وار ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن رویت تینوں درجات میں یکساں نہیں نحوبین کہتے ہیں۔ یہاں ''س'' استقبال کے واسطے ہے اور مراد یہ ہے کہ قیامت میں خدا اور رسولؐ اور مومنون اعمال کو دیکھیں گے لیکن یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اگر (س) استقبال کے معنوں میں لیا جائے تو کفر محض ہے کیونکہ نفی رویت باری تعالیٰ لازم آتی ہے کہ اس وقت خدا ہمارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور ان سے بے خبر ہے اور مطلقاً محال ہے اور کفر۔ حق یہ ہے کہ یہ الفاظ ہر ایک مقام پر یہی معنی نہیں دیتے۔ بلکہ کلام خدا میں اکثر اس قسم کے الفاظ نیز الفاظ ترجی وتمنی وغیرہ تاکید کے واسطے استعمال ہوتے ہیں یا بمعنی

دوام و استمرار اور یہ بات قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سین و سوف استقبال کے لئے آتے ہیں ۔جیسا کہ اسی آیت کے دوسرے جز و یعنی ستر دون الیٰ عالم الغیب و الشھادۃ میں ہے جس سے مراد قیامت ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے جز و اول فیسری اللہ میں سین استقبال کے لئے نہیں ہے اور یہ غلط ہے کہ اس رویت سے مراد رویت قیامت ہے ۔ کیونکہ رویت قیامت کا ذکر آیت کے دوسرے جز و ''وستردون'' میں موجود ہے۔ پس ضرور اس رویت سے مراد رویت دینا ہی ہے کہ یہاں ہمارے اعمال کو خدا اور رسول خدا اور مومنوں دیکھتے ہیں اور مومنون سے مراد وہی شہید یعنی امام ہیں۔

شبہ۔ کلام حمید مجید میں لفظ شہید جہاں خدا کے واسطے استعمال ہوتا ہے تنہا ہے۔ ان اللہ علی کل شھید یہ تحقیق اللہ ہر شے پر شہید ہے رسول کا ذکر نہیں ہے اور دوسری جگہ جہاں رسول اور آئمہ کے واسطے استعمال ہوا ہے وہاں خدا کا ذکر نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت خدا غیر شہادت رسول و امام ہے اور اس آیت میں رویت خدا اور رسول و آئمہ کو ایک جگہ مساوی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں رویت میں یکساں ہیں اور اطلاق کہ رویت رسولؐ بعینہ مثل رویت خدا ہے یا خدا اور رسول و امام اس میں یکساں ہیں شرک ہے اور منافی آیات دیگر

جواب شبہ یہ ہے کہ اگر آیہ مذکورہ میں متعلق رویت یعنی عملکم تمام موضوعات کے آخر میں مذکور ہوتا۔ تو بے شک سب کی رویت یکساں ہوسکتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ عملکم بعد لفظ اللہ مذکور ہوا ہے۔ جو متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمل سے بالذات صرف رویت خدا کو تعلق ہے اور اسی کی رویت حقیقی و اصلی ہے۔ اور رسول خدا اور آئمہ ہدی کی بالعرض و بالتبع من جانب اللہ۔ لہذا رویت یکسان نہیں۔

قاعدہ کلیہ

جب کسی قضیہ میں موضوع متعدد ہوں اور محمول ایک جیسا کہ اس آیت میں موضوع تین ہیں ۔خدا، رسول، امام اور محمول ایک یعنی رویت اعمال پس اگر محمول بعد موضوع اول مذکور ہو۔ تو موضوع اول پر حمل حقیقی ہوگا اور باقیوں پر حمل بالغرض اور یہاں ایسا ہی ہے کہ عملکم ۔بعد لفظ اللہ مذکور ہوا ہے اور باقی موضوعات بعد میں لہذا حمل ا رویت اعمال اللہ پر حقیقی ہے اور پیغمبر و امام پر عرضی لہذا سب رویت میں یکسان نہ ہوئے۔

نوٹ: ۱۔ سرکار علامہ نے اس مقام پر فرقہ شیخی و بابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مقابلہ میں ان کے رئیس اور بانیوں کو کفش پا اور فضا کے برابر بھی شمار نہیں کرتا۔ سوائے حسد اور بغض اور کوئی وجہ نہیں جو مجھ پر تہمت لگائی جاتی ہے (مولف عفی اللہ عنہ)

ایراد بغرض جواب

آیہ ذیل میں چار موضوع ہیں اور ایک محمول **انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان** یعنی شراب، جوا، انصاب اور ازلام (طریق جوا) پلید و شیطانی عمل ہیں) چونکہ رجس کو چاروں موضوع کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا چاہئے کہ چاروں چیزیں، شراب، جوا، انصاب، زلام نجس و پلید ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے صرف شراب ہی نجس ہے نہ کہ جوا وغیرہ۔ ہاں حرام سب ہیں۔ علماء اسی آیت سے شراب کی نجاست پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس آیت کو دلیل قرار دیا جائے تو چاہئے کہ چاروں کا حکم یکساں ہو۔ صرف شراب ہی کیوں نجس سمجھی جائے۔ مدعیان اجتہاد اس کا جواب مدلل دیں **لا تتبعو اخطواب الشیطٰن فانه لکم عدو مبین انما یامر کم بالسوء وا لفحشاء وا ان تقولو علی اللہ ما لا تعلمون** ۔ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے اور تم کو برائی اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے اور نیز کہ خدا پر افترا کرو۔ اور وہ باتیں کہو۔ جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بدی۔ فحش اور اپنی رائے سے حکم کرنا اور خلاف حکم خدا حکم لگانا اور ایسا شخص در باطن نجس و پلید

قاعدہ کلیہ

معانی الفاظ میں نسبت و اضافت بالوضع ملحوظ ہے اور کسی لفظ کے معنی کرتے ہوئے اس کے منسوب و مضاف الیہ کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے اس مضاف الیہ کے اعتبار سے لفظ کے معنی لئے جائیں مثلاً لفظ علم خدا کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور پیغمبر کے لئے بھی اور عام لوگوں کے لئے بھی۔ جیسے **اللہ عالم . النبی علام و زید عالم** ۔ پس کیا ہر جگہ لفظ علم آجانے سے یہ مطلب ہوگا کہ علم کے معنی تینوں جگہ یکساں ہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ علم خدا اور چیز ہے اس کا علم حقیقی ذاتی ہے بخلاف پیغمبر کے **وقس علی ذالک آیہ شریفہ ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی یا ایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا نسلیما** میں لفظ صلوٰۃ خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ملائکہ کی طرف بھی اور ہم کو بھی صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے تو کیا صلوٰۃ کے معنی تینوں جگہ یکساں لئے جائیں گے؟ اور کیا خدا بھی ہماری طرح سے درود بھیجتا ہے اور ہمارے ساتھ اس عبادت میں شریک ہے اور کہتا ہے اللھم صل علیٰ محمد و ال محمد اگر ایسا ہے تو پھر خدا بھی کسی دوسرے خدا سے دعا کرتا ہے ۔تعالے اللہ عن ذالک علوا کبیر الہذ اصلوٰۃ کے معنی تینوں جگہ یکساں نہیں صلوٰۃ خدا سے نزول رحمت مراد ہے اور صلوٰۃ ملائکہ استغفار۔ اور صلوٰۃ انسان بمعنے طلب رحمت ۔غرض نسبت و اضافت کو معنی الفاظ میں ضرور ملحوظ

رکھنا چاہیے جیسی ذات کی طرف لفظ منسوب ہواسی کی شان کے موافق معنی لئے جائیں پس اس طرح سے آیہ مذکورہ فسیری اللہ علمکم رالخ میں رویت خدااور رویت رسول اور رویت آئمہ یکساں نہیں خدا کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ رویت خدا ذاتی وحقیقی ہے اور رویت رسول و آئمہ بالتبع و بالعرض منجانب اللہ عطیہ خدا ہے کیونکہ تمام صفات پیغمبری عطیات الٰہیہ ومنجانب اللہ ہیں نہ کہ حقیقی و بالذات پس اعمال عباد کے دیکھنے کی روحانی قوت بھی خدا نے ان کو عطا کی ہے۔

حقیقت وفضیلت صلوات

خداوند عالم واجب الوجود، غنی بالذات وکریم بالذات ہے جو چاہے دیدے، جس قدر چاہے دیدے اس کے خزانہ۔ جودوسخا میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوسکتا اور یہ بھی مسلم ہے کہ عطا وکرم موافق و مراتب ودرجات شخصیہ ہوتا ہے جس درجے کا جو شخص ہوتا ہے۔ اسی درجے کا اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایک ادنیٰ درجہ کے آدمی مثلاً خاکروب پر مہربان ہواور اس کو کچھ عطا کرے تو اس کی حیثیت کے موافق کچھ رقم اسے دیدیگا۔ اور اگر ایک عالم کامل مدبر ودانا شخص پر اس کا لطف وکرم ہوتو اس کا حکومت و عہدہ جاگیر ومنصب عطا کرے گا کیونکہ اس کے لئے وہی شایان ہے اگر ایک جاہل ادنیٰ شخص پر ایسا کرے تو لوگ اس کو سفیہہ واحمق کہیں گے۔ کیونکہ اس نے اس کو وہ چیز دی ہے کہ جس کی اس میں قابلیت نہیں پس معلوم ہوا کہ قابلیت واستعداد عطاوکرم میں شرط ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہم ناقص وکم ظرف وکم استعداد جواد مطلق وغنی مطلق وکریم بالذات کے جودوسخا کی قابلیت واستعداد بالذات نہیں رکھتے ہم اس کی رحمت واسعہ کے بلا واسطہ قابل نہیں اس کے دریائے رحمت کے مقابلہ میں ہماری مثال ایک ادنے کوزے کی ہے ع گنجائش بحر وسبو ممکن نیست۔ ہمارے ظرف کہاں اتنی قابلیت رکھتے ہیں کہ جن میں رحمت الٰہیہ کی گنجائش ہو۔ لہذا رحمت واسعہ الٰہیہ کے لئے ایک محل قابل کی ضرورت ہے تاکہ اولاً بالذات اس پر نزول رحمت ہو۔ اور اس سے بالواسطہ ہم تک پہنچے اور وہ محل قابل ومستعد اول، صدر از مصدر ہے جس کی شان میں ہے **وما ارسلناک الا رحمته للعالمین** ۔ پس محل نزول رحمت الٰہیہ اولاً بالذات وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور چونکہ وہ بھی کریم ومظہر جواد مطلق مبدء فیاض ہے وہاں بھی بخل نہیں اس لےءوہ ہم لیئموں اور بد بختوں کو پہنچاتا ہے۔ پس ہم لئیم وبد بخت اس ذات کریم کے لئے مبدءفیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں اور چونکہ وبخیل نہیں وہاں سے ہم پر تقسیم ہوتی ہے۔

مثال حسی

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بڑے شہروں میں پانی کے نل لگائے جاتے ہیں تو ایک مقام خاص پر پانی کے لئے ایک خزانہ بنایا جاتا ہے (واٹر ورکس) کہ اول حکام و منتظم وہاں پانی پہنچاتے ہیں اور وہاں سے پھر بقدر ضرورت و خواہش اہل شہر کو تقسیم ہوتا ہے اور جب اہل شہر کو زیادہ پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ احکام وافسران سے درخواست کرتے ہیں تو وہ اس خزانہ میں پانی کی مقدار بڑھا دیتے ہیں اور پھر وہیں سے اہل شہر کو پہنچتا ہے پس بلا شبہ اسی طرح سے رحمت الٰہیہ کا خزانہ وجود اقدس نبوی ہے ہم جب محتاج رحمت خدا ہوتے ہیں تو مبدء فیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں کہ وہ اپنے خزانہ معمور پر نزول رحمت زیادہ کرے تا کہ وہاں سے ہم کو تقسیم ہو اور کہتے ہیں اللھم صل علے محمد وال محمد یعنی محمد و آل محمد پر نزول رحمت کو مزید فرما۔ پس پیغمبر و آل پیغمبر خزانہ رحمت الٰہی ہیں فقط۔ قال المجلسی انهم و سائط فيوض الله تعالے فی هذه النشاء ة و النشاء ة الا خرىٰ اذ هم القابلون لفيوضات لاربانية و الرحمات القدسية و بتو سطهم تفيض الرحمة علىٰ سائر الخلق و هذه الحكمة فی لزوم الصلوٰة عليهم و التوسل بهم فی كل حاجة لا نه اذا صلے عليهم لا يرد لان المبد فياض و المحل قابل و بر كتهم تفيض علے الداعی بل علے جميع الخلق۔ یعنی علامہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت ہی فیوض خدا کے وسائط ہیں۔ کیونکہ فیوضات الٰہیہ اور رحمات قدسیہ کی وہی قابلیت رکھتے ہیں اور انہیں کے واسطے سے تمام موجودات پر فیضان رحمت ہوتا ہے اور یہی حکمت ہے ان پر درود لازم ہونے اور ہر ایک حاجت میں انہیں سے متوسل ہونے میں کیونکہ جب ان پر درود بھیجا جائے گا تو رد نہ ہوگا۔ اس لےء کہ مبدء فیاض ہے اور محل قابل اور ان کی برکت دعا کرنے والے۔ بلکہ تمام مخلوقات پر فائض ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں۔ كل فيض وجو د يبتدا بهم صلوات الله عليهم ثم ينقسم علىٰ سائر الموجودات ہر ایک فیض وجود کی اول انہیں سے ابتدا ہوتی ہے۔ اور پھر تمام موجودات پر منقسم ہوتا ہے ففی الصلوة عليهم استجلاب للرحمة الىٰ معا دنها و للفيوض الىٰ مقسمها لينقسم علىٰ سائر البرايا پس ان پر درود بھیجنے میں رحمت کو معاون رحمت اور فیوض کو مقسم فیوض کی طرف کھینچتا ہے کہ وہاں سے تمام مخلوقات پر تقسیم ہو پس چاہے کہ ہم ہمیشہ خزانہ رحمت میں رحمت طلب کریں) مولف

شہید کی مزید تشریح

خدا بالذات شہید ہے اور پیغمبرؐ بالعرض لیکن اس کے لئے بھی شہید ہونے کے لئے وجود عینی و حضور جسمانی ضروری نہیں۔ بلکہ اس میں از طرف خدا ایک قوت نورانی ایسی ہوتی ہے جس سے تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور وہ نور ہے کیونکہ روح نبوتی نفس نور ہے اور فوق جمیع انوار بلکہ مبداء انوار ہے ولکن جعلناہ نورا اور جسم بھی آپ کا نورانی قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین۔ پس وہ مجسم نور بلکہ نور علےٰ نور ہے اور وہ قوت نورانی جس سے ہم اشیا کو دیکھتے ہیں اس کے سارے جسم میں موجود ہے اور اس کا سارا جسم حس جلید یہ ہے تمام جسم میں وہ قوت موجود ہے جو آنکھ کے اندر پردہ جلید یہ میں ہے وہ تمام جسم سے جلید یہ کا کام لیتا ہے بلکہ حس نورانی نبویؐ ہمارے پردہ جلید یہ سے کہیں افضل و اکمل ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھ کے سامنے جب کوئی شے حائل ہو جائے تو وہ نہیں دیکھ سکتی۔ بخلاف پیغمبر کے کہ اس کو کوئی شے حائل و حاجب نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث بخاری و دیگر کتب احادیث وصحاح میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا۔ سودا صفوفکم ولا تسبقونی بالرکوغ فانی ارلکم من خلفی کما ارلکم من قدامی یعنی رکوع کرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں تم کو پیچھے سے بھی اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے۔ لوہے کو جب خوب صاف وشفاف کر لیتے ہیں تو اس میں صورت نظر آنے لگتی ہے۔ پس اس جسم اقدس کی کیا حالت ہوگی جس کو خدا نور کہتا ہے۔ لقد جاء کم من اللہ نور تمہارے پاس یہ خدا کی طرف سے ایک نور آیا ہے اور جو خزانہ قوت برقیہ الہیہ ہو۔ اس کو کوئی چیز حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ لباس اس کے لئے مانع و حاجب نہیں بلکہ لباس حکم جسم میں ہو جاتا ہے۔ بلکہ کفش پا بھی۔ جس طرح آگ جب ایک سو بیس درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو اس وقت اس میں جو چیز ڈالو۔ آگ بن جاتی ہے اور مشتعل ہو جاتی ہے۔ اس طرح نورانیت وجود اقدس نبویؐ ہر شے پر غالب ہو جاتی ہے لوہے کو اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو اس طرف سے اس طرف کی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کیونکہ ہر جسم میں تخلخل و مسامات موجود ہیں پس جسم پیغمبر جو نور خدا ہے وہ کیوں نہ ہر شے کو دیکھ سکے گا۔ اور کیوں اس کا جسم مثل حس جلید یہ نہ ہو گا جس کو خود خدا اپنے نور سے تشبیہ دیتا ہے۔ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکادزیتھا یضی ولو لم تمسسہ نار نور علیف نور یھدی اللہ لنورو من یساء و کذالک یضرب اللہ الامثال للناس و اللہ بکل شی علیم

ذکر کتاب ہندی

ایک کتاب دیکھی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ شہادت میں امام بھی مثل پیغمبر ہے وہ بھی پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح آگے سے اور اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ شاید پیغمبر وامام کے سر کے پیچھے بھی ایک ایسی قوت ہوگی۔ جیسی کہ آنکھ میں پردہ جلیدیہ میں ہوتی ہے۔ اس قوت کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ گویا پیغمبر وامام کی تین آنکھیں ہوتی ہیں۔ (معاذ اللہ) واقعاً جو شخص اپنے کو اولی الامر کہے وہ پیغمبر وامام کی ویسی ہی تعریف کرے گا اور اپنا جیسا شخص جانے گا۔ وہ نورانیت پیغمبر وامام کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ اولی الأمر کے بیان میں اصول کافی میں ایک باب مخصوص ہے اور ایک سو سالہ آیہ قرآنی اس پر دوال ہیں۔ پس جو شخص اپنے آپ کو اولی الامر کہے وہ مذہب شیعہ سے خارج ہے۔ پس اگر ایسا آدمی اس شخص کو جو اس کے خلاف حقیقی درجہ امامت ونبوت کو ثابت کرتا ہے اور شبہات واعتراضات کو رد کرتا ہے۔ شیخی وبابی نہ کہے تو اور کیا کہے گا کیونکہ وہ تو امام کو اپنا جیسا ہی سمجھتا ہے۔ **بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ** وہ کیا جانے کہ امام وہ ہے جو اندھوں کو بینائی بخشتا ہے۔ بصیرت باطنی ہی نہیں بلکہ چشم ظاہری عطا کرتا ہے۔ دیکھو قصہ (ابو البصیر) یہ اندھے تھے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نابینائی کی شکایت کی۔ فرمایا گیا تو چاہتا ہے کہ بینا ہو جائے۔ عرض کیا کہ ہاں۔ حضرت نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا وہ بینا ہو گیا اور اس کی روشنی اس قدر بڑھ گئی کہ اطراف عالم وملائکہ کو دیکھنے لگا اور عرض کیا تمام عالم کو نورانی دیکھتا ہوں (اسی وجہ سے اس کو ابو البصیر کہتے ہیں) پھر امام علیہ الصلوۃ والسلام نے دریافت کیا۔ تو چاہتا ہے کہ تجھ کو درجات عالیہ حاصل ہوں؟ یا چاہتا ہے کہ اسی حالت پر رہے۔ عرض کیا نہیں۔ حضرت نے پھر اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا اور وہ ویسا ہی ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔

نہ صرف ہاتھ پھیرنا بلکہ امام وہ ہے۔ کہ ایک قطرہ خون سے یہودی کو چشم بصیرت بخشتا ہے۔ مشہور روایت ہے کہ بعد قتل امام مظلومؑ ایک یہودی کہیں جا رہا تھا۔ ہمراہ اس کے نابینا لڑکی تھی۔ ایک درخت کے نیچے قیام کیا۔ ایک کبوتر خون میں تر درخت پر آن کر بیٹھا۔ اس کا قطرہ ٹپک کر اس لڑکی کی آنکھ پر گرا وہ فوراً بینا ہو گئی (الخ)

بہر حال امام مثل پیغمبر رویت اعمال میں مساوی ہے اور اس کا دیکھنا کسی عضو خاص سے مخصوص نہیں اور مومنوں سے اس آیت میں آئمہ ہدیٰ مراد ہیں کیونکہ وہی شہید علی الناس ہیں۔ خدا اپنے کو کریم کہتا ہے۔ اپنے پیغمبر کو بھی کریم کہتا ہے۔ اپنے کو رحیم فرماتا ہے۔ پیغمبر کو بھی رحیم بیان کرتا ہے۔ اپنے کو رؤف کہتا

ہے۔ پیغمبر کو بھی رؤف سے خطاب کرتا ہے اور امام ان تمام صفات میں شریک پیغمبر ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ **من مات و لم یعرف امام زمانه فقد مات میتة الجاهلیة**۔ یعنی جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا اور وہ مرگیا۔ وہ موت جاہلیت مشرک کافر یا منافق مرا۔

حدیث میں **لم یعرف** ہے **لم یعلم** نہیں ہے یعنی صرف جاننا کافی نہیں بلکہ معرفت (پہچاننا) ضروری ہے کہ وہ کون ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟ کیونکہ معرفت امام ہی سے معرفت پیغمبر حاصل ہوتی ہے اور معرفت پیغمبر موجبِ معرفتِ خدا۔ پس جس نے امام کو نہ پہچانا وہ کافر یا مشرک یا منافق ہے۔

فرق علم و معرفت

علم اور معرفت میں فرق ہے۔ **فان المعرفته ادراک الشیء** کے آثار میں تدبر و تفکر کر کے اس کو ادراک کرنا معرفت ہے اور وہ علم سے اخص ہے اور علم اس سے اعمل۔ اور ضدِ معرفت انکار ہے اور ضدِ علم جہال۔ پس یہ کہنا تو صحیح ہے کہ **فلان یعرف الله** فلاں شخص خدا کو پہچانتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ **فلاں یعلم الله** فلاں شخص خدا کو جانتا ہے اور معرفت مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتی ہے کیونکہ انسان خدا کو اس کے آثار ہی سے پہچانتا ہے۔ نہ بذریعہ ذات خدا۔ کیونکہ تصور ذات باری تعالیٰ محال ہے اور کہا جاتا ہے **الله یعلم** خدا جانتا ہے اور یوں نہیں کہہ سکتے کہ اللہ یعرف کذا خدا پہچانتا ہے **فان المعرفة تستعمل فی العلم القاصر المتوصل به بتفکر** یعنی معرفت اس علم قاصر کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ جو بذریعہ **تفکر فی الاثار** حاصل ہوتا ہے۔ پس صرف یہ جاننا کہ لوگوں کے لئے ایک امام ہوتا ہے یا امام ہے۔ کافی نہیں بلکہ اس کے اوصاف و آثار کی معرفت ضروری ہے۔ **لان الدراک ذاته غیر مقدور و العلم ادراک الشی بحقیقتة فافهم** امام صفات پیغمبر میں شریک ہے۔ وہ بھی مثل پیغمبر شہید ہے۔ خواب و بیداری اس کے لئے مساوی ہے۔ پیغمبر تمام عوالم پر مبعوث ہے اور سب کے لئے نذیر ہے اور مقام پیغمبر آیات ذیل سے ظاہر ہے۔ **اذ راه نزلة اخری عند سدرة المنهتی عنده هاجنة الماوی اذ یغشی السدرة ما یغشی مازاغ البصر و ما طغی** سدرۃ المنتہی انتہائے محل ترقی موجودات ہے۔ علماً و عملاً اس سے اوپر محض نور جلال و جمالِ الٰہی ہے۔ پیغمبر اس مقام سے بھی اوپر گیا کہ جہاں جبرئیل کے پر جلتے ہیں کہ خود جبرئیل فرماتے ہیں۔ **لو دنوت انملة لاحترقت** کہا گر ایک انگلی برابر اوپر کا قصد کروں تو انوار جلال سے جل جاؤں (نور سے جلنا فرمایا ہے نہ کہ نار سے مقام تدبر ہے)

انوارالٰہیہ سدرۃ المنتہی کو احاطہ کئے ہوئے تھے۔ پیغمبر نے تمام اشیاء کو وہاں پر علماً و عملاً و حقیقۃً چشم جسمانی سے دیکھا اور آپ کی بصارت نے ذرا خیرگی نہ کی۔

آفتاب باوجودیکہ اس قدر بڑا ہے کہ زمین سے دوسو اٹھائیس گنا زیادہ ہے۔ پھر بھی تمام زمین کو روشن نہیں کرسکتا۔ زمین کا سایہ پڑتا ہے اور رات ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک انڈے کو بھی چاروں طرف سے روشن نہیں کرسکتا۔ مگر نور محمدی تمام اشیاء پر محیط ہے۔ یہ ہے وہ قوت جس سے رسول اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور اس طرح سے امام علیہ السلام جو اس کا قائم مقام ہے اور نور محمدی کی بابت خدا فرماتا ہے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون نور محمدی کو خدا ایک دن بالفعل کامل کرے گا اور وہ اس وقت ہوگا جس کی بابت فرماتا ہے اشرقت الارض بنور ربھا نور رب الارض سے زمین روشن ہو جائے گی اور وہ زمانہ ظہور مہدیؑ ہے اس سے نور آفتاب و مہتاب بیکار ہو جائیں کیونکہ ان کے نور بھی اسی نور سے ہیں۔ پس جب وہ خود جلوہ گر ہوگا۔ ان کی ضرورت نہ رہے گی۔ (۱)

غرض امام مثل پیغمبرؐ احاطہ نورانیہ رکھتا ہے اور کوئی شے اس کو حائل و حاجب نہیں اور تمام آئمہ اس وصف میں یکساں ہیں۔ جس طرح سے بے تار کی تار برقی تمام آوازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ آئمہ ہر آواز کو سُنتے ہیں اور ہر شے کو دیکھتے ہیں اور وہ مخزنِ قوتِ برق الٰہی ہیں اگر وہاں کمی یا خلل واقع ہو تو تمام عالم مختل ہو جائے جیسا کہ خزانہ قوت برقی میں اگر خلل پڑ جائے تو سب جگہ انقلاب پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام جس وقت پشت زین سے زمین پر گرے۔ عالم متزلزل ہو گیا۔ زمین و آسمان میں زلزلہ آ گیا۔ اس موقع بیان نہیں کرسکتا کہ امام زمان جو شہید ہے اور تمام حالات کو دیکھتا ہے اس کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ نہ معلوم سید الساجدین پر کیا گزری ہوگی جو خود کربلا میں موجود تھے۔ خود حضرت زینب خاتون صلوات اللہ علیہا جو تالی امام ہیں فرماتی ہیں کہ بعد غارتِ خیامِ اہلِ حرم شتروں پر سوار کر کے قتل گاہ میں لائے گئے۔ جب قریب لاشہائے شہدا پہنچے۔ ہر ایک نے خواہ مرد تھا یا عورت۔ بچہ تھا یا بڑا، لونڈی تھی یا غلام اپنے کو

حاشیہ (۱) اشرقت الارض بنورھا روی القمی عن الصادق فی ھذہ الایۃ قال رب الارض امام الارض قلت و اذا خرج یکون ماذا قال ان یستغنی الناس عن ضوع الشمس و نور القمر یجتزون بنور الامام و فی ارشاد المفیدؒ قال اذا ائم قائمنا اشرقت الارض بنورھا و استغنی الناس عن ضوء الشمس و ذھبت الظمۃ یعنی امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ رب الارض امام ارض ہے۔ راوی نے عرض کیا جب امام خروج فرمائیں گے تو کیا حالت ہوگی؟ فرمایا ان کے نور سے زمین چمک اٹھے گی اور لوگ ضیائے آفتاب اور نور مہاتاب سے بے نیاز ہو جائیں گے اور نور امام پر اکتفا کریں گے اور ارشاد مفیدؒ میں ہے کہ جب قائم آل محمدؐ کا ظہور ہوگا تو زمین نور سے روشن ہو جائے گی اور لوگ آفتاب کی روشنی سے بے نیاز ہو جائیں گے اور ظلمت بالکل ناپید ہو جائے گی اللھم عجل فرج محمد و آل محمد (بحارالانوار، الصافی ۹) (مولف)

اونٹوں پر سے گرادیا۔ مگر سید الساجدینؑ نہ اتر سکے۔ یہ مقام غور ہے کہ امام کیوں پیادہ نہ ہوئے کیا ان کو باپ سے محبت نہ تھی؟ کیا وہ نامہربان تھے؟ نہیں نہیں بلکہ وجہ یہ تھی کہ آپ کے پائے مبارک زنجیروں کے ساتھ پُشت شتر سے بندھے ہوئے تھے۔ میں خود نہیں کہتا بلکہ امام زمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔ آہ آہ اس وقت سے کہ جس وقت آپ کے اہلحرم اسیر تھے اور اُن کے پیر زنجیروں سے شکم شتر سے بندھے ہوئے تھے۔ غرض جس وقت قتل گاہ پہنچے اور ہر ایک نے بے اختیار اپنے کو اونٹ پر سے گرادیا۔ سب لاشوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک دوسرے کو تسلی و تعزیت کرتے اور پرسہ دیتے تھے کہ اتنے میں حضرت زینبؑ نے دیکھا حضرت زین العابدینؑ موجود نہیں۔ نظر کی تو دیکھا کہ اونٹ ہی پر سوار ہیں یجود بنفسہ قریب بہلاکت ہیں۔ جان پر کھیل رہے ہیں۔ مگر اتر نہیں سکتے۔ جناب زینبؑ نے یہ حالت دیکھ کر کہا اے برادرزادے تم تو حجت خدا ہو یہ کیا کر رہے ہو۔ کیوں جان پر کھیلتے ہو؟ فرمایا پھوپھی اماں۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ حجت خدا وہ ہے جو خاک وخوں میں غلطاں بے سر زمین پر پڑا ہوا ہے۔

لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ۔

موعظہ ہشتم

۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

" الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم و اتقوا اللہ و اعلموا ان اللہ مع المتقین"

ہر چند چاہتا ہوں کہ مطلب پر پہنچوں مگر نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک امر بزرگ میرے قلب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو کچھ آج تک بیان کیا گیا ہے۔ وہ صرف مقدمات تھے۔ نتیجہ و مطلب آج اور کل ظاہر ہو گا۔ لیکن جب نتیجہ کی نوبت آتی ہے۔ تو تم لوگ اس کو نہیں لیتے ضائع کر دیتے ہو۔ یعنی تم لوگ روز عاشورہ صورت عزاداری کو دوسری شکل میں تبدیل کر دیتے ہو۔ جس کا ایک حصہ اصل و حقیقت ہوتا ہے اور باقی نو حصے بے اصل و مخالف۔ غرض اس وجہ سے تم نتیجہ کو اخذ نہیں کر سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض باتیں ایسی ہیں جو بلحاظ تذکرہ جائز ہیں نہ بطور تعبد اور یہ ایام عشرہ محرم الحرام میں ہی منحصر نہیں بلکہ یہی قاعدہ دوسری جگہ بھی جاری وساری ہے۔ لیکن لوگ ان باتوں کو جو بغرض تذکر (یاد) جائز رکھی گئی ہیں۔ بطور عبادت کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ بہت سی بدعت کی باتیں اس میں شامل کر لیتے ہیں بلکہ اس کی صورت تماشے کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں اور وہ امور محض تماشہ بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ مشاہد و محسوس ہے۔

بہترین شے اعمالِ روزِ عاشورا میں ذوالجناح کا نکالنا ہے۔ نفس عمل اگر اغراض شخصیہ و دیگر مفاسد ومنا کر سے خالی ہو۔ موجب تذکر ہے۔ کیونکہ اس ایک صورت اصلیہ واقعیہ روز عاشورا موجود ہے کہ خالی ذوالجناح خبر لے کر خیمہ گاہ میں حاضر ہوا تھا۔ مگر جب اس کو بطور اسباب تماشہ نکالا جائے۔ مقصود اصلی سے خارج ہے۔ دیکھا اصلی سے خارج ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض حضرات لباس فاخرہ پہن کر ذوالجناح کے ہمراہ جاتے ہیں۔ سگار سگرٹ منہ سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ فاحشہ عورتیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں اور

اغراض شخصیہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ باتیں بہت بُری ہیں اور مخل و مضر غرض اصلی ہیں۔ یہ عزاداری و سوگواری کا دن ہے نہ تماشے اور زینت کا۔ روز عاشورا تماشہ نہ تھا۔ قیامتِ صغریٰ بپا تھی۔ کیا یہ تماشہ تھا کہ باپ بیٹوں کو خون میں نہایا ہوا دیکھ رہا تھا۔ مائیں اپنے جگر کے ٹکڑے پاش پاش دیکھ رہی تھیں۔ بہنیں بھائیوں کے ذبح ہونے کا نظارہ کر رہی تھیں۔

اگر ہم ذوالجناح لے کر غرض اصلی کے حاصل کرنے کے لئے جائیں تو بہتر ہے ورنہ اگر سیر و تماشہ کی غرض سے تو بہت بُرا ہے۔ ہم کو ذوالجناح اس طرح نکالنا چاہئے اور ہماری صورت ایسی ہونی چاہئے کہ جو بے خبر لوگ سیر و تماشے کی غرض سے آتے ہین وہ بھی ہم کو دیکھ کر ایسے متاثر ہوں کہ ہمارے ساتھ شریک ہوجائیں اور تماشہ بھول جائیں۔

ذوالجناح کا جواز قرآن سے

ذوالجناح وغیرہ کے بنانے اور نکالنے کا جواز قرآن سے ثابت ہے اور آیہ ذیل اس پر دال یعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل و جفان کالجواب وقدر و والراسیات (سباع ۲) یعنی بنی جان حضرت سلیمانؑ کو محراب ہائے عبادت انبیائے سابقین اور ان کی تماثلیں بنا کر دیا کرتے تھے اور حضرت سلیمانؑ بغرض تذکر بنوایا کرتے تھے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تذکر (یاد) کی غرض سے تماثلیں وغیرہ بنوانا جائز ہے اور فعل پیغمبر۔ لہذا ذوالجناح بنانا یا شبیہ روضہ امام حسینؑ وغیرہ بنانا جائز ہے۔ مگر غرض وہی ہونی چاہئے۔ جو پیغمبر یعنی حضرت سلیمانؑ کی تھی۔ یعنی محض تذکر کی غرض سے بنائے جائیں نہ کہ عبادت کے واسطے۔ مطلب صرف یہ ہو کہ ہماری ساری توجہ کربلا کی طرف منعطف اور اس خونی منظر کی اصلی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔ ان تمثالوں کو اگر کوئی صاحب اثر سمجھے کہ یہ بذاتہا ہمارے واسطے کچھ کر سکتی ہیں یا اثر رکھتی ہیں تو وہ مرتکب فعل حرام ہے اور گنہگار۔ یہی وجہ بت پرستوں کی مذمت کی ہے کہ وہ نفسِ تماثل و تصاویر کو صاحب اثر جانتے تھے او رجانتے ہیں۔ اوّل اوّل حضرت ادریس کے شاگردوں نے بغرض تذکر انبیاء علیھم السلام کی تصویریں اور پھر تماثلیں بنائیں۔ ایک مدت کے بعد لوگوں نے ان کو عبادت میں داخل کر لیا اور ان کی پرستش کرنے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ تک اس کا رواج ہو گیا تھا۔ اسی واسطے حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون یعنی یہ تماثیل کیا ہیں تم جن کے گرد ہو رہے ہو۔ تمام بتپرست ان بتوں کو خدا نہیں جانتے تھے۔ بلکہ نفس تماثیل کو عنداللہ شفیع جانتے اور کہتے تھے ھؤلاء شفعائنا عند اللہ یعنی یہ بت خدا کے پاس ہمارے شفیع ہیں لیکن چونکہ خود ساختہ پتھر قابل شفاعت نہیں ہو

سکتے۔اس لئے ان کو مشرک کہا گیا کہ وہ ان کو مظاہر صفات خدا جانتے تھے۔مگر رفتہ رفتہ ان کو معبود بھی کہنے لگ گئے اور لفظ الہ ان پر بولا جانے لگا۔غرض ان تماثیل کی دوصورتیں ہیں۔ایک جائز یعنی جب کہ محض تذکرے کے واسطے ہوں۔دوسری ناجائز، جب کہ ان کو صاحب اثر وحقیقی شفیع سمجھا جائے۔

مسئلہ تعظیم

اب رہا یہ امر کہ جن چیزوں کو بغرض تذکر بنایا جائے ان کی تعظیم بھی جائز ہے یا نہیں؟ہاں صاحب خیر و برکت اشیاء کی تعظیم جائز ہے اور قرآن اس پر شاہد ہے۔جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ **ان الصفا والمروۃ من شائر اللہ** ۔بیشک کوہ صفاومروہ شعائر الہیہ سے ہیں **والبدن جعلنھا من شعائر اللہ** قربانی کے اونٹ کو ہم نے شعائر سے قرار دیا ہے۔پھر فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا منتقوی القلوب** یعنی جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے۔تو یہ بات اس کے دلی تقویٰ کی نشانی ہے۔لیکن تعظیم کے یہ معنی نہیں جو ہندوستان میں عام طور پر خیال کئے جاتے ہیں۔یعنی سامنے جھکنا، سرنگون ہونا، سجدہ کرنا، جن شعائر کی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو سجدہ کیا جائے۔یا ان کے سامنے سرنگون ہوں اور نہ ایسا کیا جاتا ہے۔بلکہ تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ انہیں دیکھ کر خدا کو یاد اور اس کا ذکر کریں۔جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ **فاذکروا اسم علیھا** ۔یعنی اس پر اس خدا کا ذکر کرو۔شعائر کے معنی علامات ونشانیاں ہیں۔پس شعائر اللہ وہ خاص نشانیاں ہیں۔جہاں ذکر الٰہی کا حکم ہے اور جہاں اور جن سے خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے اور عظمت پیدا ہوتی ہے۔ہر شے کی تعظیم اس کی شان کے موافق ہوتی ہے۔مسجد کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں عبادت خدا بجا لائی جائے اور دنیاوی اور کاموں سے اجتناب کیا جائے اس کو پاک وصاف رکھا جائے۔ **وقس علی ذالکم**

مس کرنا و بوسہ دینا

جس طرح اشیاء متبرکہ کی تعظیم جائز ہے۔اسی طرح ان کو مس کرنا بوسہ دینا بھی نامشروع نہیں ہے۔آنحضرتؐ علی الصبح اصطبل میں تشریف لے جاتے تھے اور گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے **الخیل معقود بنو اصیھا الخیر الی یوم القیامۃ** یعنی گھوڑوں کی پیشانی سے تاقیامت خیر وابستہ ہے۔پس جس میں خیر و برکت ہو اس کی تقبیل اور اس پر ذکر خدا کرنا منع نہیں حضرت سلیمانؑ جب جہاد پر گھوڑے بھیجتے تھے۔تو ان کی گردنوں اور ٹانگوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور مس کرتے تھے۔اذعرض

علیہ بالعشی الصافنات الجیاد فقال انیاحببت جب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ردوھا علی فعفق مسحابالسوق والاعناق ایک ایک گھوڑا حضرت سلیمانؑ پر پیش کیا جاتا تھا اور حضرت ان کی گردن اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔غرض باخیر و برکت اشیاء کو مس کرنا درست و مباح ہے اور فعل انبیاء علیھم السلام۔ وعلی ہذا القیاس بوسہ دینا، بوسہ دینا یا تو بوجہ محبت ہوتا ہے جیسا کہ ماں باپ بیٹے کا منہ چومتے ہیں۔اس کی تعظیم کے لئے ایسا نہیں کرتے بلکہ بوجہ حجت اور کبھی بوسہ تبرکا و تھمینا دیا جاتا ہے جس طرح کہ قرآن اور جلد قرآن کو بوسہ دیتے ہیں۔جلد قرآن معمولی چمڑہ ہوتا ہے۔مگر قرآن کی جلد کہلانے اور قرآن کے ساتھ ملحق ہونے سے وہ بھی بابرکت ہوگیا کہ اس کو چومتے اور بوسہ دیتے ہیں۔اسی طرح غلاف خانہ کعبہ سے ملحق ہونے سے وہ بھی بابرکت ہوگیا کہ اس کو بوسہ دینا، مس کرنا مستحب ہے۔کیونکہ خانہ کعبہ محل خاص نزولِ رحمت پروردگار ہے۔ بلکہ اشیاء متبرکہ ایک اثر بھی رکھتی ہیں اور ایسے ہی ان کو مس کرنا اور بوسہ دینا دیکھو قصہ سامری۔

سامری قوم فرعون سے تھا۔جب قوم کے غرق ہونے کا حکم ہوا اور بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ وہ دریا سے گذر جائیں اور دریا شق ہوگیا۔ایک سوار بنی اسرائیل کے آگے آگے چلنے لگا تاکہ وہ خائف نہ ہوں۔سامری نے دیکھا۔اس سوار کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک ہے اور ایک کیفیت خاص رکھتی ہے۔سمجھا کہ اس میں کچھ اسرار ہے اور اس سوار کے گھوڑے کے سموں کی نیچے سے خاک اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی اور بنی اسرائیل دریا سے گذر گئے۔پھر جب اس کے نفس نے بہکایا اور حضرت موسیٰؑ کی غیبت میں اس نے ایک سونے کا بچھڑا بنایا تو اس میں وہی خاک ڈالی تو اس سے ایک آواز پیدا ہوگئی۔ عجلا جسدا لہ خوار اور جب اس سے دریافت کیا گیا کہ یہ گوسالہ متحرک کیوں ہوا؟ اور بولتا کیوں ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔قبضت قبضۃ من اثر الرسول کہ میں نے رسول (قاصد مراد جبرائیل) کے نشان قدم کی خاک ایک مٹھی بھر کر اٹھالی تھی۔اس کو میں نے اس میں ڈال دیا۔تو یہ بولنے لگا۔یعنی وہ سوار جو بنی اسرائیل کے آگے آگے تھا۔حضرت جبرائیل تھے اور ان کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک تھی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ دھات کا جسم بولنے لگا گویا یہ اثر تھا برکتِ قدم حضرتِ جبرائیل کا۔اس سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں کسی باخیر و برکت شے سے منسوب اور ان سے ملحق ہیں۔وہ بھی باعث خیر و برکت و صاحب اثر ہو جاتی ہیں۔لہذا وہ چیزیں جو پیغمبر خاتم النبین والفضل المرسلینؐ اور ان کی اولادِ طاہرین مخدوم جبرائیل امین کی طرف منسوب اور ان سے ملصق ہیں وہ کیوں باعث خیر و برکت و صاحب اثر نہ ہوں گی اور یہ برکت و اثر دراصل منسوب

الیہ کا اثر ہوگا۔ نہ حقیقتہ اُس شے منسوب کا جب جبرائیل کے گھوڑے کے پیر کی خاک میں اثر ہے تو قدم ذوالجناح میں کیوں نہ ہوگا۔ حضرت رسولؐ کا فرس جسے ذوالجناح کہتے ہیں۔ اس کا اصلی نام مرتجز تھا۔ حضرت اکثر اسی پر سوار ہوتے تھے۔ روز عاشورا امام مظلوم اول ناقہ قصوے پر سوار ہوئے اور جس وقت حضرت کا چاروں طرف سے دشمن نے احاطہ کرلیا ہے اس وقت حضرت نے اس مرتجز یعنی ذوالجناح کو طلب کیا اور اس پر سوار ہوئے اور یہ وہی مرتجز ہے جس نے حضرت کی سُنائی خیمہ اہلِ حرم میں پہنچائی ہے۔ اسی طرح علم ونشان جوان علموں کی شبیہ ہیں خود ایک اصلیت رکھتے ہیں اور جب علمِ نبوی کی طرف منسوب ہوں تو بہت ہی متبرک ہوجاتے ہیں اس لئے ان کو مس کرنا اور بوسہ دینا ناروا نہیں ہے۔

بہر حال کل کی عزاداری گذشتہ نو روز کا نتیجہ ہے چاہئے کہ کل تمہاری حالت ایسی ہو کہ گویا ابھی میدان کربلا سے آئے ہو اور دیکھنے والے تمہاری حالت سے متذکر ہوں اور عبرت پکڑیں۔ وجعلنا هم آئمة يهدون بامرنا لما صبروا صبر خصائص امامت سے ہے۔ کل وہ دن ہے کہ امام مظلوم نے تمام اوصاف نبوی و جملہ فرائض واحکام کو بجالا کے اور کر کے دکھلایا ہے تا کہ لوگ جان لیں کہ امامت وخلافت خاندان نبویؐ ہی سے مخصوص ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ روز عاشورا امام حسین علیہ السلام نے جو اس قدر آدمی قتل کئے یہ امر خلاف صبر ہے اور منافی رضا بقضائے الٰہی ہے۔ مگر معلوم ہے کہ جس وقت حضرت حمزہ شہید ہو گئے ہیں۔ اس وقت حضرت نے فرمایا کہ میں دشمنوں کے ستر آدمی حمزہ کے عوض قتل کروں گا۔ حکم خدا پہنچا تم کو ان پر اتنی ہی زیادتی کرنی چاہئے۔ جتنی کہ انہوں نے کی ہے اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بطور انتقام دشمنوں کو قتل کرنا خلاف صبر نہ تھا اور قتل دشمنان از روئے انتقام نہ تھا بلکہ یہ محض دفاع اور اتمام حجت کے لئے تھا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں تم سے مغلوب و عاجز ہو کر شہید نہیں ہوتا ہوں بلکہ حفاظت دین کے لئے شہادت قبول کی ہے۔ ورنہ اگر میں چاہوں تو ایک دم میں تمہیں فنا کردوں لیکن کیونکر یہ اتمام حجت ہوا کیا شجاعت اور لوگوں کو قتل کرنا کوئی حجت ہوسکتا ہے؟ دنیا میں بہت سے شجاع و بہادر گزرے ہیں۔ تو کیا ان کی شجاعت ان کی سچائی اور حقیقت کی دلیل ہے۔

ہاں بیشک جب شجاعت اس درجہ پر پہنچ جائے کہ طاقت بشری سے باہر ہو تو وہ ضرور حجت و علامتِ کرامت ہے۔

اس روز اسلام کامل اور کفر کامل کا مقابلہ تھا مسلم مطلق باسلام نبوتی کفار کے مقابل تھا۔ چنانچہ خدا

فرماتا ہے۔ ووصینا الانسان بوالدیه احسانا حملته امه کرها و وضعته کرها و حمله و فصاله ثلثون شهرا حتی اذا بلغ اشده و بلغ اربعین سنة قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی و ان اعمل صالحا ترضه و اصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک و انی من المسلمین (احقاف ع ۱)

پس وہ اس امت مسلمہ سے ہے۔ جس کا حضرت ابراہیمؑ نے ذکر کیا ہے۔ اسنے اپنی اس قوت روحانی سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا اور ثابت کر دیا کہ امام ذریت ابراہیم اولادرسولؐ ہی سے ہیں۔

حیرت انگیز حسینی شجاعت

بعد ظہر جب تمام احباب واصحاب وعزیز واقربا یارو انصار شہید ہو چکے۔ یہاں تک کہ ششماہہ شیر خوار بھی گلے پر تیر ستم کھا کر باپ کی گود ہی میں باپ پر قربان ہو گیا اور حسینؑ یکہ وتنہا رہ گئے۔ میدان جنگ میں تشریف لائے اور لشکر مخالف کے مقابل کھڑے ہو کر عمر سعد لعین سے مخاطب ہوئے اور اس طرح سے اتمام حجت فرمانے لگے اے لشکر جفا کار تین باتوں میں سے میری ایک بات قبول کر دیا تو مجھ کو چھوڑ دو کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤں۔ جواب دیا، یہ نہیں ہوسکتا۔ فرمایا اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مجھے پانی پلا دو۔ ملاعین نے کہا یہ بھی ممکن نہیں۔ پھر فرمایا اچھا اگر یہ بھی نہیں کرتے تو پہلے مجھ سے ایک ایک شخص لڑنے کو آئے۔ کہا یہ منظور ہے۔ اول یزید ابطحی حضرتؑ کے مقابلہ کے لئے آیا اور سامنے آکر حضرتؑ کو سخت وسست کہنے لگا۔ حضرتؑ نے بکمال وقار وصبر نبوتی ایک شمشیر اس کے سر پر لگائی۔ جو زین تک کاٹتی ہوئی نکل گئی اور وہ دو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بعد ازاں دو شخص اور آئے اور حضرت نے ان کو بھی ایک ہی وار میں قتل کر دیا اور ازاں تین آئے ان کو بھی حضرتؑ نے اسی طرح فی النار کیا۔ اس کے بعد چار شخص اور آئے انہیں بھی ایک ہی وار میں فی النار کیا۔ یہاں تک کہ دس دس آنے شروع ہو گئے اور حضرت نے اسی مقام پر کھڑے کھڑے علاوہ مجروحین کے نوسو پچاس آدمی قتل کئے۔ یہ حال دکھ کر پھر کسی نے جرات نہ کی اور کوئی حضرت کے مقابلہ پر نہ آیا۔ شمر معلمون نے دیکھا کہ لوگوں میں شور وغوغا مچ گیا ہے۔ گھبرایا عمر سعد سے کہنے لگا تو نہیں جانتا کہ یہ انزع البطین (علی) کا بیٹا ہے۔ کون اس کے مقابلہ میں آسکتا ہے۔ چاہئے کہ چاروں طرف سے حملہ کیا جائے۔ حضرتؑ کے پیچھے کی طرف خیام تھے اور سامنے لشکر۔ آخر کار چاروں طرف سے آن کر احاطہ کر لیا۔

اس وقت حضرتؑ نے ان پر حملہ کیا تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے **فشد علیهم** یعنی نہایت سخت حملہ کیا۔ **فکانهم جراد منتشر** مثل ٹڈیوں کے منتشر ہو گئے اور پھر بکریوں کی طرح بھاگتے تھے۔

فکانھم حمر مستنفرة فرت من قسورة اوراس طرح بھاگتے تھے جس طرح شیر ببر سے وحشی جانور اور گدھے بھاگتے ہیں۔یعنی پیادوں کا وہ حال تھا اور سواروں کا یہ۔فوج کے فرار کی یہ کیفیت تھی کہ حضرتؑ اس حملہ میں ان کو شکست دیتے ہوئے بنا پر ایک قول کے ذوالکفل تک پہنچ گئے جو اس مقام سے بارہ (۱۲) میل کے فاصلے پر ہے۔جہاں حضرتؑ نے اپنا علم نصب کیا ہوا تھا۔پھر وہاں سے لوٹ کر حضرت اپنے نیزہ کے پاس آئے اور فرمایا لا حول و لا قوة الا باللہ تاکہ لوگ جان لیں کہ میں خدا نہیں ہوں اور درجہ امامت ان پر ظاہر ہو۔اس عرصہ میں حضرتؑ نے جتنے لوگ قتل کئے ان کی تعداد مورخین بہت کچھ لکھتے ہیں۔بعض تو دس ہزار تک لکھتے ہیں۔مگر کم سے کم شمار مقتولین (1950 ہے اور ان حملوں کو صرف 53 منٹ کا عرصہ لگا یعنی 53 منٹ میں ایک ہزار نو سو پچاس آدمی قتل کئے۔یہ شجاعت فوق طاقت بشری دلیل امامت ہے۔پس حضرتؑ نے یہ حملات اثبات امامت کے لئے تھے۔نہ از راہِ انتقام اور باوجود اس قدر قتل و خون کے اس عرصہ میں حضرت کے جسم اقدس پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا۔جس وقت تک کہ حضرت نے ایک آواز آسمان سے نہ سنی۔کوئی زخم جسم اقدس پر نہ کھایا۔

پس وجود امام میں ایک قوت ہوتی ہے جو تمام قوتوں سے زیادہ ہے گویا ایک قوتِ برقی ہے۔فوقِ تمام قوے۔بلکہ وجود امام مخزن قوت برقی ہے کہ دوسروں کو اس سے تقسیم ہوتی ہے۔وہ قوت ہے کہ اگر یہ مامور ہوتے۔تو یہ وجود عنصری بھی عرش پر پہنچ جاتا۔لیکن چونکہ معراج خصائص نبوت سے ہے۔لہذا ایسا نہ ہوا۔ورنہ ان سب کے بدن ایک ہیں۔حدیث اس کی تصریح کرتی ہے۔کہ پیغمبر و امام ایک جسم و ایک جان ہیں۔مشہور ہے حدیث خرمہ ہائے صدقہ۔کہ ایک مرتبہ پیغمبر کے سامنے صدقہ کے چھوہارے رکھے ہوئے تھے۔امام حسنؑ جو نہایت کم سن تھے۔ان میں سے ایک چھوہارا اٹھا کر منہ کے قریب لے جانے لگے تو حضرت نے فرمایا کخ کخ اما تعلم ان الصدقة علینا محرم یعنی فرمایا۔ہیں کیا کرتے ہو۔کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔یہاں پر حضرتؐ نے علینا فرمایا ہے یعنی حضرت حسنؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا ہے اور بصیغہ جمع فرمایا کہ ہم پر صدقہ حرام ہے۔ہم سب ایک ہیں۔گویا اتحاد جسمانی و روحانی رکھتے ہیں اور سب کے سب تمام حالات میں یکساں ہیں۔نیز آیہ مباہلہ بالصراحت وال ہے کہ یہ سب آپس میں ایک نفس ہیں کہ بصیغہ جمع فرمایا ہے (انفسنا و انفسکم) ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔کہ کوئی پیغمبر پر یہ اعتراض نہ کرے کہ پیغمبر نے ایک کمسن بچے سے اس قسم کا استفہام کیوں کیا جو ایک باخبر جاننے والے شخص سے کیا جاتا ہے یعنی جناب امام حسن سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے؟ گویا مقصود یہ ہے کہ تم جانتے ہو تمہیں ایسا نہیں چاہئے کیونکہ حسن کا حال عوام

الناس کا سا حال نہیں۔ حسنؑ وہ ہیں جو اس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے اور تمام حلال و حرام سے واقف تھے۔ اس واسطے پیغمبر نے ایسا فرمایا **فان الحسن فی ذالک الوقت یلاحظ اللوح المحفوظ** چوبیس چیزیں خصائص نبوت سے شمار کی گئیں ہیں جن سے اکثر خصائص شترکہ ہیں نبی اور امام میں اور بعض مخصوص ہیں۔ جناب ختمی مرتبت سے منجملہ ان کے ایک آپ کے جسم اقدس کا بے سایہ ہونا ہے اور یہ حسب روایت امام رضاؑ حضرات آئمہؑ کے لئے بھی ثابت ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ لیکن جب یہ نور فعلاً درجہ کمال پر پہنچے گا **واللہ متم نورہ و لو کرہ المشرکون** اس وقت یہ تمام صفات و خصائص مع اشیاء زائدہ ظاہر ہوں گی اور اکمال و اتمام اس نور کا وقت ظہور امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ ہوگا۔ جس کا آئندہ ذکر آئے گا اور یہ صحیح ہے اور آیات اس پر شاہد ہیں۔ **فاستبقو الخیرات اینما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا** خیرات کی طرف جلدی وسبقت کرو۔ جہاں کہیں تم ہو گے خدا تم کو جمع کرلائے گا۔ اس سے مراد قیامت نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ قیامت میں اشرار کو پیدا نہ کرے گا۔ حالانکہ اس وقت حشر مطلق ہے۔ بلکہ مراد اس سے زمانہ مہدی عجل اللہ ظہورہ ہے۔ بارہ شخص ایک جگہ جمع ہو کر معراج کو جائیں گے **علیہم الصلوۃ و السلام**۔

نبی کی قوت اور معراجِ جسمانی

مخالفین اسلام جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ مدرک ان کا کتب اہل اسلام ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر کی معراج جسمانی کے متعلق حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ شب معراج جسم پیغمبر بستر سے غائب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ معراج، معراج روحانی ہوئی تھی اور اسی طرح معاویہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اس نے آیہ مجیدہ **و ما جعلنا الرویا التی ارینا ک الافتنۃ للناس** (الخ) کی تفسیر میں بیان کیا کہ معراج حضرت محض روحانی خواب تھا۔ لیکن یہ حضرت عائشہ پر محض افترا ہے۔ انہوں نے ہرگز نہیں فرمایا۔ کیونکہ معراج بنا پر ایک قول بعثت کے تیسرے سال مکہ میں واقع ہوئی ہے اور حضرت عائشہ آخر سن ہجرت میں عقد پیغمبر میں آئیں اور بعد ہجرت آٹھ ماہ بعد مدنیہ میں حضرت کے گھر آئیں۔ پھر حضرت عائشہ کو بستر پیغمبر کی کیا خبر۔ یہ محض تہمت ہے۔ اگر حضرت عائشہ اس طرح فرماتیں تو اس وقت سب تکذیب کرتے کہ تمہیں کیا خبر۔ تم شب معراج خانہ پیغمبر میں کب تھیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے پیغمبر سے سن کر روایت کی ہوگی تو چاہئے تھا کہ قال رسول اللہ فرماتیں نہ کہ اپنا قول۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ معاویہ نے ایسا کہا۔ لیکن اس کا قول سند نہیں وہ...... عدو پیغمبر تھا اور وہ اس وقت مسلمان بھی نہ تھا۔ بعد فتح مکہ **مولفۃ القلوب** لوگوں میں داخل ہوا

ہے۔ بعد ازاں مسلمانوں نے جو فلاسفہ کے قول سننے کے عادی ہو گئے تھے کہ کوئی جسم کرہ ہوائی سے باہر نہیں جا سکتا تو انہوں نے بھی اعتقاد کر لیا۔ کہ معراج حضرت روحانی تھی، نہ جسمانی اور ان روایات کی بھی تصدیق کر لی۔ منکرین نبوت ہمیشہ اسی طرح کی حدیثیں سناتے رہتے ہیں اور پیغمبر اسلام پر افترا کرتے ہیں۔ رہے فلاسفہ سوان کے اقوال خود متضاد ہیں۔ سند نہیں ہو سکتے۔ اولاً مقدمات میں بیان کرتے ہیں۔

کہ ہوا دو قسم کی ہے ایک اندرونی، دوسری بیرونی اور ہر ایک جسم ان دونوں ہواؤں کے دباؤ سے قائم ہے اور بیرونی ہوا کا اندرونی ہوا پر دباؤ پڑتا ہے اور اندرونی ہوا اپنی کشش سے بیرونی ہوا کو اندر کھینچتی ہے اور اس طرح سے اندرونی ہوا باہر نکل آتی ہے۔ اگر بیرونی ہوا کا دباؤ اور بیرونی ہوا نہ ہو تو اندرونی ہوا کے زور سے کھال پھٹ جائے اور جسم پاش پاش ہو جائے اور حسّی ثبوت بھی دیتے ہیں کہ سینگی لگانے میں سینگی کو ہوا سے خالی کر لیا جاتا ہے اور جہاں سینگی لگانی ہوتی ہے۔ اس مقام کی ہوا بھی چوس کر خالی کر دی جاتی ہے اور سینگی کو چپکا دیا جاتا ہے تو اس مقام سے جسم پھٹ جاتا ہے اور خون نکل آتا ہے۔ جو مشاہد و محسوس ہے غرض جب جسم پر بیرونی ہوا کا دباؤ نہ رہے۔ یا جسم ایسی جگہ ہو۔ جہاں یہ ہوا نہیں ہے تو اندرونی گیس جسم کو پاش پاش کر دیتی ہے اور جسم سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں کب ممکن ہے کہ کوئی جسم اس کرہ ہوا سے باہر چلا جائے یا آسمان پر پہنچ جائے۔ لیکن ان کا یہ استدلال خود ہی ان کے اصول کی رو سے باطل ہے کیونکہ ہوا بھی خود جسم ہے اور یہ تثاقل و انجذاب (دباؤ و کشش) اس میں بھی موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز بارش نہ برستی۔ اسی طرح اگر ہوا کے اوپر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ ہو اور اپنے مقام سے باہر ہو جائے اور اسی طرح زمین بھی فنا و متلاشی ہو جائے۔ یعنی وہ قائل ہیں کہ کرہ ہوائی جو ایک جسم ہے زمین کو چاروں طرف سے محیط ہے اور اپنے گرد کی ہوا کو کشش زمین اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جب ہوا بھی ایک جسم ہے اور تثاقل اور تجاذب اس میں موجود ہے اور فلاسفہ اس کے لئے قائل ہیں کہ مثلاً 45 میل سے اوپر ہوا نہیں ہے۔ خلا (اتومسفر) ہے تو اس کرہ ہوائی پر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ رہا۔ ان کے اس قاعدہ اولیہ کے موافق چاہئے کہ جسم ہوا بھی منتشر ہو جائے اور اس کا حجم خلاء کی طرف کو پھیلتا جائے اور اسی طرح جب زمین پر اس ہوا کا دباؤ نہ رہا تو چاہئے کہ وہ بھی فنا و متلاشی ہو جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے قائل ہیں۔ پس یا تو وہ اپنے اقوال میں تناقض صریح کو تسلیم کریں یا اپنے قاعدے کی غلطی مانیں۔ علاوہ ازیں وہ قائل ہیں کہ آفتاب اول مخلوق ہے۔ جو اجزا فردیہ مادیہ کی حرکت و کشش دائمی طبعی سے پیدا ہوا ہے اور باقی تمام کرات و اجسام اسی کی کشش سے قائم ہیں اور یہی مرکز عالم ہے۔ پس اس بنا پر چاہئے کہ آفتاب اپنی کشش دائمی سے زمین کے گرد کے کرہ ہوائی کو اپنی

طرف کھینچ لے ورنہ یہ اصول باطل ہے اوران کو قائل ہونا چاہئے کہ ان تمام چیزوں کے سلسلہ نظام کو قائم رکھنے والی اور ہی کوئی قوت خارجی ہے جو اس مادے سے بالا اور اس سے علیحدہ ہے۔ یہ جو قائل ہیں کہ مادے میں حرکت دائمی ہے۔ بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ حرکت کا مفہوم ہی حدوث پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا حرکت بعد سکون ہے۔ یا حرکت بعد حرکت۔ اگر بعد سکون ہے تو بھی قدیم نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے سکون موجود ہے اور اسی طرح اوپر کو لیتے جاؤ کہ حرکت سے پہلے حرکت اور اس حرکت سے پہلے حرکت الی غیر النہایت۔ تو ضرور آخر میں منتہی بسکون ہوگی۔ لہذا حرکت کسی طرح قدیم نہیں ہوسکتی۔ حکماء نے دراصل جذب و دفع ہی کو نہیں سمجھا اور آخر کار انہیں سکوت اختیار کرنا پڑا ہے۔ تمام قوائے جاذبہ و دافعہ علۃ العلل و مسبب الاسباب کے دست قدرت میں ہیں اور وہی موثر حقیقی ہے۔ تمام موجودات میں۔ اور خزانہ ان تمام قوائے برقیہ وابروقیہ کا وجود پیغمبرؐ ہیں کہ اول صادر از مصدر ہے ہر شے کو وہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ کوئی شے اس سے مافوق نہیں الا خداوند عالم۔ پس پیغمبر کا معراج پر تشریف لے جانا اسی قوت کے ذریعہ تھا۔ جذب بھی اس کے اختیار میں ہے۔ دفع بھی اس کے ماتحت۔ جب مشیت الٰہی ہو جہاں چاہے وہ جا سکتا ہے۔ کوئی شے اسے مانع و حاجب نہیں ہوسکتی۔ قرآن ان تمام امور کو بیان کرتا ہے۔ سبحان الذی اسرے بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ (الخ) یعنی پاک و پاکیزہ ہے وہ خالق عالم جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے اول مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جس کے اطراف و جوانب بابرکت ہیں۔ پس اصل لے جانے والا خدا ہے جو قادر مطلق و خلاق عالم ہے۔

یہی قوت وجود امام میں بھی موجود ہے اور اسی قوت سے ہر شے پر غالب آتا ہے۔ امام حسینؑ مظلوم نے لشکر مقابل سے تین درخواستیں کی ہیں کہ ایک ان میں سے پانی کی خواہش تھی اور چند مرتبہ ایسا کیا اور متعدد طریق سے اس کو ظاہر کیا اور پھر دریا پر پہنچ کر بھی پانی نہ پیا۔ حالانکہ شدت تشنگی کا یہ حال تھا کہ تقریباً 9 بجے صبح کے حر بن یزید ریاحی لشکر مخالف کے مقابل تشریف لے گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے لوگو تم نے اس عبد صالح کو بلایا اور اب تم اس کے ساتھ مکر و حیلہ سے پیش آئے۔ وہ جانے کی اجازت مانگتا ہے مگر تم نہیں چھوڑتے اور پانی کو اس پر بند کر دیا ہے۔ جس کو کفار و مشرکین سگ و خوک پیتے ہیں اور تشنگی کی یہ شدت ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے شدتِ تشنگی سے اٹھ نہیں سکتے۔ کھڑے ہوتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ انتہا۔ پس جب صبح کے وقت پیاس کی یہ شدت تھی۔ تو عصر کے وقت کیا حال ہوگا؟ مگر معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ کنارہ فرات پر پہنچ کر بھی پانی نہ پیا؟ سبب اس کا یہ تھا کہ خداوند عالم فرماتا ہے استعینوا بالصبر

والصلوۃ اور یہ روزان تمام باتوں کے عمل کرنے کا ہے۔امام حسینؑ نے فرات میں داخل ہوکر دکھایا کہ ہم دریا لے سکتے ہیں۔لیکن داخل ہوکر بھی نہ پیا تاکہ عمل کی مثال قائم کریں اور دنیا سے پیاسے اور روزہ دار اٹھیں کہ باوجود قدرت کے اس طرح کا صبر کیا کرتے ہیں جو صبر کے اصل معنی ہیں اور صبر امام یہ ہے جو دلیل امامت ہے اور یہ اثر اسی قوت کا ہے۔جو نبی اور امام کے لئے مختص ہے۔اور دو مرتبہ اس کلمہ کا اظہار فرمایا۔سات حملے لشکر پر کئے۔تیسرے حملہ میں نہایت غضبناک ہوئے نہ معلوم کیا وجہ تھی۔بعض مورخین کہتے ہیں کہ نہر علقمہ پر لاش برادر دیکھ کر غضب میں آئے تھے۔ابن تمیم نامہ نگار کہتا ہے کہ میں نے کسی دل شکستہ کو مثل امام حسینؑ جری و پر دل نہیں دیکھا کہ جس کے بھائی، بھانجے، بھتیجے، بیٹے سب قتل ہو چکے تھے۔مگر اس حالت میں اس نے مثل شیر غضبناک حملہ کیا اور نہر علقمہ میں داخل ہو گئے اس وقت ایک آواز سُنی کہ کوئی کہہ رہا ہے۔و علی قول یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو۔یعنی وقت شجاعت ختم ہوا یہی وقت شہادت ہے۔فکف عن القتال وضع علی یدہ و قال انا للہ و انا الیہ راجعون لڑائی سے ہاتھ اٹھالیا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا انا للہ و انا الیہ راجعون۔یعنی ہر حال میں راضی برضا ہیں۔جب لشکر مخالفین نے دیکھا کہ حسینؑ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔چاروں طرف سے گھیر لیا۔میں یہاں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کیا۔اس وقت امیر المومنین کی تاسی کی یعنی دیکھا گیا کہ عمامہ دوٹکڑے ہے آپ نے نہ چاہا کہ بہنیں آپ کو اس حال میں دیکھیں۔دامن قبا پھاڑ کر سر کے زخم پر باندھ لیا۔قربان بےکس مظلوم پر کہ کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ زخموں پر پٹی باندھے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

قال بعض الرواۃ ما ریت مکسورا قط قد قتل ولدہ و اھلبیتہ و اصحابہ اربطجاشامنہ و ان کانت الرجالۃ تشد علیہ فیشد علیھا بسیفہ فتنکشف انکشاف المعزی اذا اشتد فیھا الذئب و لقد کان یحمد فیھم و قد تکملوا ثلیثین الفافینھزمون بین یدیہ کانھم الجراد المنتشر ثم یرجع الی مرکزہ و ھو یقول لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔یعنی راوی کہتا ہے میں نے کسی شکستہ دل کو جس کے اصحاب و اقربا اور اہل بیت سامنے قتل ہو چکے ہوں حسینؑ سے زیادہ قوی القلب اور مستقل مزاج نہیں دیکھا کہ اگر آپ پر پیادے حملہ کرتے تھے تو آپ ذوالفقار لے کر جھپٹے تھے تو ان کی بھیڑ اس طرح پھٹ جاتی تھی جیسے کہ بکریوں میں بھیڑیا آن پڑتا ہے اور وہ جناب ان پر حملہ آور ہوتے تھے درآنحالیکہ وہ پورے تیس ہزار تھے پس وہ آپ کے آگے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح ٹڈیاں اڑتی ہوں۔ابن شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب نقل کرتے ہیں کہ ان حملوں میں اس تشنہ لب مظلوم نے ایک ہزار نو سو پچاس ناریوں کو فی النار کیا بابی انت و امی یا مظلوم (عاشر بحار)

موعظہ نہم

۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعو ا کل اناس بامامھم

انقلاب واضطراب عالم امکان

اذا الشمس کورت واذاالنجوم انکدرت و اذا الجبال سیرت واذاالعشار عطلت و اذا الوحوش حشرت واذا البحار سجرت و اذا النفوس زوجت و اذا المووۃسئلت بای ذنب قتلت (الخ)

آج کے دن دنیا میں ایسا عجیب و ہولناک واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے۔ جس سے ماسوائے اللہ عرش سے فرش تک جمیع موجودات خواہ محسوس ہوں یا غیر محسوس متاثر ہوئے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب چاند زمین و آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ تو آفتاب کو گہن لگتا ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ بوجہ کمی حرارت و سوزش آفتاب کو گہن لگا ہے اور معلوم ہے کہ جب تک اس میں تاثیر نہ ہو اور کسی حادثہ سے متاثر نہ ہو حرارت کم نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس واقعہ ہائلہ سے اجرام فلکی بھی مثل آفتاب بے متاثر ہوئے نہ رہ سکے (اس دن آفتاب کو گہن لگنا اس پر دال ہے اذا الشمس کورت) غرض اس روز کے خونی منظر نے تمام موجودات میں اثر کیا۔ مگر ذات واجب الوجود کہ وہ محل عوارض و حوادث نہیں ہے۔ اس کو رنج و الم نہیں پہنچتا۔ البتہ آثارِ ملال اس سے بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ملاّ محتشمؔ نے باحسن طرُق اس کو ظاہر کیا ہے کہ جس وقت قطرہ خون حسینی زمین پر گرا۔ عرش ذوالجلال متزلزل ہو گیا۔

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال
او در دل است وہیچ دے نیست بے ملال

مُلاّ مرحوم نے اوّل یک مصرعہ کہا اور چھ ماہ تک متفکر و حیران رہے۔ مگر دوسرا مصرعہ نہ ہوا۔ آخر کار

ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ یہ مصرعہ لکھوا اور مصرعہ ثانی بتلایا اس شعر میں ملاّ نے بطور تمیہ غضب وقہر الٰہی کو بیان کیا ہے یعنی غضب وقہر ذات الٰہی پر عارض نہیں ہوتا۔ تالّم سے اس کی ذات منزہ ہے۔ لیکن اس کا اثر یعنی انتقام وتعذیب وغیرہ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس واقعہ ہائلہ سے خداوند قہار اہل دنیا پر غضبناک ہوا اور آثار قہاریت اس سے ظاہر ہوئے۔

حسینی شہادت کا دردناک منظر

اس روز شروع جنگ سے حضرت پر تین حالتیں گذری ہیں۔ ایک وہ حالت ہے جب کہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ دوسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت پشت زین سے زمین پر تشریف لائے اور بیٹھے ہوئے ہیں۔ تیسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت بیٹھنے سے بھی معذور ہیں۔ زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ حالتِ اوّل میں تمام ذرات عوالم کی توجہ حضرتؑ کی طرف مائل ہے اور اس کے آخر وقت میں یعنی جب گھوڑے سے گرنے لگے ہیں۔ عقول قادسیہ میدان کربلا میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت ذواتِ علویہ و موجوداتِ سماویہ سے کوئی باقی نہ تھا جو کربلا نہ پہنچ گیا ہو۔ یہ ملائکہ اس وقت کیوں کربلا میں آئے تھے؟ وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام نے نعرہ نصرت بلند کیا اور فرمایا هل من ناصر ينصرنا (کیا ہمارا کوئی ناصرو مددگار ہے جو ہماری نصرت اور یاری کرے) یہ آواز امام وولیِ زمان آوازِ ابرہیمی تھی۔ تمام موجودات و ذراتِ عالم امکان میں پہنچی۔ عالم امکان میں زلزلہ پڑ گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب حکم ہوا کہ اذن في الناس بالحج (الخ) لوگوں کو حج کے لئے بلاؤ اور ندا دو۔ حضرت ابراہیمؑ نے آواز دی۔ تمام موجودات محسوس اور غیر محسوس کو پہنچی۔ جس نے لبیک کہا وہ حج کو جاتا ہے اور مشرف ہوتا ہے۔ جس نے لبیک نہیں کہا وہ حج نہیں کرسکتا۔ اس طرح سے یہ آواز امام آواز مطلق تھی۔ جمیع ذرات عالم کو پہنچی کہ امام زمان فرماتے ہیں فضجت الملائكة یعنی ملائکہ میں شور وغوغا برپا ہو گیا اور انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ عترت رسول پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے؟ کہ عالم امکان مع عرش اعظم متزلزل ہے اور اجازت چاہی کہ نصرت حسینؑ کو میدان کربلا میں پہنچیں۔ حسین مظلومؑ کے اس استغاثہ میں خداوند عالم بھی شامل ہے کہ استغاثہ مطلق ہے کہ کون میرا ناصر و مددگار ہے؟ لہذا اس استغاثہ کا جواب اول باری تعالیٰ سے ملا اور ایک کاغذ سفید حسین علیہ الصلوۃ والسلام کے دست مبارک پر گرا۔ اس میں لکھا ہوا تھا اے حسینؑ ہم نے تمہارے اوپر شہادت کو واجب نہیں کیا ہے۔ بلکہ مختار ہو چاہے اختیار

کرو۔ چاہے نہ کرو۔ تمہارے درجات ومراتب میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوگی۔ حضرت نے شہادت کو اختیار کیا۔ بعدازاں ملائکہ آئے کہ حضرتؑ کی نصرت کریں۔ حضرت نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ بار الہا میں ان کی مدد نہیں چاہتا۔ تیری لقاء کا خواستگار ہوں۔ کیوں حضرت نے نصرت نہ چاہی؟ فعل امام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ حکمت ظاہر ہے جب حضرت تنہا رہ گئے ہیں۔ نہ بھائی ہیں نہ بیٹے نہ بھانجے۔ نہ بھتیجے نہ احباب نہ اصحاب۔ اس وقت حضرت زندہ رہ کر کیا کرتے۔ اس کے بعد منظر ہولناک شروع ہوا۔ حتی کہ وہ حالت ہوئی کہ ملائکہ مقربین مثل حاملان عرش بھی زمین پر آ گئے اور یہ حالت یعنی سواری ختم ہوئی اور دوسری حالت یعنی پیادگی کا وقت آیا۔ لیکن یہ امر کہ حالت سوار و پیادگی میں کتنا فاصلہ تھا اور کس طرح سے زمین پر تشریف لائے اور کہاں؟ میں بیان نہیں کرسکتا گرنے کی کیفیت کو مورخین نے نہیں لکھا کہ حضرت کس طرح سے زمین پر گرے۔ مگر بقول امام زمان عجل اللہ فرجہٗ وہ حالت نہایت دردناک و غم انگیز ہے۔ کیونکہ حضرت کا فقرہ یہ ہے **هويت الى الارض جريحا** اور هــوىٰ کے معنی سر کے بل گرنے کے ہیں یعنی مقصود امام زمان عجل اللہ ظہورہ کا ہے کہ اے جد بزرگوار جب تیغ و سنان۔ نیزہ و تیر کے زخموں سے آپ کا جسم اقدس گھائل ہوگیا اور پشت زین پر سنبھل نہ سکے تو منہ کے بل پر گر پڑے۔ داہنے رخسارے کے بل زمین پر گرے۔ اس وقت زمین کانپ اٹھی اور زلزلہ پیدا ہوا۔ ملائکہ موکلین کو حکم ہوا کہ تھام لو۔ جو لوگ زیارت روضہ اقدس سے مشرف ہوئے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ وہاں نہر حسینیہ کی طرف ایک مقام بنا ہوا ہے۔ جو مقام عجل اللہ فرجہ کے نام سے موسوم ہے اور مقام حضرت صادق علیہ السلام نہر علقمہ کی جانب ہے کہ جہاں حضرتؑ قیام فرماتے اور رویا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ مقام ہے جہاں سے میرے چچا حضرت عباس داخل فرات ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام حضرت عجل اللہ فرجہ وہ مقام ہے جہاں امام مظلوم گھوڑے سے گرے وہ جگہ اس مقام سے جہاں اب ضریح حضرت ہے بہت فاصلہ پر ہے نہ معلوم کس طرح امام مظلوم یہاں تک پہنچے اور کتنی جگہ قیام فرما کر یہاں آئے۔ حضرت کے یہاں پہنچنے کی حالت نہایت درد انگیز و غم انگیز ہے۔ تواریخ میں لکھا ہے **تارة ينوء و تارة يكبو او يقوم مرة و يكب اخرى** کبھی تو آپ کھڑے ہوکر چند قدم چلتے تھے اور کبھی منہ کے بل زمین پر گر پڑتے تھے۔ کیوں حضرات کیا وجہ تھی کہ امام مظلوم گر پڑتے تھے؟ آپ سمجھتے ہوں گے کہ ضعف کی وجہ سے۔ ضعف نہ تھا بلکہ جب حضرت اٹھ کر چند قدم چلتے کوئی شقی نیزہ مارتا اور کوئی تلوار تو حضرت گر پڑتے تھے **انا للہ و انا الیہ راجعون** آیا

اس وقت حضرت کے ساتھ ہتھیار تھے یا نہیں؟ اس وقت کوئی ہتھیار حضرت کے پاس نہ تھا کیونکہ جب گھوڑے سے گرے ہیں حضرت نے ذوالفقار، زرہ، دوالفصول عمامہ سحاب اور تمام تبرکات گھوڑے سے باندھ دیئے کہ لے جائے اور وہ ایک تلوار جو گھوڑے سے بندھی ہوئی تھی وہ کمر سے باندھ لی کیونکہ حضرت عازم الی اللہ تھے۔ تبرکات نبوی کو جدا کر دیا کہ اس کے مستحق کو پہنچا دیئے جائیں۔ غرض جس وقت زمین متزلزل ہوئی۔ اہل بیت نبوی سمجھ گئے کہ کیا ماجرہ ہے خیموں سے نکل کر تل زینبیہ پر آ کر کھڑے ہو گئے اور میدان کی طرف دیکھتے گئے دیکھا کہ فوجوں کے گروہ ایک طرف کو جاتے ہیں اور پھر واپس آ جاتے ہیں۔ آخر کار یہ معرکہ آہستہ آہستہ خیمہ گاہ کے مقابل آ گیا اس وقت اہل حرم نے معلوم کیا کہ حسین مظلوم اسی جماعت میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ لوگ ان پر حملے کر رہے ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت تیس ہزار آدمی حضرت کو گھیرے ہوئے تھے اور ان کے قتل کو ثواب جان کر بڑی بے رحمی سے قتل کر رہے تھے۔ اس وقت ایک دستہ فوج جو اہل حرم کے سامنے تھا۔ دوسری طرف ہٹ گیا۔ تب انہوں نے دیکھا کہ حسین مظلوم تلوار ٹیکے بیٹھے ہوئے ہیں اسی اثنا میں ایک بچے کی نظر حضرت پر پڑی۔ عورتوں کی صف سے جدا ہو کر امام مظلوم کی طرف دوڑا۔

شہادت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ

اس لٹے ہوئے قافلہ کی سالار حضرت زینبؑ خاتون نے دیکھا۔ دوڑ کر پکڑ لیا اور فرمایا این قرۃ عینی اے نور چشم کہاں جاتے ہو؟ عرض کیا پھوپھی اماں میرے چچا جان کو دیکھتی ہو کہ کس حالت میں ہیں۔ اس حالت کو امام مظلوم ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آواز دی ''اے بہن'' اس بچے کو نہ چھوڑنا۔ مگر مظلومیتِ حسینی کی کششِ مقناطیسی کب چھوڑتی تھی۔ بچے کا دامن پھٹ گیا اور وہ میدان کی طرف چل دیا۔ صفوں کو چیرتا ہوا پہنچا۔ اور اپنے آپ کو حضرت پر گرا دیا اور دونوں ہاتھ حضرت کی گردن میں ڈال دیئے۔ حضرت نے اس سے فرمایا اے نور دیدہ تو یہاں کیوں آیا؟ عرض کیا کہ حضرت کو اس حال میں دیکھوں اور حاضر نہ ہوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ حضرت اس کی طرف متوجہ تھے کہ پیچھے سے ایک ہاتھ اٹھا۔ چاہتا تھا کہ حضرت پر وار کرے۔ بچے نے حضرت کی گردن سے ہاتھ نکال کر حضرتؑ کے سامنے بلند کر دیئے۔ اس ملعون شقی کی تلوار لگی اور ایک ہاتھ اس کا قطع ہو گیا۔ حضرت نے اس کو گود میں لے لیا۔ اس وقت تین شخصوں نے حضرت پر حملہ کیا اور ابن شریک ملعون نے ایک تلوار حضرتؑ کے شانے پر ماری۔ جس سے حضرتؑ کا بازو دست

ہو گیا۔ اور ان ملاعین نے اس بچے کو حضرت کی گود سے کھینچ لیا اور حضرت کے سامنے ذبح کر دیا۔ اس کشاکش میں ارکانِ عالم مضطرب ہو گئے۔

اب تیسری حالت شروع ہوئی اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ حضرت دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھے اس وقت تمام ملائکہ و بنی جان انبیاء واوصیاء اولیا وہاں موجود تھے سابقاً بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت روزہ دار تھے اور دنیا سے روزہ دار ہی اٹھے۔ جناب رسول خدا باروزہ نہیں سدھارے اور نہ حضرت امیر المومنین روزہ دار گئے اور نہ امام حسن۔ یہ امر جناب سید الشہدا ہی سے مخصوص تھا کہ دنیا سے باروزہ تشریف لے گئے۔ کیونکہ یہ حقیقت دین کے اظہار کا دن تھا اور عمل کر کے دکھلانے کا روز تینتیس 33 زخم شمشیر کے لگے ہوئے تھے اور نیزوں کا تو شمار ہی نہ تھا اور زخمی کو بہت شدت کی پیاس معلوم ہوا کرتی ہے لیکن باوجودیکہ فرات پر پہنچے۔ مگر پیاسے رہے۔ تاکہ حقیقت صوم کو عملاً ثابت کریں۔ صرف سیب بہشتی کو سونگھ لیتے تھے جو حضرت رسول خداؐ کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔ اس وقت جب جسم اقدس سے خون بہت ہی نکل گیا اور پیاس کی شدت ہوئی تو حضرت نے وہی سیب نکالا اور اس کو دندان مبارک سے کاٹا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ یہ خون امام تھا۔ جس نے سیب میں اثر کیا ہوا تھا اور اسی خون کا اثر ہے جو آج بھی ماتمیوں کے سینوں اور پیشانیوں سے جاری ہے۔ غرض حضرت نے وہ سیب آسمان کی طرف پھینک دیا۔ حضرت جبرائیل جو حاضرِ رکاب تھے۔ انہوں نے لے کر اس کو بہشت میں ڈال دیا۔ خون حسینؑ کی بو سے تمام بہشت ماتم سرا بن گیا۔

آیا پیغمبر خداؐ، علی مرتضیٰ و فاطمہ زہرا و حسن مجتبیٰ بھی میدان کربلا میں موجود تھے یا نہیں؟ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مومنین تصور فرمائیں کہ جب حضرتِ زہرا کربلا میں موجود تھیں اور اپنے لختِ جگر کی یہ حالت دیکھ رہی تھیں۔ تو ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ ایک شخص سفید پوش کو دیکھا گیا کہ حضرت حسین مظلوم کے نیزے کے نیچے پھر رہا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ کسی نے دریافت کیا اور کہا اے شخص تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ کہاں میں دیوانہ نہیں ہوں۔ میں پیغمبر خدا کو دیکھتا ہوں کہ بالباسِ خون آلودہ نوحہ و فریاد کر رہے ہیں۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

موعظہ دہم

۱۲محرم الحرام ۱۳۳۱ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعو ا کل اناس بامامھم و الذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما

علّت غیبتِ امام

ان دس روز یعنی ایام عشرہ محرم میں عنوانات مختلفہ وعبارات متفاوتہ میں قرآن سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک وجود ہادی حقیقی یعنی امام موجود ہے۔امام کے معنی ما یوم بہ و ما یقصد بہ ہیں یعنی وہ شخص یا وجود جس کی طرف جمیع موجودات رجوع کریں اور تمام انسان قلباً و باطناً اس سے وابستہ ہوں۔جس طرح سے بیتار کی تار برقی ہر ایک ہوا کو جس میں وہ آواز ہوتی ہے۔اپنی طرف کھینچ لیتی اور جذب کر لیتی ہے۔اسی طرح سے امام تمام ذراتِ عالم کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمام موجودات اس کی طرف متوجہ اور اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس قوت جاذبہ کے لوگ بظاہر اس سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟اور کیوں وہ اپنی قوت جاذبہ سے ان کو اپنی طرف نہیں کھینچ لیتا ؟اور کیوں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے؟ حالانکہ اس کو کسی کا خوف نہیں۔

جواب اس کا ظاہر ہے کہ کیوں لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔کیونکہ اس کا وجود، وجود خدا سے ظاہر تر نہیں ہے اور نہ اس کی قوت،قوت خدا سے زیادہ ہے۔پس لوگ کیوں خدا سے اعراض کرتے ہیں۔یہاں تک کہ بہت سے لوگ قطعاً وجود خدا ہی سے منکر ہیں۔علی ہذا القیاس پیغمبر سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ کیوں سب اس کی تصدیق نہیں کرتے؟ کیوں اس کی فرمائش پر پورا پورا عمل نہیں کرتے؟ پس جو جواب یہاں دیا جائے گا وہی وہاں بھی ہوسکتا ہے۔

علاوہ ازیں اس اعراض کے لئے ایک اصل بھی ہے وہ یہ کہ صفت امام یہ ہے جسے خدا بیان فرماتا ہے و کذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم

شھیدا یعنی اس طرح سے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا گیا ہے تا کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور وسط (اعتدال) سے یہ مراد نہیں۔ کہ اس کے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان قد معتدل اور متوسط ہوں اگر ایسا ہو تو چاہیئے کہ ہر مُستوی القامت و مُستوی الخلقت آدمی امام ہو جائے۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے امام میں درجہ اعتدال ضرور ہے۔ لیکن اعتدال کو سمجھنا چاہیئے کہ کونسا اعتدال مراد ہے۔ اعتدال کے چند درجے ہیں۔ ایک اعتدال وہ ہے جو ذات احدیت ذات واجب الوجود کے لئے ہے کہ وہ عادل ہے۔ بلکہ عین عدل ہے۔ ان اللہ یامر کم بالعدل و الاحسان اور اس کا عدل عدل ذاتی ہے۔ پس جو شخص خلیفہ اور جانشین خدا ہو چاہیئے کہ وہ عادل ہو ور عدل ذاتی رکھتا ہو اور وہ ممکن و واجب کے درمیان واسطہ ہو۔ ممکن بالذات و واجب بالغیر ہو یعنی واجب الوجود سے کم اور ممکن (یعنی عام موجودات) سے بالاتر ہو۔ خدا سے لے اور مخلوقات کو پہنچائے۔

مثال

آفتاب کے لئے ایک مقام مقرر ہے۔ اس سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جو تمام موجودات کو روشن اور منور کرتی ہیں اور یہ شعاعیں آفتاب سے کبھی جدا نہیں ہوتیں مگر عین آفتاب بھی نہیں۔ آفتاب اور چیز ہے اور اس کی شعاعیں اور، اس کی ذات دونو ایک نہیں۔ یہ آفتاب کی شعاعیں ہیں نہ کہ عین آفتاب اور آفتاب انہیں شعاعوں کے ذریعہ سے روشنی دیتا اور باعث تربیت عالم ہے اور جب تک آفتاب ہے وہ شعاعیں بھی ہیں۔ یہ شعاعیں دلیل آفتاب ہیں۔ پس بلاتشبیہہ اسی طرح سے اس امت وسط کا وجود واسطہ فیضان ہے۔ درمیان خدا اور اس کی مخلوق کے اس سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ یہ آفتاب احدیت کی شعاعیں ہین اور انہیں کے ذریعہ سے خدا تربیت عالم کرتا ہے اور جس طرح آفتاب کی روشنی سے آفتاب کو پہچانتے اور اس کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح امت وسط کے ذریعہ سے خدا کو پہچانتے ہیں اور وہ دلیل ہیں موجود حق کی۔ لیکن ذات واجب الوجود (خدا) کے لئے مثل آفتاب وذہاب وایاب، آمدورفت حرکت و جریان نہیں وہ غروب وافول سے مبرا و منزہ ہے۔ قائم و دائم ہے۔ لہذا اس کی شعاعیں جو باعث تربیت عوالم ہیں۔ یعنی آفتابِ امامت کے لئے بھی غروب وافول نہیں ہیں۔ وہ ہمیشہ موجود و درخشان ہے اور اس کا فیض جاری ہے۔ البتہ کبھی ابرِ عارضی وحجاب خارجی کے حائل ہونے سے اس کی شعاعیں ہم سے منقطع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ آفتاب کی شعاعین بادل سے رک جاتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابر نہیں ہوتا اور آفتاب موجود و درخشان ہوتا ہے۔ لیکن ہم خود سایہ میں چھت وغیرہ کے نیچے آ جاتے ہیں اور اس صورت میں شعاع آفتاب ہم سے منقطع ہو جاتی ہے کہ ہمیں شعاع آفتاب کی ضرورت نہیں ہوتی اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے

کہ گوہم کو روشنی کی ضرورت ہے لیکن بوجہ کسی خواہش وغرض نفسانی کے ہم روشنی سے گریز کرتے ہیں اور سایہ میں مکان وغیرہ کے اندر ہوجاتے ہیں اور اس وجہ سے روشنی ہم تک نہیں پہنچتی۔ پس اس صورت میں آفتاب کی روشنی سے منتفع نہ ہونا ہمارا قصور ہے نہ کہ آفتاب کا۔ پس معلوم ہوا کہ لوگ آفتاب امامت سے بوجہ غلبہ شہواتِ نفسانیہ استفاضہ نہیں کرتے اور روشنی نہیں لیتے اس کی طرف سے قصور نہیں ہے ہم خود اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یہاں سے ایک اور علت بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ابر (بادل) بخارات کے مجتمع اور متراکم ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ یہاں وجودِ امام کے لئے کون سا امر حائل ہوا ہے؟ وہ اوہام باطلہ اور معاصی کے بخارات ہیں۔ جو آفتاب امامت کے لئے حائل وحاجب ہیں کہ اس کا فیض بظاہر ہمیں نہیں پہنچتا۔ پس ظاہری غیبتِ امام کا سبب ہم خود ہیں اور زیادہ تر یہ برے علماء کی جہالت کا اثر ہے۔ یعنی جیسا کہ چاہئے انہوں نے امام کی معرفی نہیں کی اور اس کی ان صفات کے ساتھ تعریف نہیں کی جن سے کہ کرنی چاہئے تھی۔ بلکہ بسا اوقات دوسروں کو صفات میں امام پر ترجیح دے دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ خود اپنی طرف سے ایک امام مصنوعی بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کو امام سے افضل جانتے ہین اور یہی وہ ابر ہے جو آفتاب امامت پر حائل و حاجب ہوتا ہے اور یہی علتِ غیبت امام ہے کہ امام حقیقتی کو چھور کر دوسرے مصنوعی اماموں کے پیچھے ہو لئے ہیں۔ یہ غیبت صرف ہماری نظروں سے ہے کہ وہ موجود ہے اور ہم نہیں دیکھتے اور نہیں پہنچانتے ہیں اور بعد ظہور پہچانیں گے اس وقت کہیں گے کہ اس شخص کو تو ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ پس یہ ابر جہالت مانع ہے۔ بصیرتِ باطنی جاتی رہی ہے۔ جس وقت وہ قہر آچکا ہے گا۔ اس وقت پہچان لیں گے۔

امام کی معرفت

یہ امر خصائص انبیاء وآئمہ سے ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا۔ قصہ حضرت یوسفؑ کو پڑھئے۔ تو معلوم ہوگا کہ جب ان کے بھائی مصر میں آئے تو حضرت یوسفؑ نے فوراً ان کو پہچان لیا۔ مگر انہوں نے حضرت یوسفؑ کو نہیں پہچانا **فعرفهم و هم له منكرون** حالانکہ ساتھ پرورش پائی تھی ساتھ کھیلے تھے۔ ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ لیکن جب حضرت یوسفؑ نے چاہا کہ راز کھلے اور وہ انہیں پہچان لیں تو آپ نے فرمایا **هل علمتم ما فعلتم بيوسف و اخيه اذ انتم جهلون** یعنی کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا۔ جب کہ تم جاہل تھے؟ اس وقت انہوں نے جواب میں کہا

(ء انت یوسف) کیاتم یوسف ہو۔ کیونکہ برادران یوسف نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہ سوائے ان کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ پس جب حضرت یوسفؑ نے اپنے قصے کی طرف اشارہ کر کے یاد دہانی کی تو وہ پہچان گئے کہ یہی یوسف ہے۔

پس یہی حال ولی زمان اور امام علیہ السلام کا ہے کہ جو شخص حقیقت نبوت و امامت سے واقف نہیں۔ ان کی معرفت نہیں رکھتا۔ وہ انہیں دیکھتا بھی ہے مگر نہیں پہنچانتا اور جو لوگ معرفت رکھتے ہیں۔ وہ نبی اور امام کو بے دیکھے پہچان لیتے ہیں۔

قصہ اویس قرنی اس کی بین مثال ہے۔ جس کے حق میں حضرت ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں کہ ''یمن کی طرف سے بوئے رحمان سونگھتا ہوں'' اویس قرنی دور سے ایمان لائے تھے اور حضرت کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ مگر معرفت کا یہ حال تھا کہ جب حضرت کے دندان مبارک پر جنگ احد میں ضرب آئی تو اویس قرنی نے یمن میں پتھر سے اپنے دانت توڑ لئے اور لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حبیب کے دندان مبارک شکستہ ہوں اور میں صحیح و سالم بیٹھا رہوں۔ یہ معرفت باطنی و قلبی رکھتے تھے۔ دل کی آنکھ نبی اور امام کو پہچانتی ہے نہ کہ چشم ظاہری۔ جو صرف رنگ و خط و خال دیکھتی ہے۔

پس امت وسط (آئمہ) جب اعتدال حقیقی رکھتے ہیں اور مظہر عدل ذاتی واجب الوجود ہیں تو واجب بالغیر اور ممکن بالذات ہوئے۔ بہ نسبت واجب (خدا) کے ممکن ہیں اور بہ نسبت ممکن (مخلوق) کے واجب۔ لہذا انہیں موت طبعی نہیں۔

موت وحیاتِ انبیاء علیہم السلام

حکماء کہتے ہیں کہ موت عدم وجود کا نام ہے مگر غلط ہے بلکہ موت امر وجودی ہے۔ نہ عدمی، اور موت مقدم ہے حیات سے کہ خدا فرماتا ہے **خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا** یعنی خدا نے موت وحیات کو خلق کیا ہے تاکہ آزمائے کہ تم میں سے کون عمل نیک کرتا ہے۔ انسان رحم مادر میں اول مردہ ہوتا ہے۔ بعد ازاں زندہ ہوتا ہے اور موت امر وجودی ہے اور وجود امام میں موت نہیں کیونکہ مرگ عالم زمانیات و عالم خلق سے ہے۔ یعنی یہ اجزائے مادیہ و عناصر جن سے جسم مرکب ہوتا ہے۔ نفس موت ہیں۔ جب ایک عنصر دوسرے عنصر پر غالب آجاتا ہے۔ موت واقع ہو جاتی ہے اور وجود نبی و امام اس مادہ فانیہ سے جو نفس موت ہے بری ہے یعنی وجودِ امام اور اس کا جسم اطہر دوسرے لوگوں کے جسم کی طرح نہیں ہے تاکہ اخلاط اربعہ میں سے کسی خلط کے غالب ہو جانے سے موت عارض ہو جائے اور جسم فنا اور اجزائے جسم

متفرق ہوکر اپنے عناصر سے ملحق ہو جائیں۔ بلکہ جسم اطہر امام ان عوارض سے معرا اور فناء وتفرق اجزاء سے مبرا ہے اور موت امام کسی سبب عارضی کی وجہ سے ایک عالم اور ایک نشاء سے دوسرے نشاء کی طرف عینا منتقل ہونا ہے جو حکم و مصالح مختلفہ پر مبنی ہے۔ مادہ نبی و امام غیر مادہ سائر ناس ہے۔ تمام لوگ عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور امام عالم امر سے ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل سے ظاہر ہے اذ قالت الملائکہ یا مریم ان اللہ یبسرک بکلمۃ من ہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدینا و الاخرۃ و من المقربین (ال عمران) ترجمہ جب ملائکہ نے آ کر حضرت مریم سے کہا اے مریمؑ اللہ تم کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسی بن مریم ہے۔ وہ دینا و آخرت میں ذی وجاہت اور مقربین میں سے ہے۔ ایضا انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ الخ یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ عیسی بن مریم خدا کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو حضرت مریم کو پہنچا اور اس کی روح۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ وجود انبیاء کلمہ وجود یہ الہیہ ہے۔ مادہ فانیہ وہاں موجود نہیں کلمہ الہیہ ابتدا ہی سے صاحب حیات ہے اور نیز روحِ الٰہی یعنی روحِ انبیاء مردہ نہیں نفس حیات ہے۔ بلکہ حیات بخش۔ لہٰذا موت اس کے وجود میں نہیں پس انبیاء اور آئمہ کے لئے موت طبعی نہیں۔ جب تک صدمہ خارجی ان کو نہ پہنچے جو حیات کو مضمحل کر دے۔ مثل قتل وزہر کے اور قتل وزہر بھی بلا اس کے ارادے کے اثر نہیں کر سکتے۔ زہر شہد بن جاتا ہے۔ اذا وحی ربک الی النحل الخ فیہ شفاء للناس الخ شہد کی مکھی زہریلی گھانسیں اور بوٹیاں کھاتی ہے اس کے پیٹ میں شہد بن جاتی ہے اور یہ تمام اثرات تحت حکم ولی الامر ہیں پس جب تک اس کا ارادہ متعلق نہ ہو زہر اثر نہیں کر سکتا۔ حضرت ختمی مرتبت کو بائیس مرتبہ زہر دیا گیا۔ جنگ خیبر میں جب حضرت کو پارچہ گوشت میں زہر دیا گیا۔ تو حضرت نے فرمایا۔ یہ گوشت کا ٹکڑہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ہے۔ حضرت امیر المومنین اپنے قاتل ابن ملجم ملعون کو فرماتے ہیں ارید حیاتہ ویرید قتلی میں تو اس کی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ حضرت حسن علیہ السلام کو بار ہا زہر کھلایا گیا۔ مگر جب تک ارادہ نہ ہوا۔ زہر نے اثر نہ کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے جب تک موت کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک تیر حضرت کے جسم اقدس پر نہ لگا۔ تیر آتے تھے اور دریافت کرتے تھے کہ کہاں لگیں فرماتے تھے خاک میں۔ خاک میں جا کر تیر گڑ جاتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے زخموں سے گیارہ معجزے ظاہر ہوئے۔ کوئی پیغمبر سوائے پیغمبر سوائے پیغمبر خدا کے آئمہ کے درجہ میں شمار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جناب پیغمبر خدا آئمہ سے افضل ہیں۔ ملک الموت کی کیا طاقت ہے کہ جو باختیار خود نبی یا امام کی روح قبض کر سکے کیونکہ اس کی قوت ملک الموت کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ملک الموت حضرت موسیٰؑ کی روح قبض کرنے کے واسطے آیا۔ تو حضرت نے اس کے منہ پر ایک ایسا زور سے طمانچہ مارا کہ اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ یہ بالکل غلط ہے اصل یہ ہے کہ جب ملک الموت آئے تو حضرت موسیٰ نے دریافت کیا کہ کیوں آئے ہو؟ کہا قبض روح کے واسطے۔ فرمایا۔ کہاں سے قبض کرو گے کہا منہ سے فرمایا جس منہ سے میں نے آیات توریت کی تلاوت کی ہے۔ اس سے کیونکر میری روح قبض کرسکو گے۔ کہا دماغ سے، فرمایا جس پر کوہ طور پر انوار الٰہیہ کی تجلی ہوئی ہے وہاں سے کیونکر قبض کرو گے۔ کہا آنکھوں سے فرمایا جن آنکھوں سے نور پروردگار کا جلوہ دیکھا ہے۔ ان سے کس طرح روح قبض کرو گے کہا پیشانی سے۔ فرمایا جو سجدۂ خدا میں رہی ہو۔ اس سے کیسے روح قبض کرسکو گے۔ کہا سینے سے۔ فرمایا جو سینہ آیات الٰہیہ کا خزانہ ہے۔ وہاں سے قبض روح کیونکر ہوسکتی ہے۔ کہا ہاتھوں سے فرمایا جن ہاتھوں سے الواح تورات کو اٹھا کر لایا ہوں ان سے قبض روح کیونکر کرسکو گے۔ کہا پاؤں سے فریا جن پاؤں سے چل کر کوہ طور پر گیا اور الواح اٹھا کر لایا ان سے میری روح کیونکر قبض کرسکتے ہو۔

(مطلب حضرتؑ کا یہ تھا۔ کہ تم کو کیا اختیار ہے کہ نبی کی روح قبض کرسکو) ملک الموت یہ سن کر دربار الٰہی میں حاضر ہوئے اور قصہ بیان کیا۔ حکم دیا کہ باز رہو۔ موسیٰؑ ابھی موت کی طرف مائل نہیں۔ آخر کار ایک روز حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ ایک شخص قبر کھود رہا ہے۔ حضرت نے دریافت کیا کس کے واسطے کھود رہا ہے۔ کہا خدا کے ایک مخلص بندے کے واسطے فرمایا میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔ کیونکہ قبر کھودنے اور مردے کو خاک میں دفن کرنے کا بہت ثواب ہے۔

جب قبر درست ہوگئی۔ تو وہ شخص کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے دریافت کیا۔ کیا دیکھتے ہو؟ کہا یہ دیکھتا ہوں کہ جس شخص کے لئے یہ کھودی ہے آیا اس کے واسطے ٹھیک ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اس کا قد میرے برابر ہوگا۔ کہا ہاں اتنا ہی ہوگا۔ فرمایا اچھا میں اس میں لیٹ کر دیکھتا ہوں کہ آیا ٹھیک ہے یا نہیں۔ جس وقت حضرت موسیٰ قبر میں لیٹے۔ خدا نے ان کے مقامات دکھائے۔ حضرت نے عرض کیا۔ خدایا مجھے اپنے پاس بلا لے۔ ملک الموت حاضر تھے۔ عرض کیا حاضر ہوں (قبر کھودنے والے ملک الموت ہی تھے) اور حضرت موسیٰ کو اسی قبر میں دفن کر دیا۔

پس معلوم ہوا کہ موت ان کے تابع ہے بلکہ روز قیامت نفخ صور انہی کے حکم سے ہوگا یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات و من فی الارض یہی وجہ ہے امیر المومنین ایک معمولی کرتہ پہن کر لڑائیوں میں شریک ہوتے اور لڑتے تھے۔ ایک مرتبہ اصحاب نے عرض کیا۔ تو فرمایا میں وہ ہوں جو موت کو بھی مارنے والا ہوں۔ مجھے کیا خوف ہے اور قیامت میرے حکم سے برپا ہوگی۔ فقرات خطبہ امیر المومنین

مقالات طویلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں ان نطقت تقولون حسد و ان سکت تقولون جزع ابن ابی طالب من الموت هیهات هیهات یقال لی هذا انا الساعة انا الموت الممیت خواض المنیات جوف لیل خامد حامل السیفین الثقلین والرمحین الطویلین و مکسر الرایات فی غطامط الغمرات و مفرج الکربات عن وجه خیرة البریات (الخ)

یعنی فرماتے ہیں اگر بولتا ہوں تو کہتے ہو۔ کہ حاسد ہوں اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہو کہ علی ابن ابی طالبؑ موت سے ڈر گیا۔ ہیہات، ہیہات میرے واسطے یہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ میں خود قیامت ہوں اور میں ہلاک کرنے والی موت اور شبِ تاریک میں موتوں میں گھسنے والا دو بھاری تلواروں سے لڑنے والا اور دو لمبے نیزوں سے نیزہ زنی کرنے والا اور سخت معرکہ ہائے جنگ میں دشمنوں کے نیزوں اور اسلحوں کو توڑنے والا اور حضرت خیر الانام سے کرب و بلا کو دور کرنے والا (کیا میں موت سے ڈرنے والا ہوں) الخ

حضرت موسیٰ کی طرح سے ملک الموت روز عاشورہ بھی آئے اور اسی طرح سے سوال و جواب بھی ہوئے۔ لیکن دربار الٰہی میں ملک الموت کا جواب یہاں کچھ اور تھا۔ یعنی عرض کیا بارالہا تیرے اس عاشق زار کا کوئی عضو صحیح نہیں۔ تمام بدن چور چور ہے۔ میں کہاں سے روح قبض کروں۔ خطاب الٰہی پہنچا۔

یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی.

آج شہداء علیہم السلام کے دفن کا دن ہے کیونکہ روز سوم ہے۔ ابھی لاشہائے شہدا بے گور و کفن پڑی ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ شہید کے لئے غسل و کفن نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے حکم ہے اسی لباس میں بلا غسل و کفن دفن کر دیا جائے۔ روز جنگ احد تمام شہدا اسی لباس میں دفن کئے گئے۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ مثل کیوں مشہور ہوگئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو شہید بے غسل و کفن کہا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام شہدا بے غسل و کفن ہی دفن ہوا کرتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ امام حسین مظلوم ایسے شہید ہیں کہ بعد شہادت آپ کے جسم اقدس پر لباس بھی نہ رہا۔ محقق ہے کہ تمام کپڑوں کے نیچے آپ نے ایک پیراہن نہایت بوسیدہ اور پرانا پہنا تھا مگر بعد قتل ملاعین نے وہ بھی تن اطہر پر نہیں چھوڑا۔

امام جواد علیہ السلام زیارت میں فرماتے ہیں۔ السلام علی الشهید الذی غسله من دمه یعنی سلام ہو۔ اس شہید پر جس کا غسل اس خون سے ہوا اور جس کا کفن ریگ بیابان تھی۔ جو ہوا سے اڑ کر جمع ہوگئی تھی۔ قربان ہوں ہماری جانیں سید الساجدین پر کہ ایسے جنازہ پر تشریف لائے اور ایسی حالت میں غسل آپ کا خون سے تھا اور کفن ریگ صحرا اور آپ کو دفن کیا۔ لا حول و لا قوة الا باللّٰه

موعظہ یازدہم

۱۶محرم الحرام ۱۳۳۱ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعو ا کل اناس بامامھم

مزید بیانِ صبر

بعض مجالسِ سابقہ میں اجمالاً صبر کو عنوان کیا گیا تھا۔ خدا سورہ عصر میں فرماتا ہے۔ **والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا و عملوا لصالحات و تواصو بالحق و تواصو بالصبر** یعنی قسم ہے عصر کی انسان خسارے اور زیاں کاری میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال نیک کئے اور حق و صبر کی وصیت کی۔ اہل منطق کے نزدیک **ان الانسان لفی خسر** قضیہ مہملہ ہے اور قضیہ مہملہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر منطقیین کا یہ قول صحیح مانا جائے تو آیت بے معنی ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں استثنٰی صحیح نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اگر قضیہ مہملہ مانا جائے۔ جو حکم جزئیہ میں ہوتا ہے تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ بعض انسان خسارے میں ہیں۔ اور بعض نہیں تو پھر مومنین صالحین کو مستثنٰی کرنا لغو ہوگا کیونکہ وہ تو خود ہی مستثنٰی ہیں اور بعض میں داخل۔

غرض یہ قضیہ مہملہ نہیں ہے بلکہ کلیہ محصورہ ہے اور (ال) سور ہے اور معنی یہی ہیں کہ تمام انسان خسارے میں سوائے مومنین صالحین کے جو حق اور صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ مگر یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ تمام انسان کس طرح نقصان اور خسارے میں ہیں۔ حالانکہ نوع انسان قابل ترقی ہے۔ بلکہ ترقی میں ملائکہ سے بھی زیادہ ہے اور یہ ترقی تمام افراد انسانی کے لئے ممکن ہے۔ خواہ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ بھی مدارج ترقی میں ملائکہ سے افضل ہیں کہ فرشتوں میں ترقی نہیں ہے۔ (اس کا بیان کسی اور موقع پر آئے گا۔ الغرض اہل ایمان صالحین و صابرین خسارے و نقصان میں نہیں اور نبوت و امامت کا مدار صبر ہے **فاصبر کما صبرا اولوا العزم من الرسل و کل من الصابرین** اس پر دال ہیں اور صبر دراصل تمام صفاتِ کمالیہ انسانیہ کو شامل ہے۔ ایمان۔ اعمال صالحہ وصیت بحق۔ سب اس کے تحت میں ہیں اور صبر محض ابتلا آت ہی کے مقام

میں ظاہر نہیں ہوتا کہ جو ابتلا آت میں ثابت قدم ہے۔ وہ صابر ہے بلکہ اس کی چند قسمیں ہیں (جیسا کہ بیان ہوں گی) شجاعت بھی صبر کے تحت میں داخل ہے بلکہ شجاعت عین صبر ہے۔ اگر چہ بظاہر ایک دوسرے میں مغائرت معلوم ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے **ولنبلونکم حتی نعلم المجاهیدن منکم و نعلم الصابرین** ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے۔ کون جہاد میں ثابت قدم اور صابر رہتا ہے (سورہ قتال) **افحسبتم ان تدخلوا لجنة و لاما یعلم الله الذین جاهدوا منکم و یعلم الصابرین** یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ قبل اس کے کہ خدا ممیّز کر دے۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے اور کون اس پر صابر رہتا ہے۔ ان آیات میں بھی جہاد کرنے اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کو صبر کہا گیا ہے۔ شجاعت جو کرائم اخلاق سے ہے اس کا قرآن میں کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ شجاعت عین صبر ہے۔ جس نے جہاد کیا اور اس پر صبر کیا۔ گریز نہ کی تو وہ صابر ہے اور جو شجاع اور ثابت قدم نہ رہا۔ بھاگ گیا۔ وہ جبان و نامرد و بے صبر ہے۔

چنانچہ ایک اور آیت اس کی تصریح کرتی ہے۔ **والصابرین فی الباساء والضراء و حین الباس** یعنی صفت مومنین کی یہ ہے کہ وہ مصائب وابتلا آت اور لڑائیوں مین ثابت قدم وصابر رہتے ہیں۔ بہر حال شجاعت عین صبر ہے۔ مشقتوں کا برداشت کرنا صبر ہے۔ بارہائے سنگین کا متحمل ہونا صبر ہے۔ کسی امر کے انتظام میں مستقل و ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ جرات و حوصلہ صبر ہے۔ **ما اصبر هم علی النار** خدا گنہگاروں کے حق میں فرماتا ہے کہ وہ آتش جہنم پر کس قدر صابر و ثابت قدم ہیں کہ ڈرتے ہی نہیں۔ پس جملہ صفات جمیدہ و اخلاق کریمہ تحت صبر ہیں اور صبر بلا و مصائب ہی سے مخصوص نہیں اور چونکہ مدار امامت صبر ہے۔ اس لئے امام میں وہ صبر و شجاعت ہوگی کہ کوئی شخص اس صفت میں اس سے فضیلت نہ رکھتا ہوگا۔ امام کسی وقت کسی حالت میں لڑائی سے نہ بھاگے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہشت میں جانے کی میزان و معیار روزہ و نماز و زکوۃ وغیرہ کو نہیں قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ جہاد استقامت فی الجہاد کو معیار دخول جنت فرمایا ہے۔ لیکن اس آیت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو لڑائی سے بھاگے ہیں سب دوزخ میں جائیں گے اور اگر ایسا ہے تو اصحاب پیغمبر میں سے صرف بارہ شخص بہشتی نکلتے ہیں باقی سب جہنمی۔

جواب شبہ

ایک صاحب نے دریافت کیا۔ حدیث شریف **الفرار فی وقته ظفر** کا کیا مطلب ہے۔ جس میں بھاگنے کو فتح فرمایا گیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ (فی وقتہ) خود اس کا جواب ہے کہ کس وقت بھاگنا درست ہے۔ آیات ذیل سے حدیث مستنبط ہے کہ خدا فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار و من یولھم یومئذ دبرہ الا متحر فا لقتال او متحیزا الی فئة فقد باء بغضب من اللہ و ما وہ جھنم و بئس المصیر (انفال۲ع) یعنی اے ایمان والو! جب تمہاری لڑائی میں کفار سے مقابلہ ہو تو تم ان سے پشت مت پھیرو۔ جو شخص اس دن کافروں سے پشت پھیر کر بھاگے گا۔ وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہوگا اور اس کی جگہ جہنم ہے اور بہت بری بازگشت ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو لڑنے کے لئے کسی اچھے مورچے کی طرف بھاگ کر جائیں یا اپنی کسی جماعت سے ملنا چاہیں کہ ایسی صورت میں ظفر یہی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو دشمن بہتر مورچے لے لے یا یہ تھوڑے ہوں اور اپنی جماعت کثیر سے نہ ملیں تو دشمن ان پر غالب آجائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ان مقامات کی طرف بھاگنا ہی ظفر ہے اور یہی حدیث کا مطلب ہے۔

غرض سب سے اعلیٰ اور اول دلیل صبر لڑائی میں ثابت قدم و مستقل رہنا ہے۔ کیونکہ یہاں جان کا معاملہ ہے اور جس نے جان سے ہاتھ اٹھالیا اور ایسے موقع پر ثابت قدم رہا وہ پھر کسی دوسرے موقع مصائب وابتلاآت میں بے دل نہ ہوگا۔ ہر مقام میں ثابت وصابر رہے گا۔

غرض سب سے اعلیٰ اور اول دلیل صبر لڑائی میں ثابت قدم و مستقل رہنا ہے۔ کیونکہ یہاں جان کا معاملہ ہے اور جسنے جان سے ہاتھ اٹھالیا اور ایسے موقع پر ثابت قدم رہا وہ پھر کسی دوسرے موقع مصائب و ابتلاآت میں بے دل نہ ہوگا۔ ہر مقام میں ثابت وصابر رہے گا۔

صبر جمیل

اقسام صبر میں سے ایک صبر جمیل ہے اور صبر جمیل محل ابتلاء آت میں ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب کی نسبت خدا حکایتاً بیان فرماتا ہے فصبر جمیل ابتلاآت میں استقامت صبر جمیل ہے اور ابتلاآت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ صرف شجاعت صبر جمیل نہیں ہے۔ شجاعت بمقابلہ مخالفین و کفار ظاہر ہوتی ہے۔ جو ایک طرف محمود ہے اور دوسری طرف (کفار کی طرف) مذموم۔ خدا فرماتا ہے صفا کانھم بنیان مرصوص یعنی مومنین کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس طرح صف باندھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ جس طرح کہ آہنی دیوار کھڑی ہوتی ہے۔ پس محبوب خدا صرف ایک طرف ہے۔ یعنی صفوف مومنین

نہ دوسری طرف۔ صبر جمیل وہاں ہوتا ہے جہاں دونوں طرف محبوب خدا ہوں اور دونوں طرف تعلق الٰہی ہو۔ جیسا کہ صبر حضرت یعقوبؑ مقابل فراق حضرت یوسفؑ کہ دونوں برگزیدہ محبوب خدا ہیں۔ پس ایک محبوب خدا سے دوسرے محبوب خدا کے حق میں صبر واستقامت ظاہر ہوئی ہے۔ وہ صبر جمیل ہے۔

صبر حسن

ایک قسم صبر کی صبر حسن ہے۔ جو جمیل سے بھی بالاتر ہے۔ اگرچہ جمیل وحسن دونوں صفت مشبہ ہیں جو قیام ثبوتِ صفت پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن حسنِ ذوات سے متعلق ہوتا ہے اور جمال صفات سے اور ذوات فوق صفات ہیں کیونکہ صفات عوارض ہیں۔ لہذا صبر حسن افضل ہے۔ صبر جمیل سے اور صبر حسن صبر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جو بائیس آیات قرآنی سے مستنبط ہوتا ہے۔ لیکن بطور جمال مذکور ہے۔ منجملہ ان کے ایک آیت یہ ہے واصبرو ما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون. ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ایضا قال لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یہ صبر مقام شجاعت خاص ہے یعنی مراد یہ ہے کہ شجاعت پیغمبرؐ میں تمہیں اچھی پیروی کرنی چاہئے اگر صبر پیغمبریؐ کا صبر یعقوبؑ سے مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ صبر حضرتؐ صبر حسن ہے۔ حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ ملیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں انی اعلم ما لا تعلمون یعنی اپنے بیٹوں سے فرماتے تھے کہ مجھے منجانب اللہ وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا عنقریب خدا ان سب کو مجھ سے ملائے گا۔ بخلاف اس کے جناب سرور کائنات کو یقیناً معلوم تھا کہ حسینؑ میدان کربلا میں بھوکا پیاسا مع عزیز واقارب دوست واحباب ظلم وستم سے قتل کیا جائے گا۔ مگر کمال خوشی سے شہادت قبول فرمائی نہ انکار کیا۔ نہ اعتراض۔ پس یہ صبر صبر حسن ہے بلکہ حضرت ختمی مرتبت منبع صبر حسن ہیں اور مظہر اس صبر کا حسین علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔ سید الشہداء روحی وارواح العالمین لہ الفداء تمام مصائب وابتلاآت، تلف جان ومال، قتل اصحاب، قتل اولاد، اسیری ذریت رسول میں مستقل وثابتقدم رہے۔ جو صبر واستقامت روز عاشورہ امام مظلوم سے ظاہر ہوئی۔ تمام صبروں سے بالاتر ہے۔ جملہ مورخین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، شجاعت حسینیہ کے معترف ومقر ہیں۔

اور اسی طرح صبر کامل بکمال فعلیت حضرت سید الساجدین علیہ الصلوۃ والسلام سے ظاہر ہوا ہے۔ جو لوگ کتب تواریخ پر احاطہ رکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ صبر سجاد کا کیا مرتبہ ہے حضرت یعقوب کا ایک بیٹا گم ہوا تھا مگر سید الساجدین فخر آل طہ ویاسین کا ایک یوسف گم نہیں ہوا۔ اٹھارہ بنی فاطمہ فخر یوسف تین پہر میں

اٹھ گئے اور ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ حضرت یوسفؑ کے حزن و ملال کی یہ حالت تھی کہ ان ایام میں کسی سے بات نہ کر سکتے تھے۔ مگر جب کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اسکا جواب دے دیتے تھے۔ ان ایام میں صرف دو مرتبہ تکلم فرمایا ہے جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے ہیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا کیوں روتے ہو؟ اس وقت حضرت نے فرمایا۔ یعقوب کا ایک بیٹا گم ہوا تھا اور میرے سامنے اٹھارہ یوسف جو مثل و نظیر نہ رکھتے تھے قتل ہو گئے۔ میں کس طرح گریہ نہ کروں۔ ہاں جب حضرت درکوفہ پر پہنچے۔ تو کسی نے سوال نہیں کیا۔ خود بولنے پر مجبور ہوئے۔ یعنی جس وقت حضرت زینب خاتون علیہا الصلوۃ والسلام نے اپنے خطبے کو ختم کیا اور ان فقرات پر پہنچیں کہ اے قوم تم نے وہ کام کیا ہے جس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں الخ۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت زینب کو وصیت کی تھی کہ اے بہن میرے بعد گریبان چاک نہ کرنا، بال نہ کھولنا، منہ پر طمانچے نہ مارنا، نالہ و فریاد نہ کرنا، مگر حضرت زینب نے یہ تمام کام کئے۔ خصوصاً جب اس فقرہ بالا پر پہنچی ہیں۔ تو سر محمل سے باہر نکالا اور چوب محلسے دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ امام زین العابدین علیہ الصلوۃ والسلام نے جب دیکھا اور عالم امامت سے معلوم کیا کہ جناب زینب خاتون کی کیا حالت ہے۔ اس گریہ و بکا آہ و نالہ سے عالم امکان درہم برہم ہو جائے گا۔ فرمایا اے پھوپھی جان خاموش ہو جاؤ۔ تمہارے نوحہ و بکا سے بھائی واپس نہیں آئیں گے۔ **انت بحمد الله علامة غير معلمة و فاهمة غير مفهمة** یعنی اے پھوپھی اماں تم خدا کے فضل سے بلا سکھلائے جانتی اور عالم ہو اور بلا سمجھائے سب کچھ سمجھتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے نالے عالم امکان میں کیا اثر کریں گے۔ فرمایا یہ غم جانکاہ وہ ہے کہ اس سے آسمان پارہ پارہ ہو جائیں۔ زینب کا سر کس طرح سلامت رہے۔ میں دیکھتی ہوں۔ رسول خدا اور علی مرتضیٰ اور میری والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہراؑ سر برہنہ نوحہ و بکا میں مشغول ہیں۔ میں کس طرح فریاد نہ کروں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسین کی وصیت کا راز اسی واقعہ سے منکشف ہوتا ہے اور اس وصیت میں یہی مصلحت تھی **فافهم و تدبر**

غرض شہید و امام کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ صابر ہو اور صبر کے چار مرحلے ہیں اول ان میں سے وقت نزول بلا ہے اگر اس وقت صاحب بلیہ نے خدا پر اعتراض نہ کیا اور غیر خدا سے شکایت نہ کی۔ تو وہ صابر ہے۔ لیکن بلیات و ابتلا آت سے کوئی شخص خالی نہیں اور بقدرِ استطاعت سب تحمل کرتے ہیں۔ موردِ صبر معلوم کرنا چاہئے کہ کس درجہ پر پہنچ کر انسان صابر کہلا سکتا ہے۔ مورد صبر اس آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے۔ **ولنبلونكم بشيی من الخوف والجوع و نقص من الاموال و**

الانفس و الثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ و انا الیه راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم و رحمة و اولئک ھم المھتدون یعنی ہم تمہارا امتحان کریں گے۔ کچھ خوف سے، کچھ بھوک سے اور جانوں اور مالوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ پس بشارت دوان صابر مبتلاؤں کو کہ جب ان پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے لئے ہیں جو چاہے سو کرے اور ہم اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن پر خدا کی صلوات ورحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں؟

پس اول درجہ صبر یہ ہے کہ ان ابتلا آت میں انسان صابر وثابت قدم رہے۔ اس آیت کے فقرہ اخیر سے لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ سوائے پیغمبر وامام کسی دوسرے کے لئے صلوات شایان نہیں ہے۔ اس لئے یہ آیت حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے ھو الذی یصلی علیکم و ملائکته لیخرجکم من الظلمات الی النور الخ خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جو تم پر صلوات بھیجتا ہے اور نیز اس کے ملائکہ تا کہ تم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ صلوات خدا و ملائکہ غیر نبی وامام کے لئے بھی ہے اس آیت میں عام مومنین شامل ہیں اور سلام کے متعلق فرماتا ہے فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسه الرحمةانه من عمل منکم سوء بجھالة ثم تاب من بعده و اصلح فانه غفور رحیم (انعام ع ٦) یعنی کہہ دو کہ سلام ہو تم پر۔ اللہ نے تمہارے لئے اپنے او پر رحمت کو لازم کرلیا ہے کہ تم میں سے جو بہ سبب جہالت ونادانی کے برائی کرے اور پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح تو اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ یہاں سلام گہنگاروں کے واسطے بھی آیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صلواۃ ورحمت وسلام خد انبی وامام ہی سے مخصوص نہیں بلکہ عام مومنین کو بھی شامل ہے۔ بلکہ گنہگاروں کو بھی۔ نہیں بلکہ قبل از توبہ بھی اور صلوات جو مخصوص پیغمبر اور امام سے ہے وہ چیز دیگر ہے۔ لہذا یہ آیت و لنبلونکم تمام امت کو شامل ہے۔ البتہ ضمیر کم سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقین اس میں داخل نہیں ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت امام حسین علیہ السلام کے واسطے ہے اس کی خود الفاظ آیت سے نفی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ بشی مذکور ہے یعنی کچھ تھوڑے سے خوف اور تھوڑی سی بھوک ونقصان جان و مال سے تمہارا امتحان کریں گے۔ اور امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصائب خفیف وقلیل نہ تھے شیی من الخوف کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ایک شے کامل بلکہ اکمل تھی آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کسی نے ان مصائب کو

نہیں دیکھا۔خوف بھی کامل بھوک بھی کامل۔ بلکہ اس کے ساتھ پیاس بھی تھی۔نقصان اموال کا حال معلوم ہی ہے کہ اہل بیت کے پاس کوئی شے باقی نہ رہی تھی۔ناظرین تاریخ جانتے ہیں کہ ان ایام میں اسیران اہل بہت کی کیا حالت تھی۔جانوں کا نقصان معلوم ہی ہے کہ بجز سید الساجدین اور چند لڑکوں کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا خود جناب ام کلثوم برروایت جناب سید الساجدین اس کا اظہار فرماتی ہیں کہ جب حضرت قریب مدینہ پہنچی ہیں تو مدینہ کو دیکھ کر فرمانے لگیں۔

مدینة جدنا لا تقبلینا فبالحسرات و الاحزان جئنا

خرجنا منک بالاھلین طرا رجعنا بلا بنات و لا بنینا

اے ہمارے جد بزرگوار کے مدینہ ہمیں قبول نہ کر اور ہمیں اپنے اندر جگہ نہ دے۔کیونکہ جب ہم تجھ سے رخصت ہوئے تھے۔تو ہمارا گھر بھرا ہوا تھا۔سارا کنبہ موجود تھا اور اب ہم تجھ میں اس حال سے لوٹ کر آئے ہیں کہ نہ تو ہماری بیٹیاں باقی ہیں نہ بیٹے۔حضرت کے اس بیان میں ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔کہ حضرت فرماتی ہیں۔نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں۔نہ بیٹے اطفال خوردسال اہل بیت کی شہادت کا حال تو آپ لوگوں نے سنا ہے۔مگر دخترِ ان اہل بیت کیا ہوئیں؟ جو وہ معظمہ فرماتی ہیں۔نہ بیٹیاں ہیں نہ بیٹے۔وقت بعد شہادتِ امام حسین علیہ السلام جب تمام اہل حرم خیمہ سے نکل پڑے تو اطفال خورد سال گریہ وزاری نوح وفریاد کرتے ہوئے لشکر کے سامنے چاروں طرف پریشان دوڑنے لگے اور ایک حشر برپا ہو گیا۔عمر سعد لعین نے جو یہ حالت دیکھی۔گھبرایا اور سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ بچوں پر پتھر برسائیں۔پس ان ملاعین کے پتھروں سے کئی بچے شہید ہو گئے اور ان میں چار لڑکیاں بھی اس وقت درجہ شہادت پر فائز ہوئیں۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حصہ دوم

موعظہ اول

۳ محرم الحرام ۱۳۳۲ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعوا کل اناس بامھم هذان خصمان اختصموا فی ربهم فالذین کفروا قطعت لهم ثیاب من نار یصب من فوق روسهم الحمیم

طرق تحصیل سعادت وعلم حقیقی

مسلم ہے کہ طریق سعادت دو چیزوں میں منحصر ہے اور سعادت دارین حاصل کرنے کے دو ہی طریقہ ہیں ایک علم، دوسرا تقلید یعنی یا تو خود عالم ہو اس کا یا عالم کا پیرو و مقلد، بلا ان دوصورتوں کے حصولِ سعادت ناممکن ہے۔ لیکن وہ علم کون سا علم ہے جو موجب نجات ہو؟ یہی علم جو ہم رکھتے ہیں یا کوئی اور علم؟ .اگر ہمارے علوم اکتسابیہ کو حقائق واقعیہ سے مطابق کیا جائے تو دس حصوں میں سے نو حصے بالکل خلاف واقع اور غلط محض و باطل مطلق ثابت ہوں گے اور ایک حصہ مشابہ باصل وحقیقت نہ کہ علم حقیقی۔ ہمارے علوم دراصل مثل صنعتوں اور حرفتوں کے ہیں کہ جس طرح بعض لوگ اپنے بچوں کو کوئی صنعت وحرفت مثل نجاری (ترکھان) وآہن گری (لوہار) وغیرہ سکھاتے ہیں اور وہ اس کو یاد کر لیتے ہیں۔ اس طرح طلبہ قواعد واصول صرف ونحو معانی بیان، عروض وقافیہ، اعراب واشتقاق وغیرہ کو سیکھتے اور یاد کر لیتے ہیں۔ پس یہ مثل دیگر صنائع وحرف واکتسابات ہیں نہ کہ علم واقعی۔ علوم اکتسابیہ ہرگز علوم حقیقیہ واقعیہ نہیں ہو سکتے۔ البتہ بعض اوقات حصول علم کے ذریعہ ومقدمہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ماہرفن وکاملین علوم کی غلطیاں خود ان کے شاگردوں نے پکڑی ہیں اور ان پر اعتراض کئے ہیں۔ اگر یہ علوم علوم واقعیہ ہوتے تو کبھی غلط و باطل وزائل نہ ہوتے کیونکہ علم کیفیت نفس وملکہ نفس ہے اور ملکات نفس نفس کے ساتھ باقی رہتے ہیں۔

تعریفات علوم ناقص ہیں

یہ علوم مثل صرف ونحو معانی و بیان منطق وفلسفہ وغیرہ کیونکر علوم واقعیہ ہو سکتے ہیں اور کیونکر مدار تحصیل حقائق وتحصیل سعادت ٹھہر سکتے ہیں۔ جب کہ آج تک ان کی حدود وتعریفات بھی صحیح ومکمل نہیں ہوئیں۔ مثلاً علم نحو کی یہ تعریف کی گئی ہے النحو علم یعرف به احوال اواخر الکلم الثلث اعرابا وبنائی یعنی نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے کلمات ثلاثہ کے آخر کا حال باعتبار اعراب وبنا معلوم ہوتا ہے کہ کون سا معرب ہے اور کون سا مبنی اور کیا اعراب۔ لیکن محققین پر پوشیدہ نہیں ہے کہ بہت سے الفاظ کلام عرب میں ابھی ایسے ہیں جن کا حال نہیں معلوم کہ وہ معرب ہیں یا مبنی۔ آج تک برابر اختلاف پڑا ہوا ہے اسی طرح علم منطق کی یہ تعریف کی گئی ہے المنطق الة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطاء فی الفکر یعنی منطق ایک آلہ قانونیہ ہے کہ اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو انسان کا ذہن فکر میں خطا کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ماہرین فن منطق نے مقدمات سے نتائج نکالنے میں بے انتہا غلطیاں کی ہیں۔ بلکہ نفسِ ترتیب مقدمات میں۔ حتی کہ ملا صدرالدین شیرازی جیسے کامل نے بیسیوں جگہ ایسی فاش غلطیاں کی ہیں۔ پس یہ علوم ہرگز حقیقیہ واقعیہ نہیں کہلا سکتے اور یہ کس طرح تحصیل سعادت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔

علم حقیقی کی تعریف

پس وہ علم جو طریق سعادت ہے وہ علم ہے جو فطرتاً منجانب اللہ عطا ہوتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھے کہ وہ علم جو طریقِ سعادت وموجب حصول سعادات اور علم واقعی ہے وہ ہے جو عنداللہ علم ہے اور جس کو خدا علم کہتا ہے۔ خداوند عالم نے دو علموں کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔

ایک علم علم جزئی ہے اور دوسرا علم علم کلی ہے۔ اول کی نسبت فرماتا ہے و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا یعنی نہیں دیا گیا ہے تم کو علم میں سے مگر تھوڑا سا حصہ۔ یہ آیت عام ہے اور عام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس میں ما اوتیم (جو کچھ تم کو دیا گیا ہے) فرمایا ہے نہ کہ ما کسبتم یعنی جو کچھ تم تحصیل وکسب کرتے ہو۔ جس سے ثابت ہے کہ اس علم سے وہ علم مراد ہے جو ہر شخص کو فطرتاً دیا گیا ہے اور ان کے وجود کے ساتھ عطا ہوا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ امور بدیہیہ ضروریہ کو ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سچ اچھا ہے جھوٹ برا ہے اور دو اور دو مل کر چار ہوتے ہیں اور دس دو سے بڑا ہے وغیرہ ذالک جن کو

مستقلات عقلیہ کہتے ہیں۔ اگر انسان کو فطرتاً کچھ علم عطا نہ ہوتا تو ہر گز قابل تکلیف نہ ہوتا۔ کبھی مکلّف نہ کہا جاتا۔ یہ امر شان خداوندی سے بعید ہے کہ انسان کو مکلّف بنائے اور اس کو فی الجملہ علم عطا نہ فرمائے۔ علاوہ ازیں اگر انسان میں کچھ علم فطرتاً موجود نہ ہوتا تو خارج سے بھی اثر قبول نہیں کر سکتا۔ پس اسی علم فطری کے ذریعہ سے معلم و استاد سے جو باتیں سنتا ہے ان کو سمجھتا اور قبول کرتا ہے اور اسی علم کے ذریعہ سے علم معلم سے اکتساب کرتا ہے۔ بہر حال اس علم سے مراد علم فطری ہے نہ کہ اکتسابی۔ اور اسی کو علم کہا جاتا ہے جو عند اللہ علم ہے اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ علم جزئی ہے۔ چنانچہ (من) سے جو تبعیض اور جزئیت پر دلالت کرتا ہے۔ ثابت ہے اور پھر لفظ قلیل سے اس کی تاکید مزید دلالت کرتی ہے کہ یہ علم علم جزئی ہے اور بہت ہی تھوڑا سا ہے یعنی عام لوگوں کو جو علم فطرۃً عطا کیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔

رفع شبہ

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہاں یہ شبہ کرے کہ آیہ مبارکہ ما اوتیتم الخ اس طرح ھے یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا (ترجمہ) اے پیغمبرؐ یہ لوگ تجھ سے روح کی نسبت سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دو کہ روح امر رب ہے اور تم کو نہیں علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلق علم کی کمی کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خاص علم روح کا ذکر ہے کہ وہ تم کو تھوڑا سا دیا گیا ہے اور اس علم جزئی سے حقیقت روح کا ادراک ناممکن ہے۔ مگر اس آیت کے الفاظ ظاہر یہ ہی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ جواب یہ دیا گیا ہے قل الروح من امر ربی کہہ دو کہ روح امر رب سے ہے یعنی روح خداوند عالم کے عالم امری سے ہے نہ کہ عالم خلقی سے۔ عالم امری میں صرف ارادہ باری تعالیٰ کا تعلق کافی ہے۔ جہاں ارادہ الٰہی کسی شے سے متعلق ہوا۔ فوراً وہ شے موجود ہو جاتی ہے رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ پیدا نہیں ہوتی۔ اشیائے عالم خلقی حسب اسباب درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہیں اور دونوں عالموں کی طرف کلام مجید حمید میں ارشاد فرمایا ہے۔ انما امرہ اذا اراد شیاء ان یقول لہ کن فیکون یعنی امر الٰہی یہ ہے کہ جب اس نے کسی شے کا ارادہ کیا اور (کن) کہا فوراً موجود ہو گئی یہ لفظ (کن) جو فصیح ترین مختصر ترین الفاظ سے ہے۔ تفہیم و تفہم سمجھانے اور سمجھنے کے لئے بیان فرمایا ہے۔ جس سے بہتر کوئی لفظ ہو ہی نہیں سکتا ورنہ دراصل یہ کوئی آواز نہیں ہوتی ہے جو خدا بولتا ہے اور شے موجود ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کا کلام نفس ایجاد ہے جیسا کہ سر اللہ فی العالمین جناب امیر المومنین نے فرمایا ہے لا بصوت یقرع و لا بنداء یسمع بل کلامہ سبحانہ ایجادہ یعنی وہ نہ تو کوئی آواز

ہوتی ہے۔ جس کا کھٹکا یا دھمکا ہو اور نہ کوئی ندا ہے۔ جو سنائی دے بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام نفس ایجاد ہے یعنی جس وقت ارادہ الٰہی عالم امری کی کسی چیز سے متعلق ہوا۔ فوراً موجود ہوگئی اور عالم خلق کی نسبت فرماتا ہے **ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا اخر فتبارک الله احسن الخالقین** (مومنون ع ۱) البتہ ہم نے انسان کو خلاصہ طین سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ قرارگاہ میں نطفہ رکھا اور پھر نطفے کو علقہ (خون منجمد) بنایا اور علقے کو مضغہ (لوتھڑا) اور پھر اس کو ہڈیاں دیں اور پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری خلقت عطا کی۔ پس بزرگ و صاحب برکت ہے وہ خدا جو بہترین خالق ہے۔ یہ خلقت خلقت عالم خلقی ہے کہ انسان شکم مادر میں چھ درجے رفتہ رفتہ طے کر کے عالم انسانی میں داخل ہوتا ہے پس آیہ مبارکہ میں سائلین کے جواب میں جو علمائے یہود و نصاریٰ سے تھے اور وہ جانتے تھے کہ انبیاء کے ساتھ ایک روح اعظم ہوتی ہے اور **نفخت فیہ من روحی** حضرت آدم کے باب میں سن چکے تھے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ یہ روح جس کی بابت تم دریافت کرتے ہو۔ ہمارے عالم امری سے ایک مخلوق عظیم ہے اور تم عالم مادی جسمانی سے ہو تم عالم امری کی اشیا کا ادراک کر نہیں سکتے اور تمہارا علم وہاں تک احاطہ نہیں کر سکتا اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ لہذا آیہ مبارکہ **و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا** ان کی نافہمی کی علت کو بیان کرتی ہے اور ان کے علم کے محدود و جزئی ہونے پر دال ہے نہ کہ صرف علم روح کی نادانستگی پر (فافہم)

بعض جہال اس آیہ مبارکہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں جواب میں مسامحہ کیا گیا ہے اور سائلین کو روح کی حقیقت کی بابت کچھ جواب نہیں دیا گیا۔ استکشافات جدیدہ سے اس اعتراض کی رکاکت و بطلان ثابت ہے۔ کیونکہ سائلین یہود جزیرہ عرب کے جاہل تھے اور ورائے علوم نہ تھے اور تحقیقات جدیدہ میں ثابت ہے کہ علوم مرتب بہ ترتیب خاص ہیں اور جب تک علم متقدم حاصل نہ ہو تحصیل علم متاخر ممکن نہیں۔ اور ترتیب علوم مثلاً اس طرح سے ہے۔ اول علوم ریاضی، دوم علوم فلکیہ، سوم علوم طبعیہ، چہارم علم کیمیا، پنجم علم وظائف اعضا و تشریح، ششم علم نفس و منطق، ہفتم علم اقتصاد سیاسی، ہشتم علم تکوین شعوب، نہم علم تمیز، جمال، دہم علم ماوراطبیعت اور اسی میں علم روح داخل، نیز علم عقائد و معارف الٰہیہ، یازدہم علم اخلاق، دوازدہم علم حقوق، سیزدہم علوم سیاسیہ اس ترتیب سے ظاہر ہے کہ علم معرفت روح مرتبہ دہم میں ہے۔ پس کس طرح سے جہال یہودیوں کے لئے معرفتِ حقیقت روح ممکن ہے تا کہ حقیقت روح سے جواب دیا جائے (فافہم)

علم کلی

دوسرے علم یعنی علم کلی کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔ یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتو العلم درجات یعنی اللہ تم میں سے اہل ایمان اور ان لوگوں کے درجات کو بلند کرتا ہے جن کو علم دیا گیا ہے۔ یہاں ''من العلم'' یا ''قلیل'' نہیں ہے فرمایا جس سے جزوی علم مراد ہوتا۔ بلکہ العلم فرمایا ہے جس سے مراد وہ گروہ خاص ہے جو مطلق علم اپنے وجود میں رکھتا ہے اور یہ علم علم اکتسابی نہیں۔ بلکہ وہی علم ہے جو اس کا مرتبہ علم باری تعالیٰ سے منتزع و متنزل ہوا ہے۔ غرض ان آیات میں دو علموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک علم محدود و جزئی ہے اور وہ اعم ہے اور سب کو شامل ہے اور دوسرا علم مطلق کلی اور وہ مخصوص ہے ایک جماعت خاص سے اور طریق سعادت یہی علم ہے اور سعید و نیک بخت دو ہی قسم کے لوگ ہیں۔ یا وہ لوگ جو دارائے علم مطلق ہیں۔ یا وہ لوگ جو ان سے لیتے ہیں اور ان کے مقلد ہیں۔

بیان علم ذاتی و رفع اشتباہ

کوئی شبہ نہ کرے کہ'' اوتو العلم '' میں لفظ'' اوتو '' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم ان کا ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ بعد خلقت ذات ان کو عطا کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان علاوہ اجزائے مادیہ جسمانیہ ایک روح یا قوت ملکوتی رکھتا ہے جو مجرد اور فوق اجزائے مادیہ ہے اور کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں اور تجرد دلیل علم ہے۔ بلکہ وہ قوتِ ملکوتیہ نفس قوتِ علمیہ ہے۔ جو انسان کو دی گئی ہے اور انسان اسی قوت سے انسان کہلاتا ہے۔ نہ کہ اجزائے مادیہ سے پس وہ علم ذاتی رکھتا ہے اور علم کا مادہ اس کی فطرت میں داخل ہے اور اسی کی وجہ سے مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ ہرگز قابل تکلیف نہ ہوتا۔ البتہ علم اس کا بہت کم ہے اور محدود و ناقص۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ آیہ مجیدہ فاقم وجھک للذین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون (روم) یعنی اپنی توجہ کو خالصاً لوجہ اللہ اقامہ دین کے لئے منعطف کر۔ یہ دین فطرتِ الٰہی ہے۔ جس پر خدا نے لوگوں کو مخلوق و مفطور کیا ہے اور خلق الٰہی کے لئے تبدیلی ممکن نہیں۔ یہی دین قائم و ثابت ہے لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔ اگر دین فطرت انسانی میں داخل نہ ہوتا اور بالفطرت لوگ عالم نہ ہوتے۔ تو ہرگز مکلّف نہ ہوتے۔ اسی دین فطری کی تکمیل کے واسطے انبیاء علیھم السلام مبعوث ہوئے ہیں اور اسی عالم فطری کی تمیم کے لئے آئے ہیں۔ پس یہ علم علم فطری ذاتی ہے۔ لیکن بالذات نہیں ہے۔ علت موجدہ اور ہے اور علم ذاتی

اور ہے اور علم ذاتی او علم بالذات میں فرق ہے۔ خداوند عالم کا علم ذاتی بالذات ہے اور یہ صرف اسی ذاتِ پاک سے مخصوص ہے (فافہم)

فرقِ عالم و علیم

ایک عالم ہے اور ایک علیم اول خداوند عالم نے اپنی ذات کو لفظ علیم سے متصف فرمایا ہے ان اللہ بکل شیء علیم ذلک تقدیر العزیز العلیم اور علم اس کا علم ذاتی ہے اور بالذات۔ بعد ازاں اپنے پیغمبروں کو علیم فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ عزیز مصر سے فرماتے واجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم اور حضرت اسحاقؑ کے باب میں فرمایا ہے و بشرنا ہ بغلام علیم پس بعد خدا اس کے انبیاء علیھم السلام ہیں اور علم ذاتی رکھتے ہیں۔ لیکن نہ بالذات، بلکہ باعطائے الٰہی اور ان کے تحت میں عالم ہیں جو ان سے علم لیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف میں خدا فرماتا ہے و فوق کل ذی علم علیم۔ یعنی ہر ایک ذی علم، عالم کے اوپر علیم ہے پس ذی علم عالم ہیں اور ان کے اوپر علیم پیغمبر ہے اور فوق پیغمبر خداوند عالم کہ علیم ازلی وابدی ہے اور علم اس کا بالذات وعینِ ذات ہے۔

علت خلقتِ انبیاء

خدا نے جو انبیاء کو خلق فرمایا ہے ان کی خلقت کی اصلی غرض کیا ہے؟ آیا خاص ہمارے واسطے اور ہماری ہی ہدایت کے لئے خلق کیا ہے۔ یا کسی اور غرض سے؟ اگر انبیاء کو خاص ہمارے ہی واسطے اور ہماری ہدایت ہی کے لئے خلق فرمایا ہے اور ان کے وجود اور خلقت کی غرض و غایت ہم ہی تو ہیں۔ تو لازم آتا ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہوں اور ہماری خلقت مقصود بالذات ہو اور ان کی مقصود بالعرض۔ کیونکہ مسلم ہے کہ غایت ذی الغایت سے افضل ہوتی ہے جو چیز جس کی غرض سے اور جس کے واسطے بنائی جاتی ہے وہ افضل ہے۔ اس چیز سے جو اس کے لئے بنائی گئی ہے۔ لہٰذا اگر انبیاء خاص ہمارے ہی لئے بنائے گئے ہیں۔ تو ہم یقیناً ان سے افضل ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی غرض و غایت ہم ہیں اور یہ باطل ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہیں اور نہ کسی کا یہ اعتقاد ہے۔ بلکہ حدیث قدسی لولاک لما الخ اس کے خلاف پر دال ہے یعنی اس سے صاف ثابت ہے کہ خلقت پیغمبر خاتم النبیینؐ مقصود بالذات ہے اور ہماری خلقت بالعرض۔ یہ کلیہ کہ کل انبیاء ہماری خاطر اور ہمارے لئے خلق کئے گئے ہیں، غلط اور باطل ٹھہرا اور یہی مقصود ہے۔ فافہم وتدبر

پس معلوم ہوا کہ غرض و غایت خلقت ہم اور ہماری ہدایت نہیں۔ بلکہ خداوند عالم نے ان نفوس

مقدسہ کو بغرض اظہار کمال وقدرت کاملہ ومحبت شاملہ خلق کیا ہے کہ ان کے وجود کو دوست ومحبوب رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے کمالات کا نمونہ اور اس کی صفات کمالیہ، جلالیہ وجمالیہ کا مظہر ہیں اور ہر صاحب کمال اپنے کمال سے مبتہج ومحفوظ ہوتا ہے اور اس کو محبوب رکھتا ہے۔ اسی واسطے حضرت موسیٰؑ سے خطاب کر کے فرماتا ہے "واصطنعتک لنفسی " یعنی اے موسیٰ میں نے تجھے خاص اپنے واسطے پیدا کیا اور بنایا ہے۔ پس اصل غرض خلقت انبیاء سے اظہارِ قدرت ومحبت الٰہی ہے۔ البتہ ہماری ہدایت اس کی فرع ہے اور غرض، عرضی وثانوی۔ کیونکہ نفسِ وجود ان کا مظہر کمالات الٰہیہ ہے اور وہ ہمیشہ سالک صراط مستقیم الٰہی ہیں۔ اس لئے ہم ان سے معرفت حاصل کرتے اور ان کی پیروی کر کے منزل ومقصود پر پہنچتے ہیں۔ پس ہماری ہدایت اان کے آثار وجودیہ سے ہے نہ ان کی خلقت کی غرض وغایت اصلی خداوند عالم علیم بالذات ہے اور علیم بالذات اور علم بالذات جاہل بالذات کو محبوب ودوست نہیں رکھتا۔ کامل کمال کو دوست رکھتا ہے۔ لہذا اس نے انبیاء کو جاہل پیدا نہیں کیا۔ بلکہ عالم بلکہ علیم پیدا کیا اور علم ان کی سرشت میں ودیعت کیا۔ بلکہ اول چیز جو مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے۔ وہ علم ہی ہے جیسا کہ سورہ رحمٰن کی آیات اولیہ سے ظاہر ہے۔ الرحمن علم القران خلق الانسان علمه البیان (رحمٰن نے قرآن تعلیم دیا انسان کو خلق کیا اور اس کو بیان سکھایا) ظاہر ہے کہ آیہ مذکورہ میں تعلیم مقدم ہے خلقت پر۔ خلقت بعد ہے اور تعلیم اول۔ کیونکہ علم ہی مقدم ہے تمام چیزوں سے۔ اول علم ہے، دوم مشیت سوم ارادہ، چہارم قدر، پنجم قضا، یا چہارم قضاء، پنجم قدر، ششم اجل، ہفتم کتاب، لہذا اول اس آیت میں علم ہی کو ذکر کیا گیا ہے کہ اول ما نزل من الله علم ہی ہے۔

نکتہ۔ یہاں خداوند عالم نے "الرحمن" فرمایا ہے "الله" نہیں فرمایا اور خلقت انسان سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا ہے۔ پس وہ متعلم کون ہے جس کو قبل خلقت قرآن تعلیم دیا گیا اور وہ تعلیم کس قسم کی تھی۔ اللہ اسم خداوند عالم ہے باعتبار جامع ہونے جمیع صفات کمالیہ کے۔ اللہ یعنی جامع جمیع صفات کمالیہ اور رحمٰن اسم ہے باعتبار ظہور جمیع صفات کمالیہ کیونکہ رحمت ہی سے ظہور ہوتا ہے ورحمتی وسعت کل شیی اور تعلیم مقام ظہور ہے۔ اس لئے الرحمن فرمایا ہے۔ اللہ نے ہی فرمایا ہے اور چونکہ رحمٰن اسم ہے باعتبار ظہور صفات۔ اسی واسطے جہاں کہیں عرش یعنی علم خدا کا ذکر آیا ہے۔ وہاں رحمٰن ہی استعمال ہو ہے الرحمن علی العرش استوی یہ جو کہتے ہیں کہ اللہ خداوند عالم کا اسم ذاتی ہے نہ صفاتی۔ غلط محض ہے۔ خدا کے لئے کوئی اسم ذات نہیں۔ اس کی ذات اسم ورسم حد وتحدید سے بری اور مقدس ہے کیونکہ مسلم ہے کہ اسم ذات مسمی کو شخص ومحدود کر دیتا ہے اور ذات مسمی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر اللہ اسم ذات خداوند

عالم ہو۔تو ذات خدا مشخص و محدود ہو جائے اور نیز ہر شخص متصور احاطہ کر لے اور پہچان لے۔غرض اللہ بھی اسماء حسنیٰ صفاتیہ ہی میں داخل ادعو اللہ او دعو الرحمن ایاما تدعوا فله الاسماء الحسنی سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ اور رحمٰن دونوں ایک ہی جیسے اسماء صفاتیہ ہیں۔اللہ ہرگز اسم ذات وعلم نہیں۔پس خدا کے لئے کوئی اسم ذاتی قرار دینا درست نہیں۔اور یہ متعلم جس کو قبل خلقتِ انسان تعلیم دی گئی ہے۔وہ حقیقت نورانیہ محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔کیونکہ وہ اول موجودات ہے اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ اول جو چیز مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے۔وہ علم ہے۔پس حقیقت نورانیہ محمد یہ نفس حقیقت علمیہ ہے اور اسی سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہی تعلیم، تعلیم عالم عنصری نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم ایجادی ہے۔یعنی مبدء فیاض نے اول قوت علیہ ایجاد کی ہے۔جو حقیقت نورانیہ محمد یہ ہے۔چنانچہ اس کا ثبوت کہ انبیاء کی تعلیم تعلیم ایجادی ہے اور ایجاد و تعلیم ایک ہی آن واحد میں ہیں اور یہ تعلیم، تعلیم تدریجی نہیں۔قصہ حضرت آدمؑ وغیرہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذا استویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین یعنی جب میں اس کو درست اور معتدل بنالوں اور اپنی روح خاص اس میں پھونک دوں۔تو تم فوراً سجدہ تعظیم میں جھک جاؤ اور پھر فرمایا ہے وعلم ادم الاسماء کلها اللہ نے آدمؑ کو تمام اسماء تعلیم کر دئے۔پس یہ تعلیم حضرت آدمؑ محض نفخ روح ہی سے ہے نہ یہ کہ اول ان کو خلق کیا گیا۔پھر روح پھونکی گئی۔ بعد از اں ان کو درجہ بدرجہ تعلیم دی گئی۔ بلکہ ایجاد نفخ روح او تعلیم ایک آن میں ہے۔یعنی ان کو عالم پیدا کیا گیا اور وہ روح روحِ علمی ہے جو ان کو دی گئی۔اس کے داخل ہوتے ہی عالم ہو گئے اور وجود میں آئے اور عارف و عالم اسی طرح قصہ حضرت عیسیٰ صریح اس پر دال ہے۔غرض انبیاء علیھم السلام کو خدا نے مقام محبت سے خلق کیا ہے اور ان کو اپنی صفات کاملہ وقدرت بالغہ کا نمونہ ومظہر قرار دیا ہے و للہ الامثال العلیا تمام انبیاءؑ حجج اللہ نمونہ قدرت بالغہ کا نمونہ و مظہر صفات کمالیہ۔چنانچہ حدیث نبویؐ میں وارد ہوا ہے ان اللہ خلق ادم علی صورته بتحقیق کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت مشخصہ نہیں ہے۔پس مراد صورت سے صورتِ صفاتی ہے۔یعنی اپنی صفات پر خلق کیا ہے اور اپنے اوصاف کا نمونہ ومظہر بنایا ہے۔

مثال:۔انبیاء علیھم السلام اور مبدء فیاض تبارک وتعالیٰ کی مثل آفتاب وشعاع آفتاب کے لئے ہے۔یعنی انبیاء کو مبدء فیاض و صانع مطلق سے وہ نسبت ہے جو بلاتشبیہ شعاع آفتاب کو آفتاب سے ہے کہ شعاع کا مبدء آفتاب ہے اور شعاع آفتاب ہی سے ہے۔مگر غیر آفتاب ہے۔عین آفتاب نہیں۔اس سے متصل بھی ہے اور جدا بھی۔اس کا مظہر اور اس کا اثر ہے۔مگر عین ذات نہیں (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے)

اسی طرح انبیاء وحجج اللہ نور الہی کی شعاعیں اور اس کی صفات کا نمونہ ومظہر۔مگر عین ذات باری تعالیٰ نہیں۔جس طرح آثار آفتاب وکمالات شعاع آفتاب ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔اور جو کچھ فیض عالم کو پہنچتا ہے۔شعاعوں کے ہی ذریعہ سے پہنچتا ہے اور اگر شعاع نہ ہوتی تو آثار آفتاب ہم پر منکشف نہ ہوتے۔شعاع کو دیکھ کر آفتاب کو پہچانتے ہیں۔اسی طرح وجود انبیاء وحجج اللہ جو نور سرمدی الہی کی شعاعیں ہیں۔انہیں کے ذریعے سے ہم اپنے خالق وصناع کو پہچانتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے فیض نور سرمدی ہم تک پہنچتا ہے۔ہم انکو دیکھ کر اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور یہی مطلب ہے واصطفیتک لفنسی کا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اس لئے بنایا ہے کہ میرے کمالات وآثار تجھ سے ظاہر ہوں اور تجھے دیکھ کر لوگ مجھے پہچانیں۔ورنہ میرا ادراک اور میری معرفت محال ہے۔ان کی بصارت میں اتنی قوت کہاں کہ نور سرمدی کا احساس کرسکیں۔

پس سب سے پہلے جو چیز مصدر علم سے صادر ظاہر ہوئی ہے۔وہ حقیقت نورانیہ محمدیہؐ ہے جو شعاع وضو نور سرمدی ہے۔اسی واسطے حدیث میں آیا ہے(سابع بحار) اشتق نوره من نور الله یعنی نور محمدی نور الہی سے متنزل ومشتق ہے اور جناب امام محمد باقر، باقر علوم الاولین والاخرین علیہ الصلوۃ والسلام اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے فرماتے ہیں کہ اے جابر اللہ تھا اور اس کے ساتھ معلوم ومجہول کوئی شے نہ تھی۔پس اول اول جو خلقت عالم کی ابتدا کی تو محمد مصطفیٰؐ اور ہم اہل بیتؑ کو اپنے نور عظمت وجلال سے خلق فرمایا۔پس ہم کو سایہ سبز کی صورت میں کھڑا کیا۔جب کہ نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی، نہ آفتاب تھا، نہ ماہتاب، نہ رات، نہ دن، ہمارا نور خدا کے نور سے اس طرح منفصل وجدا ہوتا تھا جس طرح شعاع آفتاب سے یفصل نورنا من نور ربنا کشعاع الشمس من الشمس اور چونکہ ظہور وانعکاس نورانیت کے لئے ضروری ہے کہ ایک وجد کثیف درمیان میں حائل ہو۔مثلاً آئینہ اگر دونوں طرف سے یکساں شفاف ہو تو شعاع بصر منعکس نہیں ہوسکتی اور کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی۔اس لئے ایک طرف سے روش اور دوسری طرف کثیف ہوا کرتی ہے۔پس انبیاء حج اللہ جو مظہر نور سرمدی ہیں ایک جنبہ جسمانی بھی رکھتے ہیں۔تاکہ شعاع نور سرمدی منعکس ہوکر مخلوقات تک پہنچے اور یہ صفت ملائکہ میں نہیں ہے۔اور وہ اس خلافت الہیہ کے مستحق نہیں ہوسکتے۔اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔حافظ شیرازی نے اور بہت اچھا کہا ہے

جلوہ کرد رخش دید ملک عشق نداشت

برق غیرت شدہ زیں آتش و برآدم زد

دراصل یہ شعر ترجمہ ہے اس حدیث کا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت صفاتیہ پر پیدا کیا ہے اور اپنے انوار جلالیہ و جمالیہ کا مظہر قرار دیا ہے اور جامع صفات متضادہ انسان ہی ہے نہ ملک (فافہم)

نورانیت اجسام انبیاء

بہر حال وجود اول جو مصدر و مبدء فیاض سے صادر ہوا ہے۔ وہ حقیقت علمیہ ہے۔ کیونکہ علیم بالذات سے صادر ہوا ہے اور روح قدس نبوتی حقیقت نوریہ وجودیہ ہے اور یہ ضروری ہے کہ محل مناسب حال ہو اور ظرف مناسب مظروف۔ اگر ظرف مناسب مظروف ~~اور~~ محل مناسب حال نہ ہوگا تو وہ اس حال و مظروف کا متحمل نہ ہو سکے گا اور اس کو برداشت نہ کر سکے گا۔ لہذا لازمی ہوا کہ اس حقیقت نورانیہ کے واسطے محل و ظرف بھی نورانی ہی ہو۔ تاکہ معرفت نور سرمدی صرف ان کے بیان ہی پر موقوف نہ رہے۔ بلکہ ان کے دیکھنے سے بھی آثار نوریہ ظاہر ہوں چنانچہ آیہ نور میں اسی کی طرف اشارہ ہے " اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیء ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیء علیم " جب حقیقت روحانیہ بھی حقیقت نورانیہ ہے اور جسم بھی نورانی تو پھر نور علی نور ہی ہے پس نوع انبیاء نوع خاص ہے اور ان کا وجود مادی بھی مادہ کثیفہ سے نہیں ہے۔ بلکہ نورانی ہے اور اجسام عنصریہ سے خارج اور ان سے بالاتر ہے اور ان پر حاکم ہے۔ نہ ان کے ماتحت اور نہ ان کا محکوم۔ پس وہ عالم اجسام میں بھی داخل بھی ہے اور خارج بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اجسام عنصریہ ان پر خود اثر نہیں کر سکتے۔ پڑھئے قصہ حضرت یونس کہ بروایت بعض چالیس روز تک اور ایک روایت کے موافق کم سے کم تین روز شکم ماہی میں زندہ رہے جس پر تمام کتب عہد عتیق و جدید توریت وغیرہ شاہد ہیں۔ کونسا انسان ہے جو تین روز یا چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہ سکے۔ علی ہذا القیاس جس وقت حضرت موسیٰ متولد ہوئے ہیں اور فرعون کو خبر ملی تو اسے مفتش کو تلاش و دریافت حال کے لئے بھیجا۔ جب مفتش داخل خانہ مادر موسیٰ ہوا۔ تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو ایک تنور میں رکھ دیا اور اوپر کچھ لکڑیاں ڈال دیں تاکہ دکھائی نہ دیں ایک لونڈی نے بےخبری میں آ کر تنور میں اور لکڑیاں ڈال دیں اور آگ روشن کر دی۔ جب مفتش تلاش کر کے چلا گیا تو والدہ موسیٰ دوڑیں اور چلائیں کہ تنور میں آگ کس

نے روشن کر دی۔لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔فرمایا اس میں تو میرا بچہ ہے۔میں نے مفتش کے خوف سے رکھ دیا تھا۔اس نے کہا کہ مجھ کو خبر نہ تھی۔مادر موسیٰ گھبرائیں اور جب تنور میں دیکھا تو حضرت موسیٰؑ صحیح وسالم موجود ہیں اور آگ سے کھیل رہے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ آگ تنور میں خود بخود روشن ہوگئی تھی۔سبحان اللہ چونکہ وجود اقدس موسیٰؑ اجسام عنصریہ پر غالب وحاکم تھا۔آگ اس پر اثر نہ کرسکی۔

اس طرح قصہ ابراہیمؑ خلیل اللہ مشہور ومعروف ہے کہ آتش حضرت کے لئے گلزار ہوگئی تھی۔بعد ازاں بحکم خدا اور موسیٰؑ نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں پھینک دیا اور حضرت ایک روز برادیتے تین روز تک دریا میں رہے اور زندہ نکلے۔حالانکہ دوسرا بچہ اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔کیونکہ اگر صندوق میں سوراخ رکھے جائیں تو پانی بھر جائے اور بچہ دم گھٹ کر مر جائے اور اگر بالکل بند کر دیا جائے تو ہوا داخل نہ ہو اور سانس بند ہو کر بچہ ہلاک ہو جائے۔مگر مادر حضرت موسیٰ نے صندوق کو ہر ایک طرف سے بالکل بند کر کے دریا میں ڈالا تھا اور حضرت موسیٰ زندہ رہے جس کی خدا خبر دیتا ہے"فاقذفیه فی الیم"اس صندوق کو دریا میں ڈال دے۔

بالجملہ محل مناسب حال ہے اور حقیقت نورانیہ نبویہ کا ظرف بھی نورانی وفوق اجسام عنصریہ ہوتا ہے اور جب اس کی نورانیت درجہ کمال پر پہنچتی ہے تو پھر اس جسم کا سایہ بھی نہیں ہوتا۔نور محض ہو جاتا ہے۔چنانچہ خصائص وجود اقدس احمدیؐ سے ہے کہ حضرت کے جسم اقدس کا سایہ نہ ہوتا تھا۔پس انبیاء علیہم السلام کو جو اجزاے مادیہ عطا کئے گئے ہیں وہ بھی ہماری روح سے لطیف تر اور نورانی ہیں۔

بیان خلقت انبیاء علیہم السلام

حضرت آدمؑ سے لے کر تا حضرت خاتمؐ اکثر انبیاء علیہم السلام کا حال ولادت دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ خلقت انبیاء علیہم السلام اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف نہیں ہے۔حضرت آدمؑ کے باب میں"اذا سویته و نفخت فیه من روحی" فرمایا ہے۔اسباب ظاہری کا کہیں ذکر نہیں۔بعدازاں حضرت اسحاقؑ کی ولادت کے قصے کو پڑھئے۔سورہ ذاریات میں خدا خبر دیتا ہے" وبشروه بغلامه علیم "ملائکہ نے حضرت ابراہیم کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی۔فاقبلت امرته فی صرة افصکت و جهاو قالت عجوز عقیم پس حضرت ابراہیم کی بیوی (سارہ) اپنی لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ خوشخبری

سننے کو آئیں اور ملائکہ کو دیکھ کر شرم سے منہ ڈھانپ لیا۔ یا منہ پیٹ لیا اور کہا میں بڑھیا ہوں اور میرا شوہر بھی قابل اولاد نہیں ہے پھر اولاد کیسے ہوگی ''قالو اکذالک قال ربک انه هو الحکیم العلیم'' ملائکہ نے کہا بے شک ایسا ہی ہے کہ نہ تمہارا سن قابل اولاد ہے اور نہ تمہارے شوہر ابراہیم قابل توالد۔ لیکن یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے اور وہی صاحب حکمت اور ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اس کے نزدیک کوئی دشوار نہیں کہ اس سن میں تمہیں فرزند عطا فرمائے۔ دوسرے مقام پر سورہ ہود میں اس قصے کا ذکر ہے'' و امراته قائمة فضحکت فبشرنا هاباسحق و یعقوب قالت یویلتی ء الد و انا عجوز و هذا بعلی شخاان هذا الشیی عجیب '' جب ملائکہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تو ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ہنسیں پس ہم نے ان کو اسحٰقؑ اور بعد اسحاقؑ یعقوبؑ کی بشارت دی۔ اس نے کہا۔ کیا میں جنونگی۔ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بھی ضعیف ہے؟ بتحقیق یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس سن میں اولاد ہو۔ قالو التعجبین من امر الله رحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت انه حمید مجید '' (ہود ع ۷) ملائکہ نے جواب میں کہا کیا تم امر الٰہی سے تعجب کرتی ہو؟ تم اہل بیت نبوت پر خدا کی خاص رحمت و برکات ہیں اور وہی صاحب حمد و صاحب بزرگی ہے۔

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ خلقت انبیاء عالم امری سے ہے۔ وہاں صرف ارادہ الٰہی متعلق ہونے کی ضرورت ہے۔ ان کی خلقت اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف نہیں ہے اگر تم اور تمہارے شوہر دونوں قابل توالد و تناسل نہیں ہیں تو تم سے فرزند پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے خدا ہر چیز پر قادر ہے اور خلقت کا اسباب ظاہریہ پر موقوف نہ ہونا صرف تم اہل بیت نبوت ہی کے واسطے ہے اور یہ رحمت و برکت انبیاء ہی کے لئے ہے۔ عام لوگ اس میں شرکت نہیں رکھتے ہیں۔ حضرت سارہؑ کی عمر اس وقت ۹۴ سال کی تھی اور حضرت ابراہیمؑ کی ایک سو بیس سال کی۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔ پس ایسے وقت میں ان سے اولاد کا ہونا جب کہ بتصدیق خداوند عالم و ملائکہ وہ قابل توالد و تناسل نہ تھے۔ یہ خاص رحمت خدا نہیں تو اور کیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہے کہ خلقت انبیاء کی صورت کچھ اور ہی ہے نہ کہ عام لوگوں کی طرح۔ اور ان کی خلقت عالم امری سے ہے نہ کہ عالم خلقی سے جو موقوف باسباب ظاہریہ ہو۔

اس سے زیادہ صریح قصہ حضرت عیسیٰ ہے۔ حضرت مریم نے بھی اس بشارت سے تعجب ظاہر فرمایا ہے۔ واذکر فی الکتاب مریم اذ نتبذت من اهلها مکانا شرقیافاتخذت تمن دونهم حجابافارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا قالت انی اعوذ با لرحمن منک ان کنت

تقیا قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا قالت انی یکون لی غلام و لم یمسسنی بشر ولم اک بغیتا .قال کذالک قال ربک ھو علی ھین و لنجعله ایة للناس و رحمة منا و کان امر مقضیا (سورہ مریم ۲ع) یاد کر کتاب میں ذکر مریمؑ کو جب وہ اپنے کنبے سے الگ ہو کر جانب مشرق چلی گئی اور ان کی طرف پردہ حائل کر لیا۔ پس ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتے کو بھیجا جو بصورت بشری ان کے سامنے آیا تو مریم نے کہا۔ میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں اگر تو متقی و پرہیز گار ہے کہ تو میرے پاس کیوں آیا ہے اس نے کہا ہوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا عنایت کروں۔ مریم نے کہا میرے کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے اور نہ میں (معاذ اللہ) بدکار ہوں (اس مقام پر تخصیص بعد تمیم ہے۔ مطلب حضرت مریمؑ کا یہ ہے کہ میرے شرعی شوہر تو ہے ہی نہیں جو مجھ سے ہم بستر ہوتا اور میں زانیہ و بدکار بھی نہیں ہوں۔ جو غیر شرعی طور پر کوئی بشر مجھ سے مس کرے۔ غرض حضرتؑ اپنی عصمت کو ظاہر فرماتی ہیں اور ملائکہ حضرتؑ کی تصدیق کرتے ہیں) اس فرشتے نے کہا ایسا ہی ہے (نہ تم کو شوہر نے مس کیا ہے اور نہ کسی اور شخص نے) (مگر) تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ امر میرے لئے آسان ہے (کہ بلا اجتماع مرد و زن و تہیہ اسباب ظاہریہ بچہ پیدا کر دوں) اس لئے ہم اس کو لوگوں کے لئے اپنی آیت و رحمت خاص قرار دیں گے اور یہ امر طے شدہ ہے۔ قضا اس پر جاری ہو چکی ہے۔ اس آیت کے آخر میں خدا فرماتا ہے" ذالک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیه یمترون" یہ ہی عیسیٰ ابن مریم ہے جس کی ولادت اس طریق مذکور پر ہوئی۔ یہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک و شبہ کرتے ہیں۔" ما کان الله ان یتخذ من ولد سبحانه اذا قضی امرا فانما یقول له کن فیکون" خدا کی شان کے یہ شایان نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے کسی کو بیٹا بنائے یا کسی قسم کی جزئیت ولدی اختیار کرے وہ ان امور سے پاک و پاکیزہ ہے وہ۔ وہ ذات پاک ہے کہ جب وہ کسی امر کا حکم کرتا ہے اور اس کی قضا اس پر جاری ہوتی ہے پس وہ کن کہتا ہے اور وہ امر ہو جاتا ہے یعنی اس کا ارادہ متعلق ہوتے ہی وہ شے ہو جاتی ہے۔ پس وہ خلق کرنے میں کسی سبب ظاہری کا محتاج نہیں ہے۔ یہ آیت بالصراحت دال ہے کہ خلقت انبیاء علیہم السلام عالم امری سے ہے نہ عالم خلقی سے اسباب ظاہریہ کو یہاں دخل نہیں چنانچہ دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰؑ ہی کے باب میں فرمایا ہے" و کلمة القاھا الی مریم و روح منه" یعنی عیسیٰ خدا کا کلمہ وجود یہ ہے اور اس کا ایک روح خاص ہے۔ اسباب مادیہ ارضیہ کو اس کے وجود میں کوئی دخل نہیں۔

درجات سہ گانہ انسانی

یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک علیم اور وہ حجج اللہ انبیاء و آئمہ ہیں۔ دوسرے ذی علم یعنی عالم جو اس علیم سے علم لیتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو نہ تو خود علیم ہیں اور نہ علیم سے لیتے ہیں۔ پہلے دو قسم کے لوگ طریق نجات پر ہیں اور تیسری قسم کے لوگوں کے لئے نجات نہیں۔ جناب امیر الموحدین سر اللہ فی العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ الناس ثلثہ عالم ربانی و متعلم علیٰ سبیل النجاۃ و الباقی کالھمج اتباع کل ناعق۔ یعنی آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک عالم ربانی۔ دوسرے متعلم بر سبیل النجاۃ جو عالم ربانی سے علم سیکھتے ہیں اور باقی مثل (خرمگس) گندگی کی مکھیوں اور کیڑوں کی طرح کے ہین۔ جو ہر ایک آواز کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس طرح وہ مکھیاں ہیں کہ جہاں کہیں بوئے بد بلند ہوئی وہیں پہنچ گئیں۔ جیسا کہ آج کل یہاں کے لوگوں کا حال ہے کہ ہر ایک جاہل وملحد بے دین کے پیچھے ہو لیتے ہیں خواہ وہ حرام زادہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کیسا ہی کریہ المنظر مشوۃ الخلقت اور مجموعہ عیوب کیوں نہ ہو۔

جناب امیر المومنینؑ کا یہ کلام مستنبط ہے۔ آیہ ذیل سے جس میں لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ''فا صحب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ و اصحاب المشمۃ ما اصحاب المشمۃ و السابقون السابقون اولئک المقربون'' ایک اصحاب یمین۔ دوسرے اصحاب شمال۔ تیسرے سابقین مقربین۔ پس سابقین مقربین حجج اللہ وانبیاء واوصیا علیہم الصلوۃ والسلام ہیں اور اصحاب یمین ان کا اتباع کرنے والے مومنین ہیں اور اصحاب شمال وہی تیسرے فرقے کے لوگ ہیں جو نہ سابقین میں داخل ہیں نہ ان کے قدم بقدم چلنے والے اور ایسوں کے لئے نجات نہیں۔ پس بکمال وضاحت ثابت ہے کہ طریق سعادت منحصر ہے دو چیزوں یعنی یا تو دارائے علم موہبتی انبیاء و اوصیا سے ہو یا ان سے علم لینے والا اور ان کے قدم بقدم چلنے والا۔ اور کے لئے نجات وسعادت نہیں۔ بہر کیف چونکہ عوام کی تعلیم اور ان کے علوم ناقصہ کی تکمیل کے لئے اول معلم ضروری ہے اس لئے اول شے جو مبدر فیاض و مصدر علم سے ظاہر و صادر منزل ہوئی ہے وہ حقیقت نوریہ محمدیہ ہے۔ جو معلم تعلیم الٰہی دارائے جنس علم بلکہ اصل علم اور عالم کے لئے روحانی معلم ہے۔ الرحمٰن علم القرآن۔ بعد ازاں عالم جسمانی میں بھی اول معلم ہی بھیجا گیا ہے یعنی حضرت آدمؑ اس وقت بھیجے گئے جب کہ آپ کی اولاد میں سے کوئی انسان موجود نہ تھا۔ تا کہ جس وقت

سلسلہ توالد وتناسل جاری ہو۔ تو معلم ان کا پہلے سے موجود ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجود حجت (نبی یا امام) ہر وقت اور ہر زمانے میں ضروری ہے۔ مخلوق سے پہلے بھی حجت خدا موجود تھا اور مخلوقات کے ساتھ بھی اور بعد میں بھی اسی واسطے خدا فرماتا ہے" **یوم ندعوا کل اناس بامامھم** " یعنی روز قیامت ہر ایک شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ بلا وجود امام قیامت قائم نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ یہی مضمون حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔" **الحجة قبل الخلق و بعد الخلق و مع الخلق** "، یعنی حجت خدا قبل خلق بھی موجود ہوتا ہے اور مخلوق کے ساتھ بھی اور بعد فنا مخلوقات بھی تا کہ اس کے ذریعہ سے ان کا حشر ہو۔

پس حج اللہ نمونہ صفات الٰہی و معلم بتعلیم الٰہی ہوتے ہیں۔ خالق سے لیتے ہیں اور خلق کو پہنچاتے ہیں اور حجیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ظاہری اور باطنی اور پھر ان میں سے بھی ہر ایک دو قسمیں ہیں۔ رہا یہ امر کہ اس حجت اللہ اور معلم الٰہی کو مخلوقات عالم سے پانچ قسم کے تعلقوں میں سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اس کو کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا۔ قصہ حضرت ہابیل کو خیال کیجیے۔ تا کہ تمہیں حجۃ اللہ کے تعلق کا کچھ حال معلوم ہو کہ جس وقت قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا ہے تو لکھا ہے اور صحیح ہے کہ تمام موجودات عالم میں انقلاب اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ وصی حضرت آدمؑ تھے اور ان کے بعد حجت خدا تھے۔ اسی تعلق کی وجہ ہے کہ ان ایام (محرم میں) عالم مضطرب و منقلب نظر آتا ہے کیونکہ حجت موجود (امام زمان) وہی حجت خدا ہے اور اس حجت موجود کو اس حجت خدا سے جس سے یہ ایام مخصوص ہیں نسبت تساوی و تعلق اتصالی و باطنی حاصل ہے۔ اگر چہ یہ امام بظاہر آخر زمانہ میں آیا ہے۔ لیکن جو حالت اضطراب کربلا میں اس حجت خدا و امام ہدیٰ سید الشہداء پر طاری ہوتی ہے وہ ہی اس حجت موجود زمان پر طاری ہوتی ہے اور جو انقلاب و تزلزل اس وقت اجزائے عالم میں پیدا ہوا تھا۔ وہی اس وقت اس کے اضطراب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور ہلال محرم کے دکھائی دیتے ہی عالم مضطرب و منقلب نظر آتا ہے۔

کیونکہ جو اعمال و افعال علام جسمانی میں واقع ہوتے ہیں اگر چہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ باقی نہیں رہتے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ ان سب کی ایک حقیقت متاصلہ ہے جو باقی رہتی ہے حتی کہ ہمارے اعمال مثل تکبیرۃ الاحرام وقرآت و رکوع و سجود جو بظاہر ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی وجود باقی نہیں۔

اور جو آواز و لفظ مثلاً منہ سے نکلا جاتا رہا ہے۔ درحقیقت ان مین سے ہر ایک وجود واقعی اور ایک حقیقت متاصلہ ہے اور ہر ایک شے عالم دہری میں ثبت رہتی ہے۔ چنانچہ آیہ مجیدہ **و وجدوا ما علموا حاضرا** (جو کچھ انہوں نے کیا اس کو حاضر و موجود پایا) اس پر بالصراحت وال ہے اور دوسری جگہ فرماتا

ہے۔ انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون جو کچھ تم کرتے ہو ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہمارے یہاں ثبت وضبط رہتا ہے۔ پس جب اہل مجلس ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور مقررین وواعظین کی تقریریں سنتے ہیں۔ دوسری تقریر سے پہلی تقریر بظاہر معدوم ہو جاتی ہے اور روز عاشورا کے واقعات شہادت میں ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ بظاہر معدوم معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت عالم دہری میں ان سب کی ہیئت مجموعی اور حقیقت کلیہ موجود رہتی ہے اور امام چونکہ موجود ہے اور شہید ہے جو ہر شے پر حاضر وناظر ہے۔ اس لئے اس کے سامنے صورت شہادت بحثیت مجموعی اور جملہ واقعات کربلا کی ہیئت کذائی واجتماعی اس کے پیش نظر ہے اور سامنے موجود ہے۔ پس جب امام زمانؑ شہادت کی صورت مجموعی کو دیکھتا ہے اس کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ جب کہ ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ واقعات شہادت کو صرف تھوڑی دیر سن کر مضطرب ومنقلب ہو جاتے ہیں۔ خود امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں فلئن اخرتنی الدھور و عاقنی عن نصرک المقدور ولم اکن لمن حاربک محاربا و لمن نصب لک العداوۃ مناصبا فلا ندبنک صباحا و مساحا و لابکین لک بدل الدموع دما الخ اے جد بزرگوار اگرچہ زمانے نے مجھے تاخیر میں ڈال دیا اور مقدورات نے آپ کی نصرت سے مجھے باز رکھا اور میں ان لوگوں سے نہ لڑ سکا۔ جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ کے دشمنوں سے دشمنی ظاہر نہ کر سکا۔ لیکن بالتحقیق کہ میں ہر روز صبح وشام آپ کے لئے بآواز بلند نوحہ وفریاد کرتا ہوں اور آنسوؤں کی عوض خون روتا ہوں۔ کیوں حضرات جب ہماری یہ حالت ہے کہ ایک روز تھوڑے سے حالات سن کر نوحہ وفریاد کرتے اور مضطرب ہو جاتے ہیں تو روز عاشورا اس امام عالی مقام کا کیا حال ہوتا ہوگا جو جملہ واقعات کو بچشم خود دیکھتا ہے اور ہمیشہ ہر صبح وشام خون کے آنسو روتا ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

موعظہ دوم

۴محرم الحرام ۱۳۳۳ھجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

یوم ندعوا کل اناس بامامهم هذان خصمان اختصموا فی ربهم فالذین کفروا قطعت لهم ثیاب من نار یصب من فوق روسهم الحمیم

طریق تعلیم اور اس کی کیفیت

ذکر کیا جاچکا ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے یا غیر ذاتی اور تعلیم باطنی ہے یا ظاہری یعنی بذریعہ آلات ظاہریہ چشم وگوش اور جس کا علم ذاتی نہیں ہے چاہئے کہ وہ اس سے حاصل علم کرے۔ جس کا علام ذاتی ہے اور آلات ظاہریہ پر موقوف نہیں ہے۔ خداوند عالم قصہ آدم اور ابتدائے خلقت انسان کے بارے میں فرماتا ہے الذی احسن کل شی ء خلقه و بدء خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من مآ ء مهین ثم سواه و نفخ فیه من روحه و جعل لکم السمع و الا بصار و الافدة قلیلا ما تشکرون (سجدہ) یعنی پرودگار عالمیاں وہ ہے جس نے اپنی ہر مخلوق کو احسن اور نہایت عمدہ پیدا کیا ہے اور خلقت انسان کی ابتدا مٹی سے کی پھر اس کی نسل ایک ذلیل قطرہ آب سے قرار دی اور اس انسان اول (آدم) کو درست و معتدل بنا کر اس میں اپنی ایک ذری سی روح پھونک دی اور (اے بنی آدم) تمہارے لئے اللہ نے کان آنکھ اور دل پیدا کئے (مگر) تم بہت ہی کم شکر گذار ہو۔ پس انسان اول یعنی حضرت آدمؑ ابوالبشر کے لئے ایک روح خاص عطا ہوئی اور ان کی اولاد اور نسل کے لئے آنکھ کان اور دل دیئے گئے اور آیہ مبارکہ اخر جکم من بطور امهیکم لا تعلمون شیاء و جعل لکم السمع و الابصار و الافده (نکالا تم کو شکم امہات سے در آنحالیکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے کان آنکھ اور دل دیئے) کے ملانے سے نتیجہ ظاہر ہے کہ بنی آدم کے لئے آلات تحصیل علوم

یہی کان، آنکھ اور دل بنائے گئے ہیں اور آدم کو تحصیل علوم میں ان آلات کا محتاج قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ذریعہ تعلیم علوم وہی روح ہے۔ پس یہ روح خاص نبی اللہ سے مخصوص ہے اور تعلیم کا آلات ظاہریہ پر موقوف ہونا بنی آدم سے مختص ان دونوں آیات مبارکہ میں سمع کو بصر پر مقدم رکھا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اول آلہ تعلیم کان ہے اور ظاہر و مشاہد ہے کہ مادر زاد اندھا تعلیم پا سکتا ہے۔ لیکن مادر زاد بہرہ تعلیم نہیں پا سکتا۔ مگر بہت ہی خفیف اور کم۔ غرض پیغمبر کی ذات کے ساتھ علم ہوتا ہے اور غیر پیغمبر کا علم غیر ذاتی ہے۔ ان کو چاہئے کہ پیغمبر سے علم حاصل کریں۔

علم ذاتی اور علم بالذات

علم ذاتی دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جہاں علم عین ذات ہے اور ذات عین علم اور اسی کو علم ذاتی بالذات کہتے ہیں اور یہ مخصوص ہے ذات واجب الوجود خداوند عالم سے کہ اس کی تمام صفات عین ذات ہیں۔ نہ زائد بر ذات۔ پس اس کا علم بھی عین ذات ہے اور علم و ذات دو چیزیں نہیں ہیں۔ اس کی ذات علم ہی علم ہے اور ایک علم ذاتی وہ ہے جہاں علم اور ذات دو چیزیں ہیں اور علم ذات شے سے علیحدہ اور زائد بر ذات ہے اور گویا وہاں علاوہ علم اور شے بھی ہے صرف علم ہی علم نہیں ہے اور ایسا علم جو عین ذات نہیں ہے ۔ بلکہ خارج از ذات و زائد بر ذات ہے محتاج و معطی و معلم ہے اور یہ معلم و معطی وہ ہی خالق و ذات واجب الوجود علیم مطلق ہے۔ یہ علم ذاتی انبیاء اوصیاء آئمہ علیہم السلام کا ہے کہ اگر چہ زائد بر ذات ہے لیکن خدا نے ذات کے ساتھ عطا کیا ہے اور اسی نبی کی ذات عین علم اور اس کا علم عین ذات نہیں ہے کبھی اس سے علم کی نفی کی جاتی ہے اور یہ نفی علم گویا ان کے مرتبہ جسمانی عنصری سے تعلق ہے اور کبھی اس کو مبدء علم و خزانہ علم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صاحب روح قدس ہے جو روح نورانی علمی ہے اور وجود جسمانی اس کا کلمۃ اللہ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے باب میں فرمایا ہے و کلمۃ القاھا الی مریم و رح منہ اور پیغمبر خاتم النبین (کلمہ علیا) وکلمۃ اللہ ھی العلیا و کلمہ تامہ و تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلا لھذا آیہ مجیدہ و ما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر و ما کنت من الشاھدین اے پیغمبر تو نہیں موجود تھا جانب غربی میں جب کہ ہم نے موسیٰؑ کو اس امر خاص کا حکم دیا اور تو وہاں شاہدین میں سے نہ تھا و ما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوما ما انھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون (قصص ع ۵) اور تو نہیں تھا طور کی

جانب جب کہ ہم نے موسیٰؑ کو ندادی۔ لیکن یہ سب کچھ تیرے پروردگار کی رحمت ہے تاکہ تو ڈرائے اس قوم کو جس کے پاس ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نذیر (پیغمبر) نہیں بھیجا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور اسی مضمون کی دیگر آیات جن میں خدا پیغمبر کے موجود ہونے کی نفی کرتا ہے اور آیہ مجیدہ و کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھولاء شھیدا (کیونکر ہوگا جب کہ ہم ہر ایک امت کا شہید بلائیں گیا اور تجھ کو اے پیغمبر تمام شہیدوں پر شہید قرار دیں گے) اور اس جیسی آیات میں جن میں پیغمبر کے شہید مطلق اور تمام اور تمام عوالم پر حاضر ہونے کی خبر دیتا ہے کہ پیغمبرؐ باوجودیکہ سب سے آخر میں آیا ہے۔ لیکن تمام انبیاء پر تا حضرت آدم شہید اور ان پر حاضر و ناظر ہے اور ان کے افعال و اعمال کو دیکھتا ہے۔ فی الحقیقت کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں پیغمبر سے نفی علم کی گئی ہے۔ وہ نفی علم بالذات یہ۔ کیونکہ علم پیغمبر موقوف بر تعلیم الٰہی ہے۔ جیسا کہ ما کنت ندری ما الکتب و لا الایمان میں اور جہاں حضور و شہود کی نفی ہے۔ وہاں حصور و شہود جسمانی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبرؐ تو اس صورت میں یعنی بصورتِ جسمانی کوہ طور اور جانب غربی میں موجود نہ تھا۔ مگر اپنی رحمت سے خدا نے ان امور کا علم تجھے بذریعہ تعلیم روحانی دے دیا تھا اور اسی روح کی وجہ سے شہید تھا اور جہاں خدا شہید مطلق فرماتا ہے اور حضرت آدمؑ تک بلکہ تمام عوالم پر شہید و حاضر و ناضر قرار دیتا ہے۔ وہ بلحاظ اسی روح اعظم نبوتی ہے۔ جو اول مخلوق و حقیقت علمیہ ہے اور نبوت اسی پر موقوف ہے نہ صورت جسمانی پر۔ پس کوئی تنافی و تضاد ان آیات میں نہیں ہے۔ کیونکہ نبی میں دو جنبے ہوتے ہیں۔ ایک جنبہ جسمانی، دوسرا جنبہ روحانی و نفخت فیہ من روحی اور بلحاظ اس روح کے وہ عالم ہوتا ہے اس لئے یہ روح روح نورانی علمی ہے اور تمام انسان ایسے نہیں ہوتے اور سب میں یہ روح علمی نہیں ہے۔ لہذا ان کا علم غیر ذاتی ہے اور ان کو چاہئے کہ وہ ان سے تعلیم پائیں جن کا علم ذاتی ہے اور صاحب روح نورانی علمی ہیں اور یہی مطلب ہے فوق کل ذی علم علیم کا (ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ہے) ذی علم و صاحب علم و عالم ہے۔ جس نے علم پیغمبر سے حاصل کیا ہے اور علیم پیغمبر ہے کہ جس کا علم ذاتی ہوتا ہے اور شکم مادر سے علم لے کر پیدا ہوتا ہے اور علیم کہلاتا ہے۔ پس علم ہر عالم کا منتہی ہوتا ہے۔ علیم یعنی پیغمبر کی طرف اور علم پیغمبر منتہی ہوتا ہے۔ علیم مطلق خداوند عالم کی طرف اور وہ علیم فوق علیم ہے اور علم وہی ہے جو علیم سے حاصل ہوا ہو۔ دوسرا علم علم نہیں۔ بلکہ مشابہ بعلم بھی نہیں ہے۔ مگر بہت تھوڑا سا۔

وجود علیم ہر زمانے میں ضروری ہے

اور اسی وجہ سے خدا نے اول علیم یعنی نبی کو پیدا کیا۔ تا کہ معلم پہلے سے موجود ہو اور اس سے ثابت ہوا کہ وجود علیم ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ اس وقت بھی چاہئے کہ ایک علیم اور ایک ایسا شخص جس کا علم ذاتی ہے موجود ہو عجل اللہ فرجھہ

درجاتِ انبیاء و علوم انبیاء

علم ذاتی اور وہ علوم جو علیم مطلق سے بذریعہ تعلیم روحانی پہنچے ہیں وہ بھی مختلف درجہ رکھتے ہیں اور علم ہر پیغمبر کا حسبِ ضرورت و مصلحتِ مکان و زمان دوسرے سے جدا و مختلف ہوتا ہے اور ابتدائے خلقت انسانی سے درجہ بدرجہ ترقی کرتا آیا ہے اور ان علوم انبیاء کی مثال کالج یا سکول کی جماعتوں کے مختلف کورسوں کی ہے کہ ہر ایک جماعت اور طبقے کے لئے ایک علیحدہ کورس اس کی استعداد و قابلیت کے موافق بنایا جاتا ہے۔ جو کورس دوسری جماعت کے لئے مقرر کیا جائے گا۔ وہ پہلی کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابھی سے اس کے سمجھنے اور یاد کرنے کی استعداد اور قابلیت پیدا نہیں ہوئی ہے اور ان کورسوں میں سے اگر چہ ہر کورس اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے کامل غیر ناقص ہوتا ہے۔ لیکن بلحاظ جماعت مافوق کم اور ادنیٰ اور درجہ مافوق میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں۔ جو جماعت ماتحت میں ہوتی ہیں۔ بلکہ بہت کچھ زائد اور ہر درجے اور طبقے کے واسطے معلم بھی ویسے ہی مقرر ہوتے ہیں۔ جس معلم کی صرف پہلی جماعت کے لئے ضرورت ہے وہ آٹھویں جماعت کو تعلیم نہیں دے سکتا اور وہ معلم اور استاد جو آٹھویں کو پڑھاتا ہے وہ پہلی دوسری کو ضرور پڑھا سکتا ہے۔ جو ایم اے کلاس کو تعلیم دے سکتا ہے وہ ایف اے کو بھی پڑھا سکتا ہے پس جب تعلیم منتہی درجہ تک پہنچتی ہے تو اس کا معلم بھی ایسا ہی ہوتا ہے جو تمام علوم اولیہ کی مع شے زائد حاوی و جامع ہو۔ سلسلہ تعلیم رسمی میں ابتدائے درجہ کو اول حرف مفردہ اور الفاظ مفردہ بلا معانی و مطالب لکھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ اسی طریق پر خداوند عالم نے اول معلم نوع انسانی یعنی حضرت آدمؑ کو تعلیم اسماوی اور تمام چیزوں کے نام بتلائے۔ مفاہیم و مصادیق تو ان اسماء میں داخل تھے اور ان کی تعلیم ہوئی تھی۔ لیکن حقائق و بواطن اس میں داخل نہیں تھے کیونکہ اول افراد انسانی جو متعلمین حضرت آدمؑ تھے ان میں حقائق اشیاء کے سیکھنے کی قابلیت نہ تھی۔ چنانچہ فرمایا **و علم ادم الاسماء کلھا** تمام اسماء حضرت آدمؑ کو تعلیم دے دیئے۔

نکتہ: جس وقت بمقابل حضرت آدمؑ ملائکہ کا امتحان مقابلہ لیا گیا تو خدا نے فرمایا انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صدقین اگر تم اپنے دعوے میں خلافت میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ اور ظاہر ہے کہ لفظ ھولاء اسم اشارہ ہے اور اشارہ شے موجود کی طرف کیا جاتا ہے۔ لہذا ظاہر ہوا کہ وقت تعلیم اسماء اور اس استفسار پر مسمیات اسماء بطور حقائق یا بطور اشباح موجود تھیں ۔ جب ہی تو خدا نے فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ اور اسماء شامل ہے تمام اسماء ارضی وسماوی ۔ مادی و غیر مادی و جواہر و اعراض کو۔ پس چاہئے کہ اعراض بھی بطور وجود اصل موجود ہوں ۔ تاکہ اشارہ صحیح درست ہو۔ لہذا حکماء کا یہ قول باطل ہے کہ اعراض وجود اصلی نہیں رکھتے ۔ بلکہ تمام اعراض مثل سرخی وسبزی، سفید وسیاہی وتلخی وشیرینی وغیرہ وغیرہ سب کے سب حقائق متاصلہ رکھتے ہیں اور ان کا بھی ایک وجود اصلی ہے۔

الغرض دو قرن بعد زمانہ نوحؑ میں سلسلہ تعلیم میں ترقی شروع ہوئی ۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں قانونِ شریعت مرتب نہ تھا۔ محض مستقلات عقلیہ فطریہ تھیں۔ چنانچہ احادیث متعددہ آیات کثیرہ شاہد ہیں اور خداوند عالم فرماتا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک و ما وصینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا شریعت ودین قرار دیا۔ تمہارے لئے وہی جو ہم نے نوح کو وصیت کیا تھا اور جو تجھ کو وحی کی اور جو ابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ کو وصیت کیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور متفرق نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ شریعتیں پانچ ہیں۔ شریعت نوحؑ ، ابراہیمؑ ، موسیٰؑ ، عیسیٰؑ اور محمد مصطفیٰؐ اور شریعت محمدی جامع ہے۔ جمیع شرائع سابقہ کو مع شے زائد جو ان میں نہ تھی اور خاص آنحضرتؐ کو وحی ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی شریعت شریعت ناسخہ مطلقہ ہے اور ان شرائع میں حضرت آدمؑ کا ذکر نہیں ہے۔ اس وقت قانون شریعت نہ تھا وہ درجہ ابتدائی تھا اور زمانہ نوحؑ اس سے ترقی یافتہ اس لئے وہاں قوانین تشریعی کی ضرورت پڑی اور وہ بنایا گیا اور اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ شریعت خاتم النبین پر ختم ہے۔ کیونکہ بطور حصر خدا نے فرمایا ہے کہ نوح سے تا حضرت خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت ہے۔ اول نوحؑ ہیں آخر خاتم النبین محمد مصطفیٰؐ اور اگرچہ زمانہ نوحؑ میں سلسلہ ایک درجہ ترقی کر گیا تھا اور قانون شریعت مرتب ہو گیا تھا۔ لیکن تعلیم حقائق اس وقت بھی نہ تھی۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آیا تو ان کو تعلیم حقائق بھی دی گئی۔ اور بواطن زمین وآسمان دکھلائے گئے۔ کما قال عزوجل و کذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض لیکون من الموقنین یہی وجہ تھی کہ

آپ خلت ونبوت ورسالت کے ساتھ خلعتِ امامت سے مشرف ومخلع ہوئے۔ اذا ابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلک للناس امام کیونکہ امامت آخر درجات حقائق ہے اور موقوف ہے احاطہ حقائق پر۔ چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم کو حکم ہوا و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاو علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (حج ع۲) پکار لوگوں کو حج کے لئے وہ تیرے پاس پیادہ اور لاغر اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز مقامات سے آئیں گے۔ آپ نے آواز دی ۔کہاں آواز دی۔ جہاں کوئی موجود وآباد نہ تھا۔ بواد غیر ذی ذرع لکھا ہے۔ آواز ابراہیمی کو ان نطفوں تک نے سنا جو ابھی صلبِ پدر یا شکم مادر میں تھے۔ بلکہ ابھی عالم دہری برزخی میں ہی تھے۔ کیونکہ امام تھے اور احاطہ بر حقائق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت حاجی حج کا احرام باندھتا ہے تو اول لبیک لبیک ۔یعنی اس دعوت ابراہیمی کا جواب دیتا ہے کہ ہم حاضر ہیں۔

درجات ششگانہ نبوت

مکوناتِ عالم من حیث المواد چھ درجے رکھتے ہیں۔ اول صورت سدیمیہ، دوم صورت بشریہ، سوم جماد، چہارم نبات، پنجم حیوان، ششم انسان، مقسم فرائض سہام بھی چھ ہیں $\frac{1}{8}+\frac{1}{6}+\frac{1}{3}+\frac{1}{4}+\frac{1}{2}+\frac{2}{3}$ کیونکہ فطرت چھ قسم پر منقسم ہے۔ انسان شکم مادر میں چھ درجے طے کرتا ہے۔ اول نطفہ ہوتا ہے پھر علقہ پھر مضغہ پھر ہڈیاں پھر گوشت پوست بعد ازاں خلقت انسانی عقلانی۔ سلسلہ نبوت بھی چھ قسم پر منقسم ہے۔ حضرت آدمؑ سے ابتداء اور جناب خاتمؐ پر انتہا۔

اول نبوت حضرت آدمؑ ہے، دوم نوحؑ، سوم ابراہیمؑ، چہارم موسیٰؑ، پنجم عیسیٰؑ، ششم محمد مصطفیٰ خاتم النبیینؐ ۔ گویا بلاتشبیہ، مقام نبوت حضرت آدمؑ مقام نطفیت ہے اور مقام نوحؑ مقام علقیت و مقام حضرت ابراہیمؑ مقام مضغیت و مقام موسیٰؑ مقام عظمیت اور مقام عیسیٰؑ مقام لحمیت اور مرتبہ ختم نبوت مقام انشا ناہ خلقا اخر اور باقی نبوات انہی کے تحت و درمیان میں ہیں۔ پس مرتبہ ختم نبوت فوق جمیع نبوات و منتہائے نبوات ہے اور حضرت ابراہیمؑ متوسطہ ہیں اور شجرۃ الانبیاء کہلاتے ہیں اور امامت ان ہی کو عطا ہوئی۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے درجات و معجزات میں تدبر و تفکر کرنے سے پوری تصدیق و تطبیق اس سلسلے کی ہو سکتی ہے۔

سلسلہ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل

حضرت ابراہیمؑ سے یہ تعلیم روحانی و علم ذاتی دو سلسلوں میں منقسم ہوتی ہے۔ ایک سلسلہ بنی اسحاقؑ جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا سلسلہ بنی اسماعیلؑ سلسلہ حضرت اسحاقؑ جناب عیسیٰؑ پر ختم و منقطع ہو جاتا ہے۔

تعلیم کلی

اور تعلیم کلی ذریت حضرت اسماعیلؑ سے متعلق ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے **اذا یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا و اجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة مسلمة لک و ارنا مناسکنا و تب علینا انک انت التواب الرحیم ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک و یعلمھم الکتاب و الحکمة و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم** (بقر ع ۱۵) یاد کر اس وقت کو جب کہ ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ بنا رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے ۔اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان اور مطیع و منقاد بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت کو مسلمان خاص اور مثل ہمارے مطیع و منقاد مطلق بنا اور ہمارے مناسک ہمیں دیکھا دے اور ہماری رجوع و انابت کو قبول فرمایا۔ کیونکہ تو رجوع بندگان کو قبول کرنے والا ہے۔ اے پروردگار اس جماعت میں اسی میں سے ایک پیغمبر منبعوث کر۔ جو تیری آیات کی ان پر تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ تحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ اسلام مطلق اور یہ دعا اور یہ رسالت حضرت اسماعیل کی ذریت میں سے ایک جماعت خاصہ سے مخصوص ہے اور حضرت اسحاق کا یہاں ذکر نہیں ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علم احاطی رکھتے تھے اور احاطہ بر حقائق اور امامت آخر درجات حقائق ہے اور جو انبیاء بنی اسرائیل سے مبعوث برسالت ہوئے۔ ان کے حالات سے ثابت ہے کہ ان کا علم، علم کلی اور علم احاطی نہ تھا اور وہ کل حقائق پر احاطہ نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جس وقت حضرت موسیٰ نے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر اولوالعزم ہیں۔ حضرت خضر سے یہ درخواست کی **ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا** کیا اس شرط پر میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں کہ آپ مجھے وہ علوم و حکمت سکھا دیں جو آپ کو تعلیم دیا گیا ہے۔ تو حضرت خضرؑ نے یہی جواب دیا

انک لن تستطیع معی صبرا تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے۔ و کیف تصبر علی ما لم تحط به خبرا اور کیونکر تم اس پر صبر کر سکتے ہو جس پر تم احاطہ علمی نہیں رکھتے۔ صبر بلا احاطہ علمی ممکن نہیں۔ کامل صبر وہی کر سکتا ہے جو جملہ حقائق پر احاطہ علمی رکھتا ہے صبر فرع علم احاطی ہے۔

رفع شبہ

جملہ واجعلنا مسلمین لک (ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا) سے شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نبی تھے رسول تھے، خلیل اللہ تھے، اور امام تھے تو پھر مسلمان ہونے کی دعا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا معاذ اللہ باوجود ان مراتب کے طے کر لینے کے بھی حضرت مسلمان نہ تھے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ضرور مسلمان تھے بلکہ مسلم مطلق کیونکہ اسلام دو قسم پر ہے ایک اسلام بالواسطہ دوسرا اسلام بلا واسطہ اور مسلم دو ہیں مطلق مسلم اور مسلم مطلق اور دونوں معانی قرآن میں موجود ہیں۔ عام لوگوں کا اسلام، اسلام بالواسطہ ہے۔ کسی دوسرے کے واسطہ سے خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ مثلاً کسی نبی یا امام یا علام کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے ہیں اور مطلق مسلم کا یہ درجہ اذ قالت الاعراب امنا قل لم یومنا ولکن قولا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم جبکہ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ لیکن یوں کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ یہ مطلق اسلام کا درجہ ہے۔ صرف زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دینا خواہ دل میں اعتقاد ہو یا نہ مطلق اسلام ہے اور اسلام بلا واسطہ وہ ہے۔ جہاں خدا اور اس مسلم کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین جب اس کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لا تو کہا میں پروردگار عالمیان پر اسلام لایا اور اس کا مطیع مطلق بن گیا۔ یہ مسلم مطلق ہے اور انبیاء علیہم السلام کا اسلام یہی اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے۔ کوئی فرشتہ وغیرہ درمیاں میں نہیں ہوتا نہ جبرئیل نہ اور کوئی۔ نبی خود منقاد مخلص و مطیع مطلق ہے۔ جبرائیل و دیگر ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں۔ چنانچہ قصہ حضرت آدم و ملائکہ سے ظاہر ہے یا ادم انبهم باسمائهم حضرت آدمؑ معلم جمیع ملائکہ ہیں جن میں جبرائیل بھی داخل ہیں اور ان تمام پر حجت ہیں۔ پس ضرور حضرت ابراہیمؑ مسلمان بلکہ مسلم مطلق با سلام بلا واسطہ تھے۔ لہذا یہ دعا اسلام لانے کی نہ تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس اسلام کے بھی درجے اور مرتبے ہیں ایک مرتبہ قبولیت ہے۔ دوسرا مرتبہ فعلیت اور حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا کی تھی وہ فعلیت کے متعلق تھی۔ قبولیت پہلے سے رکھتے تھے۔ ہر

ایک حکم الٰہی کو مطلقاً قبول کر چکے تھے۔ دعا یہ کرتے تھے کہ جس طرح میں نے ہر ایک امر کو قبول کر لیا ہے اسی طرح سے اس کی فعلیت میں آنے کی توفیق عطا فرما، تاکہ اسی طرح کر دکھاؤں مجھے اور اسماعیل دونوں کو ایسا بنا دے۔ پس کوئی جائے شبہ نہیں ہے کیونکہ جملہ و اجعلنا مسلمین لک مقام عمل ہے۔ نہ مقام تسلیم و قبولیت اور توفیق فعلیت بھی منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ قصہ حضرت شعیب سے صاف ظاہر ہے فرماتے ہیں و ما توفیقی الا باللہ علیه توکلت و الیه انیب یعنی نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ ہی سے اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس مقام پر ایک امر اور بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ آیا حقیقۃ ملکوتیہ روح قدس نبوتی اعلیٰ ہے یا حقیقت ملائکہ و یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفا سے ظاہر ہے کہ روح غیر ملائکہ ہے اور وہی اقدام و اشرف و اعلیٰ ہے وہ ملائکہ سے پہلے موجود ہے اور یہی روح روح کلی ہے تمام ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں جس کی تفصیل مقام ختم میں آئے گی۔

امام کی شناخت اور کتاب وجودی

کان الناس امة واحدة فبعث الله النبیین مبشرین و منذرین و انزل معهم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیه و ما اختلف فیه الا الذین اوتوه من بعد ما جاء تهم البینات بغیا بینهم (بقرہ ع ۲۶) تمام لوگ ایک امت تھے۔ پس اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ جو بشارت دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تھی۔ تاکہ وہ حکم کریں۔ لوگوں میں ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔ اور نہیں مختلف ہوئے اس میں مگر وہی لوگ جن کو کتاب دی گئی اور ان پر رسول بھیجے گئے بعد اس کے ان کے پاس دلائل و شہادات بیّنہ آ چکی تھیں اور یہ اختلاف محض سرکشی و بغاوت سے تھا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی کو اس کے وجود کے ساتھ کتاب دی گئی ہے۔ کیونکہ کتاب دو قسم پر ہے ایک کتاب تنزیلی مثلاً انزلنا التورت فیها هدی و نور و انزلنا القران اور ایک کتاب وجودی ہے مثل انی عبد الله اتانی الکتاب و جعلنی نبیا الخ پس یہ کتاب جس کا حضرت عیسیٰؑ وقت ولادت ذکر فرماتے ہیں کہ مجھ کو کتاب دی گئی ہے۔ کتاب تنزیلی نہیں ہے۔ کیونکہ انجیل حضرت پر سات سال یا تیئیس (23) سال یا تیس (30) سال بعد نازل ہوئی تھی۔ بلکہ یہ کتاب وجودی ہے جو وجود کے ساتھ عطا ہوئی ہے اور یہ وہی کتاب ہے جس کا آیہ سابقہ میں ذکر آ چکا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ اس کو کتاب دی گئی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کتاب سے وہاں کتاب تنزیلی تشریعی مراد لی جائے تو مطلب آیت کا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر نبی کو

کتاب تنزیلی تشریعی عطا نہیں ہوئی اور مشہور کتب سماوی چار ہیں۔ توریت، زبور، انجیل اور فرقان۔ پس ضرور اس کتاب سے کتاب وجودی ہی مراد ہے۔ یعنی علم وجودی جو وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے اور اس آیت میں بھی اسی کا ذکر ہے **لقد ارسلنا معهم الكتاب و الميزان** اور لفظ مع خود معیت وجودیہ پر دال ہے کہ یہ کتاب وجود نبی کے ساتھ معیت تامہ رکھتی ہے اور کتاب تنزیلی کو معیت وجود لازم نہیں۔ نیز اسی معیت کتاب سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اسلام فطری بلا واسطہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے وجود کے ساتھ علم عطا ہوتا ہے اور اول علوم علم معارف الہیہ ہے۔ پس وہ سب سے پہلے وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے اور نبی اسلام پر ہی مفطور و مخلوق ہوتا ہے۔ یعنی اسلام بلا واسطہ و اسلام مطلق پر۔ کیونکہ کوئی واسطہ اس کے اور خدا کے درمیان نہیں ہوتا۔ ورنہ مطلق اسلام پر تو ہر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے **كل مولود يولد على الفطرة و ابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه** یہی کتاب وجودی امام کے لئے بھی ضروری ہے اور وہ بھی وجود کے ساتھ علم لے کر آتا ہے۔ پس ہر نبی اور امام کتاب وجودی رکھتا ہے اور یہی نبی و امام کی شناخت ہے۔ **فالكتاب الوجودى هو العلم الذى اعطى لهم مع وجودهم و كتب فى قلوبهم و جمع فى صدورهم بل هو ايات بينات فى صدور الذين اوتو العلم فتامل فيه (مولف)**

امامتِ کلیہ

سلسلہ امامت کلیہ نسل اسماعیلؑ میں جاری ہوا ہے۔ نہ نسل حضرت اسحاقؑ میں۔ کیونکہ دعائے مذکور میں حضرت اسحاق شامل و داخل نہیں ہیں۔ کتب سابقہ سے بھی صاف ثابت ہے کہ یہ دعا ذریت حضرت اسماعیلؑ سے مخصوص ہے۔ چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰ میں ہے اے ابراہیم ہم نے تیری دعا اسماعیلؑ کے حق میں سنی۔ دیکھ ہم نے اس کو برکت دی اور بارآور کیا اور اپنے حبیب کے طفیل اس کو بڑی فضیلت دی۔ جس کے بارہ سردار و نائب ہوں گے اور میں ان بارہ سرداروں سے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور زبور باب ۴۵ آیت ۱۰ بھی اسی پر دال ہے اور اس اسلام خاص یعنی اپنے درجے کی خواہش اور دعا حضرت ابراہیمؑ نے ذریت اسماعیلؑ کی ایک امت خاص کے لےء کی ہے اور (ک) خطاب اور (ل) اختصاص کی وحدت دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اسماعیل کے لئے مانگا ہے وہی نسل اسماعیلؑ سے اپنی ذریت کی ایک امت کے لئے۔ کیونکہ کاف خطاب اور لام اختصاص دونوں جگہ یکساں ہے اور **واجعلنا** بھی مکرر نہیں بلکہ **جعل** ایک ہی ہے اگر **جعل** مکرر ہوتا تو معنی بدل سکتے تھے۔ اور نسل اسماعیل کی اسی امت

کے لئے یہ دعا کی ہے کہ اس میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر اور ظاہر ہے کہ اولادِ حضرت اسماعیلؑ میں سوائے پیغمبر خاتم النبینؐ اور کوئی پیغمبر مبعوث برسالت نہیں ہوا۔ پس ضروری ہے کہ وہ امت مسلمہ جس میں سے پیغمبرؐ مبعوث ہوا ہے۔ قبل بعثتِ پیغمبر موجود ہو اور رسول خداؐ بنی ہاشم سے مبعوث ہوئے ہیں۔ لہذا وہ امت مسلمہ بھی بنی ہاشم ہی میں سے ہوئی۔ و انذر عشیرتک الاقربین (اپنے سب سے قریبی قبیلہ والوں کو ڈرا) اسی کی طرف اشارہ ہے وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب (ہم نے ابراہیم کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی ہے) شاہد ہے کہ کتاب وجودی بجعل الٰہی ہمیشہ ذریتِ ابراہیمؑ میں موجود ہے اور یہی کتاب ما بہ النبوہ والامامت ہے۔ نبوت خاتم، خاتم النبین پر بنص قرآنی ختم ہوگئی۔ پس کتاب باقی ہے اور آنحضرتؐ ذریت ابراہیمی نسل اسماعیلؑ میں وہ لوگ وارائے امامت مطلقہ ابراہیمی ہیں جو یہ کتاب وجودی بجعل الٰہی رکھتے ہیں۔ اور کتاب ان کے وجود کے ساتھ ہے اور ان کی حقیقت سے متحد اور یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جن کو رسول خدا نے مقارن کتاب اللہ اور ثانی ثقلین وتالی قرآن فرمایا ہے ملاحظہ ہو انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض عترت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں جدائی اور افتراق نہیں۔ کتاب اللہ ان کے ساتھ اور وہ کتاب اللہ کے۔ بلکہ ان کے ہر ہر جزو کے ساتھ ہے۔

مرتبہ ومقام امامتِ مطلقہ

مقامات ونشاناتِ امامت مطلقہ کا اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں۔ انا من المسلمین میں مسلمانوں میں سے ہوں اور اس سلسلہ امامتِ ابراہیمی ونسل اسماعیل کا پہلا امام فرماتا ہے انا اول المسلمین میں سب سے اول مسلمان ہوں۔ انا اول من اسلم میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں و امرت ان اکون اول من اسلم اولیت اسلام میری فطرت اور خلقت میں از روز تکوین داخل ہے۔ مفسرین کا جو یہ خیال ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ حضرت خاتم النبین اپنی امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ غلط ہے۔ اور خلاف ظاہر یہ۔ کیونکہ اپنی امت میں ہر ایک نبی اول مسلمان ہوتا ہے۔ کونسا پیغمبر ہے جو اپنی امت کے بعد خدا پر اسلام لایا ہو۔ پھر خاتم النبین کے لئے کیا خصوصیت ہوئی۔ خصوصیت اور افتخار اس وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ جب مطلب یہ ہو کہ میں اس وقت سے مسلمان ہوں جب کہ کوئی مخلوق اسلام نہ لایا تھا۔ سب سے پہلے میں ہی اسلام لایا ہوں اور یہ مرتبہ اول مخلوق ہی کو نصیب ہوسکتا ہے اور یہی امرت ان اکون اول من

اسلم سے ثابت ہے اور یہ مقام مقام امامت کلیہ مطلقہ ہے واللہ یختص برحمته من یشاء و ذالک فضل عظیم غرض من المسلمین و من الصابرین و من الصالحین سے ثابت ہے کہ ایک جماعت صابرین وصالحین و مسلمین مطلق پہلے سے موجود تھی جس میں سے انبیاء علیہم السلام اپنے کو شمار کرتے ہیں اور یہ جماعت وہی اول من اسلم ہیں جو اس وقت سے مسلم ہیں جب کہ کوئی اسلام نہ لایا تھا۔

صبر انبیاء

بہر حال صبر فرع براحاطہ علمیہ ہے۔ مبداءً و معاداً جو شخص مبدء و معاد۔ ابتداو انتہاء اور آغاز و انجام پر نظر نہیں رکھتا ہے۔ وہ کبھی صبر نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیم کو دیکھئے کہ وہ اپنے فرزند دلبند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ذبیح اللہ حضرت اسماعیل اس پر راضی ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یا ابت افعل ما تومر ستجدنی انشاء الله من الصابرین اے پدر بزرگوار جو کچھ خدا کا حکم ہے اس کو بجا لائیے مجھ کو انشاء اللہ آپ صابرین میں سے پائیں گے۔ یہ صبر اسی وجہ سے تھا کہ آپ نبی تھے اور انجام و آغازِ امور پر احاطہ علمی رکھتے تھے۔

صبر امام

اب صبر مظلوم کربلا کا ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ کمال الدین بن طلحہ شافعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں مجھے روز عاشورا کے واقعات سے تعجب نہیں ہے کیونکہ جو قلب حقائق اشیاء پر احاطہ رکھتا ہے وہ صبر رکھتا ہے۔ حضرت ایوبؑ کو نعم العبد اسی صبر کی وجہ سے کہا گیا ہے لیکن جس وقت ناموس تک نوبت پہنچی وہ بھی صبر نہیں کر سکتے اور حضرت ایوب نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی اور رفع تکلیف کی دعا فرمائی ربانی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین لیکن میں نے تمام کتب مقاتل کا مطالعہ و تفحص کیا۔ کسی مقام پر میں نے امام کی شکایت یا رفع مصائب کی دعا نہیں دیکھی۔ حتی کہ جس وقت آپ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گر پڑے ہیں اور اہل عصمت وطہارت خیموں سے سر برہنہ نکل پڑے ہیں اور آپ کے قریب آئے ہیں۔ اس وقت بھی آپ نے شکایت نہیں کی۔ حالانکہ یہ مقام ناموس تھا اور حضرت ایوبؑ کے قصہ سے کہیں زیادہ۔ قربان ہماری جانیں اس صابر مظلوم پر

روحی و ارواح العالمین له الفداء لا حول و لا قوة الا باللہ

موعظہ سوم

۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعوا کل اناس بامامھم ھذان خصمان اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق روسھم الحمیم

تقسیمِ وجود

وجود بلحاظ غرض وغایت دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وجود فی نفسہ لنفسہ دوسرا وجود فی نفسہ لغیرہ یعنی ایک ایسا وجود ہے جس کے ایجاد و خلق کرنے سے موجد و خالق کی غرض و مقصود خود وہ موجود ہے۔ دوسرا وہ وجود ہے جس کی خلقت کی غرض و غایت خود وہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی دوسرے کے لئے خلق و ایجاد کیا گیا ہے۔

پہلی قسم کے وجود حج اللہ علیہم السلام یعنی انبیاء و آئمہ ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنی صفات کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا ہے اور مقصود ان کی خلقت سے وہ خود ہیں۔ کیونکہ ہر صاحب کمال خصوصاً کامل مطلق اپنے کمال کو محبوب و دوست رکھتا ہے اور اپنے کمال سے مسرور و مبتہج ہوتا ہے۔ خدا کامل مطلق ہے۔ پس جو موجود کامل مطلق سے اول صادر ہوئے ہیں وہ بھی کامل ہیں نہ کہ ناقص۔ کیونکہ نقص کو کامل مطلق کبھی محبوب نہیں رکھتا اور وہ اولین وہ حج اللہ ہیں جن کے حق میں فرماتا ہے السابقون السابقون اولئک المقربون خصوصاً وہ نبی جو جملہ مخلوقات سے اول خلق کیا گیا ہے اور مصنوع اول ہے سب سے کامل تر ہے اور اس کا وجود کسی دوسرے کے لئے مخلوق نہیں ہوا بلکہ وہی مقصود و مراد ہے۔ دیگر وجودات اس کے وجود سے منتفع ہوتے ہیں اور اس کے طفیل سے مستفید و مستفیض۔

توضیح غرض وغایت خلقتِ انبیاء

اگر پیغمبر کا وجود دوسری مخلوق کے لئے ہو اور اصل غرض وغایت خلقتِ انبیاء سے بنی نوع انسان ہوں تو وہ نبی سے افضل واشرف ہوں گے۔ کیونکہ غایت ذی الغایت سے افضل واشرف ہے۔ مثلاً خداوند عالم فرماتا ہے۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا جو کچھ کہ زمین میں ہے سب تم انسانوں کے واسطے پیدا کیا گیا ہے یعنی ارض و ما فی الارض انسان کے لئے خلق کیا گیا ہے اوران کی خلقت سے مقصود خودان کا وجود نہیں ہے بلکہ ان کا وجود از قسم فی نفسہ لغیرہ ہے اور غرض وغایت ان کی خلقت کی انسان ہے اور وہ ذی الغایت۔ پس انسان تمام موجودات ارضی سے افضل واشرف ہے اور تمام چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر اسی طرح سے غرض وغایت خلقت انبیاء انسان ہو اور وہ اس کے لئے خلق کیئے گئے ہوں اوران کا وجود بھی مثل موجودات ارضی از قسم فی نفسہ لغیرہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ خلق اللہ الانبیاء کلھم للانسان تو یقیناً عامۃ الناس انبیاء علیہم السلام سے افضل واشرف ہوں گے اور یہ بالبداہت باطل ہے اور صحیح یہی ہے کہ ان کا وجود فی نفسہ لنفسہ ہے اور خلقت سے وہ خود مقصود بالذات ہیں۔ ہاں لوگ ان سے مستفیض ہوتے ہیں اوران کے اقوال وافعال سے ہدایت پاتے ہیں کیونکہ وہ مظاہر صفات الٰہیہ ہیں۔ ہمیشہ سالکِ طریق الٰہی وصراط مستقیم ہیں۔ کبھی اس سے تخطی نہیں کرتے۔ پس جو ان نفوس قادسہ مقدسہ کے قول وفعل میں پیروی کرے گا لا ابد نجات پائے گا۔ پس ہدایت طفیلی ہے اور جو انبیاء مبعوث برسالت وتبلیغ ہیں ان کے وجود کی غرض ثانوی۔ اسی واسطے خداوند عالم حضرت موسیٰ کے حق میں فرماتا ہے واصطنعتک لنفسی اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے واسطے بنایا ہے۔ یعنی خلقتک لتوحدنی و تعبدنی و تحمدنی و تقدسنی و تومن بی و لا تکفر بی ولا تشرک بی شیاء چنانچہ امام علیہ السلام ابتدائے خلقت حضرت آدم کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ جب روح حضرت آدمؑ دماغ تک پہنچی تو آپ نے چھینکا۔ خداوند عالم نے فرمایا ہے اے آدم کہو الحمد للہ رب العالمین حضرت آدمؑ نے کہا الحمد للہ رب العالمین خداوند عالم کی طرف سے آواز آئی برحمک اللہ لھذا خلقتک لتوحدنی و تعبدنی و تحمدنی و تومن بی ولا تکفر بی ولا تشرک بی شئیا اے آدم تجھ پر خدا کی رحمت ہو میں نے تجھے اس واسطے خلق کیا ہے تا کہ تو مجھے واحد جانے اور میری توحید کو ظاہر کرے اور میری عبادت کرے اور حمد وثنا بجالائے اور مجھ پر ایمان لائے اور میری ناشکر گزاری نہ کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے۔ یہی

غرض وغایت خلقتِ انبیاء ہے۔ خصوصاً وجود خاتم النبیین کہ اصل ومقصود ومراد خلقت عالم ایجاد ہے۔ کما قال عز و جل فی القدسی یا عبدی انت المھید و انت المراد و انت خیرتی من خلقی و عزتی و جلالی لو لا ک لما خلقت الافلاک یعنی اے میرے بندے اور میرے محبوب تو ہی مرید ہے اور تو ہی مراد ہے اور تو ہی میری برگزیدہ مخلوق اور مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے اگر تو مقصود نہ ہوتا اور تجھے خلق نہ کرتا تو آسمان کو پیدا نہ کرتا۔ ایک اور حدیث میں جناب امیر المومنینؑ سے کیفت خلقت نور محمدیؐ میں مروی ہے قال اللہ للقم فلو لاہ ما خلقتک وما خلقت خلقی الا لاجلہ فھو بشیر و نذیر و سراج منیر و حبیب شفیع اللہ تعالیٰ نے قلم سے کہا اگر محمدؐ نہ ہوتا تو تجھے خلق نہ کرتا اور نہیں خلق کیا ہے میں نے اپنی مخلوق کو مگر اسی کے ہی واسطے۔ پس وہ بشیر ونذیر ہے اور سراج منیر وشفیع وحبیب ہے۔ الخ غرض انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نمونہ صفات الہیہ اور آیت کمالات خدائی ہیں ان سے خدا ملتا ہے۔ خدا کا رستہ ملتا ہے انہیں سے خدا پہچانا جاتا ہے۔ ان کو دیکھا گویا خدا کو دیکھا۔ خلائق ان کے وجود کے طفیل سے ہدایت پاتے ہیں نہ کہ ان کا وجود محض ہدایت خلق کے لئے مخلوق ہوا ہے۔ جو شخص چراغ روشن کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے۔ دوسرے بالتبع روشنی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس قدر آئے ہیں ایک دوسرے آنے والے کی بشارت دیتے آئے ہیں۔ پس اگر مقصود بالذات ان کا وجود ہوتا تو دوسرے کی خبر دینے نہ آتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی ایک غرض وغایت کے تحت ہیں یعنی وہ بھی کسی دوسرے کی خبر دینے اور معرفی کرنے کے واسطے آئے ہیں اور وہ سب ایک غایت کے تحت ہیں۔

اس بیان کی مزید توضیح

حضرت ابراہیمؑ افضل انبیاء سابقین وشجرۃ الانبیاء ہیں۔ ان کو خدا حکم دیتا ہے طھر بیتی للطائفین و العاکفین والرکع السجود یعنی میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور راکعین وساجدین کے واسطے پاک کرو۔ یہ راکعین ساجدین طائفین اور عاکفین کون جن کے واسطے تطہیر خانہ کعبہ کا حکم ابوالانبیاء وشجرۃ الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو دیا گیا اور خانہ کعبہ کے حق میں فرمایا ہے ان اول بیت وضع للناس الذی بمکۃ مبارکا و ھدی للعالمین گویا صفتِ خانہ کعبہ بیان ہوتی ہے کہ وہ تمام عالم بلکہ جملہ عالمین یعنی کل ماسوا اللہ کے ہدایت کرنے والا ہے ھدی للناس بھی نہیں ھدی للعالمین حالانکہ یہی خانہ کعبہ مدت تک بت خانہ بنا رہا ہے اور اہل مکہ مشرکین پس یہ کیونکر ہادی ہوا؟ اگر ہادی ہوتا تو

اول اپنے اندر سے بت نکالتا اور تمام اہل مکہ کو موحد بنالیتا۔ظاہر و بدیہی ہے کہ کوئی مکان کسی کو ہدایت نہیں کرسکتا۔پس یہ کونسا بیت ہے جو تمام عالمین جملہ مخلوقات کو ہدایت کرنے والا ہے۔لفظ واضع دال ہے کہ یہ گھر نہیں ہے جو اینٹ پتھر سے بنایا جاتا ہے۔کیونکہ وضع کے معنی گذاشتہ شدہ کے ہیں یعنی ایک چیز پہلے سے موجود تھی۔جس کو اٹھا کر رکھ دیا گیا ہے۔پس اگر اس مکان سے یہ مکان ظاہری مراد ہوتا تو بنی آتا یعنی یہ پہلا گھر ہے جو بنایا گیا ہے یا بنا کیا گیا ہے۔بعض تفاسیر میں لکھا ہے۔اور روایات سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ جب طاق تک پہنچ گیا تو اس وقت حضرت جبرائیل ایک سفید پارچہ لائے اور بطور قبہ رکھا گیا ۔پس اگر یہ صحیح ہو۔تو وہ سقف کہلائے گی نہ مکان۔پس یہ آیت اگر چہ بظاہر آسان ہے۔لیکن مشکل ترین آیات سے ہے۔راکعین وساجدین وغیرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان سے مراد مصلین یعنی عام نماز گذار نہیں۔کیونکہ وارکعو مع الراکعین رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ واذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون (جب کافرین ومشرکین سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے) ہرگز رکوع سے مراد نماز نہیں۔کیونکہ کافرین ومشرکین سے نماز کی توقع قبل ایمان بے معنی ہے اسی طرح آیہ مجیدہ یا مریم اقنتی لربک و اسجدی و ارکعی مع الراکعین اے مریم اپنے پروردگار سے دعا کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ دال ہے۔کہ اس رکوع سے مراد رکوع نماز نہیں ۔کیونکہ یہاں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں اور پھر وہ بھی راکعین کے ساتھ اگر یہ کہا جائے کہ نصاریٰ کی نماز میں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں تو غلط ہے۔کیونکہ ان کی نماز میں رکوع ہی نہیں ہے اور سجدہ کے قبل رکوع ہونا خلاف فطرت وخلاف عادت ہے۔لہذا یہ رکوع اور ہی ہے اور یہ راکعین ایک جماعت خاص اور اس کے معنی کچھ اور ہی ہیں۔یہ راکعین وہ راکعین ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا لذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا اولی خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں درآنحالانکہ وہ راکعین ہیں۔پس یہ راکعین آئمہ طاہرین علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔جن کا فرد اول علی ابن ابی طالب سر اللہ فی العالمین امیر المومنین ہیں۔جنہوں نے حالت رکوع میں انگشتری سائل کو دی اور باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور یہ راکعین بایں معنی ہیں کہ رکوع حالت وسطہ کا نام ہے۔درمیان قیام وسجود، گویا یہ راکعین وسطہ ہیں درمیان خالق ومخلوق اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وکذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونو سھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم یعنی

اسی واسطے ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید و حاضر و ناظر رہو اور رسول تم پر شہید ہو اور اس صورت میں وارکعوا مع الراکعین کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کی پیروی کرو اور ان کے ساتھ ساتھ رہو جو خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ اور شہید علی الناس ہیں۔ عین اللہ الباصرہ ہیں۔ لہذا تطہیر خانہ کعبہ انہیں راکعین اور ساجدین کے واسطے ہے اور اصل و غرض و غایت عالم و مقصودِ خلائق یہی ہیں۔ علیہم الصلوۃ والسلام اور بعثتِ انبیاء سابقین مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ سب پیغمبر خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفی کرنے اور ان کو بشارت دینے آئے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اصل سنگ و خشت و گل کو کوئی شرافت اور فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت مکان مکین سے اور شرافت خانہ اہل خانہ سے ہے اور عظمتِ محل بوجود حال۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد یعنی ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتے ہو۔ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی درآنحالیکہ اے پیغمبر تو اس میں مقیم ہے۔ یعنی یہ شرافت و عظمت و کرامت کعبہ و مکہ معظّمہ تیری وجہ اور تیرے وجود سے ہے۔ پس اصل خانہ کعبہ و بیت باطنی یہی ہے اور اول بیت جو تمام عوالم کے لئے ہادی ہے۔ بیت نبوت مطلقہ ہے جس کی صفت تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا ہے تمام عالمین کے لئے ہادی وہی ہے جو تمام عالمین کے لئے نذیر قرار دیا گیا ہے اور وہی اول بیت ہے کہ مخلوق و مصنوعِ اول خالقِ عالم و رب العالمین ہے اور شرافت خانہ کعبہ اسی صاحب خانہ کی وجہ سے ہے اور وہ اور اس کے اہل بیت کہ جو وارثان بیت نبوت و رسالت ہیں مقصودِ کائنات و غایتِ مخلوقات ہیں۔ لو لاک لما خلقت الافلاک۔

نکتہ۔ تطہیر تامہ خانہ کعبہ حاصل نہیں ہوئی۔ مگر اسی نفس رسول و ید اللہ کے ہاتھوں سے جو عام طور پر بت شکن مشہور و معروف ہے اور جس نے مہر نبوت پر قدم رکھ کر خانہ کعبہ کو نجاست اصنام سے پاک کیا اور کمالات حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سے اور اس کی زبان سے ظاہر ہوئے اور حضرت ابراہیم نے جو یہ دعا کی تھی واجعل لی لسان صدق فی الاخرین امت آخر میں (میری ذریت سے) ایک زبان صدق و صداقت نشان قرار دے۔ خدا نے اس کو قبول فرمایا فقال عزو جل وجعلنا لھم لسان صدق علیا۔ یعنی امت آخرین میں ہم نے لسان صدق و صداقت نشان علیؑ کو قرار دیا۔ یہاں علیؑ اسم صفت نہیں ہے۔ اگر اسم صفت لیا جائے تو معنی مقصود مہمل ہو جائیں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے لئے ایک لمبی اور دراز زبان قرار دی اور یہ صفت قبیح ہے نہ حسن۔ پس علی اسم ذات اور علم ہے اور وہ علی نہیں ہے مگر علی ابن ابی طالب اور مطلب یہ ہے کہ اے ابراہیم امت آخرین میں ہم نے علی کو لسان صدق قرار دیا ہے اور وہی صدیق اکبر

ہے۔ پس کمالاتِ ابراہیمی اس سے ظاہر ہوئے اور اسی نے خانہ کعبہ کو نجاستِ شرک واصنام سے پاک کیا۔

پس جملہ مخلوقات ایک غایت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ مقصود بالخلق نہیں ہیں بلکہ مقصود بالذات خلقت سے محمد وآل محمدؐ ہیں اور وہی مقصود کائنات وغایت مخلوقات ہیں اور غایت الغایات حضرت عزوجل والیہ یرجع الامر کلہ و الیہ ترجعون و الیہ المصیر لا الی اللہ تصیر الامور والی ربک المنتھی

فرق دین وشریعت وبیانِ نسخ شرائع

تعلیم حضرت آدم علیہ السلام محض اسماء تک محدود تھی۔ حضرت نوحؑ کے زمانے سے تدوین شرائع شروع ہوئی ہے۔ قال عزوجل شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیکم وما وصینا بہ موسی و عیسی ان اقیموا الدین و لاتتفرقوا شریعت دین قراردی۔ہم نے تمہارے لئے وہ جو وصیت کی تھی نوحؑ کو اور جو اے پیغمبر تجھ کو وحی کی اور جو کچھ ابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ کو وصیت کی تھی ۔حضرت آدمؑ سے کر لے حضرت نوحؑ تک چالیس بنی گذرے ہیں اور ان میں سے ایک بھی صاحب شریعت نہ تھا۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ دین نہ رکھتے تھے؟ اور لوگ کافر تھے؟ مگر وجود پیغمبران خود اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ جب پیغمبر تھے تو دین نہ ہونا کیا معنی ؟۔ علاوہ ازیں دین فطرت میں داخل ہے اور انبیاء تو اصل دین ہی پر مخلوق ومفطور ہوتے ہیں اور دین خدا ایک ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ و ھو فی الاخرۃ من الخاسرین پس معلوم ہوا کہ شریعت ودین دو چیزیں ہیں۔ دین ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہے گا۔مگر تدوین قانون شریعت حضرت نوح سے شروع ہوا نہ یہ کہ دین حضرت نوح سے شروع ہوا۔ بلکہ الفاظ آیہ خود دال ہیں کہ شریعت و دین دو چیزیں ہیں کیونکہ شرع لکم من الدین ہے۔شریعت قرار دی دیں سے وہ جو وصیت کی تھی نوحؑ کو الخ۔ پس شریعت عین دین نہیں ہے۔ بلکہ جزو دین ہے ہاں اگر شرع لکم الدین ہوتا تو یہ اعتراض وشبہ درست ہوسکتا۔ لہذا اس وقت دین تھا۔ مگر قانون شریعت مرتب نہیں تھا۔شرع بمعنی راہ ہے ۔ پس شریعت دین پر چلنے کا راستہ ہے اور دین قابل تغیر وتبدل ونسخ نہیں ہے۔ بلکہ نسخ شریعت سے متعلق ہوتا ہے اور اس واسطے شریعت ہر صاحب شریعت کی علیحدہ ہوتی ہے اور لاحقہ سابقہ کی ناسخ و لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا شریعت راہ ومحل عبور بطرف دین ہے۔ جس کو پیغمبر ظاہر فرماتا ہے اور یہ ایک مجموعہ قوانین اصول

ہے اور یہ حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور دین ماہیت کلیہ باطنیہ ہے اور وہ قابل تبدیل نہیں ہے اور نسخ شریعت میں واقع ہوتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ حسب اختلاف مادہ وزمان ومکان لوگوں کی صورتیں اور حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہر ایک ایک صورت اور ایک حالت رکھتا ہے اور ہر ایک صورت و حالت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ہاتھ رکھتا ہے اور ایک شخص نہیں رکھتا۔ تو وضو میں ہاتھ دھونے کا حکم اس کو دیا جائے گا جس کے ہاتھ ہیں نہ کہ اس کو جو ہاتھ نہیں رکھتا۔ پیر پر مسح کرنے کا حکم انہیں کو دیا جائے گا جو پاؤں رکھتے ہیں۔ اس طرح حسب اختلاف مکان وزمان وفصل وموسم وسفر وحضر وصحت وعلالت حکم بدلتا اور منسوخ ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً سخت شدتِ سردی ہو اور پانی سے وضو کرنے میں خوف ہو تو اس سے وضو ساقط ہے اور سفر میں چار رکعتی نماز دو رکعتی رہ جاتی ہے۔ حالانکہ اس کے اعضاء جوارح میں سے کچھ کم نہیں ہو ہے۔ و قس علی ذالک بلحاظِ اختلاف حالتِ انسان ومکان وزمان وفصل وموسم حکم بدلتا رہتا ہے اور پہل حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بموجب اختلافِ حالتِ نوع انسان واختلاف اوضاع خارجیہ واطوار وا دوار وحالاتِ فطریہ انسانیہ تکالیفِ شرعیہ بدلتی رہتی ہیں اور اسی کو نسخ کہتے ہیں اور یہ نسخ بھی احکام میں واقع ہوتا ہے۔ نہ اصل موضوعات میں۔ الغرض قانون شریعتی تکلیفی حضرت نوحؑ سے شروع ہوا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچا تو ختم ہو گیا۔ لہذا ان کے واسطے حکم ہوا ثم جعلناک علی شرایعة من الامر فاتبعها اس لئے یہ شریعت تامہ کاملہ بلا واسطہ غیر عالم امری سے ہے اور مقام ختم۔ لہذا حکم دینا صحیح ہوا کہ اسی کی پیروی کرو۔ اب اس میں تغیر وتبدل نہ ہو گا اور انبیاء سابقین رفتہ رفتہ لوگوں کو اس شریعت کاملہ تامہ کے لئے عادی کرنے آئے تھے تاکہ ترقی کرتے کرتے تعلیم اعلیٰ کے لئے تیار ہو جائیں۔ بس حضرت آدمؑ سے تعلیم اسماء شروع ہوئی اور حضرت ادریسؑ نے درس علوم شروع کیا تاکہ لوگ قابل تحمل معارف دین و شرائع ہو جائیں اور اسی تعلیم علوم کی وجہ سے حضرت ادریسؑ کو یہ درجہ عالیہ ملا کہ خداوند عالم فرماتا ہے و رفعناہ مکانا علیا ہم نے اس کو مکان عالی میں اٹھالیا اور درجہ رفیعہ عالیہ عطا کیا کہ زندہ آسمان پر چلے گئے اور حضرت آدمؑ سے تا حضرت نوحؑ دین میں مستقلاتِ عقلیہ فطریہ پر عمل تھا۔ علامہ طبرسی روایت کرتے ہیں کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام آیہ مجیدہ کان الناس امة واحدة فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کان الناس قبل نوح امة واحدة علی فطرة اللہ (الخ) یعنی حضرت نوح سے پہلے تمام لوگ ایک امت تھے اور سب کے سب فطرتِ الٰہی پر جس سے صاف ظاہر ہے کہ قبل حضرت نوحؑ قانون تشریعی (شریعت) نہ تھا۔ محض فطریات اولیہ ومستقلات عقلیہ تھے وغیرہ ذالک من

الاحادیث و الاخبار فارجع الیھا کہ خیرات تمام لوگوں نے نزدیک خیر ہیں اور شرورات سب کے نزدیک بد۔خواہ وہ کوئی مذہب رکھتے ہوں۔ چنانچہ ہر ایک کے نزدیک سچ اچھا ہے اور جھوٹ برا ہے ظلم قبیح ہے عدل احسن ہے رحم اچھا ہے بے رحمی بری ہے وغیرہ ذالک ۔لہذا اس وقت دارومدار معاشرت انہی مستقلات عقلیہ پر تھا۔عہد حضرت نوحؑ میں حسب اختلاف اوضاع زمان و بنی نوع انسان احکام شریعت مدوّن ہوئے۔غرض مقام ختم نبوت مقام منتہائے تعلیم ہے۔اسی واسطے فرمایاثم جعلنا ک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ۔

نکات وفرق درمیان دین وشریعت وملت

شرع لکم من الدین (الخ)اس آیہ مبارکہ میں قابل غور یہ امر ہے کہ مخاطب لکم کون ہے؟ (شریعت قرار دی تمہارے لئے) جن کے لئے شرع دین مقرر کی گئی ہے۔خود حضرت پیغمبر بظاہر ان میں داخل نہیں ہیں۔کیونکہ ان سے خود علیحدہ خطاب ہے یعنی وما اوحینا الیک۔اگر یہ کہا جائے کہ مخاطب ہم مومنین ہیں تو غلط ہے کیونکہ ہم پیرو دین و متبع شریعت ہیں نہ صاحب شریعت ۔حضرت ابراہیمؑ اپنی ذریت واولاد سے فرماتے ہیں۔ یابنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا انتم مسلمون اے بیٹو اللہ نے تمہارے واسطے دین کو برگزیدہ کیا اور چنا ہے۔پس تم نہ مرنا مگر مسلمان پس یہاں سے معلوم ہوا کہ دین ذریت ابراہیم کے واسطے ہے اور صاحبان دین وہ ہیں ۔لہذا صاحبان دین انبیاء ہوئے نہ عوام۔اس لئے صاحبان شرع دین اور وہ لوگ جن کے لئے شریعت دین قرار دی گئی ہے۔انبیاء ہوتے ہیں۔اس واسطے اس آیہ مبارکہ میں مخاطب اس کے عوام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ لوگ جن کے واسطے تمام شرائع سابقہ ولاحقہ جمع کی گئی ہیں ۔جس میں شریعت خاتم النبیینؐ بھی داخل ہے۔خداوندعالم جواب دعائے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں فرماتا ہے وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب قرار دی ہے اور یہ دعائے حضرت ابراہیم مخصوص تھی حضرت اسماعیلؑ و ذریت اسماعیل کے لئے اذا یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل (کما بیناہ سابقا) پس یہ ملت (کیش) حضرت ابراہیمؑ ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ دین کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔اسی واسطے بعد آیہ و جعلنا مسلمین لک فرمایا ہے۔ و من یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ سوائے سفیہ کے کوئی شخص ملت ابراہیمی سے اعراض نہیں کرسکتا۔اور ہمارے پیغمبر کو حکم ہوا ہے کہ فاتبع ملۃ ابراھیم حنیفا

ملت ابراہیمی کا تم بھی اتباع کرو۔ اوراس سلسلہ کو اپنی اولاد اور ذریت میں قرار دو جو ذریت ابراہیم و اولاد اسمٰعیل سے ہیں اور پیغمبر نے حسب حکم خداوند عالم کتاب کو اپنی ذریت میں قرار دیا اوران کو تالی کتاب وثانی ثقلین فرمایا ملاحظہ ہو انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض پس کتاب ونبوت بعد نبی آخر الزمان ذریت نبی میں آئی۔ مگر بنص آیہ نبوت آنحضرت پر ختم ہو چکی۔ لہذا کتاب بجعل الھی بخود باقی رہی۔ بنابرین بعد پیغمبر صاحبان شریعت کلیہ مطلقہ تامہ اہل بیت نبوت ورسالت و وارثان کتاب الہی ہیں اور یہی مخاطب ہیں اس آیہ مجیدہ کے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا لفظ رضیت ناظرین کو ملحوظ رہے اور پھر خدا ہم کو فرماتا ہے فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا تم بھی ملت ابراہیمی کا اتباع کرو اور بطور تہدید فرماتا ہے و من ترغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ کون ہے جو ملت ابراہیمی سے اعراض کرے سوائے اس کے جو اپنے نفس کو سفیہ واحمق بنائے۔ پس چاہئے کہ ہم بھی اسی ملتِ ابراہیمی کا اتباع کریں اور بعد پیغمبر صاحبان شریعت عترتِ رسول ذریت ابراہیمی کو قرار دیں اوران سے جدا نہ کریں اور سفیہ واحمق نہ بنیں۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ملت اور چیز ہے اور شریعت اور دین اور، دین ماہیت کلیہ ہے اور شریعت راہِ عبور اور ملت کیش کو کہتے ہیں اور اسی سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ پیغمبر خاتم النبیین کو کیوں اتباعِ ملتِ ابراہیمی کا حکم دیا گیا اس لئے کہ اتباع ملت کا حکم دیا گیا ہے نہ اتباع دین وشریعت کا۔ دین دین محمدی ہے اور ملت ملت ابراہیمی اور جب ملت واتبع ملت کے معنی معلوم ہو چکے تو اب کوئی محل شبہ نہیں۔ فافہم

توضیح

اس امر کی توضیح کہ شریعت ذریت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے اور وہی بعد پیغمبرؐ وارث نبوت وصاحب شریعت ہیں۔ آیہ استخلاف بھی ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیاء اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جملہ اعمال صالحہ بجالائے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا اوران کو ان کے اس دین پر قدرت وتمکن واقتدار عطا کرے گا۔ جو ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور

اس کی نسبت خوشنودی ظاہر فرمادی ہے اور بعد خوف ان کے لئے امن عطا کرے گا کہ وہ بلا خوف وخطر خالصاً لوجہ اللہ بکمال اطمینان اس کی عبادت کریں گے اور کسی شے کو اس کا شریک نہ گردانیں گے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں نہ عبادت میں نہ ظاہراً نہ باطناً اور نہ خوف وتقیہ سے کیونکہ یہ وعدہ مومن وصالح کے لئے فرمایا ہے۔ پس دو حال سے خالی نہیں ہے کہ یا تو بالاستحقاق۔ یا بلا استحقاق۔ محض تفضلاً اگر یہ وعدہ بالاستحقاق ہے تو مستحق اس کا فرد کامل مومن صالح ہے اور بالاتفاق بلحاظ ایمان وعمل صالح اول فرد کامل و اکمل ذات حضرت خاتم النبیین واول المسلمینؐ ہے اور وہی اول خلیفہ مطلق خدا ہے اور یہ وعدہ اس کی امت میں سے ان ان افراد کے لئے ہے جو کامل مومنین وصالحین ہوں اور نفس قدسی باب شہر علوم نفس نبی وسابق الاسلام ہے۔ بلکہ خود امت مسلمہ ہے۔ پس بعد پیغمبر مستحق خلافت الہیہ وخلیفہ اللہ وہی نفس نبی ہے اور اگر یہ وعدہ بطور تفضّل ہے تو بھی بحکم آیہ شریفہ و یوت کل ذی فضل فضلہ ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت عطا کرتا ہے۔ مستحق خلافت الٰہی وہی افضل الناس وخیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام ہوئے اور بعد ازاں وہ جو نفس رسول ہیں اور بعد رسول افضل الناس ہیں اور یہی خلفاء اللہ ہیں جن کے لئے خدا نے دین کو پسند فرمایا ہے و رضیت لکم الاسلام دینا اور ایک روز اس کی اشاعت کلیہ پر قدرتِ تامہ عطا کی جائے گی ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم لفظ ارتضی قابل غور ہے۔ تین لفظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اصطفا، اجتبا، ارتضا جن کی تحقیق سے ایک بڑا باب علوم کا کھلتا ہے۔ جس کے معنی جمع کرنا اور چن لیا ہیں۔ ارتصا رضا سے ہے جس کے معنی خوشنودی اور پسندیدگی ہیں اور ہر ایک علیحدہ معنی رکھتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی مجرد کو مزید فیہ میں لے جاتے ہیں تو زیادتی خاصیت باب کے ساتھ جس میں وہ منتقل ہوا ہے معنی مصدر ثلاثی باقی رہتے ہیں۔ یعنی جب صفا کو باب افتعال میں لے جا کر اصطفا کیا ہے تو اصطفا میں معنی صفا کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ مگر اہل لغت نے ان لفظوں کو باب افتعال میں لے جا کر خلاف قاعدہ سب کو ایک کر دیا اور سب کے معنی (برگزیدہ) کر دیئے ہیں اور ایسا کرنے سے انہوں نے ایک باب علوم مسدود کر دیا ہے۔ کلام حمید مجید میں تینوں لفظ علیحدہ معانی میں استعمال ہوئے ہیں ۔مثلاً لفظ اصطفا نبی وغیر نبی دونوں کے واسطے استعمال ہوا ہے۔ یصطفی من الملئکۃ رسلا و من الناس آدمیوں اور ملائکہ میں سے اپنے لئے رسل مصطفٰی قرار دیتا ہے ان اللہ اصطفی ادم و نوحا و ال ابراھیم و ال عمران علی العلمین اور حضرت طالوت جو بادشاہ تھے ان کے حق میں فرماتا ہے ان اللہ اصطفی لکم الطالوت ملکا اور لفظ اجتبا تمام رسولوں کے واسطے بھی نہیں ہے۔ بلکہ خواص کے

واسطے ہے۔ و ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب و لکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے لیکن وہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ پس اجتباء میں تمام رسول بھی داخل نہیں ہیں۔ لہذا یہاں سے فرق اصطفا و اجتبا معلوم ہو گیا اور لفظ ارتضا ان دونوں سے فوقیت رکھتا ہے اور خاص سلسلہ نبویہ خاتم النبیین سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ خداوند عزوجل فرماتا ہے عالم الغیب والشھادۃ لا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول خدا عالم غیب اور عالم شہود سب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب خاص و غیب ہویت پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس کو جو مرتضی من الرسول ہو اور اس مقام پر مِن ، مِن بیانیہ نہیں ہے۔ جس کے معنی یہ ہوں کہ اپنے رسول مرتضی کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصدا کیونکہ اللہ نے اس کے آگے اور پیچھے دونوں طرف رصد قرار دے دی ہے اور دونوں طرف نگہبان ہیں۔ پس اگر اس سے رسول مراد لیا جائے تو معنی آیت کے درست نہیں رہتے۔ کیونکہ پیغمبر رصد و شاہد اپنے اوپر نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ شہید ہے لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا بلکہ مراد اس مرتضی من الرسول سے علی مرتضیٰ ہیں۔ کیونکہ نہیں ہیں مرتضیٰ از بجانب رسول مگر مرتضیٰ اور وہی دونوں طرف رصد رکھتے ہیں۔ ایک طرف رسول اللہ ہیں جو کہ شہید ہیں۔ یہ ان سے لیتے ہیں اور اپنے مابعد کو دیتے ہیں اور اس پر خود شہید ہوتے ہیں۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے آخر اوصیاء عجل اللہ طھورہ اور لفظ یسلک خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل وابستہ اور ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ کیونکہ سلک زنجیر کی کڑیوں کو ایک دوسرے سے ڈالنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا فاسلکوہ پس نبوت یہاں سے جدا ہے کہ مقام نبوت ختم ہو جائے۔ بلکہ یہ مقام امامت ہے اور دوازدہ امام اسی ایک سلسلہ میں منسلک ہیں۔ اسی بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بارھواں امام اس وقت موجود ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ ایک مدت بعد پیدا ہو گا تو سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور آیت غلط۔ پس ضرور موجود ہے اور اس میں متصل و منسلک ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں اس لئے کہ بحکم آیہ ان کا سلسلہ وار ہونا ضروری ہے۔ لہذا واجب ہوا کہ گیارھویں کے بعد بارھواں موجود ہو۔ پس وجودِ مہدی آخر الزمان ثابت ہے عجل اللہ ظہورہ۔

(آمدم برسر مطلب) چاہیئے کہ امام ہر زمانہ میں موجود ہو اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو۔ لیکن ممکنات

عالم سے اس حجت اللہ کا تعلق کیا اور کونسا ہے؟ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حرکت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حرکت طبعی ذاتی۔ دوسری حرکت غیر ذاتی کارجی وقسری مثلاً انجن کو جو چیز حرکت دیتی ہے وہ اس کی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ خارجی ہے اور وہ اس کی محرک ہے اور انجن محرکِ ریل ہے اور جس قدر اس محرک میں قوت ہوگی اتنا ہی ریل یا جہاز کام کریں گے اور حرکت کریں گے۔

اس بدن انسانی کو دیکھئے کہ یہ ایک مدبر خارجی رکھتا ہے جو روح انسانی ہے وہ اس پر تصرف رکھتی ہے اور اس کو حرکت دیتی ہے چلاتی پھراتی ہے اور اس کے واسطے سے وہ جسم انسانی موجود و باقی ہے۔ جہاں اس کا تعلق بدن سے منقطع ہوا وہ خراب ہو جاتا ہے اور سڑ جاتا ہے اور انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے۔ مرنے پر بدن مع تمام اعضاء جوارح موجود ہوتا ہے۔ مگر انسان نہیں ایک جسم انسانی ہے اور بدیہی و ضروری ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کر دے اور پھر خود مر جائے یا مارا جائے۔ تو اس مقتول کے قصاص میں اُس مردہ قاتل کا سر جدا نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہ انسان نہیں ہے۔ انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے اور یہ اپنے بدن اور تمام اعضاء و جوارح پر ایسا تصرف اور اس سے ایسا تعلق رکھتی ہے کہ کہیں ہو اور کسی حال میں اس کو اپنی تمام مملکت بدن کے ذرہ ذرہ کی خبر رہتی ہے اور اس پر تصرف حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں میل پر ہوتی ہے اور یہاں بدن کے کسی حصہ میں ایک مچھر یا کھٹمل کاٹتا ہے تو اس کو فوراً اطلاع ہو جاتی ہے اور فوراً ہی اس کا دفعیہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس پر حکومت رکھتی ہے اور اس کے تصرف کے لئے اس کا قرب و بعد مساوی ہے۔

اسی طرح یہ تمام عالم امکان بمنزلہ ایک جسم ایک بدن کے ہے۔ **قال عزوجل و ان کل من فی السموات و الارض الا اتی الرحمن عبدا** اس آیت میں خدا جملہ موجودات ارضی وسماوی کو ایک عبد کہتا ہے اور اسی طرح سے تمام عالم امکان ایک کتاب وجودی ہے **قال الذین اوتو العلم و الایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث** کہا اہل علم وایمان نے کہ تم روز حشر ونشر و بعث تک کتاب خدا میں رہے ہو۔ پس اس جسم عالم امکان میں حجت اللہ روح اور قلبِ عالم امکان ہے اور وہ موجود ہے اور متصرف اور اس کے ظاہر ہونے اور سامنے حکم کرنے کی ضرورت نہیں وہ جہاں کہیں بھی ہے اور جس حال میں بھی ہے اس عالم کی خبر اور اس سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر متصرف ہے اور اس کے لئے حضور وغیاب مساوی ہے۔ لہذا غیبت امام قابلِ اعتراض نہیں۔ وہ روح عالم وقلب عالم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب قلب پر صدمہ ہو۔ تو اور اعضا اپنی تکالیف محسوس نہیں کرتے اور اگر انسان کے عضو عضو جدا کر دیئے جائیں انہیں خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ

تمام قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جب قلب عالم امکان مضطرب ومتزلزل ہوتا ہے۔ تمام اعضاء و جوارح متزلزل ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی خبر نہیں رہتی۔ اور جو عضو قلب سے جس قدر قرب رکھتا ہے۔ اسی قدر اس کو صدمہ زیادہ محسوس ہوتا ہے اور اس کے صدمہ سے اس کو اپنی خبر نہیں رہتی۔ اگر اسے پارہ پارہ کرڈالو۔ تو محسوس نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آنحضرت سے مروی ہے کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا یا بنی انک ستساق الی العراق و معک جماعة لا یجدون الم مس الحدید اے فرزند تجھ کو دشمن زبردستی عراق کی طرف کھینچ لے جائیں گے اور تیرے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے جو زخم آہن کو محسوس تک نہ کریں گے۔ وہ تیرے صدمہ میں ایسے مصروف ہوں گے کہ ان کے تلواریں لگتی ہوں گی۔ تیر آتے ہوں گے، نیزے چھبتے ہوں گے۔ مگر وہ متاثر نہ ہوں گے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب حسین علیہ السلام کا یہی حال تھا کہ جب وہ حضرات امام مظلومؑ کو متاذی دیکھتے تھے اپنے وجود سے غافل ہو جاتے تھے۔ کیونکہ امام قلبِ عالم امکان ہے۔ جب قلب مضطرب ہو تو دوسرے اعضاء کو اپنی کیا خبر رہے۔ بعد ازاں حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یا نار کونی بردا وسلاما اے آتش ان پر سرد و سلامتی بن جا۔ گویا حضرتؑ نے تمام اصحاب امام مظلومؑ کو درجہ ابراہیمؑ میں داخل فرمایا ہے۔ دیکھیئے کہ چھوٹے بڑے مرد و زن نے روزِ عاشورا کیا کیا کارنمایاں کئے اور ان اصحاب نے کیا کیا اپنے جوہر ذاتی دکھلائے۔

مورخین لکھتے ہیں۔ عابس ابن ابی شبیب شاکری جس وقت میدان میں گئے تو لشکر میں تہلکہ پڑ گیا۔ آپ بار بار الا رجل الا رجل پکارتے تھے مگر کوئی لشکر سے مقابلہ کے لئے باہر نہ نکلتا تھا۔ کیونکہ عابس کی شجاعت اور بہادری سے لوگ واقف تھے۔ ربیع ابن تمیم نے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا اس کو جانتے ہوں یہ کون ہے۔ میں نے اس کو جنگ آزمائی جان میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے تنہا حملہ کر کے ساٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ سن کر تمام لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے۔ عمر سعد نے جب یہ حال دیکھا تو سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ سنگ باری شروع کر دیں یہ سن کر عابس نے خود سر سے اتار پھینکا اور کمر تک بدن کو برہنہ کر لیا اور فرمانے لگے مجھ کو پتھروں کی دھمکی دیتے ہو اور حملہ شروع کیا اور ادھر چار ہزار سنگ اندازوں نے سنگ باری شروع کی نہ معلوم ان چار ہزار سنگ اندازوں کے پتھروں سے ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر وہ بکمال قوتِ قلب لڑتے رہے اور آخر شہید ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

موعظ چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعوا کل اناس بامامھم هذان خصمان اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق روسھم الحمیم

علومِ نبوتِ جزئیہ وکلیہ

پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ طریق سعادت پر یا عالم ہے یا متعلم اور ان دونوں کے سوا جو کوئی بھی ہے ۔اہل شقاوت وضلالت سے ہے اور علم عام نوح بشرو ما اوتیتم من العلم الا قلیلا ہے اور علم خواص اوتو العلم پس اہل علم گویا دو جماعتیں ہیں ۔پھر صاحبان اوتو العلم بھی دو قسم کے ہیں ۔ایک صاحبان علم جزئی دوم دارائے علم کلی ۔ چنانچہ حضرت آدمؑ سے لے کر تا حضرت خاتمؐ جس قدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں ۔سب کا علم بہ نسبت آنحضرتؐ جزئی تھا اور وہ بطور مقدمہ آئے تھے ۔حتی کہ حضرت ابراہیمؑ میں بھی جو شجرۃ الانبیاء اور افضل انبیائے سابقین ہیں ۔علم بطور کلیت واطلاق نہیں ہے ۔خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بآواز بلند فرماتے ہیں یا ابت انی قد جاء نی من العلم ما لم یاتک فاتبعنی اھدک صراطا سویا اے میرے باپ مجھے علم سے وہ حصہ ملا ہے جو تجھے نہیں ملا ہے ۔پس میرا اتباع کر میں تجھے ٹھیک راستہ دکھلاؤں گا ۔یعنی حضرت نے من العلم فرمایا ہے جو جزئیت کی دلیل ہے ۔ جاء نی العلم نہیں فرمایا ۔جو کلیت اور اطلاق پر دال ہوتا ہے ۔پس معلوم ہوا کہ آپ کا علم بھی بطور کلیت واطلاق نہ تھا اور خداوند عالم جملہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتا ہے و لقد اخترنا ھم علی العالمین یعنی ہم نے ان کو ایک علم میں تمام عالمین سے برگزیدہ بنایا ہے اور اس علم کے لئے انہیں پسند کیا ہے ۔نہایت درجہ ان کے علم کا یہ ہے کہ بعضے علم حقائق میں بطور جزئیت شریک ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کو خدا خود فرماتا ہے وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض اسی طرح سے ہم ابراہیم کو بواطن زمین و آسمان دکھلاتے ہیں کیونکہ نبوت جملہ انبیاء سابقین کی محدود و جزئی تھی ۔ایک قوم خاص اور ایک ملک مخصوص

پر مبعوث ہوئے تھے۔ نہ تمام عالمین پر۔ مثلاً جناب آدمؑ کی شان میں آیا ہے انی جعلک فی الارض خلیفہ بتحقیق کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ لہذا خلافت آدم زمین ہی سے مخصوص تھی اس طرح دیگر انبیاء یا دائود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض اسی وجہ سے ایک وقت میں چند نبی بھی ہوئے ہیں۔ بعض ایک قریہ میں اور بعض دوسرے قریہ میں۔ چنانچہ حضرت لوطؑ زمانہ حضرت ابراہیمؑ میں ایک قریہ میں اپنی قوم پر مبعوث تھے۔ لیکن جب سلسلہ نبوت بمقام ختم پہنچا اور حضرت خاتم النبیینؐ مبعوث برسالت ہوئے۔ تو ان کے لئے خصوصیت کسی قوم یا ملک کی نہ رہی۔ بلکہ اختصاص ارضی بھی مرتفع ہو گیا اور تمام عوالم یعنی جملہ ماسوای اللہ عالم مواد، عالم ارواح، عالم نفوس، عالم عقول، عالم ملکوت، عوالم ارضی و عوالم سماری، جن وانس، چرند و پرند، قریب و بعید، مرئی و غیر مرئی سب پر مبعوث ہوئی۔ کما قال عزوجل تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا بزرگ اور برتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تمام عوالم پر رسول نذیر و بشیر ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس وقت سے تمام عوالم کے نذیر قرار پائے۔ بلکہ خود لفظ عالمین دال ہے کہ آپ ہمیشہ سے اس صفت سے متصف ہیں۔ ورنہ تو بہت سے عوالم نذارت سے خارج ہو جائیں گے۔ پس جس طرح آپ کی رسالت باعتبار مکان غیر محدود و کلی ہے۔ اسی طرح بلحاظ زمان بھی غیر محدود و کلی ہے۔ کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ولذا قال صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کنت نبیا ء و ادم بین الماء و الطین او بین الروح و الجسد حتیٰ کہ تمام انبیاء بھی آپ کی نبوت مطلقہ کلیہ کے تحت میں داخل ہیں اور امت مرحومہ محمدیؐ میں شامل۔ پس علم آپ کا بہ نسبت جمیع مخلوقات جن وانس ملائکہ و عقول قادسہ و انبیاء و رسل کے کلی ہوگا۔

نکتہ

قرآن شریف میں بعض الفاظ و بعض محاورات ایسے ہیں کہ اگر انسان ان میں غور کرے اور ان کے سر سے آگاہ ہو تو ابواب علوم منکشف ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک لفظ (اتی) ہے کہ علم اور کتاب دو چیزوں کی طرف علی العکس منسوب ہوا ہے یعنی جب لفظ (اتی) بصیغہ ماضی معروف علم کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ تو وہاں علم سے مراد علم جزئی ہوتا ہے مثلاو لقد اتینا دائود سلیمان علما (نحل) البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم عطا کیا۔ و اتیناہ حکما و علما (سورہ یوسف) اور ہم نے اس کو حکم اور کچھ علم عطا کیا ہے ولوطا اتیناہ حکما و علما (سورہ انبیاء) پھر جملہ انبیاء کے حق میں فرماتا ہے و کلا اتیناہ حکما و علما (انبیاء) اور ہر یک کو ہم نے حکم اور کچھ علم عطا کیا اور جہاں کتاب کی طرف منسوب ہے وہاں کتاب سے

حقیقت کتاب مراد ہے اور اسی واسطے انبیاء کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے باب میں آیا ہے و لقد اتینا موسی الکتاب (بقر) اور دیگر انبیاء کی شان میں فرمایا ہے و اتینا ھم الکتاب المستبین (والصافات) اور ہم نے ان کو کتاب روشن عطا کی اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں اتانی الکتاب و جعلنی نبیا مجھے اللہ نے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کتاب سے مراد علم کتاب و حقیقت کتاب ہے جو صفت انبیاء ہے۔ ولقد ارسلنا رسولنا و انزلنا معھم الکتاب و المیزان البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی۔ پس اس کتاب سے مراد علم کتاب ہی ہے۔ جو ہر نبی کے وجود کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک جماعت کی صفت میں آیا ہے۔ کذالک انزلنا الیک الکتاب فالذین اتیناھم الکتاب یومنون به و من ھولاء من یومن به و من و ما یجحد بایاتنا الا الکفرون (عنکبوت) اسی طرح ہم نے تجھ پر کتاب کو نازل کیا ہے۔ پس وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دے دی ہے وہ سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں سے بھی بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر کافرین اور جہاں کہیں لفظ (اتی) بصیغہ مجہول یعنی (اوتی) کتاب کی طرف منسوب ہوا ہے وہاں کتاب سے مراد علم کتاب و حقیقت کتاب نہیں ہے بلکہ کتاب آسمانی لے کر کسی پیغمبر کا ان کی طرف آنا مراد ہوتا ہے۔ اعم اس سے کہ وہ لوگ عالم کتاب پیغمبر ہوں یا نہ ہوں۔ اس پر عمل کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ قرآن شریف میں اوتو الکتاب سے مراد یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں جو مقابل مشرکین ہیں۔ جن پر کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا تھا اور ان میں کوئی کتاب نہ آئی تھی۔ مثلاً و لاتکونوا کالذین اوتو الکتاب (حدید) اور چاہیئے کہ تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جن کی طرف کتاب بھیجی جا چکی ہے۔ و لا یدینون دین الحق من الذین اوتو الکتاب (توبہ) وغیرہا اور جس جگہ علم کی طرف مضاف ہے وہاں علم سے علم کلی مراد ہے۔ و یرفع اللہ الذین امنوا منکم و الذین اوتوا لعلم درجات اللہ بلند کرتا ہے ان کے درجات کو جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کر دیا گیا ہے۔ بل ھو ایات بینات فی صدرور الذین اوتو العلم و ما یجدو بایاتنا الا الظلمون (عنکبوت) بلکہ قرآن شریف آیات بینات ہے۔ سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا ہے اور نہیں انکار کرتے ہیں۔ ہماری آیات کا مگر ظالمین اور یہ صاحبان اوتو العلم وعلم مطلق حضرت خاتم الانبیاء اور ان کے اوصیاء ہیں علیہم الصلوۃ والسلام اور علم پیغمبر خاتم النبیینؐ بہ نسبت جمیع انبیاء سابقین کلی ہے۔

انقسامِ سلسلہ نبوت اور حضرت شجرۃ الانبیاء

کتب آسمانی جو بطور تنزیل نازل ہوئی ہیں اور جن پر کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اور لفظ کتاب بولا جاتا ہے وہ صرف چار ہیں۔ توریت و زبور و انجیل اور فرقان حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ بھی اس معنی میں صاحب کتاب نہیں کہلاتے۔ بلکہ صاحب صحف کہلاتے ہیں اور صحف ابراہیمی مشہور ہیں اور اسی طرح حضرت اسماعیلؑ بھی صاحب کتاب نہیں ہیں لیکن کتاب وجودی جس سے کہ مراد علم کتاب وحقیقت علمیہ ہے وہ عام ہے تمام انبیاء میں جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا کہ خدا تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے **فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معھم الکتاب** اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا درآنحالیکہ وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی **و لقد ارسلنا رسلنا و انزلنا معھم الکتاب و المیزان** اور یہ سلسلہ کتاب ذریت انبیاء میں ہمیشہ جاری رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ و حضرت ابراہیمؑ کے حق میں فرماتا ہے۔ **ارسلنا نوحا و ابراھیم و جعلنا فی ذریتھما النبوۃ و الکتاب** ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی۔ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی شان میں فرمایا ہے **وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ و الکتاب** ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب قرار دی ہے اور حضرت ابراہیمؑ سے نبوت و کتاب منقسم ہوئی۔ ایک سلسلہ بنی اسرائیل میں نبی اسحاقؑ ہیں۔ دوم سلسلہ اسماعیلؑ لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت اسماعیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ جو صاحب نبوت و کتاب ہوا اور جعل الٰہی مقتضی ہے کہ ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں نبوت اور کتاب موجود ہو۔ پس حضرت اسماعیلؑ سے حضرت خاتم النبیین تک نبوت اور کتاب جو مابہ النبوۃ ہے۔ کس کے پاس رہی۔ کیا وہ مشرکین مکہ حامل کتاب تھے جو اولاد حضرت اسماعیلؑ سے ہیں؟ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا بھی ہے۔ اگر ایسا ہے تو مشرکین نبی یا وصی نبی ہوئے۔ کیونکہ نبوت اور کتاب ساتھ ساتھ ہیں اور مابہ النبوۃ کتاب ہی ہے۔ حالانکہ نبی مشرک غیر معقول وغیر متصور ہے اور یہ خیال غلط محض۔ بلکہ دعائے حضرت ابراہیمؑ **ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک** دلالت کرتی ہے کہ ایک امت مسلمہ باسلام نبوتی ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود رہی ہے۔ کیونکہ یہ بھی جعل الٰہی ہے۔ جس کو کبھی انقطاع نہیں۔ پس حامل کتاب یہی امت مسلمہ ہوگی۔ نہ مشرکین اور یہیں سے ثابت ہے کہ آباؤ اجداد جناب ختمی مرتبت کل کے کل مسلم و موحد تھے اور نطفہ حضرت ختمی مرتبت انہیں اصلاب طاہرہ میں رہا ہے اور منتقل ہوتا آیا ہے۔ جو حامل کتاب نبوت و مسلم تھے۔

یہ بھی کتاب اللہ ہی سے ثابت ہے کہ یہ دعائے حضرت ابراہیمؑ مخصوص و مختص ہے اولاد حضرت اسماعیلؑ سے نہ حضرت اسحاقؑ سے۔ اس لئے کہ صدر آیہ یہ ہے **واذا یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة ملسمة لک و ارنا مناسکن و تب علینا انک انت التواب الرحیم . ربنا وابعث فیھم رسولا منھ یتلوا علیھم ایاتکم ویعلمھم الکتاب و الحکمة و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم** (بقرہ ع ۱۵)

اور یاد کر اس وقت کو جب کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے۔ (تو انہوں نے عرض کیا) اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان مطیع و منقاد مطلق بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت ایسی ہی پیدا کر جو مثل ہمارے تیری مطیع و منقاد مطلق ہو اور ہمارے مناسک ہمیں دکھلا دے اور ہمارے رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی رجوع کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔

پروردگارا ان میں انہیں میں سے ایک کو رسول بنا جو ان پر تیری آیات کو تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بہ تحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہے اور پھر فرمایا **ربنا انی اسکنت من ذریتی بوّاد غیر ذی زرع عند بیتک المحرام ربنا لیقیموا لصلوة فاجعل افئدة من الناس تھوی الیھم و ارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون** (ابراہیم ع ۵) اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو تیرے خانہ محترم کے اس وادی بے زراعت میں سکونت پذیر کیا ہے اے ہمارے پروردگار اس لئے کہ وہ نماز کو قائم کریں۔ پس اے خدا کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور ان کو ثمرات عطا فرما کہ وہ تیرا شکر بجالائیں اور مسلم و محقق ہے کہ مکہ معظّمہ میں جناب ابراہیمؑ نے اپنی ذریت میں سے صرف حضرت اسماعیل کو مقیم کیا تھا۔ لہذا یہ دعا بھی ذریت ابراہیمؑ میں سے اولاد اسماعیلؑ ہی سے مخصوص ہے۔ اور اسی آیت کے بعد فرمایا **رب اجعلنی مقیم الصلوة و من ذریتی ربنا و تقبل دعا** میرے پرودگار مجھ کو اور میرے بعض ذریت کو نماز کا قائم کرنے والا قرار دے اور ہماری دعا کو قبول فرما۔ لہذا ثابت ہے کہ یہ امت مسلمہ اور یہ ذریت مقیمین الصلوۃ اور ساکنین مکتہ اللہ الحرام اولاد حضرت اسماعیلؑ ہی سے ہے اور یہ وہی امت ہے جس میں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ اسی امت مسلمہ کے ایک فرد ہیں۔ پس لابد وہ امت مسلمہ باسلا نبوّتی اس وقت موجود تھی جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ انہیں میں سے تھے۔ لہذا یہی امت جو ذریت ابراہیم ہے حامل

کتاب ہے۔ بنوت خاتم النبیینؐ پر ختم ہوگئی۔ مگر کتاب بحال خود باقی ہے۔ اگر بنص آیہ نبوت خاتم النبیین پر ختم نہ ہوتی تو یہ تمام افراد امت مسلمہ انبیاء ہوتے۔ کیونکہ ما بہ النبوۃ کتاب ہی ہے اور کتاب ان میں موجود ہے اتانی الکتاب و جعلنی نبیا دال ہے کہ اول کتاب دی جاتی ہے اور بعد میں نبی بنایا جاتا ہے۔ جاہل نبی نہیں ہوتا۔ نبی جاہل غیر معقول ہے اور نبوت ایک درجہ رفیعہ عالیہ ہے۔ جو بلا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ رفعت درجات علم پر موقوف ہے۔ و یرفع اللہ الذین امنوا منکم و الذین اوتو العلم درجات اس لئے کہ نبی دراصل نبوت سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی اور رفعت کے ہیں اور اسی طرف اشارہ ہے اس آیہ مجیدہ میں جس میں حقیقت نبوت کو بیان کیا گیا ہے وھی ھذہ رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق خداوند عالم درجات کا بلند کرنے والا صاحب عرشِ علم ہے وہ اپنے عالم امر سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے روح عطا کرتا ہے تاکہ وہ روز قیامت سے ڈرائے۔ پس نبی صاحب درجہ رفیعہ ہے اور مقام نبوت مقام عرش ہے اور جو کچھ اس کو پہنچتا ہے۔ عرش الٰہی سے پہنچتا ہے اور (انباء) یعنی خبر دینا اثرات بنوت میں سے ہے کہ جو نبی مبعوث برسالت ہوتے ہیں پیغام خدا پہنچاتے ہیں۔

مزید توضیح و تشخیص صاحبان کتاب درامت محمدیؐ

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ جہاں اتینھم الکتاب آیا ہے اس سے کتاب وجودی یعنی علم کتاب و حقیقت کتاب مراد ہے لہذا فالذین اتینا ھم الکتاب یومنون بہ و من ھولاء من یومن بہ الخ میں بھی کتاب سے مراد حقیقت کتاب ہی ہے۔

اب معلوم کرنا یہ ہے کہ امت محمدی میں یہ کون لوگ ہیں؟ اس واسطے کہ پیغمبر تو ان میں داخل نہیں کیونکہ پیغمبر خود مخاطب ہے۔ پس ضرور یہ صاحبان کتاب غیر از پیغمبر خدا ہیں۔ اکثر مفسرین کی تو رائے ہے کہ ان سے مراد یہود و نصاریٰ اہل الکتاب ہیں۔ لہذا بنابرین مطلبِ آیت یہ ہوا کہ اے پیغمبر یہود و نصاریٰ تو تمام کے تمام اس قران پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں میں سے بھی بعض بعض اس پر ایمان لائے ہیں۔ لہذا اہل ایمان یہود و نصاریٰ ہوئے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

واقعی جب علم کلبی زجاج قتادہ وغیرہم پر منتہی ہوگا۔ تو یہی گندہ گاری پیدا ہوگی۔ اگر انسان ذرا نور ایمان دل میں رکھتا ہو اور قرآن پر اعتماد۔ تو یقین کرلے گا کہ ہرگز اتینا ھم الکتاب کا مصداق عام یہود و نصاریٰ تو کیا خاص علماء بھی نہیں۔ کیونکہ جو صفات ان صاحبانِ کتاب کی کتاب اللہ میں مذکور ہیں وہ کبھی اور

کسی صورت سے ان پر صادق نہیں آسکتی ہیں۔ قال اللہ عزوجل الذین اتیناھم الکتاب من قبلہ ھم بہ یومنون و اذا یتلی علیھم قالوا امنا بہ انہ الحق من ربنا انا کنا من قبلہ مسلمین اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا و یدرون بالحسنۃ السیئۃ و مما رزقنا ھم ینفقون و اذا سمعوا اللغوا عراضوا عنہ و قالوا لنا اعمالنا و لکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین (قصص ٦ع) یعنی جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دے دی ہے۔ وہ سب اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بہ تحقیق کہ یہ حق ہے ہمارے پرودگار کی طرف سے۔ بتحقیق کہ ہم اس سے پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا کہ انہوں نے صبر کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے رہے اور جو کچھ ہم نے ان کو قوت و رزق دیا تھا اس کو وہ راہِ خدا میں خرچ کر دیتے تھے اور جب وہ لغویات سنتے تھے تو اس سے اعراض کرتے اور کہتے کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے۔ سلام ہو تم پر، ہم جاہلین کو نہیں چاہتے۔ اس آیت کی تفسیر نہیں صرف اگر لفظی ہی ترجمے میں ادنیٰ تامل کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اتیناھم الکتاب سے یہود و نصاریٰ ہرگز مراد نہیں ہو سکتے۔ یہود کب قرآن پر پہلے سے ایمان رکھتے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے اور کب وہ قبل نزول قرآن مسلمان تھے۔ کب انہوں نے صبر کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ کون سے یہود ہیں جو بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں اور لغو سے اعراض کرتے ہیں اور جاہلوں کی صحبت سے بچتے ہیں۔ اگر ایسے ہیں تو پھر ان سے بہتر مومن و مسلمان دنیا میں متصور نہیں۔

اور اگر یہ صحیح ہے تو وہ آیات غلط ثابت ہوتی ہیں جو مذمت یہود سے پر ہیں۔ علاوہ ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ اتیناھم الکتاب سے مراد حقیقتِ کتاب ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ اسی کا مصداق ہیں کہ اتانی الکتاب فرماتے ہیں تو کیا معاذ اللہ حضرت عیسیٰ بھی یہود تھے؟ اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ کتاب ان کے وجود کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ بعد میں تعلیم دی جاتی ہے۔ پس کون ہے یہود ہیں۔ جو قبل وجودِ ظاہری جسمانی عالم کتاب و حامل حقیقت کتاب تھے ان ھذا الا اختلاق۔

پس ایتنا ھم الکتاب کا مصداق وہ ہیں جو صلاحیت نبوت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ہی مابہ النبوت ہے اور وہ وراثانِ کتاب اہل بیت بنوت و رسالتؐ ہیں۔

معانی کتاب

اول۔کتاب مکتوب یعنی خطوط ونقوش کما قال سبحانہ و تعالی و لو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم فقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین (انعام ع۲) اوراگر ہم اے پیغمبرؐ تجھ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور یہ لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے۔تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

دوم۔کتاب ملفوظ اورصورت تلفظی کما قال عزوجل واتل علیھم ما اوحی الیک من الکتاب (کہف) اے پیغمبر پڑھ ان پر وہ کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے۔سوم کتاب ذہنی یعنی معانی متخیلہ متصورہ فی الذہن المدلولہ بالالفاظ۔ قال عز اسمہ و منھم امیون لا یعلمون الکتب الا امانی (بقرۃ ع۱۱) اور بعض ان میں سے امی ہیں۔جو نہیں جانتے ہیں کتاب کومگر آرزوئیں۔جو خواہش طبع ہوتی ہے وہ ہی معنی کر لیتے ہیں۔چہارم۔کتاب حقیقی جو قلوب انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔نہیں بلکہ وجود کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ کما فی راتانی الکتاب و جعلنی نبیا و اتینا ھم الکتاب المستبین پس وہ ایک حقیقت نورانیہ علمیہ ہے جو وجود نبی میں ہے بلکہ نفس روح نبی یہی کتاب ہے۔کیونکہ وہ ایک حقیقت نوریہ علمیہ ہےاور وہ ہی ذالک الکتاب لا ریب فیہ ہےاور قرآن اسی کی صورت مقروٴ ہے۔ قال عزوجل انہ لقران کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون بتحقیق کہ یہ قرآن کریم ہے۔کتاب مکنون میں۔جس کو سوائے مطہرین اور کوئی مس نہیں کرسکتا۔پس بعد پیغمبر غیر از پیغمبر وہ نفوس صاحبان کتاب ہیں جو نفس رسول ہیں اور اس کے ساتھ اتحاد نوری روحانی رکھتے ہیں اور قرآن ان کے وجود میں ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی حقیقت یہ ہے ما کنت تتلوا منقبلہ من کتاب و لا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتو االعلم و ما یجحد بایاتنا الا الظلمون (عنکبوت) اے پیغمبر نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب توریت وغیرہ پڑھتا تھا اور نہ تو اس کو ہاتھ سے لکھتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مبطلین اسلام کو شک وریب کا پورا موقع مل جاتا۔لیکن قرآن ایسا نہیں ہے۔بلکہ وہ آیات بینہ ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔چونکہ پہلے علم ان کو عطا کر دیا گیا ہے۔اسی واسطے وہ اس کو جانتے ہین اور حقیقت کتاب سے واقف ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔اور یہی اہل قرآن ہیں۔چونکہ لوگوں نے قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا اور زجاج و کلبی و قتادہ زمخشری سے قرآن لیا۔یہ گندہ

کاریاں پیدا ہوئیں اور اندھی تقلید کی وجہ سے قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور نصوص آیات کو مفسرین کے اقوال کے مقابلہ میں قبول نہیں کرتے اور ملا نقطی (۱) بنے ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر کلام اللہ میں تدبر کریں۔ تو یہ بھی صاف معلوم ہو جائے کہ وہ صاحبان اوتو العلم کون ہیں۔ جن کی صفت یہ ہے **قال امنوا او لاتومنوا ان الذین اوتو العلم اذا یتلی علیھم ایتنا یخرون للاذقان سجدا** اے پیغمبر کہہ دو کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ بتحقیق کہ وہ لوگ جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔ جب ان پر آیات پروردگار تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور یہ لوگ زمانہ پیغمبر میں موجود تھے۔ **کما اخبر بہ سبحانہ و منھم من یستمع الیک حتی اذا خراجوا من عندک قالوا للذین اوتو العلم ماذا قال انفا** اور اے پیغمبر بعض تیرے اصحاب ایسے ہیں جو خوب غور سے قرآن سنتے ہیں اور جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں تو وہ ان لوگوں سے جن کو علم دیا گیا ہے کہتے ہیں کہ پیغمبر نے ابھی کیا فرمایا ہے ہم نہیں سمجھے۔ پس صاحبان اوتو العلم موجود تھے اور لوگ ان کو پہچانتے تھے اور یہی وہ ہیں جن کے سینوں میں قرآن ہے اور ان کے وجود کے ساتھ حقیقت کتاب عطا ہوئی یعنی حقیقت نوریہ علمیہ۔

اور سورہ قصص کا یہ جملہ **انا کنا من قبلہ مسلمین** ان کی صاف تصریح و تشخیص کر دیتا ہے کہ یہ پہلے سے مسلمان وہی امت مسلمہ ذریت ابراہیم ہے پس کتاب بجعل الٰہی ذریت و سلسلہ اسماعیل میں باقی ہے۔ **وجعل فی ذریتہ النبوۃ و الکتاب** اور یہ غیر از نبی ہیں۔ نبی اصل اصیل ہے اور یہ فروغ یعنی اس شجر نبوت کی شاخیں ہیں۔

تصریح پیغمبر اور صاحبانِ کتاب

پیغمبر خدا نے اس کی تصریح و تشریح فرما دی ہے کہ میرے بعد صاحبان کتاب وہ ہیں جو میری اصل سے ہیں اور کتاب ان کے ساتھ اور وہ کتاب کے ساتھ دونوں میں ہرگز افتراق نہیں۔ **فقال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم**

نوٹ:۔ (۱) ایک ملا خوشنویس تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی اور اس پر نقطے ایک ترتیب خاص سے لگائے۔ لکھتے ہوئے جب اس نے ایک سطر تمام کی اور نقطوں پر غور کیا تو اس ترتیب میں کسی ایک حرف کا نقطہ باقی رہ گیا تھا۔ غور و فکر کے بعد اس نقطے کے عوض ایک نقطہ حاشیہ پر لگا دیا پھر خود ہی سوچا کہ مطالعہ کرنے والا کیونکر سمجھے گا کہ یہ نقطہ فلاں حرف کا ہے۔ پس اس کے سمجھانے کے لئے اس نے اس حرف سے شروع کر کے اس حاشیہ کے نقطہ تک برابر نقطے لگا دیئے۔ مگر پھر خیال آیا کہ دیکھنے والا کیونکر سمجھے گا کہ مراد اس نقطہ سے کون سا نقطہ ہے۔ کیونکہ یہاں تو بہت سے نقطہ ہو گئے۔ لہٰذا پھر اس نے سوچا اور رائے قرار پائی کہ اس اصل نقطہ کو بڑا کر دیا جائے۔ پس اس کو بڑا کر دیا۔ مگر پھر بھی اطمینان نہ ہوا اور یہ شک باقی رہ گیا کہ پڑھنے والے کو کیسے معلوم ہوگا کہ نقطہ متردکہ سے یہ بڑا نقطہ مراد ہے آخر مجبور ہو کر اس نقطہ پر لکھ دیا المراد من النقطۃ ھذا لنقطۃ الکثۃ (مولف)

بهما لن تضلوا بعدی و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض بتحقیق کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اول کتاب خدا اور دوسرے میری عترت جو اہل بیت نبوت و رسالت ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے۔ ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور وہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں اور لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہوں۔

یہ حدیث ستر (70) سے زائد طرق سے کتب اسلامیہ میں مذکور ہے۔ تقریباً پندرہ طرق کو صاحب صواعق محرقہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ پس یہی وہ سینے ہیں جن میں قرآن بطور آیات بینات موجود ہے نہ وہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن ان سے علیحدہ۔ لہذا یہی خیال بالکل غلط ہے کہ مراد ان سے حفاظ ہیں۔ کہاں ان سینوں میں علم قرآن ہے اور کہاں ان میں قرآن بطور آیات بینات موجود ہے۔

وجہ تقدمِ کتاب بر عترت

حدیث میں کتاب کو عترت پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ کتاب حقیقت نوریہ الٰہیہ ہے جس کی بابت خود پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے۔ حبل ممدود من السماء الی الارض وہ ایک رسی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ یہاں کتاب کی صفت پیغمبر نے کاغذ یا آواز نہیں فرمائی۔ بلکہ اس کو حبل ممدود سے تعبیر کیا اور یہ حبل ممدود وہی حقیقت نوریہ ہے جس کو بلا واسطہ خدا سے تعلق ہے اور ادھر وجود نبی و امام سے۔ و کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری مالکتاب و لا الایمان و لکن جعلناه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا و انک لتهدی الی صراط مستقیم یہ کتاب اول رسول کو پہنچی اور رسول سے عترت رسول و ذریت رسول اور یہ دونوں ایک ہی نور سے ہیں عترت اصل شے کو کہتے ہیں اور اصل رسول بنی ہاشم ہے اور ذریت رسول بھی اسی اصل سے ہیں اور وہ اہل بیت رسالت و وارثان نبوت ہیں۔

معانی اہل بیت

بیت کی تین قسمیں ہیں۔ بیت سکنی، بیت نسب، بیت شرف۔ بیت سکنی میں تمام وہ افراد داخل ہیں جو اس میں سکونت رکھتے ہیں۔ نوکر، چاکر، لونڈی، غلام، حتی کہ گھوڑا، گدھا اور کتا غرضیکہ جو کوئی بھی اس میں رہتا ہے۔ سب سکنہ بیت میں داخل ہیں۔

بیتِ نسب میں تمام اہل خاندان داخل ہیں۔ خواہ مومن ہوں، خواہ کافر، نیک ہوں یا بد۔

بیتِ شرف میں صرف وہ نفوس شریک ہوتے ہیں جو اس شرافت سے متصف اور صاحب شرف کے شریک ہیں اور یہ معلوم ہے کہ اہل بیت نبی سے انہ اہل بیت سکنی مراد ہو سکتے ہیں۔ جن میں نوکر چاکر سب شامل ہیں اور نہ اہل بیت نسب مراد ہو سکتے ہیں۔ جن میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔ بلکہ مراد اہل بیت سے اہل بیت شرف ہیں اور شرف نبی نبوت ہے۔ پس اہل بیت نبی اہل بیت نبوت و رسالت ہیں یعنی حامل کتاب ہیں جو مابہ النبوۃ ہے۔ گویا یہ حدیث ترجمہ آیہ مجیدہ ہے۔ **وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب** کا کہ ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب قرار دے دی ہے۔ پس غیر از عترت رسول جو شریک شرف نبوت ہیں اور ذریت ابراہیم و نسل اسماعیل ہیں اور کوئی اہل بیت میں داخل نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے استفسار پر آنحضرت نے **انت من اهلی و انت علی الخیر** (تو میرے اہل سے ہے اور تو خیر پر ہے) فرمایا مگر اہل بیت میں داخل نہ فرمایا۔ حالانکہ حضرت ام سلمہؓ آپ کے اہل بیت سکنی اور اہل بیت نسب میں بھی داخل تھیں۔ مگر چونکہ مراد اہل بیت سے اہل بیت شرف ہیں اور وہ وہی ہیں جو شریک شرف نبوت اور اس صفت سے متصف ہیں۔ لہذا ام سلمہ کو ان میں داخل نہ فرمایا اور **انت علی الخیر** فرما کر ان کی تسلی کر دی۔ اگر لفظ اہل بیت و بیت کے موارد استعمال کو قرآن میں دیکھا جائے اور اس میں غور و تامل کیا جائے تو مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً خدا حضرت ابراہیم کے حق میں فرماتا ہے **رحمة الله و برکاته علیکم اهل البیت** اے اہل بیت نبوت تم پر خدا کی خاص رحمت و برکت ہے اور حضرت لوط کے حق میں فرماتا ہے **فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین** پس نہ پایا ہم نے اس میں کوئی مومن سوائے ایک خانہ نبوت و بیت المسلمین کے۔

جواب سوال

ایک شخص نے سوال کیا کہ صفت کتاب اللہ کی یہ مذکور ہوئی ہے **حبل ممدود من السماء الی الارض** پس اس سے تمسک کس طرح کر سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے۔ کتاب منشاء احکام و تکالیف ہے اور مدلول نبوت یعنی جو کچھ نبی لائے ہیں وہ کتاب میں ہے اور یہی دلیل نبوت بھی ہے۔ کیونکہ اپنی صداقت کی دلیل اور بینہ نبوت بھی یہی کتاب ہے۔ **فاتوا بسورة من مثله** اس کی تحدی ہے۔ بخلاف دیگر انبیاء کے کہ ان کی کتب بینہ نبوت نہ تھیں یعنی نفس کتب دلیل صداقت نہ تھیں۔ بلکہ بینات و معجزات انبیاء غیر از کتب تھے اور قرآن خود ہی دلیل نبوت ہے اور خود ہی مدلول نبوت اور ایک بینہ بزرگ اس کی حقیقت پر یہ ہے کہ جو کچھ سوال کر واس میں موجود ہے اور علاوہ اس کے **ولو ان قران سیرت به**

الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی بل للّٰہ الامر جمیعا اگر کوئی قرآن ہے کہ اگر اس کو پہاڑ پر پڑھا جائے تو وہ چل نکلیں یا زمین پارہ پارہ ہو جائے۔یا طی الارض ہو جائے اور مردے باتیں کرنے لگیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے سرانجام پا جائے تو یہی قرآن ہے۔پس جن کے سینوں میں یہ بینہ نبوت ہے اور وہ حامل قرآن ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو مشرق عالم کو مغرب کر دیں اور مغرب کو مشرق اور صفت ان کی یہ ہے کہ جس امر کا ان سے سوال کیا جائے قرآن سے جواب دیں اور اپنی آراء کو دخل نہ دیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ اہل بیت میں گیارہ حامل قرآن گذرے۔کبھی کسی نے کسی مسئلہ کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میری رائے یہ ہے۔کیونکہ وہ حامل قرآن ہیں۔جس میں ہر خشک وتر کا بیان موجود ہے۔والحجة من لا یقول لا ادری (فتدبر فیه) حجت خدا وہ ہے جو کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔لہذا تمسک بالقرآن کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کو صاحبان قرآن سے پوچھو وہ ہر ایک مسئلہ کے جواب میں ایک آیت پڑھ دیں گے اور ہر حکم کا مدرک قرآن سے بتلائیں گے۔پس تمسک بالقرآن ہے اور تمسک با اہل بیت ایک ہی ہوگا۔جو متمسک با اہل بیت نبوت ہے وہی متمسک بالقرآن ہے۔جس نے اہل بیت کو چھوڑا اور ان سے قرآن نہ لیا اس نے قرآن کو چھوڑا اور وہ گمراہ ہے۔

لہذا جنہوں نے اہل بیت نبوت کو چھوڑ دیا ہے۔انہوں نے قرآن کو بھی چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر خدا روز جزا بارگار ذوالجلال میں عرض کریں گے اور اپنی قوم کو شکایت کریں گے۔رب ان قومی اتخذوا هذالقران مهجورا اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے قرآن کو ترک نہیں کیا اور متبع قرآن و متمسک بالقرآن میں تو معاذ اللہ پیغمبر جھوٹ بولیں گے اور غلط شکایت کریں گے۔مگر کوئی مسلمان تکذیب پیغمبر پر راضی نہ ہوگا۔اور تسلیم کرے گا کہ ضرور انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور شکایت پیغمبر بجا ہے۔پس متمسک بالقرآن وہی ہیں۔جو متمسک با اہل بیت نبوت و رسالت ہیں غرض ایک شناخت اہل قرآن کی یہ ہے کہ جو بات پوچھی جائے اس کا جواب دے اور کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا الحجة من لا یقول لا ادری اور ہر سوال کا جواب قرآن سے دے اور آیت تلاوت فرمائے۔

مثال

ایک شخص نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے سوال کیا کہ ایک شخص مر گیا اور وصیت کر گیا کہ اس کا ایک جز و مال فقرا کو تقسیم کر دیا جائے۔پس کتنا مال فقرا کو دینا چاہئے۔فرمایا دسواں حصہ۔اس کو

شک ہوا اور دل میں سوچ کر کہنے لگا۔ آپ قرآن سے ایسا فرماتے ہیں؟ فرمایا قصہ حضرت ابراہیم پڑھ قال فخذ اربعة من الطير فصرهن اليک ثم اجعل على كل جبل منهن جز ا ثم ادعهن ياتينک سعيا کہا کہ چار پرندے لے اور ان کو مخلوط کر کے ان کا ایک جزو ہر پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کو بلا تو وہ تیرے پاس دوڑ کر آئیں گے اور پہاڑ دس تھے۔ ان پر ایک ایک جزو رکھا تھا۔ لہذا جزء سے مراد جبکہ کوئی قید وخصوصیت نہ ہو۔ دسواں حصہ ہے۔

ایضاً ایک شخص نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے وصیت کی کہ اس کا ہر ایک غلام قدیم آزاد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو غلام ششماہہ ہے یعنی اس کے پاس اس کو چھ ماہ ہو گئے ہیں آزاد ہے۔ دریافت کئے جانے پر جواب قرآن سے فرمایا والقمر قد رناه منازل حتى عاد كالعرجون القديم یعنی خدا فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ پھر لوٹ کر مثل پرانی شاخ نخل کے ہو جاتا ہے۔

اور یہ شاخ نخل چھ ماہ تک مثل ہلال کے ہو جاتی ہے اور اس کو عرجون قدیم کہتے ہیں۔ لہذا قدیم سے مراد ششماہہ ہوگا۔

ایضاً ایک شخص نے امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ فرائض سہام ارث چھ کیوں ہیں؟ فرمایا خلقتِ انسانی کے چھ درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کے لئے ایک دیت مقرر ہے قال عزوجل لقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة فى قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة و خلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشاناه خلق اخرا فتبارک الله احسن الخالقين اسی واسطے سہام ارث چھ مقرر ہوئے۔

ایضاً حضرت علی رضا علیہ الصلوۃ والسلام سے سوال کیا کہ خداوند عالم اس آیہ مبارکہ الله الذى خلق سبع سموات و من الارض مثلهن (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں) فرماتا ہے کہ زمین بھی مثل آسمانوں کے سات ہیں حالانکہ زمین ایک ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟ فرمایا هذه الدنيا و سما الدنيا فوقها قبة و الارض الثانية فوق السماء الدنيا و السما الثانية فوقها قبه الخ یعنی یہ ہماری زمین ہے اور پہلا آسمان ہمارا گنبد ہے اور دوسری زمین پہلے آسمان کے اوپر ہے اور دوسرا آسمان اس کا گنبد ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا وفوقها عرش الرحمن سب سے فوق عرش الٰہی ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ علوم کی اتنی ترقی نہ تھی۔ اصولین نے تو اس حدیث کا انکار ہی کر دیا اور محدثین کے نزدیک سند صحیح تھی کہا کہ معضلات اخبار سے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ مگر انکار بھی درست نہیں۔ اب ترقی علوم و

تحقیقات جدیدہ سے سات زمینیں ثابت ہوگئیں۔ بلکہ ان کی آبادی کا حال بھی منکشف ہوگیا۔ پس جن کے سینوں میں قرآن ہے اور قرآن ان کے وجود کے ساتھ متحد ہے وہی فرما سکتا ہے کہ میں قرآن ناطق ہوں اور یہ سوائے ایک شخص یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور کسی نے نہیں فرمایا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر جب قرآن نیزوں پر بلند کر کے امان مانگی تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا اضربوھم و لو علی مصاحفھم انا کلام اللہ الناطق ماروا اگرچہ ان کے قرآنوں پر لگے۔ کیونکہ قرآن ناطق میں ہوں یہ مصاحف خدائی نہیں ہیں۔ ان مصاحف کی نسبت ان سے اس واسطے دی کہ ان کے عقائد اور ان کی تفسیر و تاویل مطابق مقصود الٰہی نہ تھی۔ اپنی خواہش طبع کے موافق تاویل کرتے تھے اور دراصل سب قرآن ہی نہ تھے بلکہ اکثروں نے اینٹیں لپیٹ کر نیزوں پر بلند کی ہوئی تھیں۔

پس مطلب آپ کا یہ تھا کہ کلام اللہ نہیں اور خدا نے یہ نہیں فرمایا۔ یہ گویا ان کے خود ساختہ قرآن ہیں جیسا کہ مثلاً یہی عقیدہ کہ اتینا ھم الکتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اوتوا العلم کا مصداق ابی بن کعب ہے یہ صحیفہ الٰہی نہیں ہے۔ خدا کا مقصد یہ ہے یہ خود ساختہ مضمون ہے۔ لہذا قرآن نہیں۔

پس یہی حال ہے اس قرآن کا جو قرآن کو اہل قرآن سے نہ لے جن کے سینوں میں قبل نزول ظاہری موجود ہے اور جس نے ان سے تمسک کیا۔ وہی متمسک بالقرآن ہے اہل بیت سے تمسک کرنا ہی دونوں سے تمسک کرنا ہے۔ بعبارت دیگر کتاب حبل ممدود ہے جس کی ایک طرف حضرت حق عزوجل سے متعلق ہے اور دوسری طرف وجود امام سے۔ اسی واسطے ان حضرات نے فرمایا ہے بیننا و بین اللہ عمود من نور نری فیھا اعمال العباد یعنی ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے۔ جس میں ہم اعمال بندگان خدا کو دیکھتے ہیں۔ لہذا امام سے تمسک کئے بغیر کتاب سے تمسک کرنا ممکن نہیں۔ اور کتاب عترتِ رسول اہل بیت نبوت و رسالت پر اس لئے مقدم ہے کہ حقیقتِ امام اہل بیت وہی حقیقت کتاب نورانی ہے جس کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے ویلقی الروح من امرہ علی من یشاء الخ دوسری دلیل تقدم و تمسک کتاب کی یہ ہے کہ کتاب ہی امام کی طرف رہنمائی کرتی ہے ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم بتحقیق کہ یہ قرآن ایک ایسے طریقہ کی طرف رہنمائی کرتا جو محکم تر و مستقیم تر ہے اور وہ صاحبان قرآن و قرآن ناطق ہیں جیسا کہ آیات دعوات جناب ابراہیم خلیل اللہ مثل آیہ امامت و آیہ امت مسلمہ و آیہ شہادت وغیرہ سے واضح ہے۔ چاہئے کہ اس کتاب اور ان آیات سے تمسک کر کے امامت و کتاب کو ذریت حضرت ابراہیمؑ و اولاد رسولؐ ہی میں جانیں اور اسے خارج نہ کریں اور بعد ازاں اہل بیت سے تمسک کیا جائے اور جو کچھ وہ فرمائیں اس کو لیا جائے اور احکام قرآن ان سے اخذ کئے جائیں اور یہی معنی ہیں تقدم کتاب و تمسک بکتاب و عترت کے فافھم و تدبر۔

ضرورت امام

یہیں سے یہ بھی مثل روز روشن آشکار ہو گیا کہ ہر زمانے میں ایک اہل القرآن وصاحب قرآن کا وجود ضروری ہے کیونکہ یہ آیت **وجعلنا فی ذریته النبوة و الکتاب** مطلق ہے کسی وقت خاص سے مقید نہیں ہے۔ لہذا ہمیشہ ہمیشہ تا قیام قیامت ذریت رسولؐ میں جو کہ ذریت ابراہیمؑ ہیں۔ صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے اگر وہ چاہے تو پہاڑوں کو حرکت دے دے۔ زمین کو پارہ پارہ کر دے۔ مردوں کو زندہ کر دے اور جو تصرف ارکان زمین وآسمان میں کرنا چاہئے کر سکے۔ کیونکہ قرآن اس کے سینے میں ہے جس کی صفت **لو ان قرانا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی بل لله الامر جمیعا** ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک فلاسفر جناب صادق، صادق آل محمدؑ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے سوال کیا آپ نے فرمایا اگر قیامت تک سوال کئے جاؤ اور جو تمہارا دل چاہئے۔ سوال کرو ہر ایک کا جواب قرآن سے دوں گا کیونکہ وہ **تبیان لکل شی ھے** اور **حبل ممدود من السماء الی الارض** ہے ایک سرا اس کا متصل بجناب باری ہے اور دوسرا سرا متصل بامام وقت اور اس میں کبھی انقطاع نہیں **ولقد وصلنا لھم القول لعلھم یتذکرون** ہم نے اپنا کلام بلا انقطاع متصل بھیجا ہے کہ لوگ نصیحت پکڑیں اور اس سلسلے میں کبھی انقطاع نہیں ہو سکتا اور ایسا شخص ہر زمانہ میں موجود ہے اور یہی امام حق کا وجود حبل اللہ ہے اور یہی ارکان زمین اور ستون آسمان ہیں۔ **فقال عز و جل رفع السماء بغیر عمد ترونھا** اللہ نے آسمانوں کو بلا ایسے ستونوں کے بلند کیا ہے جن کو تم دیکھو پس ضروری ہے کہ یہ ستون ہمیشہ موجود ہوں۔ ورنہ آسمان قائم نہیں رہ سکتا۔

امتِ وسط

یہی وہ امت وسط ہیں۔ جو خالق ومخلوق کے درمیان واسط مطلقہ ہیں **و کذالک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا** اسی طرح سے ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے تا کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید رہے۔ شاہد اور شہید دونوں ایک مادے شَھِدَ سے ہیں۔ مگر شاہد داخل شہید ہے اور شہید داخل شاہد نہیں یعنی جو شہید ہے وہ شاہد بھی ضرور ہے مگر جو شاہد ہے وہ ضرور نہیں کہ شہید بھی ہو کیونکہ **شھید حاضر علی الشی** کو کہتے ہیں اور شاہد وہ ہے جواز روئے علم وقرینہ شہادت دے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار۔

چنانچہ شہادتِ برادران یوسف در باب بن یامین از روئے علم تھی اس واسطے انہوں نے کہا کہ و

ما شهد نا الا بما علمنا یعنی نہیں شہادت دی ہم نے مگر وہی جو ہمیں علم تھا اور قصہ زلیخا میں شہادت شاہد ازروئے قرینہ تھی و شهد شاهدا من اهلها ان كان قميصه قدمن قبل فصدقت و هو من الكاذبين و ان كان قميصه قدمن دبر فكذبت و هو من الصادقين یعنی اور اس کے کنبے میں سے ایک شخص نے شہادت دی کہ اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے ظاہر ہے کہ یہ شہادت محض ازروئے قرینہ تھی اور وہ واقع پر موجود نہ تھا اور نہ اس کو واقع کا اصلی علم تھا اور شہید کے لئے واقع پر حاضر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ثبوت زنا میں چار شہدا کی ضرورت ہے نہ شہود کی لو لا جاء و اعليه باربعة شهدا (اگر وہ اس پر چار شہید پیش کریں۔ تو زنا ثابت ہوگا) و اذ لم ياتوا عليه باربعة شهدا اگر چار شہید پیش نہ کئے جائیں تو زنا ثابت نہیں ہوسکتا۔ یعنی وہ لوگ شہادت دیں اور شاہد اگر وقوع واقع پر موجود ہو۔ تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے اور ایک وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہوسکتا۔ بخلاف شہید کے کہ ایک وقت میں تمام واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے اور شہید کے لئے وقوع و قبل وقوع مساوی ہے۔ وہ قبل وقوع بھی واقع کو اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کہ وقت وقوع۔ بخلاف شاہد۔

پس یہ امت وسط شهداء على الناس ہے اور رسول ان پر شہید ہے اور ایسے شہید کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے۔

وجود شہید و واقعہ کربلا

کیا حال ہے ان ایام میں اس بزرگوار کا۔ جو امام عصر شہید زمان ہے۔ جو تمام واقعات کو بچشم خود مشاہدہ کرتا ہے۔ مصائب حسینی میں مثل اسماء حسنیٰ الٰہی چھٹائی بڑائی نہیں ہے۔ ہر ایک مصیبت اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ کوچک ترین مصیبت امام مظلوم بزرگ ترین مصائب انبیاء ہے امام مظلوم ایک ایسی بلا میں مبتلا ہوئے ہیں کہ کوئی پیغمبر اس بلا میں مبتلا نہیں ہوا۔ وہ بلا شدت تشنگی ہے۔ کیسا تعجب کا مقام ہے کہ سیراب کنندہ عالم۔ باعث نجات عالم، فرزند ساقی کوثر قطرہ آب کو محتاج رہے اور دنیا سے پیاسا ہی جائے۔ ششم محرم الحرام یا ہفتم کو جب نہر سے پانی کی قطعاً بندش ہوگئی تو حضرت نے خیمہ گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر حکم دیا کہ یہاں زمین کھودی جائے۔ وہاں سے ایک چشمہ آب جاری ہوا۔ تقریباً پچاس مشکِ آب پر کیں لیکن معلوم نہیں...... کہ نویں اور دسویں کو وہ چشمہ آب کہاں گیا۔ جو بچے ایک ایک بوند کو ترستے تھے اور پانی نہ ملتا تھا اس دن وہ چشمہ کیوں ظاہر نہ ہوا۔

مادرِ ذبیح اللہ حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کی پیاس سے بیتاب ہو کر جب ادھر ادھر دوڑنے لگیں تو ان کے پاؤں کے نشان سے زمین سے پانی نکل آیا تھا۔ نہیں معلوم ذبیح کربلا کے لئے پانی کہاں گم ہو گیا تھا کہ حضرت اپنے بچے کو ہاتھوں پر لے کر دشمنوں سے پانی کا سوال کرنے گئے روحی و روح المومنین له الفداء

اس وقت شدت تشنگی سے تقریباً چھبیس بچوں نے آ کر حضرت کے گرد حلقہ کر لیا اور حضرت کا دامن پکڑ لیا۔ حضرت نے اپنے بھائی عباس کو حکم دیا کہ بھائی پانی کی کوئی تدبیر کرو۔ حضرت تلاش آب میں تشریف لے گے۔ مگر مقام افسوس ہے کہ دوسرے سقے لوگوں کو سیراب کرتے ہیں۔ لیکن سقائے اہل بیت کو تا دم مرگ ایک قطرہ آب نصیب نہ ہوا۔ بچوں کی بہت کچھ آس وامید حضرت عباسؑ ہی سے وابستہ تھی۔ صبح روز عاشورا جس وقت یہ دونوں لشکر آراستہ و آمادہ پیکار ہوئے اور امام مظلوم نے اپنی چھوٹی سی جماعت کو مرتب کیا۔ علم لشکر حضرت ابی الفضل العباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا اور زہیر بن قین کو ایک علم دے کر میمنہ لشکر پر مقرر کیا اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر۔

پہلے حملے میں حضرت کے لشکر سے پچاس جان نثار شہید ہو گئے اور یہ حال دیکھ کر اطفال اہل بیت نہایت ہراساں ہوئے۔ اس کے بعد زہیر نے دیکھا کہ لشکر میں حضرت عباسؑ نہیں ہیں۔ حضرت عباس کے خیمہ میں آئے دیکھا خیمہ میں موجود نہیں ہیں۔ ایک لونڈی کھڑی ہوئی تھی۔ دریافت کیا۔ کس کو دیکھتے ہو۔ فرمایا حضرت عباسؑ کو۔ وہ کہاں ہیں؟ لونڈی نے عرض کیا۔ فلاں خیمہ میں ہیں اور سوائے اطفال خورد وسال اور معصوم عورات کے ان کے پاس اور کوئی نہیں ہے۔ قریب درِ خیمہ گئے آواز دی۔ حضرت عباسؑ چاہتے تھے کہ باہر آئیں۔ مگر جس وقت وہ آنے کا ارادہ کرتے تھے۔ بچے آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے اور ان سے لپٹ جاتے تھے۔ اس لئے کہ تمام کے تمام دہشت زدہ ہو رہے تھے۔ پہلے پہل میدان جنگ دیکھنے کا موقع تھا کسی نے باپ کو اور کسی نے بھائی کو اور کسی نے چچا کو شہید ہوا دیکھا اور ان سب کی ڈہارس حضرت عباس سے بندھی ہوئی تھی۔ نہ معلوم اس وقت ان بچوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام بے بھائی کے رہ گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

موعظ پنجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یوم ندعوا کل اناس بامامھم ھذان خصمان اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق روسھم الحمیم

تمہید

اس زمانہ میں کوئی دن ایسا باقی نہیں رہا۔ جو اقامہ دین و تبلیغ احکام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے مخصوص ہو۔ کیونکہ اعیاد متوالیہ متواتر و اسلام یعنی جمعہ تبدیل بہ یکشنبہ ہو گئے ہیں اور باقی ایام سال میں اہل اسلام کے یہاں کوئی دن ایسا نہیں جس میں اقامہ دین کر سکیں اور احکام اسلام بیان کر سکیں ۔مجالس مواعظ بالکل مقصود ہیں۔ تعلیمات حالیہ طریق دیانتی پر نہیں بلکہ مبنی بر غیر طریق دیانتی ہیں۔ اس لئے ان تعلیمات کے ذریعہ سے اقامہ دین قطعاً ناممکن ہے بلکہ جو ان تعلیمات میں کامل تر ہوتا ہے وہی زیادہ بے دین ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ پس کونسا طریق اور کون سا دن ہے۔ جس میں اقامہ دین کیا جائے اور احکام اسلام بیان ہوں اور اس کام کے لئے مخصوص ہو۔ سوائے ان چند ایام عشرہ محرم الحرام کے کہ اس میں جو لوگ اس امر کے سزاوار ہین وہ اپنے لئے ایک وقت فرصت کسی نہ کسی طرح پیدا کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں۔ ان ہی ایام میں انسان سے اگر ہو سکے تو تبلیغ اسلام کر سکتا ہے اور احکام و تعلیمات اسلامی سے لوگوں کو مطلع کر سکتا ہے۔

علت شہادت سید الشہداؑ

یہ فرصت بھی بالطوع و باقتضائے ایام ہے کہ یہ ایام خود مومنین کی توجہ اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں اور وہ لوگ فی الجملہ دین و احکام دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ بعض ایام غیر مومنین جملہ مذاہب و ملل والوں کی توجہ کو اس طرف کھینچ لیتے ہیں کیونکہ حضرت سید الشہدا محض اسی ایک غرض اور اسی ایک مطلب مخصوص یعنی

اقامہ دین کے واسطے شہید ہوئے ہیں اور غایتِ شہادت اعلا کلمۃ اللہ ہے۔ بجز اس کے اور کوئی مطلب مدنظر نہ تھا۔ اگر امام علیہ السلام ایسا نہ کرتے تو دنیا سے دین مفقود و معدوم ہو جاتا ہے اور کوئی متدین باقی نہ رہتا۔ اگر امام حسینؑ یزید کے مقابلہ میں نہ آتے۔ جو کوئی دین نہ رکھتا تھا اور کسی مذہب کا قائل نہ تھا اور اپنے کو شہید نہ کراتے تو دنیا میں کوئی اسلام کا نام بھی نہ لیتا۔ اسی غرض سے یہ صورتِ شہادت اختیار کی۔ کیونکہ اگر قوتِ امامت وقوتِ الہیہ سے یزید کو قتل کر دیتے تو حق لوگوں پر ثابت نہ ہوتا اور کوئی بھی حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتا۔ اس واسطے کہ عام لوگوں نے اس کو امامت وقت وخلیفہ رسول تسلیم کر لیا تھا اور ان کے نزدیک محقق و مسلم تھا کہ خلافت وجوہات اربعہ میں سے کسی ایک وجہ سے ثابت ہو سکتی ہے یعنی اجماع، نص، شوریٰ اور سلطنت وغلبہ۔ چنانچہ خلیفہ اول اجماع سے خلیفہ مانے گئے تھے اور دوم بنص خلیفہ اول کہ وہ تصریح کر گئے تھے کہ میرے بعد عمرؓ خلیفہ ہے۔ سوم شوریٰ سے خلیفہ ہوئے۔ چہارم اجماع سے لیکن یزید میں یہ چاروں صورتیں جمع تھیں۔ سوائے تین شخصوں حضرت سید الشہداء، عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر کے باقی سب نے اس کی خلافت پر اجماع کر لیا تھا اور معاویہ نے چند سال پہلے اس کی خلافت کے لئے شوریٰ بھی کر لیا تھا اور لوگوں سے رائے لی تھی اور اس نے اپنی طرف سے یزید پر نص بھی کر دی تھی کہ اس کے بعد وہ خلیفہ ہے اور سلطنت اور غلبہ بھی یزید کو حاصل ہو گیا۔ پس اگر حسینؑ یزید پلید کو فی النار کر دیتے تو جہال کہتے کہ معاذ اللہ ایک خارجی باغی نے امام وقت پر بغاوت کی اور اس کو قتل کر دیا۔ پس حق و باطل لوگوں پر پوشیدہ رہ جاتا۔ اگر حسینؑ صلح کر لیتے تو وہی نتیجہ ہوتا۔ جو صلح امام حسنؑ کا ہوا۔ کہ محض صلح کرنے سے لوگوں نے معاویہ کو خلیفہ وامام مان لیا۔ پس اس صورت میں حق ثابت نہ ہوتا۔ امام حسنؑ نے صلح کر کے مخالفین پر حجت تمام کی اور امام حسین علیہ السلام کے لئے یہ صورت بھی ناممکن العمل ہو گئی۔ لہذا سوائے اس کے حسینؑ کے لئے کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے آپ کو شہید کرادیں۔ یہ بھی اس طرح نہیں کہ خود تنہا جائیں اور شہید ہو جائیں۔ کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لوگ کہتے کہ حسین سلطنتِ دنیا کے لئے لڑنے آئے تھے۔ دو شاہزادے لڑے ایک مارا گیا۔ بلکہ اس کام کے لئے ایک ہیئت درست کی کہ اہل اسلام تو کیا غیر مسلمین یہود و نصاریٰ نے بھی اس کو دیکھ کر تصدیق کی کہ حسین حق پر ہیں اور یزید باطل پرست۔ حسینؑ اگر جنگ کرنے اور سلطنت کی خواہش میں عراق آئے تھے تو ان بچوں کو کس غرض سے ہمراہ لائے تھے۔ جن میں زیادہ تر خورد و سال تھے اور چھ آٹھ اور نو سال کا سن رکھتے تھے۔ کیا ان کو لڑانے کے واسطے اور ملک فتح کرنے کے لئے لائے تھے؟ پھر ان مخدرات عصمت وطہارت ذریت رسولؐ و دختران علیؑ و بتولؑ کو کس واسطے اس میدان میں ہمراہ لائے تھے؟ کیا ان سے ملک گیری کا خیال تھا۔ نہیں، نہیں، یہ مدعا

نہ تھا۔غرض اور ہی تھی ۔ چنانچہ جس وقت مکہ معظمہ سے کوچ کیا ہے۔اسی وقت لوگوں نے اعتراض کیا کہ اگر آپ تشریف ہی لئے جاتے ہیں توان عورتوں کواور بچوں کو کہاں لئے جاتے ہیں۔جواب میں فرمایا شاء اللہ ان یراھن سبایا مشیت خدامیں یہی ہے کہ ان کوقیدی دیکھےاور مطلب یہی تھا کہ یہ بھی اقامہ دین میں شریک ہیں۔بغیران کی اسیری کے شہادت کی غرض پوری نہیں ۔ کیونکہ اگرعورتیں اور بچے جوفرزندان رسول و ذریت بتول تھے۔اسیر نہ ہوتے اوراس طرح قید ہوکر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک نہ جاتے تو کفر یزید ہرگز ہرگز ثابت نہ ہوتا اور کم فہم اور جہال پر حق پوشیدہ رہ جاتا۔مگران کے اسیر ہونے اور ذلیل کیئے جانے پر سب کفروالحاد یزید ثابت ہوگیا کہ اگر یہ خلیفہ رسول وامام ہوتا تو اس طرح سے ذریت رسول کودر بدر نہ پھراتا۔ جس کی خلافت وجانشینی کا مدعی ہے۔

اوصاف امام اوراس کی شناخت

لوگوں نے اصل باب امامت کومسدود کردیا ہے اور ہر فرقے نے اپنی طرف سے امام بنالیا ہے۔ حالانکہ کلام حمید مجید میں اوصافِ امام اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ اگر چہ من حیث الکیفیات ان کا احاطہ ممکن نہیں ۔لیکن اوصاف مخصوصہ خاصہ ایسے ہیں۔کہ اگر انسان ادنیٰ تدبر سے کام لےتو بخوبی سمجھ سکتا ہےاورحق اس پرظاہر ہوسکتا ہےاورکسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت باقی رہتی ۔ افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالھا پہلے ثابت کیا جاچکا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک معلم کی ضرورت ہےاورخداوند عالم نے بندوں سے پہلے معلم کو پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم ابوالبشر ،اسی طرح وجود معلم ہر زمانے میں ضروری ہےاورایک صفت اس معلم کی شہید ہوتا ہے۔وکذالک جعلنا کم امتا و سطا لتکونا شھدا علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا تم کواس لئے امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پرشہید ہواور رسول تم پرشہید ہو۔فرق شاہد وشہید بھی بیان کیا جاچکا ہے۔شَہِدَ اگر متعدی بنفسہ ہوتو بمعنی حَضَرَ آتا ہے ورنہ بمعنی علم قال عزوجل ان اللہ علی کل شیء شھید خدا ہر شے پرشہید ہے۔پس وہاز روئے قرائن واخبار شہید نہیں ۔بلکہ وہ ہر شے پر حاضروناظراورکل اشیاء پرمحیط ہےاوراپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے و کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جنا بک علی ھولاء شھیدا کیا حال ہوگا اس دن جب کہ ہم ہرامت میں سے ایک شہید کولائیں گےاوراے پیغمبرؐ تجھ کوتمام شہیدوں پرشہید قرار دیں گے۔ خاتم النبیین اول بشر وابوالبشر واول النبیین پرشہید ہے۔وہ بیٹا باپ پرشہید ہے جو باپ سے چھ ہزار سال

بعد پیدا ہوا ہے۔ وقیل منه صلی الله علیه و اله وسلم

انـی و ان کتـن ابـن ادم صـورۃ

فلـی فیـه معنـی شـاهد بـابوتی

میں اگرچہ بصورت ظاہر فرزند آدم ہوں مگر اس کے وجود میں ایک شاہد بین موجود ہے کہ میں پدرِ آدمؑ ہوں۔ وقال امیر المومنین علیه الصلوة والسلام انی خمرت طینة ادم بیدی اربعین صباحا ملائکہ حضرت آدمؑ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو کر تعظیم بجالائے تھے۔ حضرت آدم نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ تم میرے پیچھے کھڑے ہوتے ہو۔ آگے کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ عرض کیا ہم اس نور کی زیارت کے لئے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ جو آپ کی پشت میں ہے۔ پس دراصل یہ تعظیم وتکریم نور محمدی کے واسطے تھی۔ نہ صورت بشری آدمی کے لئے اور ناطن وحقیقتِ آدم اسی نور کی ایک شعاع تھی۔

سجدے بنی آدم کے نہ آدم کے لئے تھے

سر ان کی سلامی کو فرشتوں کے جھکے تھے

ملاحظہ ہو فضیلت محمدؐ ونور محمدؐ کہ خدا حضرت آدمؑ کے حق میں فرماتا ہے خلقه من تراب یعنی اللہ نے اس کو تراب سے پیدا کیا ہے۔ یعنی فرزند تراب ہے اور نفس نبیؐ وجز ونور محمدیؐ کی کنیت ابوتراب ہے۔ اسی وجہ سے اس کنیت کو حضرت سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ آدم فرزند تراب ہیں اور علیؑ پدر تراب وابوتراب۔

پھر خداوند عالم نے غیر پیغمبر کے حق میں اسی شہیدیت کی نسبت فرمایا ہے وکذالک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا پس یہ نفوس بھی مثل پیغمبر شہید بر خلق ہیں اور پیغمبر اُن پر شہید ہے۔ جس طرح کہ وہ جناب اور تمام انبیاء پر شہید ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی امت پر شہید ہوتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ آیہ مبارکہ وکذالک جعلنا کم امة وسطا سے مراد تمام امتِ محمدی ہے اور امت وسط بھی امتِ محمدی ہے جو تمام امم سابقہ پر شہید ہے اور ان کی بابت شہادت دے گی اور پیغمبر اپنی امت پر شہید ہے۔ مگر یہ بالکل غلط اور باطل محض ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اور قرآن میں معنون ہے کہ امت محمدی کی شہادت خود اپنے معاملات میں قبول نہیں۔ بلکہ اس کی تصدیق کے لئے شہود کی ضرورت پڑتی ہے۔ خود اپنے اوپر اس کی شہادت شرع میں مقبول نہیں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو دو شاہد عادل موجود ہوں۔ جب وہ تصدیق کر دیں اور شہادت دے دیں اس وقت طلاق صحیح ہوگا وغیرہ ذالک من المعاملات۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے حق میں اس کی شہادت قبول کر لی جائے۔ درآنحالیکہ اس

امت میں فساق وفجار بھی موجود ہیں اور فاسق کی شہادت کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے اذا جاء کم فاسق بنباء فتبینوہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کی اس سے تصدیق کراؤ اور گواہ و بینہ اس پر طلب کرو۔ جب تک وہ اس خبر کی صداقت پر گواہ پیش نہ کرے۔ ہرگز اس کی خبر پر اعتماد نہ کرو۔ علاوہ ازیں کون سا مسلمان ہے جو تمام امم سابقہ اور کل یہود و نصاریٰ کے جملہ اعمال وافعال واقوال کی پوری اطلاع رکھتا ہے۔ جو ان کی بابت وہ شہادت دے گا اور خدا اس کی شہادت کو قبول کرے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر کے بتلانے اور تعلیم سے یہ لوگ ان کے افعال واعمال واقوال کی شہادت دیں گے تو پھر یہ ان کی شہادت کب ہوئی۔ یہ تو پیغمبر کی شہادت ہوگی اور وہ کافی ہے شہادت کے لئے پھر ان کی کیا ضرورت ہے۔

نیز یہ جو کچھ بھی ہے شاہد کے متعلق ہے کہ اس کی شہادت عند الشرع مقبول نہیں اور فاسق کی خبر قابل اعتماد نہیں۔ جب تک کہ وہ تصدیق نہ کرائے۔ پس شہید کا کیا حال ہوگا۔ یعنی جب کہ تمام امت محمدی شاہد بھی نہیں ہوسکتی۔ تو شہید کیونکر ثابت ہوگی۔ جس کی صفت احاطہ براشیاء و حاضر علی الشی ہونا ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں خدا نے شہید کا ذکر کیا ہے وہاں شہادت از روئے قرائن مراد نہیں ہے۔ بلکہ شہادتِ حضوری مراد ہے۔ چنانچہ در باب شہدا زنا مذکور ہے۔ یعنی زنا اس وقت ثابت ہوسکتا ہے جب کہ چار ایسے شخص گواہی دیں جو واقع پر حاضر رہے ہوں اور انہوں نے خود آلہ مرد کو فرج زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو (کما ذکرناہ) اگر از روئے قرائن یا سماعی شہادت دیں تو قبول نہیں اور زنا ثابت نہ ہوگا۔ لہذا تمام امت محمدی ہرگز ہرگز شہید علی الناس نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ شھداء علی الناس خاص خاص نفوس قدسیہ عترتِ رسول و ذریت خلیل ہیں۔ چنانچہ بتصریح فرماتا ہے وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتبکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابیکم ھو سمکم المسلمین من قبل و فی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونا شھداء علی الناس جہاد کرو راہِ خدا میں جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اللہ نے تمہیں اس کے لئے پسند فرمایا ہے (اور باوجود اس کے کہ تمہیں حق جہاد ادا کرنے کی تکلیف دی ہے) تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی۔ کیونکہ تم بآسانی حق جہاد فی سبیل اللہ ادا کر سکتے ہو) یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (کیش) ہے اسی نے تم کو مسلم قرار دیا ہے۔ پہلے بھی اور اس میں بھی تمہارے اس نام کا ذکر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تم تمام لوگوں پر شہید رہو اور پیغمبر تم پر شہید۔

پس یہ وہ ذریتِ ابراہیمؑ ہے جو مثل حضرت ابراہیمؑ مسلم باسلام بنوتی ہے اور جس کو حضرت خلیل

نے امتِ مسلمہ کا خطاب عطا کیا ہے۔ **ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة مسلمة لک** اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (مجھ کو اور اسماعیل) کو اپنا خاص مطیع ومنقاد مطلق بنا اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت خاص کو ایسا ہی مسلمان بنا۔ یہ امت مسلمہ وہ ہے۔ جس میں نبوت و کتاب ہمیشہ بجعل الٰہی رہی ہے اور رہے گی کہ خدا فرماتا ہے **وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب** ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت وکتاب کو قرار دے دیا ہے۔ نبوت بنص آیہ خاتم النبیین پر ختم ہوگئی۔ مگر **مابه النبوة** یعنی کتاب عترت رسول میں ہمیشہ ہمیشہ باقی ہے جو ذریت ابراہیم و امت مسلمہ ہیں اور امام امت محمدی و وارثِ رسالت واہل پستِ نبوت ہیں۔ پس یہ شہدا اوصیاء رسول خدا یعنی آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوۃ والسلام ہی ہیں نہ اور کوئی (کمامر) تمام امت محمد ہرگز ہرگز شہید علی الناس نہیں ہوسکتی۔

طریق شہادت

جب یہ معلوم ہوگیا کہ شہید تین ہیں۔ خدا پیغمبر اور آئمہ ہدیٰ اور ہر پیغمبر اپنی اپنی امت میں شہید ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیہ شریفہ و **کیف اذا جئنا من کل امة بشهید** الخ سے ظاہر ہے اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں **کنت شهیدا علیهم مادمت فیهم** جب تک میں بنی اسرائیل میں رہا ان پر شہید تھا۔ مگر ہر ایک پیغمبر صرف اپنی ایک امت پر اس زمانہ خاص کے لئے شہید ہوتا ہے اور ہمارے پیغمبر چونکہ نبی مطلق ہیں اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق ان کی نبوت سے خارج نہیں ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے **تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا** بزرگ وبرتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندہ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہے۔ پس چونکہ پیغمبر تمام عوالم یعنی جملہ ماسوائے اللہ پر نذیر ہے اس لئے تمام عوالم پر شہید ہے اور خلاصہ یہ کہ پیغمبر غربی چونکہ نبی مطلق ہیں اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق ان کی نبوت سے خارج نہیں ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا یہ **تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا** بزرگ وبرتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندہ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہو۔ پس جب پیغمبر تمام عوالم یعنی جملہ ماسوائے اللہ پر نذیر ہے۔ اس لئے تمام عوالم پر شہید ہے اور اسی طرح قائم مقام پیغمبر حضرت آئمہ علیہم السلام بھی جملہ ماسوائے اللہ پر شہید ہیں۔ لہذا اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر یا امام کس طرح تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور کس طرح ان پر حاضر وناظر رہتا ہے۔ آیا ہر ایک چیز اس کے سامنے حاضر ہوتی ہے یا وہ تمام چیزوں پر حاضر وناظر۔ صورتِ اول مشکل بلکہ ناممکن اور خلاف مشاہدہ ہے کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبر وامام کے سامنے جاتا ہے اور اس کے

سامنے ہر ایک عمل کرتا ہے اور نہ اور دوسری چیزیں اس کے پاس جاتی ہیں۔ اس لئے صورت دوم ہی صحیح اور درست ہے۔ یعنی پیغمبر وامام ہر شے پر حاضر ہوتا ہے اور تمام چیزیں اس کے پیش نظر رہتی ہیں۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ پھر کس طرح سے وہ تمام اشیاء پر حاضر ہوتا ہے؟ اور وہ کونسی قوت ہے جس کے ذریعہ سے تمام چیزوں پر احاطہ رکھتا ہے۔

شہید داخلی وشہید خارجی

انسان دو شہید رکھتا ہے۔ ایک شہید داخلی اور اسی کی طرف اس آیہ مبارکہ میں اشارہ فرماتا ہے و **یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون حتی اذا ما جاء و ھا شھد علیھم سمعھم و ابصارھم و جلودھم بما کانوا یعملون۔**

و قالوا لجلودھم لم شھد تم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شی و ھو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون و ماکنم تستترون ان یشھد علیکم سمعکم و الا ابصارکم و لا جلودکم و لکن ظننتم ان اللہ لا یعلم کثیرا مما تعلمون

اور جس دن دشمنان خدا آتش جہنم کی طرف اکھٹے کئے جائیں گے۔ پس وہ محبوس ہوں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو ان پر ان کے کان آنکھیں اور ان کی شرمگاہیں اس پر شہادت دیں گی جو کچھ کہ وہ کرتے تھے اور وہ شرمگاہوں سے کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف شہادت دی۔ تو وہ کہیں گی کہ ہم کو اس خدا نے گویائی عطا کی جس نے ہر شے کو نطق عنایت فرمایا ہے اور اسی نے پہلے تم کو خلق کیا اور اسی کی طرف تم رجوع کرتے ہو اور تم اس بات کو چھپا نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان آنکھ اور شرمگاہیں تمہارے اوپر گواہی دیں۔ لیکن تم یہ گمان کرتے تھے کہ خدا تمہارے بہت سے عملوں کو نہیں جانتا ہے۔ پس اس گمان نے تم کو ہلاک کیا ہے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوئے۔ پس اعضائے انسانی اعمال انسان پر شہید ہیں اور کوئی انسان اس پر قادر نہیں کہ اپنے کان، آنکھ اور شرمگاہوں سے اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھ سکے۔ یہ کان آنکھ کس طرح شہید ہیں؟ یہ خود شاہد نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایک قوت ہے اس کے ذریعہ سے یہ شاہد ہیں۔ وہ قوت انسانیہ ہے۔ تمام اعضاء وجوارح اس کے تابع ہیں۔ گویا شہید باطنی انسانی خود نفس انسانی ہے۔ جو کچھ عمل انسان کرتا ہے اس میں ثبت وضبط ہوتا رہتا ہے اور کوئی نفس سے پوشیدہ نہیں رہتی اعضاء جوارح جو اس کے آلات ہیں روز قیامت ان سے یہ باتیں ظاہر ہوں گی اور صاف صاف بیان کردیں گے۔ لیکن جب انسان مرجاتا ہے تو یہ قوت انسانی اس سے جاتی رہتی ہے۔ لہذا اس وقت اس کے اعضاء وجوارح قابل شہادت رہتے کیونکہ وہ اسی قوت کے ذریعہ سے شہید تھے نہ خود و **جاءت کل نفس معھا سائق و شھید۔**

دوسرا شہید خارجی ہے اور وہ نبی وامام ہے۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ شہید خارجی کس طرح اس تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ یہ بھی اپنی قوت روحانی باطنی کے ذریعہ سے تمام عوالم پر شہید ہے۔ جس طرح انسان بقوت انسانی اپنی مملکت پر شہید ہے اور اسی قوت کے ذریعہ سے اس کے تمام اعضاء و جوارح۔ پس اس انسان میں جو تمام عوالم پر شہید ہے ایک ایسی قوت (قوت روح ہوتی وامامتی) ہوتی ہے کہ اس سے کوئی شی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ وہ سب سے فوق اور سب پر غالب ہے۔ جس طرح روح انسانی جسم انسان پر غالب ہے اور اس پر احاطہ رکھتی ہے۔ اس طرح روح اعظم نبوتی جمیع عوالم پر احاطہ رکھتی ہے۔ پس نبی وامام اسی روح کے ذریعہ سے شہید ہیں نہ از روئے جسم۔ مثال اس کی آفتاب عالمتاب ہے کہ اس کا محل اور مقام ایک جگہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی نورانی شعاعیں تمام عالم میں پھیل جاتی ہیں۔ علاوہ چیز جو اس سے پردے میں ہو۔ روح انسانی عالم خواب میں بھی اپنی مملکتِ جسمانی پر شہید ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو روح اس کی مثلاً ایک دور دوراز مقام پر سیر کرتی ہے۔ لیکن اس عالم سیر وسیاحت میں اپنے جسم سے بے خبر نہیں رہتی۔ البتہ ایک معمولی اعراض ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر ایک مچھر انسان کے کسی عضو میں سے خون جذب کرے تو روح مطلع ہوتی ہے اور فوراً اس کا دفعیہ کرتی ہے۔ پس اگر وہ اس عالم خواب میں اپنے تمام جسم پر احاطہ نہ رکھتی ہوتی تو ہرگز اس سے مطلع نہ ہوتی اور اس کا دفعیہ نہ کر سکتی۔ پس معلوم ہوا کہ روح کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے وہ ہر حال میں اپنے تمام جسم پر حاضر و ناظر ہے۔ خواب میں معمولی غفلت طاری ہوتی ہے جو اس آرام کرتے ہیں۔

اسی طرح سے شہید کل بقوت روحانی نبوتی وامامتی تمام عالم امکان پر احاطہ رکھتا ہے اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اس کی نورانی شعاعیں جملہ عوالم امکانیہ پر محیط ہیں اگرچہ وہ خود ایک مقام ومکان میں ہو اور اس کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے اور ایسی نیند بھی اس پر طاری نہیں ہوتی جو روح کو غافل کردے اسی لئے ارشاد ہے تنام عینی و لا تنام قلبی آنکھ ہماری سوتی ہے دل ہمارا بیدار رہتا ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ پیغمبر خواب سے بیدار ہو کر بلا تجدید وضو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پس شہید کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے اور کیوں نہ ہو۔ خداوند عالم خواب سے بری ہے لا تاخذہ سنة و لا نوم نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

پیغمبر مظہر صفات واجب الوجود ہے۔ اس پر خواب واقعی کب طاری ہوسکتا ہے وہ بھی شہید اور یہ بھی شہید اور ان کی مثال آفتاب وشعاع آفتاب ہے۔ کہ شعاع آفتاب غیر آفتاب ہے۔ مگر آفتاب سے جدا نہیں اور ظہور کمال آفتاب اور اس کے آثار کا اس شعاع کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ پس وجود پیغمبر شعاع

آفتاب سرمدی ہے اور مظہر کمالات خداوندی اور چونکہ خداوند عالم سے جو خلاق زمین و آسمان ہے۔ کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ اس واسطے اس نور خدا سے بھی کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ جو شعاع نورِ خدا ہے اور مظہر کمالات الٰہی اور قائم مقام پیغمبر امام۔ لہذا امام سے بھی کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ ہر چیز کو دیکھتا اور ہر آواز کو سنتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کان کی تعریف میں فرماتا ہے وتعیھا اذن واعیۃ اور ضبط رکھتا ہے تمام آوازوں کو وہ کان جس میں اتنی ظرفیت ہے کہ سب آوازیں سماجاتی ہیں اور اس میں ثبت ہوجاتی ہیں۔ اس کان کی صفت اذن داعیہ ھے نہ اذن سامعہ یہ کون سا کان ہے؟ جو تمام آوازوں کو ایک دفعہ سنتا اور سب کو ضبط کرتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے۔ کیا عام کانوں میں یہ قوت ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص آہنگروں کے بازار میں گذرے۔ جہاں ہزاروں ہتھوڑوں کی آوازیں بلند ہوں تو وہ ان تمام آوازوں کو ہرگز ضبط نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس میں اتنی قوت اور استعداد اور ایسی ظرفیت نہیں ہے۔ پس اس کان کی ظرفیت کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جو جمیع موجودات کی آوازوں کو سنتا ہے اور سب کو ایک دفعہ ضبط کر لیتا ہے۔ یہ اس شخص کا کان ہوسکتا ہے۔ جو اس واجب الوجود کا مظہر ہو جس کی صفت یہ ہے لا تشتبه علیه الاصوات آوازیں اس پر مشتبہ نہیں ہوتیں۔ ہر ایک آواز کو علیحدہ علیحدہ سنتا ہے و ھو السمیع البصیر اس کان کی تشخیص کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر امام فخر الدین رازی کہ یہ گوش گوشِ جناب امیر ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں تحت آیہ مجیدہ وتعیھا اذن واعیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کان سے مراد گوش امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہے اور یہ کوئی استبعاد و استعجاب کا مقام نہیں ہے کہ امام تمام آوازوں کو سن لیتے اور ضبط رکھتے ہیں۔ جن کہ ہم مادہ کثیفہ سے بنائی ہوئی انسانی مصنوعات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں آوازیں فوراً ضبط و ثبت ہوجاتی ہیں۔ جیسے کہ فوٹو گرافر، ریڈیو اور قوت امامت فوق جمیع قوائے ہے۔ ضرور اس کی قوت و ظرفیت ایسی ہی ہے کہ اس میں تمام آوازیں ضبط و ثبت ہوجائیں۔

رویت اعمال

امام ہر ایک کی آواز کو سنتے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسوله والمومنون الخ کہہ دو اے پیغمبر کو عمل کرو خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور اس کا رسول اور مومنین اول اعمال کو دیکھنے والا خدا ہے اور اس کی رویت، رویت بالذات ہے۔ دوم اس کا پیغمبر اور اس کی رویت رویت بالتبع ہے۔ سوم اعمال کے دیکھنے والے وہ مومنین خاص ہیں جو نواب پیغمبر و اوصیاء پیغمبر اور اس کے قائم مقام مثل اس کے شہید ہیں۔ (کما سبقنا الیه) آیہ مجیدہ میں لفظ یری

ایک بار آیا ہے اور رویت میں تینوں شریک ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ اصل رویت بقوت نورانیہ الٰہیہ ہے اور پیغمبر و امام مظہر صفات الٰہیہ اور وہ قوت تمام عالم پر محیط ہے اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں۔ نبی و امام مرکز قوت برقی ہے اور ہر شے میں قوت برقی موجود ہے اور یہ قوت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ **بیدہ ملکوت کل شی** ہر ایک شے کی قوت باطنی و ملکوت اس کے ہاتھ میں ہے اور دست خدا اول محمد مصطفیٰ ہے **کما قال ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم**

اے پیغمبر جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ یعنی دست محمدی دست الٰہی ہے **و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** اے پیغمبر تو نے خاک نہیں پھینکی جب کہ پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی ہے۔ یعنی تیرا ہاتھ دستِ خدا ہے اور تیرے ہاتھ کا فعل فعل خدائی ہے۔ پس تمام ملکوت اشیاء دست الٰہی یعنی دستِ محمدی میں ہیں وہ مرکز قوائے عالم ہے۔ پس اس کی قوت فوق تمام اشیاء ہے اور وہ سب پر حاکم و قابض ہے اور کوئی شے اس سے مخفی نہیں رہ سکتی اور اسی طرح امام جو مظہر ثانی ہے اس قوت نورانیہ سے تمام کام کرتا ہے اور تمام اعمال دیکھتا ہے اور خداوند عالم رب العالمین ہے اور یہ رب الارض **قال عزوجل واشرقت الارض بنور ربھا** زمین اپنے مربی (امام) کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو قوت نورانی امام کہ آفتاب باوجود اس قدر عظمت و وسعت کے کہ زمین سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ ایک مرغی کے انڈے کو بھی چاروں طرف سے ایک وقت میں روشن نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دھوپ میں انڈا رکھا جائے تو ضرور اس کا سایہ پڑے گا اور ایک طرف تاریکی رہ جائے گی۔ مگر نورانیت امام ایسی ہے کہ تمام زمین ہر طرف سے روشن ہو جائے گی اور چمک اٹھے گی۔ یہی وہ قوت نورانی ہے۔ جس کے ذریعہ سے خدا اپنے بندوں کو ظلماتِ کفر و شرک سے نور ہدایت و عالم انوار کی طرف نکالتا ہے۔ **اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔**

قوّتِ ملکوتی

مسلم اور محقق ہے کہ ہر ایک شے میں ایک حرارت موجود ہے اور اس حرارت سے وہ حرکت کرتی ہے اور ہر شے اجزائے بسیطہ پر منتہی ہوتی ہے اور اجزائے بسیطہ میں بھی حرارت موجود ہے۔ یہ شے فنا ہو جاتی ہے اور حرارت باقی رہتی ہے۔ یہی باطن شے اور ملکوت اشیاء ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قوت برقی کے لئے ایک خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہاں سے حسب ضرورت اہل شہر شہر میں پہنچائی جاتی اسی طرح وجود محمدی اس

حرارت عالم امکان کا مرکز ہے اور وہاں سے یہ قوت عوالم امکانیہ میں متفرق ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شے یا جو مقام اس خزانہ برقی سے قریب تر ہوتا ہے۔ اسی قدر اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ پس جو وجود اس مرکز عالم امکان سے جس قدر قرب رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اور اس حرارت والے رستم وسہراب کو بھی شمار میں نہیں لاتے۔

شجاعت اقربِ اجزائے محمدی

بقوائے ظاہر یہ تو دس سال کا بچہ ایک مرد جنگ آزمودہ و تجربہ کار کو ہرگز ہرگز قتل نہیں کرسکتا۔ بلکہ معمولی انسان کو بھی قتل نہیں کرسکتا۔ خصوصاً جب کہ یہ شخص بھی اس بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور آمادہ پیکار ہو۔ پس اگر یہ بچہ اس مراد میدان کو قتل کردے اور مار ڈالے تو یہ اس کی قوت برقیہ اور قوت ملکوتی کی زیادتی اور مبداء سے قریب ہونے کا اثر اور نتیجہ ہے۔ یہی وجہ تھی جو انصاران حسینؑ میں سے نو نو دس دس سال کے بچے وہ داد شجاعت دیتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدندان رہ جاتے تھے۔ کیونکہ وہ بچے مرکز قوت برقی (محمد مصطفیٰ) سے قریب تر تھے اور یہ امر کچھ بنی ہاشم ہی سے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ عرب بیابانی و بدوی کے بچے سے بھی یہی آثار ظاہر ہوئے تھے۔

اطفال خورد سال کرب وبلا نے روز عاشورا ایک سو نو (109) مردوں کو قتل کیا ہے۔ یعنی ہاشمی و غیر ہاشمی نے من جملہ ان کے ایک بچہ شاید سوید بن عمر بن ابی مطاع کا ہے۔ سوید کی عمر اس وقت 94 سال کی تھی۔ **قائم اللیل و صائم النهار** تھے۔ جس وقت میدان میں تلوار لے کر بڑھے ہیں کسی کو مقابلہ کی تاب نہ تھی اور کوئی سامنے نہ آتا تھا۔ مگر ملاعین نے دوڑ کر تیر برسانے شروع کر دئے اور یہ آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ابھی کچھ جان باقی تھی کہ ان کا ایک بچہ جس کا سن نو دس سال کے درمیان تھا۔ خیمہ سے نکلا۔ امام مظلوم اس وقت تلِ زینبیہ پر متفکر کھڑے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرتؑ کے جان نثاروں میں سے صرف بتیس یا کچھ زیادہ اشخاص باقی رہ گئے تھے۔ وہ بھی اکثر زخمی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک بچہ تلوار کو لاٹھی کی طرح ہاتھ میں لئے ہوئے خیمہ گاہ سے نکلا جو اس کے قد سے بلند تھی اس بچے کو معلوم نہ تھا کہاں جا رہا ہے۔ حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا **وعلیک السلام یا ابا عبداللہ** حضرت نے دائیں طرف جو نظر کی تو دیکھا کہ ایک بچہ ہے فرمایا اس کو واپس کردو۔ اس کی ماں کو گوارا نہ ہوگا کہ یہ لڑنے جائے بچہ نے عرض کی کہ میری ماں ہی نے فرمایا ہے کہ میں میدان کو جاؤں۔ اس معصوم کا یہ کلام سن کر امام مظلوم پر رقت طاری ہوگئی

اور وہ بچہ میدان کی طرف روانہ ہوگیا۔ صاحب عوالم لکھتے ہیں کہ اس نے سات اشقیاء فی النار کئے۔ لیکن باقی محدثین ومورخین لکھتے ہیں کہ صرف دو شخصوں کو قتل کیا اس معصوم صغیر السن پر آٹھ کافروں نے حملہ کیا اور اس کو شہید کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر اس کی ماں کے آگے پھینک دیا۔ ماں کھڑی دیکھ رہی تھی۔ سر اٹھا کر بوسہ دیا اور پھر ایک ملعون کے پھینک مارا کہ وہ فی النار ہوگیا۔ یہ ہے اثر تقرب مرکز نبوت۔ مگر جو شخص اس شجرہ طیبہ سے ہوگا اور اس سے صوری ومعنوی وظاہری و باطنی تعلق رکھتا ہوگا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس کی طاقت کس درجہ پر پہنچی ہوگی۔ تمام اصحاب واقربائے امام مظلوم میں سے اس میدان میں سب سے قریب تر اور سب سے عزیز ومحبوب تر آپ کے فرزند ارجمند جناب علی اکبر ہم شبیہ پیغمبر تھے۔ اس باب میں محدثین کو اختلاف ہے کہ آیا حضرت علی اکبر افضل تھے یا حضرت عباس۔ لیکن جناب علی اکبر کی جلالت قدر ومنزلت سے فضیلت حضرت کی ثابت ہے اور فقرات زیارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ قریب بدرجہ معصومیت پہنچے ہوئے ہیں اور ایسا ہی ہے بھی۔ اور فقرات زیارت ناحیہ مقدسہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سب سے پہلے شہید ہیں۔ جب آپ کی نوبت آئی تو آپ نے فرمایا تقدم یابنی میرے پیارے بیٹے آگے بڑھ اور راہِ خدا میں جہاد کر۔ حضرت علی اکبر یہ کلام سن کر فوراً روانہ ہوگئے۔ جب چل دیئے تو امام مظلوم نے واپس بلایا اور تبرکات نبوت اہل حرم سے طلب کئے۔ تبرکات نبوی میں چھ عمامے تھے۔ جن میں عمامہ سحاب بھی تھا اور دو زرہیں تھیں۔ جن میں سے ایک زرہ ذوالفضول تھی اور ایک زرہ حضرت امیر حمزہ تھی۔ چار گھوڑے اور دو تلواریں، دو اونٹنیاں اور دیگر ملبوسات نبویؐ

لشکر ابن زیاد اور خیمہ گاہ کے درمیان ایک ٹیلہ تھا اور ٹیلہ کے اس طرف خیمہ اہل حرم تھا۔ صندوق اسباب منگایا اپنا عمامہ حضرت علی اکبرؑ کے سر پر رکھا اور ایک دوسرا عمامہ نکال کر اپنے سر مبارک پر رکھا۔ اپنی قبا ان کو پہنائی اور قبائے حضرت رسول خود پہنی اپنی تلوار ان کی کمر میں باندھی اور ذوالفقار خود زیب تن کی اور زرہ ذوالفضول کو خود پہنا اور اپنی ان کو پہنائی پیشانی پر بوسہ دیا اور وقت روانگی یہ آیت تلاوت فرمائی ان اللہ اصطفی ادم و نوحا و ال ابراھیم و ال عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض و اللہ سمیع علیم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر داخل معصومین ہیں۔ پھر فرمایا اللھم اشھد علی ھولاء القوم فانہ فقد برز الیھم فتی اشبہ الناس خلقا و خلقا و منطقا برسولک و کنا اذا اشتقنا بلقاء رسول اللہ نظرنا الیہ جناب امام حسینؑ کا نصف بدن حضرت رسول خدا سے مشابہ تھا مگر جناب علی اکبر کا کل جسم جناب رسول مقبول سے مشابہت رکھتا تھا اور آپ شبیہ الصطفی یعنی

ہم شکل پیغمبر کہلاتے تھے جب اس طرح سے جناب علی اکبر روانہ میدان قتال ہوئے تو امام مظلوم سواری کے پیچھے اس طرح جاتے تھے جس طرح کہ حاجی قربان گاہ کو قربانی لے جاتے ہیں اور آپ کے سر اور پیشانی پر بوسے دیتے تھے۔ ویمشی علی و الحسین علی القفا تسیل دموع العین منه بوجنته کاضحیة فی یوم اضحی الی منی یقبله فی کل ان ولحظة اسپ عقاب کو بھی طلب جو آج کل عقاب کے نام سے مشہور ہے اور غلط ہے اس پر آپ کو سوار کیا۔ ساتھ جاتے ہوئے آپ کو خیال آیا کہ اگر اس طرح آپ بھی حضرت علی اکبر کے ہمراہ میدان کو چلے جائیں گے تو تمام مخدرات عصمت و طہارت خیمہ گاہ سے نکل پڑیں گی وہیں ٹھہر گئے۔ جس وقت یہ نور محمدی اور امام حسین کے دل کا ٹکڑا میدان میں پہنچا اور شعشعہ نور محمدی لشکر پر پڑا۔ ہر ایک فرقہ لشکر نے ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کیا کہ ہم نے کیا کیا ہے اور کس سے لڑ رہے ہیں۔ خود رسول خدا میدان میں تشریف لائے ہیں۔ جب شور وغور بند ہوا تو کہا یہ رسول خدا نہیں۔ بلکہ علی اکبر شبیہ پیغمبر جگر گوشہ فرزند رسول ہے۔ آپ نے لشکر پر حملہ کیا پہلے حملہ میں (120) اشقیاء کو واصل جہنم کیا۔ درانحالیکہ آپ کے جسم مبارک پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا۔ مگر تشنگی نے سخت غلبہ کیا اپنے پدر گزرگوار سے عرض کیا یا ابتاه العطش قد قتلنی اے پدر بزگوار پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے۔ امام نے جواب میں صرف یہی فرمایا اے بیٹا اب تم کو تمہارے جد بزرگوار آب کوثر سے سیراب کریں گے۔ اور پھر کبھی تشنہ نہ ہو گے۔ پھر حضرات میدان میں تشریف لے گئے اور اسی نامردوں کو فی النار کیا اور یہ تمام حملات حضرت علی اکبر بیرق شرطتہ الخمیس پر تھے۔ جہاں تمام بہادر جمع تھے اور اتنے عرصہ میں ایک زخم بھی نہ کھایا تھا۔ حصین ابن نمیر لعین نے جب یہ دیکھا۔ لشکر کو پکار کر کہا کہ علم بلند کرو اور لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت دیکھا گیا کہ آپ خیمہ گاہ کے دائیں جانب چلے اور گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اور گھوڑا آپ کو لئے جاتا تھا۔ ربیع ابن تمیم ملعون نے کہا کہ یہ بہانا کرتا ہے۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا بہانہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ جان سے گزر چکا ہے اور سر تا پیشانی شگافتہ ہے۔ فاحاطوه من کل جانب یہ سن کر ان ملاعینوں نے چاروں طرف سے اس مظلوم کو گھیر لیا وقطعوه باسیافهم اربا اربا اور اس برگزیدہ خدا اور ہم شکل مصطفیٰ کو پارہ پارہ کر ڈالا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

موعظ ششم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

یوم ندعوا کل اناس بامامهم هذان خصمان اختصموا فی ربهم فالذین کفروا قطعت لهم ثیاب من نار یصب من فوق روسهم الحمیم

مقدمات سابقہ میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ ہر ایک شخص کا عمل کسی کے زیر تبعیت صادر ہوتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہوتا ہے اور اس شخص کو امام (پیشوا) کہتے ہیں۔ تمام احکام عملیہ اس کی طرف منتہی ہوتے ہیں اور روز قیامت اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا **یوم ندعوا کل اناس بامامهم** روز قیامت ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ محشور کیا جائے گا اگر یہ شخص (امام) از جانب خدا ہے تو اس کی پیروی اور اقتدا کرنے والا نعیم جنت سے منتفع ہوگا اور اگر از جانبِ خدا نہیں ہے بلکہ از طرف شیطان اور خود ساختہ امام ہے تو اس کو آتش جہنم کی طرف لے جائیں گے **کما قال عزوجل و جعلنا هم ائمة یدعون الی النار** اور ان کو ایسا امام بنایا ہے کہ وہ لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

تقرر امام

پس آیا ممکن ہے کہ انسان خود اپنے لئے امام مقرر کرے؟ آیہ مبارکہ **انی جاعلک للناس اماما** دلالت کرتی ہے کہ تقرر امام از جانب خدا ہے کیونکہ وہی خالق ہے اور وہی صاحب دین ہے اور دیانت اسی کی طرف سے ہے۔ پس وہی انسان کی حوائج ضروریہ پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ اسی نے اس کے اجزا کو ترکیب دی ہے۔ پس وہی امام کو مقرر کرسکتا ہے اور ضرور ہے کہ اس شخص کو امام بنائے جو عالم فطریات وضروریات انسانیہ ہو۔ یہ تو مسلم ہے کہ نبی کو خدا مقرر کرتا ہے۔ آیا امام کو غیر از خدا کوئی مقرر کرسکتا ہے اور آیا امامت ونبوت دو رشتے جدا گانہ ہیں۔ یا ایک؟ البتہ اگر امامت غیر نبوت ہے۔ تو شاید لوگ خود امام مقرر کرسکتے ہوں۔ لیکن آیہ شریفہ **وجعلنا ائمة یهدون بامرنا و اوحینا الیهم فعل الخیرات**

و اقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ و کانو لنا عابدین اور ہم نے ان کو امام بنایا ہے۔ جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان کو فعل خیرات و اقامۃ الصلوۃ و ادائے زکوۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار تھے۔ انبیاء کی شان میں نازل ہوئی ہے اور انبیاء کو امام کہا گیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ نبوت و امامت ایک ہی رشتہ ہے اور ایک ہی سلسلہ ہے اور تقرر نبی از جانب خدا مسلم ہے۔ لہذا تقرر امام بھی از طرف خدا ہی ہوگا اور چونکہ امامت میں بحکم آیہ مذکورہ وحی شرط ہے۔ لہذا تقرر امام از غیر خدا قطعاً محال ہے۔ کیونکہ وحی از جانب خدا ہے۔ لہذا تقرر امام بھی از جانب خدا ہی ہوگا۔ مگر یہ کہ وحی، وحی شیطان ہو تو البتہ تقرر اس کا از جانب شیطان ہوگا فان الشیاطین لیوحون الی اولیائهم شیاطین بھی اپنے اولیاء کو وحی کرتے ہیں۔

توضیح

اس کی یہ ہے کہ رسالت و نبوت خاص ہے ایک قوم اور ایک زمانہ سے اور امامت عام ہے تمام لوگوں کو شامل ہے الامامة ریاسة عامة پس امامت فوق نبوت و افضل از نبوت ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کو یہ عہدہ امامت بعد نبوت و رسالت و خلت عطا ہوا ہے قال انی جاعلک للناس اماما اب میں تجھے تمام لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں قال و من ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین آپ نے خوش ہو کر عرض کیا۔ میری ذریت کو بھی یہ عہدہ عنایت ہوگا؟ حکم ہوا کہ یہ عہدہ امامت ظالمین کو نہ پہنچے گا۔ البتہ صالحین خلعت امامت سے ممتاز ہوں گے۔ ظلم دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ظلم جلی اور وہ شرک ہے کما قال عزوجل ان الشرک لظلم عظیم بتحقیق کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور ظلم خفی تمام معاصی ہیں۔ پس عہدہ امامت دونوں قسم کے ظالموں یعنی مشرکوں اور گنہگاروں کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو ان دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہے وہ امام ہے۔ پس امامت خاص معصومین سے مختص ہے۔ غیر معصوم کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ و من ذریتی شاہد ہے کہ امامت خاص ذریت حضرت ابراہیم ہی میں ہے اور یہ سلسلہ امامت آخر کار بجناب خاتم الانبیاء منتہی ہوتا ہے اور خدا نے ان کو امام بنایا۔ لیکن جناب خلیلؑ و حبیبؐ تک تو یقیناً یہ سلسلہ و تقرر امام خداوند عالم کے ملحقہ میں رہا۔ بعد خاتم النبیین کہاں گیا؟ کیا لوگوں کے اختیار میں چلا گیا۔ کہ اب لوگ امام بنا لیا کریں آیہ مجیدہ ربنا و اجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة مسلمة لک الخ شاہد ہے کہ امتِ مسلمہ تا بعثت رسول و وقت بعثت رسول موجود رہی ہے اور چونکہ جعل، جعل

الٰہی ہے۔ قیامت تک امت مسلمہ ذریت ابراہیم میں موجود رہے گی اور عہد امامت اسی ذریت کے واسطے ہے اور اسی امت مسلمہ سے مخصوص ہے۔ جن میں سے پیغمبر مبعوث ہوا ہے۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ بعد حضرت ختمی مرتبت یہ عہدہ دوسرے عوام الناس کے ہاتھوں میں چلا جائے اور ان کو تقرر امام کا اختیار دیا جائے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ صاف فرماتا ہے **و ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرة** تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو جس کام کے واسطے چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور اختیار فرماتا ہے۔ اگر مسئلہ خلافت لوگوں کے اختیار و اجماع پر موقوف ہوتا اور لوگوں کی رائے کو وہاں مدخلیت ہوتی۔ تو معصومین ضرور اس کے سزاوار تھے کہ ان کی رائے قبول ہو اور اس صورت میں ملائکہ کا اعتراض اور ان کا اجماع بر خلاف خلافت حضرت آدم مقبول و مسموع ہوتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ پس جب ملائکہ معصومین و مقربین کی رائے کو مسئلہ خلافت میں مدخلت نہیں۔ تو غیر معصومین کی رائے کیونکر حجت ہو سکتی ہے **فاعتبروا یا اولی الابصار** بعد رسول امت مسلمہ باقی ہے اور امامت اسی کے واسطے ہے۔ پھر کیونکر دوسرے سلسلے میں جا سکتی ہے اور اوصاف امامت تمام اوصاف الٰہی ہیں۔ جن میں سے ایک شہید ہونا ہے۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ کیونکر باختیار خود حاصل ہو سکتا ہے۔

تفسیر عہد

حضرت ابراہیم نے امامت کا اپنی ذریت کے لئے سوال کیا۔ **و من ذریتی** جواب فرمایا **لا ینال عھدی الظالمین** یعنی میرا عہد مشرکوں، کافروں اور گنہگاروں کو نہ پہنچے گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ امامت گنہگاروں کو نہیں پہنچے گی۔ بلکہ اس کو عہد سے تعبیر و تفسیر کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ گر لفظِ امامت فرمایا جاتا تب بھی مطلب حاصل تھا اور کوئی نقص لازم نہ آتا تھا۔ پس کیوں لفظ عہد کو مخصوص کیا گیا؟ ضرور اس میں کوئی نکتہ ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت ایک عہدِ بزرگ ہے اور وہ عہد عصمتِ مطلقہ ہے **کما قال** عزوجل **لقد عھدنا الی ادم من قبل فنسی و لم نجد له عزما** ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا۔ پس اس نے ترک کیا اور ہم نے اس میں عزم بالجزم نہ پایا **و قال الم اعھد الیکم یا بنی ادم ان لا تعبدوو الشیطان** اے نبی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لے لیا ہے۔ کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ پس معلوم ہوا کہ جس نے کسی امر میں بھی شیطان کی اطاعت و پیروی کر لی۔ وہ عہد الٰہی سے خارج ہے اور جو تمام امور میں اطاعت و عبادت شیطانی سے محفوظ و مصئون و معصوم رہا۔ اس نے معاہدہ الٰہی کو لے لیا اور

جس نے اس معاہدہ الہی کو لے لیا وہ امام ہے اور وہی روز قیامت مالک شفاعت ہے۔ چنانچہ آیہ لا یملکون الشافعة الا من اتخذ عنه الرحمن عهدا (نہیں مالک ہوں گے شفاعت کے مگر وہی جنہوں نے عہد الہی کو لے لیا) اس پر صاف دلالت کرتی ہے۔

شفاعت جزئیہ شفاعت کلیہ

شفاعت دو قسم پر ہے کہ ایک شفاعت بلا اذن، دوم شفاعت بالملکیت، اور شفیع دو قسم کے ہیں ایک وہ جو باذن شفاعت کریں گے۔ دوم وہ جو بالعہد مالکِ شفاعت ہیں اور اس وقت ان کو اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب اذن کے حق میں خدا فرماتا ہے من ذالذی یشفع عنده الا باذنه خدا کے اذن بغیر کون اس کے پاس شفاعت کرسکتا ہے اور دوسروں یعنی مالکان شفاعت کے حق میں فرماتا ہے۔ لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهدا پس یہ لوگ بعہد الہی مالک شفاعت و متصرف بالملکیت ہیں۔

معنی شفاعت

شفاعت اور حق شفع ایک ہی مادہ سے ہیں اور شفع کے یہ معنی ہیں کہ دو شخص جو ایک ملکیت میں شرکت رکھتے ہیں اور وہ ملکیت غیر منقسم ہے۔ اگر ان میں سے ایک شخص اپنے حصے کو کسی دوسرے غیر شریک کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ شریکِ مِلک اس کو اپنے حق شفع میں لے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ میں اس میں شراکت رکھتا ہوں۔ میں نے اس کو اپنے حق شفع میں خرید لیا۔ پس بلا ملکیت و شراکت حق شفع ثابت نہیں ہو سکتا اور شفیع بلا مالک ہوئے شفیع نہیں بن سکتا اور متصرف نہیں ہوسکتا اور تصرف ملکیت سے ثابت ہوتا ہے اور ملکیت و مالکیت دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کا بالذات مالک ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ مالک بالذات حق ملکیت کسی کو عطا کردے اور حق ملکیت قبضہ سے ہوتا ہے اور معنی قبض ولایت مطلقہ و تصرف مطلق ہے اور آیہ مجیدہ النبی اولی بالمومنین من انفسهم اسی پر دال ہے۔ نبی مومنین کا خود ان کے نفسوں سے زیادہ مالک و متصرف مطلق ہے۔ ایسا تصرف رکھتا ہے اور اتنا اختیار ہے کہ نماز جو رکن دین ہے اور انسان خدا کے لئے پڑھتا ہے اگر نبی اس کو اسی وقت میں آواز دے نماز نہیں پڑھ سکتا اور اس کو اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح بخاری اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کو بلایا اور آواز دی وہ نہ آیا۔ جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو حاضر خدمت ہوا۔ اپ نے دریافت کیا۔ کیوں نہیں آیا۔

اور کیوں جواب نہ دیا۔ عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا تو نے نہیں سنا کہ خدا فرماتا ہے **استجیبوا اللہ و رسولہ اذا دعاکم** جواب دو خدا اور اس کے رسول کو جس وقت بھی وہ پکاریں۔ پس معلوم ہوا کہ پیغمبر عبادت کا بھی مالک ہے۔ کیونکہ حق ملکیت وتصرف من اللہ رکھتا ہے اور ولی مطلق ہے۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ** سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا مالک اور تم پر متصرف خدا اور اس کا رسول ہیں اور کیونکر اس کو ایسا حق حاصل نہ ہو۔ حالانکہ وہ نماز میں شریک ہے جو حد توحید ہے اور بلا اس پر درود بھیجے نماز باطل ہے اور بلا اس کے عفو کے خدا لوگوں کے گناہوں سے درگزر نہیں کرتا۔

و لو اذ ظلموا جاء و ک واستغفروا اللہ و استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اور جب کہ لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر وہ تیرے پاس آتے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے اور رسول بھی خدا سے ان کی مغفرت چاہتا۔ تو ضرور وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ بلا عفو و استغفار رسول مغرفت ممکن نہیں۔ اگر رسول لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرے خدا بھی معاف کر دے گا۔ ورنہ اگر رسول عفو نہ کرے۔ خدا نہ بخشے گا۔ پس جب کہ پیغمبر مالک و متصرف ہے اور حق شرکت و ملکیت رکھتا ہے تو وہی مالک شفاعت بھی ہے اور پل صراط کے پاس کھڑا ہو گا اور فرمائے گا۔ **ھذا بی و ھذا الک** یہ میرا ہے اور یہ تیرا یعنی جو تحت ولایت پیغمبرؐ داخل ہو گا۔ اس کو حق شفع میں لے لے گا۔ کیونکہ حق تصرف حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر ملکیتِ شفاعت حاصل نہیں ہو سکتی مگر ان لوگوں کو جن کا وجود دلیل خدا ہے اور وہ حجج اللہ دادِلہ علی اللہ و آیاتِ بینات الٰہی و علت موجودات ہیں۔ حقِ شفاعت معلم و استاد سے شروع ہوتا ہے اور اس کو حق شفاعت حاصل ہے اور ضرور اذن دیا جائے گا کہ اپنے شاگردوں کی شفاعت کرے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس نے بچے کو تعلیم دی ہے اور راہ خدا کی طرف ہدایت کی ہے اور اس کو توحید سکھائی ہے۔ پس اس کا وجود بھی دلیل بر خدا ہے۔ یہاں بھی یہ امر مشاہد و محسوس ہے کہ جب بچہ باپ کا کوئی قصور کرتا ہے تو اگر معلم و استاد باپ کے پاس اس کے بچے کی شفاعت و سفارش کرے تو باپ اس کی خطا معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی بچہ پر حق رکھتا ہے اور شریک پدر ہے۔ کیونکہ وہ مربی جسم ہے اور معلم و استاد مربی روح۔ پس اسی طرح روز قیامت بھی اس کی شفاعت مقبول ہو گی۔ کیونکہ اس کا وجود دلیل بر خدا ہے اور اس نے بچے کو توحید کی طرف دلالت کی ہے۔ لیکن اس کے وجود کی دلالت منحصر و محدود ہے۔ اس لئے اس کے اثرات بھی محدود اور اس کی شفاعت بھی محدود۔ مگر نبی چونکہ مربی مطلق و معلم کل ہے اور تمام شریعت و دیانت اثر و دلالت وجود نبی ہے کہ اس نے سارے احکام اپنی زبان صداقت ترجمان سے بیان

فرمائے اور تعلیم دیئے ہیں اور تمام اعمالِ امت اس سے پیدا ہوئے ہیں اور اس سے ماخوذ ہیں اور اس تعلیم کے اثرات تماماً نبی کی طرف لوٹیں گے اور رجوع کریں گے اور ان کو بھی جزائے عمل ملے گی۔ پس وجود نبی حقیقت شفاعت ہے اور اس لئے وہ فرمائے گا۔ یہ تمام تعلیمات میری ہیں شیطان کو کیا حقِ شرکت حاصل ہے۔ میں اس شخص کو اپنے حق شفع میں لیتا ہوں اور یہی معنی شفاعت ہیں۔ شفاعت دراصل حقیقت دلالات وجودیہ ادلہ علی اللہ ہے کہ آخرت میں صورت شفاعت پیدا کرے گی۔ حضرت رحمۃ للعالمین ونذیر للعالمین بدلالت تامہ وجودیہ مالک عہد شفاعت ہوئے اور آنحضرت کے خلفاء واوصیاء بھی جو آنحضرتؐ سے اتحاد نفسانی وروحانی رکھتے ہیں اور حاوی اوصاف نبوی ہیں اپنے آثارِ وجودی ولالات وجودیہ ہی کی وجہ سے مالک عہدِ شفاعت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اعمال انسان میں شیطان بھی شریک ہے کہ وہ اغوا کرتا ہے اور اس کے اغوا سے انسان سے معصیت صادر ہوتی یہ اور نبی شریک ہے کہ معلم وہادی اور مربی ہے اور تمام اعمال حسنہ اس کے وجود اور اس کی تعلیم اس کی ہدات کا اثر ہیں۔ پس روز قیامت ہر شخص کے ساتھ ایک سائق ہوگا اور دوسرا شہید **و جاءت كل نفس معها سائق و شهيد** سائق گویا شیطان اور عمل شیطانی ہے جو اس کو جہنم کی طرف کھینچے گا اور شہیدِ خارجی امام ہے۔ جو صراط پر کھڑا ہوگا۔ پس اگر اس میں اثرات تعلیم نبی وامام اثرات شیطان سے زیادہ ہیں اور تحت تعلیم نبی داخل ہے۔ نبی اس کو لے لے گا۔ کیونکہ بوجہ ایمان اس کی ولایت میں داخل ہے اور نبی بوجہ تعلیم وتربیت حق ملکیت وتصرف رکھتا ہے ورنہ اگر وہ شخص تعلیمات نبویؐ سے خارج ہے اور اثرات تعلیم نبی اس میں ظاہر نہیں ہیں۔ دولت ایمان نہیں رکھتا۔ بلا حساب داخل جہنم ہوگا اور اس میں پیغمبر کو حق شفاعت حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ **اذا القسمت الحدود فلا شفع** جب حدود مشترکہ تقسیم ہو جائیں۔ حق شفع باطل ہو جاتا ہے۔ پس جب ایک شخص بالکل تعلیم نبی سے خارج ہے تو وہ شفاعت نبی سے بھی خارج ہے۔

مسئلہ غدیر خم

اعلان غدیر خم کو تمام سنی شیعوں نے نقل کیا ہے۔ شیعہ اس سے خلافت جناب امیر پر استدلال لاتے ہیں۔ مگر یہ مسامحہ ہے۔ کیونہ واقعہ غدیر میں ذکر ولایت ہے نہ خلافت۔ ولایت اخص ہے خلافت سے اور خلافت اس کے تحت میں داخل اور خدا چاہتا ہے کہ مرتبہ ولایت جناب امیر علیہ السلام کو ثابت کرے۔ چنانچہ حضرت ختمی مرتبت نے ابتدائے خطبہ میں اول اپنی ولایت واولویت بالتصرف کا اقرار لیا اور تین مرتبہ

فرمایا الست اولی بکم من انفسکم کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ مالک اوران پر متصرف نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا اور کہا کیوں نہیں۔ آپ ہمارے مالک وولی ومولی ہیں۔ پھر تین مرتبہ فرمایا اللھم اشھد خداوندتو گواہ رہیو۔ بعدازاں فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ الخ جس کا میں مولی ہوں اس کا علی بھی مولی ہے۔ یہ وہ مرتبہ ولایت واولویت وملکیتِ شفاعت ہے جو جناب امیر علیہ السلام کے لئے ثابت کیا ہے کہ پیغمبر ولی مطلق و مالک شفاعت ہیں اور حق شرکت وملکیت رکھتے ہیں کیونکہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ شفاعت علی ہے اور اسی پر آیہ ولایت شاہد ہے انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنو الذین یقیمون الصلوۃ و یوتون الذکوۃ و ھم راکعون سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز کو قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں اور یہ مومنین وہی اوصیاء پیغمبر علی واولاد علی ہیں کہ مثل پیغمبر ولی و مالکِ شفاعت ان کے واسطے ہے جو اولہ علی اللہ وجج اللہ ہیں اور معلم توحید الہی اور ظاہر ہے کہ بعد پیغمبر معلم علی ابن ابی طالب ہے کہ باب علم نبی ہے۔ جو کچھ صادر ہوا ہے اس سے صادر ہوا ہے اگر کوئی حکم تعلیم سے خارج ہو جائے تحت نبوت سے خارج ہو جاتا ہے۔ پسر نوح نے ایک کلمہ تمرد کہا نہ صرف تعلیم نبوت وتحت نبوت سے خارج ہو گیا۔ بلکہ اہل بیت سے بھی خارج ہو گیا اور لیس من اھلک خطاب پایا۔ پس جو تحت تعلیم امامت داخل ہیں۔ امام ان کی شفاعت کرے گا اور ان کو حق شفع میں شیطان سے لے لے گا کیونکہ شیطان کا انسان میں صرف ایک حصہ یعنی حصہ ناری ہے۔ جس کی بابت وہ کہتا ہے لا تخذن من عبادک نصیبا مفروضا میں تیرے بندے میں سے اپنا حصہ مقرر لے لوں گا و اشار کھم فی الاموال و الاولاد (شریک ہوان کے اموال واولاد میں) قول خداوند عالم ہے۔ باقی تین حصہ رہتے ہیں۔ پس اگر تحت تعلیم نبوت و امامت داخل ہے۔ امام چھڑا لے گا اور شیطان اپنے ایک حصہ میں اس کو نہ لے سکے گا۔ لیکن جو شخص تعلیم نبوت و امامت سے خارج ہے اور آثار نبوت اس میں موجود نہیں ہیں۔ اس کو شیطان جہنم کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ کیونکہ شرکتِ نبی اس میں نہیں اور آثار شیطانی ظاہر وغالب ہیں۔

انسان دو معبود رکھتا ہے۔ معبودِ رق ومعبود طاعت۔ معبود رق خداوند عالم ہے۔ جو خالق کل و مالک مطلق ہے۔ معبودِ طاعت پیغمبر ہے کہ خدا نے بعد خلق انسان کو بغرض تربیت وتعلیم پیغمبر کے سپرد کیا ہے۔ کیونکہ تمام فیوض وتعلیمات بندہ کو اس کے ذریعہ سے پہنچی ہیں۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور

اپنے اولی الامر کی۔ اول اطاعت خدا ہے اور اس کی اطاعت غیر اطاعت پیغمبر ہے۔ کیونکہ وہ مالک الرق و معبود الرق ہے اور دوم اطاعت پیغمبر ہے۔ وہ غیر اطاعت خدا ہے۔ اس واسطے لفظ اطیعوا مکرر آیا ہے۔ اگر لفظ اطیعوا مکرر نہ آتا تو اطاعت پیغمبر مثل خدا اطاعت رقی ہوتی اور آیہ مجیدہ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی) سے ثابت ہے کہ مطیع رسول مطیع خدا ہے اور جو کچھ اس نے کیا۔ گویا خدا نے کیا۔ پس اس کو خداوند عالم نے حق شرکت دیا ہے۔ تربیت عباد میں اور اس لئے وہی حق الشفع رکھتا ہے اور مالک شفاعت ہے۔ مطلقاً اور چونکہ اطاعت اولی الامر مثل اطاعت پیغمبر ہے کیونکہ وہاں لفظ اطیعوا مکرر نہیں لایا گیا۔ پس اس کی اطاعت بھی اطاعت خدا ہے اور اس لئے بعد پیغمبر ولی الامر (امام) بھی انسان پر حق ملکیت وولایت رکھتا ہے اور اس لئے وہ مالک شفاعت ہے۔ فتدبر فیه فانه دقیق

شفاعت اور حضرات نصاریٰ

نصاریٰ تمام فرق عالم پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک کسی میں جنبہ خدائی نہ ہو وہ شفاعت نہیں کرسکتا اور شفیع نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ پاپائے اسکندریہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کوئی انسان معصیت سے پاک نہیں ہے حتیٰ کہ انبیاء بھی سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ اس میں جنبہ خدائی ہے اور خدا عادل ہے پس چاہیے کہ جزائے اعمال دے پس گنہگار شفیع نہیں ہو سکتے اس لئے کسی نبی کو حق شفاعت حاصل نہیں لیکن یہ باطل محض ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ شفاعت خدا ہی کرسکتا ہے اور وہی شفیع ہوتا ہے پس جب شفیع خدا ہے تو شفاعت کس کے پاس کریگا۔ کیا کسی دوسرے خدا کے پاس شفاعت لیجائیگا۔ اگر ایسا ہے تو یہ شرک صریح ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو خلق کرکے کس کے سپرد کیا ہے۔ شیطان کے سپرد کیا ہے یا کسی اور کے اور مربی و معلم کس کو قرار دیا ہے؟ اگر خدا نے بندوں کو شیطان کے سپرد کیا ہے تو خدا اس سے مذاکرہ کرسکتا ہے مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ خدا نے ہرگز شیطان کو مربی و معلم انسان نہیں بنایا ہے۔ اس لئے وہ شریک تربیت انسان نہیں ہے۔ بلکہ خدا نے انسانوں کو خلق فرما کر اس کی تربیت انبیاء کے سپرد کی ہے۔ وہ شرکت رکھتے ہیں۔ شیطان اغوا کرنے والا اور بہکانے والا ہے اور وہ مربی و معلم ہیں۔ پس وہ اپنے حق تعلیم وتربیت میں انسان کو لیں گے اور بارگاہِ خدا میں عرض کریں گے کہ ہم حق رکھتے ہیں کہ یہ ہماری تحت تعلیم وتربیت داخل ہے۔ ہمیں عنایت کر شیطان صرف یعنی اغوا کرنے والا ہے۔

اس کو حق نہیں کہ اس کو جہنم میں لے جائے ہاں جو تحت تعلیم نبوی نہیں ہے اور ترتیب نبوی سے خارج ہے۔ اس پر وہ حق نہیں رکھتے۔ ان کو شیطان جہنم میں لے جائے گا۔ بنص انجیل ثابت ہے کہ حضرت یحیٰ نے حضرت عیسیٰ کو غسل تحمید دیا۔ اور غسل تحمید گناہوں سے پاک کرنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ پس گویا ایک خدائے گنہگار کو ایک بندہ پاک نے غسل دیا۔ پس یہ محض غلط ہے کہ عیسیٰ میں جنبہ خدائی ہے اور وہ شفیع ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ روز قیامت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی دائیں جانب بیٹھے ہوں گے اور گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو خدائی حضرت عیسیٰ باطل ہوئی کیونکہ خدا دوسرا ہے جس سے حضرت عیسیٰ شفاعت کریں گے اور خدائی حضرت عیسیٰ باطل ہوئی تو شفاعت بھی باطل۔ کیونکہ ان کے نزدیک شفیع تو خدا ہی ہوسکتا ہے۔

باز آمدم بر سر مطلب

قال و من ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین و لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمان عهدا عہد امامت ظالمین کے لئے نہیں اور عہد الٰہی اول یہ ہے کہ شیطان کی عبادت نہ کی جائے۔ **الم اعهد الیکم یا بنی ادام ان لا تعبد و الشیطان و لقد عهدنا الی ادام من قبل و لم نجد له عزما** حضرت آدم سے عہد لیا گیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے کہنے میں نہ آنا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خداوند عالم کے نام کی قسم پر اعتبار کر لیا۔ کیونکہ آپ عالم برزخ میں تھے اور وہاں جو کوئی جھوٹی قسم کھائے۔ فوراً اثر بد ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر شیطان سے جب کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ حضرت آدم نے سمجھ لیا کہ قسم سچی ہے اور اس کی جھوٹی قسم پر اس وجہ سے اثر مرتب نہیں ہوا تھا کہ اس نے مردود و رجیم ہونے کے بعد وقت معلوم تک کے لئے مہلت لے لی تھی۔

فنسی و لم نجد له عزما عزم بالجزم ان میں نہ پایا گیا۔ درخت کے پاس چلے گئے اور کھالیا۔ لباس ان کا اتار لیا گیا۔ پس باوجودیکہ حضرت آدم نے عمداً اس درخت مہنی عنہ سے نہیں کھایا اور وہ گنہگار نہیں۔ کیونکہ قسم پر اعتبار کر کے ایسا کیا۔ مگر چونکہ بصورت ظاہری خلاف عہد ہے مالک شفاعت نہ رہے۔ باذن شفاعت کر سکتے ہیں۔ پس صاحب عہدِ مطلق و مالک شفاعت وہ ہے جو صالح مطلق ہے اور ظاہراً و باطناً کسی طرح اس نے خلاف عہد الٰہی نہیں کیا **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** ضرور خدا تجھ کو مقام محمود پر پہنچائے گا اور یہ مقام محمود شفاعت تامہ ہے و **قال صلی الله علیه و اله وسلم شفاعتی لاهل**

الکبائر من امتی میں اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت کروں گا۔ میری شفاعت ان کو پہنچے گی۔لیکن شفاعت کی تفصیل کہ کن لوگوں کے حق میں ہوگی اور کس قسم کے گناہ قابل شفاعت ہیں اور کون سے گناہ ایسے ہیں جن کے لئے توبہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور کون سے گناہ ایسے ہیں جن کے لئے دینا میں صرف کفارہ لازم ہے اور کون سے گناہ ایسے ہیں جن کے لئے کفارہ بھی ضروری نہیں۔ شاید کسی دوسرے موقع پر بیان ہو لفظ صالحین تمام انبیاء کے لئے بولا گیا ہے جیسا کہ سورہ انبیاء میں تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے وکلا جعلنا صالحین اور حضرت ابراہیم فرماتے ہیں رب هب لی حکما و الحقنی بالصالحین اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین اور حضرت نوح وحضرت لوط کے باب میں خدا فرماتا ہے وکانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین وہ دونوں بیویاں ہمارے دو صالح بندوں کے پاس تھیں اور فرمایا ہے ان الارض یرهثا عبادی الصالحین غرض لفظ صالح انبیاء پر بولا جاتا ہے اور تمام انبیاء صالحین ہیں۔ مگر حسب اختلاف مراتب نبوت اور آنحضرت چونکہ افضل المرسلین وخاتم النبیین ہیں۔ اس لئے وہی جناب افضل الصالحین بھی ہیں اور وہی صالح مطلق لہذا امالک عہد شفاعت وہی ہوئے۔لیکن مومنین ایک صالح مطلق اور بھی رکھتے ہیں۔ ایمان خود ایک عمل صالح ہے اور وہ مومن کامل صالح مطلق وصالح کامل ہے قال عزو جل ان تظاهرا علیه فان الله هو مولاه و جبریل و صالح المومنین (سورہ تحریم) اے عائشہ وحفصہ اگر تم دونوں پشت بہ پشت اور ایک دوسری کے ساتھ مل کر پیغمبر کے خلاف کوشس کرو گی۔ تو بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ کیونکہ خدا اس کا مولی ہے اور جبرائیل اور صالح مومنین یعنی وہ شخص جس کا نام صالح المومنین ہے اور صالح مطلق ہے۔

نکتہ محقق ومعلوم ہے کہ ایمان کے مختلف درجے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے یا ایها الذین امنوا امنو ا الخ اے ایمان لانے والو۔ ایمان لاؤ۔ پھر خدا فرماتا ہے و ذادتهم ایمانا یعنی جب ان پر آیات خدا تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان زیادتی ونقصان کو قبول کرتا ہے اور آیات الٰہی سے ادنیٰ سے اوسط اور اوسط سے اعلیٰ درجے پر پہنچتا ہے اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک بہت سے درجات ہیں اور تقویٰ فوق ایمان ہے کما قال عزو جل یا ایها الذین امنوا اتقو الله (الخ) اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور آیہ کریمہ (صالح المومنین الخ) میں لفظ مومنین محلےٰ بالام ہے اور الف لام استغراق اس پر داخل ہے اور یہ مفید عموم ہے اور تمام افراد اہل ایمان کو شامل۔ خواہ کسی درجہ کا ایمان رکھتے ہوں اور تفاوت درجات ایمان حسب تفاوت ایمان بہ خدا اور رسول وکتاب خدا ہے۔

قال عزو جل امنوا باللہ و رسولہ و لکتاب الذی انزل علی رسولہ یعنی ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل کی گئی ہے اور کتاب پر ایمان لانا اس کے معارف ومقاصد پر ایمان لاتا ہے اور مقاصد کتاب پر ایمان موقوف ہے۔ علم حقیقت کتاب پر جب تک حقیقتِ کتاب کا علم نہ ہوگا۔ ایمان بمعارف و مقاصد کتاب حاصل نہیں ہوسکتا اور حقیقت کتاب کا علم موہبت الٰہی پر موقوف ہے۔ کیونکہ یہ حاوی جمیع علوم و تبیان کل شی ہے اور یہ مرحلہ علم کسب وتحصیل سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تفاوت مراحل ومدارجِ ایمان ہسب تفاوت علم حقیقت کتاب ہے اور جب تک کسی کو تمام حقیقت کتاب کا علم حاصل نہ ہو مومن مطلق نہیں ہوسکتا اور جب تک تمام احکام ومعارف پر عامل نہ ہو صالح المومنین کا خطاب نہیں پاسکتا قل کفی باللہ شهیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب سے ثابت ہے کہ تمام کتاب کا علم سوائے علی ابن ابی طالب کے اور کسی کو حاصل نہیں اور وہ صالح المومنین وصالح مطلق اور خیر البریہ ہے ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیرا البریہ اور عمل صالح کی ابتدا توحید ہے تا تمام صالحات جو فی الواقع اور عنداللہ صالحات ہیں۔ یہ شبہ نہ ہو کہ صالح المومنین سے وہ شخص مراد ہے جو پیغمبر پر ایمان لانے کے بعد علی الظاہر مشرک نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اگر اگر صالح من المومنین ہوتا تو یہ شبہ ہوسکتا تھا۔ یہاں صالح المومنین ہے۔ حالانکہ اس صورت میں بھی سوائے ایک شخص کے اور کوئی اس کا مصداق نہیں ہوسکتا اور جو شخص نوع مومنین میں صالح ہو وہ صالح مطلق ہے اور صالح نہیں ہے مگر نبی و کلا جعلنا صالحین و کل من الصالحین سے ظاہر ہے اور صالح مطلق وہ ہیں جو فرماتے ہیں ما کان لنا ان نشرک باللہ من شی ہم کسی امر میں شرک نہیں کرتے اور بعد پیغمبر ایسا شخص نفس پیغمبر ہی ہوسکتا ہے۔ فافھم

پس یہ صالح المومنین کون ہے؟ یہ وہی نفس رسول و زوج بتول ہے۔ جو فرماتا ہے لم اشرک باللہ طرفة عین ابدا ایک چشم زدن کے واسطے میں نے خدا کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کیا۔ پس بعد حضرت ختمی مرتبت جن کی تعلیمات فوق تعلیمات جمیع انبیاء ومرسلین ہیں اور مقام محمود تک پہنچے ہوئے ہیں (عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا حضرت علی ابن ابی طالب صالح المومنین مالک شفاعت و مالک عہد الٰہی ہیں علیہ الصلوۃ والسلام۔ لیکن شفاعت میں شرط یہی ہے کہ بندہ تحت تعلیم نبی وامام ہو ورنہ شفاعت محال۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے تعلیمات پیغمبری کو ایسا خراب کر دیا تھا کہ قریب تھا کہ اسلام کا نام بھی دنیا سے مفقود و معدوم ہو جائے۔ پس جس شخص نے اس حال میں اسلام کے نام کو باقی رکھا اور اقامہ دین کیا۔ بعد اپنے اجداد کے وہی اولیٰ بالشفاعت ہے اور وہ حسینؑ بن علی ابن ابی طالب ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ شفیع امت محمدی مشہور و معروف ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ زمانہ یزید عنید میں دین کو حسین نے قائم و باقی رکھا۔ کیونکہ اس وقت جو اپنے کو خلیفہ رسول اور پیشوائے دین اور امام وقت کہتا تھا۔ بر سر منبر و علی روس الاشہاد کہتا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا

جزع الخزرج من وقع الاسل الخ

کاش آج اس ملعون کے وہ اسلاف و اشیاخ جنہوں نے جنگ بدر میں نیزوں کی آمد و رفت سے بنی خروج کی آہ و زاری سنی تھی اس وقت موجود ہوتے تو خوشی کے نعرے بلند کرتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں تو نے کیا اچھا کام کیا ہے۔ وہ بنی خندف سے نہیں اگر وہ اولاد رسول سے اس کا انتقام نہ لے لے۔ جو رسول نے اس کے اسلاف کافرین کے ساتھ جنگ بدر و احد میں کیا تھا اور کہتا تھا۔

لعبت بنو ھاشم بالملک فلا

خبر جاء و لا وحی نزل

بنی ہاشم نے ملک گیری اور بادشاہت کا ایک کھیل بنایا ہوا تھا نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ وحی نازل ہوئی تھی۔ جس خلیفہ رسول و امام وقت کا یہ اعتقاد باطل ہو کہ بالصراحت منکر نبوت و رسالت ہو۔ اس کے وقت میں کیوں دین اسلام کا نام باقی رہ سکتا تھا۔ اس کے نقطہ مقابل حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس وقت اقامہ دین کیا۔ وہ اسلام کا نام مٹانا چاہتا تھا۔ امام نے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا اور ہمیشہ کے لئے بحر ضلالت میں ڈوبنے سے بچالیا۔ انہیں دو گروہوں اور دو جماعتوں کا خدا اس آیہ مبارکہ میں ذکر کرتا ہے۔

ھذان خصمان اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصبت من فوق روسھم الحمیم یہ دو خصم دو مقابل جماعتیں ہیں۔ جو در باب ربوبیت جنگ کرتی ہیں (ایک کہتا ہے خدا سچا ہے اور اس نے سچ کہا ہے اور دوسرا کہتا ہے نہیں خدا جھوٹا ہے اور اس کا پیغمبر جھوٹا مدعی نبوت۔ پس ان میں سے کافرین کے لئے آتش جہنم کا لباس قطع کیا جا چکا ہے اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

شان نزول آیہ جنگ بدر ہے کہ ایک طرف ابوسفیان یزید عنید کا دادا اور ابوجہل وغیرہ تھے۔ دوسری طرف محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ اوران کے یاروانصار یہ چاہتے تھے دین خدا کو قائم کریں اوراس کی خدائی کو ثابت۔ وہ فرقہ ضالّہ ومضلّہ چاہتا تھا کہ دین خدا کو برباد کریں اوراس کی خدائی سے انکار۔ مگر حقیقی اور کامل مصداق اس آیہ کا روز عاشورہ ظاہر ہوا اس دن کفر مطلق اور ایمان مطلق کا مقابلہ تھا۔

دعوتِ پیغمبرؐ و دعوتِ حسینؑ

بدوِ اسلام میں اول محض دعوتِ اسلام تھی قولوا لا الہ الا اللہ تفلحون جو شخص محض زبان سے کلمہ توحید کا اقرار کرلیتا تھا۔ اس کا جان و مال محفوظ ہو جاتا تھا اور مثل دیگر مسلمانوں کے شمار ہوتا تھا اگرچہ دل میں قطعاً عقیدہ نہ رکھتا ہو اور اصحاب پیغمبر میں مومن ومنافق مشرک تھے۔ چنانچہ 240 آیتیں منافقین کے باب میں وارد ہیں۔ جس میں سے 42 سورہ برات میں موجود ہیں اور جنگ احد کے موقع پر اصحاب رسول کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی تھی منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ بعض لوگ تم میں سے دنیا دار اور طالبِ دنیا ہیں اور بعض دین دار اور طالبِ آخرت۔ مگر روز عاشورہ ایمان واسلام۔ کفر ونفاق جدا جدا ہو گئے تھے اور نفاق بالکل برطرف ہو گیا تھا۔ اس طرف کفر مطلق تھا اور اس طرف ایمانِ خالق اور اصحاب امام حسین علیہ السلام میں کوئی منافق نہ تھا۔ جس میں دنیا کا شائبہ پایا جاتا ہو۔

اصحابِ حسینیؑ واصحابِ نبویؐ

پیغمبر جب لوگوں کو جہاد پر بھیجتے تھے تو تدابیر سے لوگوں کو جہاد پر مائل کرتے تھے۔ چنانچہ جب جنگ بدر کی تیاری کی ہے تو کہا تھا کہ قریش کا قافلہ بہت سامال لئے ہوئے آرہا ہے اور ضرور آرہا تھا۔ پس تم دونوں میں سے ایک پر ضرور غالب آؤ گے۔ یا لشکر ابوسفیان پر یا قافلہ قریش پر۔ مگر قافلہ تو نکل گیا اور ابو سفیان لشکر لے کر مقابلہ کو آ گیا۔ گویا بعض اصحاب رسول قافلہ قریش کی لالچ سے گئے تھے۔ مگر اصحاب حسینی ایسے نہ تھے۔ ان کے اس عمل خالص میں دنیا کا بالکل شائبہ نہ تھا۔ جس وقت امام مظلوم مکہ سے نکلے ہیں فرمایا جو شخص مال دنیا چاہتا ہے اور دنیا کے ارادے سے چلتا ہے وہ میرے ساتھ نہ آئے یعنی آج خالص ایمان کی دعوت ہے۔ نہ مطلق اسلام کی اور مومنین خالص چنے جاتے تھے۔ چنانچہ جس وقت حضرت مکہ سے تشریف لے چلے ہیں۔ آٹھ ہزار آدمی ساتھ تھے۔ ہر ایک منزل پر جب حضرت پہنچتے تھے تو قصہ حضرت یحییٰ کو ذکر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم دنیائے کوفہ کے واسطے نہیں جاتے ہیں۔ یعنی کوفہ کی بادشاہیت

حاصل کرنے نہیں جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے یہاں تک کہ جب کربلا پہنچے ہیں تو صرف گیارہ سورہ گئے۔ وہ بھی روز وشب کم ہوتے جاتے تھے تا اینکہ شب عاشورہ چند نفر رہ گئے۔ قریب نصف شب تیس آدمی اور آکر ملے ہیں۔ تب یہ ستر بہتر (70-72) اصحاب روز عاشور نظر آتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ مسعودی سے ثابت ہے۔ مگر یہ چنے ہوئے خالص مومن تھے۔

شب عاشورہ امام مظلوم نے بنی ہاشم سے بھی فرمایا کہ تم بھی چلے جاؤ ان کو تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔ چنانچہ دس بارہ بچے دس اور گیارہ سالہ تھے جن کو فتیان بنی ہاشم کہتے تھے۔ حضرت نے ان سب کو جمع کیا اور فرمایا تم بھی چلے جاؤ۔ یہ عورتیں موجود ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی ماں بہن کا ہاتھ پکڑے اور رات رات میں نکل جائے۔ ان سب میں سے قاسم بن حسن سب سے آگے بڑھے اور کہنے لگے **سیدنا کیف تخلیک** اے ہمارے آقا کس طرح ہم آج آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ حضرت نے بطور کنایہ فرمایا **اما تخاف الموت** کیا تم موت سے نہیں ڈرتے ہو؟ عرض کیا **القتل بین یدیک لی احلی من العسل** اے عم بزرگوار مجھے آپ کے قدموں میں شہید ہونا شہد سے زیادہ شیرین ہے۔ یہ کلام معرفت ومحبت الیتام امام مظلومؑ کے لئے زہر تلخ تھا۔ دل بیٹھ گیا اور حضرت بیتاب ہو گئے اور اس کا جواب روز عاشورا دیا۔ جس وقت شہزادہ قاسم علیہ السلام آمادہ میدان ہوئے ہیں۔ حاضر خدمت امام مظلوم ہوئے۔ امام علیہ السلام نے جناب قاسم کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے اور رونے لگے۔ یہاں تک روئے کہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ امام مظلوم علیہ السلام کی مصیبت سخت کرنے کے لئے حضرت قاسم علیہ السلام کے لئے ایک ایسے حادثے کا اتفاق ہوا ہے جو کسی اور شہید کے لئے نہیں ہوا (**بابی انت و امی**) حضرت قاسم بہت صبیح وملیح تھے جس وقت روانہ رزمگاہ ہوئے ہیں اس تن نازک پر صرف ایک قبائے عربی پہنے ہوئے اور ایک جوتی کا تسمہ بھی کٹا ہوا تھا۔ جب لشکر عمر سعد لعین کے سامنے پہنچے ہیں **لم یظن به احد** بوجہ صغرسنی کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ یہ بچہ جنگ کرے گا چونکہ آپ مرکز امامت سے قریب تر تھے۔ جوں ہی ایک خبیث نے آپ پر حملہ کیا ہے۔ فوراً آپ نے اسے فی النار کیا۔ تا اینکہ کوئی مقابلہ کو نہ نکلا۔ خود لشکر پر حملہ کیا اور چاروں صفوں کو درہم برہم کر دیا۔

ربیع ابن تمیم نامہ نگار مختار سے نقل کرتا ہے کہ چار جگہ میرا دل کڑھا اور محزون ہوا۔ منجملہ ان کے ایک واقعہ قتلِ شاہزادہ قاسم بن الحسن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ خیمہ حسینی سے ایک نوجوان مثل ماہ شب چہاردہ باہر نکلا اول کسی کو گمان نہ تھا کہ یہ بچہ لڑے گا اور بہادوں کو قتل کرے گا آخر میدان میں آیا۔ لشکر پر حملہ

کیا اور بہادروں کو قتل کیا۔ میرے پاس سے گذرا میری زد پر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اس کو قتل کر دیتا۔ مگر ایسا حسین و صبیح المنظر تھا کہ مجھے رحم آ گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا۔ اے ربیع اگر تو اس بچے کو قتل کرے تو میرے ہاتھ کٹ جائیں۔ وہ صفوں کو چیرتا ہوا نکل گیا اور چاروں صفوں کو درہم و برہم کر دیا۔ ایک جوان ازدی میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا اگر اس بچے نے ہماری صف کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تو میں اس کی ماں کو اس کے سوگ میں بٹھا دوں گا۔ حضرت قاسم اس کی صف تک پہنچے وہ ملعون پیچھے سے آیا اور وہ کام کیا کہ شہزادے نے بآواز بلند پکارا یا عماہ ادرکنی

تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت امام حسین یہ آواز دردناک سن کر اس طرح دوڑے جس طرح باز شکار پر بیتابی سے گرتا ہے۔ جس وقت قریب شاہزادہ قاسم پہنچے دیکھا کہ وہ مظلوم پہلوئے راست پر پڑا ہوا ہے اور وہ ملعون پاس کھڑا ہے۔ حضرت نے اس لعین ازدی پر حملہ کیا اور اس ملعون کا ہاتھ کٹ گیا اس نے اپنے لشکر کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور امام پر حملہ آور ہوا۔ دست بدست لڑائی ہونے لگی اور حضرت امام حسین نے حملہ کیا اور تمام صفوں کو درہم و برہم کر دیا۔ لیکن جس وقت حفاظتِ جنازہ کے لئے واپس پلٹے تو دیکھا کہ یرفس رجلیہ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں اور سواران ابن زیاد لعین نے لاش کو پامال کر دیا ہے۔ جس وقت آپ نے جنازہ کو اٹھایا۔ تو شاہزادے کا سر آپ کے سر کے مقابل تھا اور پیر زمین پر لٹکے تھے۔ حضرت شاہزادہ قاسم دس بارہ سال کے تھے۔ اس قدر دراز کہاں سے ہو گئے؟ زخموں سے جسم مبارک چور چور تھا اور اعضاء کٹے ہوئے لٹک رہے تھے

انا للہ و انا الیہ راجعون لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

موعظ ہفتم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوم ندعوا کل اناس بامامهم هذان خصمان اختصموا فی ربهم والذين كفروا قطعت لهم ثياب من نار يصب من فوق روسهم الحميم

حقیقت شہید

تمام تقریراتِ سابقہ کا نتیجہ نکلا کہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں ایک امام منجانب اللہ موجود ہے اور ایک وصف اس کا شہیدیت ہے کہ وہ تمام اشیاء پر حاضر ہے اور تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ **و سیری الله عملكم و رسوله ثم تردون الى عالم الغيب والشهادة فينبكم بما كنتم تعملون** اور معنی شہید حاضر علی الشی ہیں۔ اول شہید بالذات اللہ ہے اور بعد ازاں پیغمبر شہید ہے۔ ثانیاً و بالتبع اور پھر امام اور شہیدیت بجسمیت نہیں ہے کیونکہ **حضور الجسم عند كل شی** ممکن نہیں۔ بلکہ اس میں ایک قوت باطنیہ ہے اس کے ذریعہ سے وہ شہید ہے اور وہ قوت مثل قوت باصرہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ قوت ہے کہ خود قوتِ باصرہ اس میں سے ہے اور قوت باصرہ اس کی شعاعوں میں سے ایک شعاع ہے اور اس کی تعریف ممکن نہیں مگر اوصاف سے اس کی معرفی ہوسکتی ہے۔

جس شے کے ادراک سے انسان عاجز ہو۔ اس کو چاہئے کہ خود اپنے نفس میں نظر کرے اور اس کی مثال اس میں تلاش کرے۔ کیونکہ خدا نے ہر ایک شے کا نمونہ نفس انسانی میں پیدا کر دیا ہے۔ **فقال عزوجل و فی الارض ايات للموقين و فی انفسكم افلا تبصرون** غور کرنا چاہئے کہ جب انسان سوجاتا ہے اور خواب میں کہیں چلا جاتا ہے اور سیر کرتا ہے تو اس حالت میں بھی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔

پس کون قوت اور کونسی شے اس وقت دیکھتی ہے؟ چشم ظاہری تو بستر خواب پر موجود ہے اور بند ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جسم سے ہے اور جسم کے ساتھ ہے۔ پس وہ دراصل حقیقت انسانیہ ہے کہ اس میں

قوتِ سماعت بھی ہے۔ بصارت بھی ہے حس بھی ہے لمس بھی ہے وغیرہ وغیرہ اور تمام اعضا اسی کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ قوت جاتی رہتی ہے تو یہ تمام اعضا قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں۔

صفات خدائی دو قسم پر ہیں۔ ایک صفات ذاتیہ جن کے مقابل کوئی ضد نہیں ہے۔ دوم صفات افعالیہ جن کے مقابل ضد ہے۔ لیکن قسم اول صفات الٰہی عین ذات ہیں۔ پس خدا بذاتِ خود دیکھتا ہے، سنتا ہے، جانتا ہے محتاج آلات نہیں ہے۔ اس طرح انسان تمام افعال چلنے پھرنے بولنے سننے اور دیکھنے کے بحقیقت انسانیہ کرتا ہے۔ جب یہ قوت آنکھ سے ظاہر ہوتی ہے تو دیکھتا ہے۔ جب کان سے ظاہر ہوتی ہے تو سنتا ہے۔ پس حقیقت تمام قویٰ حقیقتِ انسانیہ ہے اور سب اسی میں موجود ہیں اور آلات اس کے محتاج ہیں نہ کہ وہ آلات کا محتاج ہے۔ صرف عالم جسمانی ہیں ان آلات سے اس قوت کا ظہور ہوتا ہے۔

پس جس طرح قوت انسانیہ جب جسم انسانی سے طالع ہوتی ہے۔ اشیاء کو دیکھنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب قوت الٰہیہ چشم نبی اور امام سے ظاہر ہوتی یہ تمام اشیاء کو دیکھتا ہے۔ یعنی تمام عوالم مکانیہ کو اور کان سے ظاہر ہوتی ہے تو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ اسی طرح دوسری قوتیں۔ پس قوت، قوت ذاتی و بالذات پیغمبر نہیں ہے۔ بلکہ قوت الٰہی ہے جو عطا ہوئی ہے اور وہ قوتِ احاطی ہے۔ جو تمام اشیاء پر احاطہ رکھتی ہے۔

دفع شبہ وتوضیح مطلب

اس مطلب کی اور توضیح کی جاتی یہ تا کہ یہ شبہ نہ ہو جائے کہ پیغمبر عین ذات خدا ہے۔ معلوم رہے کہ اسمائے حسنیٰ الٰہی بہت ہیں مثل القابض ، الباسط، العلیم، السمیع، البصیر ، الحفیظ وغیرہ وغیرہ۔ پس اسم القابض سے خدا نے ایک مخلوق کو ایجاد کیا ہے۔ کہ اس کا شغل اور کام قبض کرنا اور لینا ہے جو کچھ قبض کرتا ہے وہ قبض کرتا ہے۔ مظہر اس کا عزرائیل ملک الموت ہے۔ چنانچہ ایک جگہ خدا قبض کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا اللہ قبض کرتا ہے جانوں کو مرنے کے وقت اور جو نہیں مرے ہیں ان کو سونے کے وقت۔ دوسری جگہ فرشتے کی طرف نسبت دیتا ہے قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم قبض کرتا ہے تم کو وہ فرشتہ جو تم پر موکل کیا گیا ہے۔ بظاہر دونوں آیتیں ایک دوسری کی منافی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قابض حقیقی خدا ہے اور اس نے مقام قابضیت سے ایک موجود ایجاد کیا ہے۔ جس کا شغل قبض کرنا ہے اور فعلِ قبض الٰہی اس سے صادر ہوتا ہے اور وہ مظہر اسم قابض ہے۔ یعنی حضرت عزرائیل۔

اور مظہر اسم **البسیط** میکائیل ہے۔ فعل تقسیم ارزاق وغیرہ اس سے صادر ہوتا ہے اور مظہر اسم **العلیم** اسرافیل ہے اور مظہر **الحفیظ** جبرائیل کہ امین وحی وحافظ اسرار ہے۔ لیکن خدا کا ایک نام ایسا ہے کہ تمام اسما کو جامع وحاوی ہے اور جملہ اسمائے حسنیٰ اس کے ماتحت ہیں اور وہ اسم اللہ ہے یعنی جامع جمیع صفاتِ کمالیہ۔ اس کے لئے ایک مخلوق کو خلق کیا ہے اور وہ وجود محمدی ہے پس جس طرح اسم اللہ جمیع اسماء کو جامع و حاوی ہے اور تمام اسماء اس کے تحت میں ہیں۔ اسی طرح مظہر اسم اللہ تمام مظاہر کو حاوی ہے اور جملہ مظاہر اس کے تحت میں ہیں۔ **القابض** اس کے تحت میں ہے۔ **الباسط** اس کے تحت حکومت میں ہے۔ **العلیم** اس کے تحت میں ہے۔ **الحفیظ** اس کے تحت میں ہے۔ عزرائیل ومیکائیل واسرافیل وجبرائیل تمام مظاہر قدرت اس کے تحت حکومت ہیں۔ وہ مظہر کامل الٰہی ہے۔ پس اس کے افعال افعال الٰہیہ ہیں۔ اس کا دیکھنا خدا کا دیکھنا ہے۔ اس کا سننا خدا کا سننا ہے۔ اس کا لینا اور قبض کرنا خدا کا قبض کرنا ہے۔ چنانچہ آیات سابقہ میں اس کی تفصیل کی گئی۔ یہ تمام توضیح وتشریح معنی شہید کے لئے تھی کہ یہ وجود جو مظہر جمیع صفات کمالیہ الٰہیہ ہی شہدی علی الخلق ہے اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں۔ بقوت الٰہی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور تمام موجودات اس ایک مظہر اللہ کے متعلق ہیں وہ صرف ایک قوت باطنیہ ہے جو اس کے جود میں ہے۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

مظہر اسم القاہر

مظہر اسم القاہر بھی تحت مظہر جمیع صفات کمالیہ ہے۔ پس اس کا ظہور کس سے ہوتا ہے۔ در آنحالانکہ وجود نبی جو مظہر جامع ہے رحمۃ للعالمین ہے **و ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** خدا انہیں عذاب نہیں کرے گا جب تک تو ان میں ہے۔ کیونکہ رحمت محضہ ہے۔ پس رحمت وقہاریت کیونکر جمع ہوگی۔ حالانکہ وہ مومنین وکافرین سب کے لئے رحمت ہے۔ **و ما ارسلنا الا رحمۃ للعالمین۔**

جواب اس کا یہ ہے کہ خداوند عالم باوجودیکہ خیر محض اور رحمت مطلقہ ہے۔ مگر قہار بھی ہے لیکن ظہور قہاریت بعد رحمتِ رحمانیہ ہے۔ **وسبقت رحمتہ غضبہ** جب مقام رحمت کامل ہو جائے اور پھر کفرانِ نعمت ظاہر ہو تو قہاریت ظہور میں آتی ہے۔ پس بعد اظہارِ رحمت رحمتہ للعالمین واتمام رحمانیت قہاریت ظاہر ہوگی اور وہ وجودِ مہدی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ پس قہاریت اس کے وجود سے ظاہر ہوگی کہ وہ اس کی اولاد میں سے اور جز محمدی ہے۔ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے **لو لا السیف بیدہ لا فتی الفقھا بقتلہ** اگر تلوار اس کے ہاتھ میں نہ ہو تو فقہا قتل کا فتویٰ دے کر قتل کروادیں۔ مگر وہ تلوار کیساتھ خروج کرے گا۔

خدا نے بانواع واقسام رحمت ورحمانیت اتمام حجت کر دیا۔ اب وقتِ قہاریت ہے تا کہ منکران نعمت وکافران نعمت کو قتل کر کے زمین کو عدل وداد سے پر کر دے۔ **یملاء الارض قسطا و عدلا بعد ما ملئت ظلما و جورا** پس ظہور قہاریت بھی وجودذی جود محمد مصطفیٰ ہی سے ہوگا۔ کیونکہ مہدی آخر الزمان انہی کی اولاد سے ہیں اور اولاد جز وانسان ہوتی ہے اور اس کا فعل فعل پدر۔

ایک دن آئے گا کہ خدا اپنے اس وعدے کو مہدی کے ہاتھ پر پورا کرے۔ جو اپنے پیغمبر سے کیا ہے۔ **ھو الذی ارسل رسوله بالھدی و دین الحق لیظھره علی الدین کله و لو کراه الکافرون** اور یہ وعدہ پیغمبر کے سامنے ظہور پذیر ہوگا اور پیغمبر بچشم خود دیکھیں گے **قل رب اما ترینی ما یوعدون** پیغمبر کو حکم ہے کہ دعا کرو کہ اے پروردگار مجھے وہ وعدہ دکھلا **و انا علی ان نریک ما نعدھم لقادرون** پھر فرمایا ہے جو وعدہ ہم نے ان کے لئے کیا ہے ہم تجھے اس کے دکھانے پر قادر ہیں۔ **ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد** بہ تحقیق کہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور تجھ کو لوٹانے والا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ پیغمبر اس وقت موجود ہوں گے اور خود تمام ادیان پر غلبہ اسلام کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں سے مسئلہ رجعت بھی بالصراحت ثابت ہے کہ پیغمبر پھر زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

بحیثیت تنزیل دین کامل ہو چکا ہے۔ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا** مگر **من حیث الغلبه** کامل نہیں ہوا۔ شرک وکفر ونفاق ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ کفر غالب ہے۔ حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں دین من حیث الغلبہ کامل ہوگا۔ اور ایسا غلبہ ہوگا کہ دین باطل باطناً بھی نہ رہے گا اور منافقیت دنیا سے بالکل معدوم ہو جائے گی۔ جیسا کہ **لیظھره** سے ظاہر ہے **و اقم وجھک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق الله ذالک الدین القیم**۔ پس اس دن دین فطری ظاہر وغالب ہوگا اور وہ زمانہ زمانِ ظہور مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ کا ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عوالم پر مبعوث ہوئے ہیں اور سب پر نذیر ہیں۔ جملہ عوالم ماسوا اللہ تحت نذارت پیغمبر ہیں۔ پس ظہور مہدی بھی تمام کرّات پر ہوگا یعنی علاوہ زمین کرہ زہرہ ومریخ ومشتری و زحل سب ایک ہو جائیں گے اور ان کے رہنے والے ایک دوسرے سے معاشرت کریں گے اور تمام عوالم پر دین اسلام غالب ہوگا۔ **اللھم عجل فرجه و سھل مخرجه**

سوال ایک شخص نے سوال کیا کہ جب دین فطرتِ انسان ہے اور انسان کی سرشت میں داخل ہے اور خدا فرماتا ہے **لا تبدیل لخلق اللہ** خلق الٰہی میں تبدیلی نہیں ہے۔ پھر یہ بے دین کہاں سے پیدا ہو گئے اور کیونکہ خلقت میں تبدیلی واقع ہو گی کہ دین فطری کو چھوڑ دیا اور فطرت کے کیا معنی ہیں؟

جواب **الفطرۃ ایجاد الشی و ابداعہ علی ھیئۃ مخصوصۃ بفعل من الافعال** یعنی فطرت کسی چیز کا ایک ہیئت خاص پر پیدا کرنا ہے۔ جو کسی فعل سے ظاہر ہوتی ہے پس آیہ مجیدہ **فطرۃ اللہ التی** الخ میں اس قوتِ معرفت دین وایمان کی طرف اشارہ ہے۔ جو وجود انسانی میں مرکوز ہے اور توضیح اس کی آیہ ذیل میں ہے **خلقک فسوک وعدلک و فی ای صورۃ ما شاء رکبک** اللہ نے تجھے خلق کیا پھر تیرا تسویہ کیا اور پھر تعدیل کی اور پھر جس صورت میں چاہا۔ ترکیب دیا۔ خلق کے معنی صورت بنانا ہیں اور تسویہ کے معنی ہر عضو اور ہر شے کو اس کی مناسب جگہ رکھنا کہ وہاں سے بدل نہیں سکتے۔ جہاں آنکھ ہے وہیں آنکھ رہے گی۔ جہاں کان ہین وہیں کان رہیں گے۔ جہاں ہاتھ ہیں وہیں ہاتھ رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ تعدیل کے معنی تعدیل قوائے واخلاط ہے کہ عناصر متضادہ واخلاط متبائنہ میں ایک کیفیت امتزاجی اعتدالی پیدا کر دی ہے کہ اگر ان میں سے ایک غالب آ جائے۔ دوسری خلطوں پر تو رفتہ رفتہ موت واقع ہو جائے گی۔ لہذا خلقِ الٰہی میں تبدیل ناممکن ہے۔

دراصل یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک تبدیل۔ دوم تغیر۔ تبدیل کا تعلق ذات وذاتیات سے ہے اور تغیر کا تعلق اوصاف سے ہے۔ پس تبدیل ناممکن ہے اور تغیر ممکن ہے۔ مثلاً پانی اصل فطرت میں بالطبع سرد ہے۔ پھر آگ پر رکھ کر اس کو گرم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جوش کھا جاتا ہے اور جسم کو جلا دیتا ہے۔ مگر اصل فطرت میں اس کی اب بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اب بھی بالطبع سرد ہی ہے۔ اس کے اوصاف میں تغیر واقع ہوا ہے۔ بسبب ایک قوتِ خارجی یعنی آتش کے سبب سے۔ جس وقت یہ قوت خارجی برطرف ہو جائے گی۔ پھر اسی اصلی حالت وفطرت اولی پر عود کر آئے گا۔ پس اسی طرح دین فطرت انسانی میں داخل ہے اور اس کی خلقت کے ساتھ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ دین **کل ما یجزی بہ** ہے ہر وہ چیز جس پر جزا مرتب ہو۔ اس لئے کہ لغت میں معنی دین جزا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم وہر ایک انسان جزا کا قائل ہے۔ مثلاً چوری بری ہے۔ جو اس کا مرتکب ہوگا۔ وہ مجرم سمجھا جائے گا اور مستحق سزا ہوگا۔ سچائی اچھی ہے۔ عدل حسن ہے ظلم قبیح ہے جو کچھ مستقلات عقلیہ ہیں۔ سب میں متفق ہیں اور اس لئے اگرچہ وہ کسی مذہب کے بھی پابند نہ ہوں۔ مگر ایک قانون معاشرت رکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو مستوجبِ سزا ہو۔ اور یہی معنی دین ہیں

(الدین کل ما یجزی بہ) لیکن تغیر جو واقع ہوا ہے وہ اس امر میں ہے کہ وہ اگرچہ قانون معاشرت رکھتے ہیں ۔مگر قانون الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ خود ساختہ ہے ۔ ورنہ اصل دین کے سب قائل و پابند ہیں یعنی قانون معاشرتی رکھتے ہیں ۔جس پر سزا و جزا مرتب ہوتی ہے اور یہ تغیر مقام تعلیم و تربیت میں واقع ہوا ہے ۔نہ خلقت اولیہ میں مربیین و معلمین کی تعلیم و تربیت سے وہ اصل قانون الٰہی سے منکر یا اس کے تارک بھی ہو گئے ہیں۔

وضع الٰہی

دو ہیں وضع اولی اور وہ خلقت اولی و تکوین ہے اور وضع ثانوی مقام تعلیم ثانوی مقام تعلیم و ترتیب و تکلیف ہے ۔ پس وضع اولی جو خلقت و ترکیب عناصر ہے اس میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔سب بالفطرت قائل دین بلکہ وضع ثانوی مقام تربیت و تعلیم تکلیف میں تغیر واقع ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف کل مولود یولد علی الفطرۃ و ابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ ہر ایک بچہ فطرتِ الٰہی و فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں ۔ پس خلقت اولی و وضع اولی میں سب مساوی ہیں اور تمام دین پر مخلوق ہوتے ہیں اور دین ان کی فطرت میں داخل ہے ۔ وضع ثانوی میں جو مقام تربیت ہے ۔تغیر واقع ہوتا ہے کہ والدین جو مربی اول ہیں اپنی تربیت و تعلیم و عقائد باطلہ سے بچہ کو خراب کر دیتے ہین ۔پس مقام خلقت قابل تبدیل نہیں اور خلقت خیر ہے کیونکہ خدا خیر محض ہے۔ و الخیر لا یصدر عنہ الا الخیر اس نے کسی شر کو خلق نہیں کیا۔شر مخلوق و مجعول بالعرض ہے فتدبر فیہ

شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ہے

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ شفاعت دو قسم پر ہے ۔ ایک شفاعت بالاذن ہے اور ایک شفاعت بالملکیت کہ شفاعت مطلقہ کلیہ ہے ۔ یہ شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ورنہ اگر ایسا ہو۔تو تمام انبیاء علیہم السلام جو معلم قوم ہوئے ہیں ۔ مالک شفاعت مطلقہ ہوتے مگر ایسا نہیں ہے من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ بجز اذن خدا اس کے پاس کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ مالک شفاعت صرف وہی ہے جنہوں نے عہد شفاعت لے لیا ہے اور وہ جب تک اپنی شفاعت سے فارغ نہ ہوں لیں گے دوسروں کو اذنِ شفاعت نہ دیا جائے گا اور وہ محمد و آل محمد علیہ الصلوۃ والسلام ہیں ۔ پس شفاعت مطلقہ کے لئے صرف تعلیم کافی نہیں۔ بلکہ تربیت بھی شامل ہے یعنی شفیع مطلق وہ ہے جو معلم بھی ہے اور مربی نوع بشر بھی ہے۔ تربیت

انسانی میں شریک ہے۔ کما قال عزوجل ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ الیام ثم استوع العرش یدبر الامر بما من شفیع الا من بعد اذنہ (یونس) بہ تحقیق کہ تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اپنی تدبیر سے عرش علم تقدیری غالب آیا۔ وہی تدبیر امور کرنے والا ہے۔ کوئی شخص اس تدبیر میں اس کا شریک نہیں ہے مگر اس کی اجازت کے بعد پس جو لوگ بعد اذن خدا پہلے سے تدبیر و تربیت میں شریک ہیں۔ وہی خدا سے عہد لے چکے۔ وہ تربیت میں شریک ہیں۔ پس وہ معلم بھی ہیں اور مربی بھی۔ اس واسطے شرکت ملکیت رکھتے ہیں اور مالک شفاعت ہیں لا یملکون الشفاعۃ الامن اتخذ عند الرحمان عھدا یہ مالکانِ شفاعت و عہد شفاعت و مربی و مدبر نفوس وہی بزرگوار ہیں۔ جو قبل خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے اور ان کی خلقت ان کے سامنے واقع ہوئی ہے۔ قال عز من قائلہ افتتخذونہ و ذریتہ اولیاء من دونی و ھم لکم عدو بئس للظالمین بد لا ما اشھدتھم خلق السموات و الارض و لا خلق انفسھم و ما کنت متخذ المضلین عضدا یعنی کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو میرے سوا اولیا بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالمین نے یہ بہت برا عوض اختیار کیا ہے۔ حالانکہ میں نے نہ ان کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا اور نہ ان کے نفسوں کی خلقت کے وقت اور گمراہ کنندگان کو اپنا بازو نہیں بنانے والا ہوں۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں۔ جن کو خدا نے وقتِ خلقتِ زمین و آسمان حاضر کر لیا تھا اور ان کا وجود زمین و آسمان سے مقدم ہے۔ زمین و آسمان اور خود ان کی خلقت نفسانی ان کے سامنے واقع ہوئی ہے اور ایسے ہی اشخاص مستحق ولایت ہیں۔ یعنی ولی وہ ہو سکتے ہیں۔ جن کے سامنے تمام چیزوں کی خلقت ہوئی ہو۔ ورنہ وہ ہرگز ان میں تصرف نہیں کر سکتے۔ آیہ مجیدہ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنو الذین یقیمون الصلوۃ و یوتون الزکوۃ و ھم راکعون صاف دال ہے کہ بعد خدا ولی رسول خدا اور علی مرتضیٰ اور اس کی صفت سے متصف اشخاص ہیں پس یہی وہ لوگ ہیں جو قبل خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے اور یہی شریک تربیت و تدبیر عالم اور والمدبرات امرا میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بحق شفع مالک شفاعت کلی ہیں۔ خوشا نصیب اس کا جو تحت تربیت و تعلیم محمدی ہو کر ان کی شفاعت حاصل کر سکے۔ ورنہ تربیت سے تو کوئی خارج ہو نہیں سکتا۔ اگر تعلیم سے خارج ہوا۔ تو اس کو ان کی شفاعت نہ پہنچے گی اذآ نقسمت الحدود فلا شفع جب حدود جدا جدا ہو گئیں۔ اور یہ بالکل ان کی حدود سے نکل گیا پھر حق شفع نہیں۔

عوالم سہ گانہ

مخلوقات تین قسم کی ہیں۔ خلق نورانی۔ خلق نفسانی۔ خلق جسمانی۔ اول عالم عقول و ارواح ہے۔ دوم عالم نفوس۔ سوم عالم اجسام اور انسان تینوں مرحلے رکھتا ہے **خلق الازواج کلھامما تنبت الارض و من انفسھم و مما لا یعلمون** تمام جوڑوں کو خدا نے زمین اور ان کے نفوس اور ایک جزو سے پیدا کیا ہے۔ جس کو وہ نہیں جانتے کیونکہ وہ فوق عالم نفوس و عالم اجسام ہے اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کے لئے ایک واسطہ کی ضرورت ہے۔ پس وہ واسطہ جو عالم اجسام سے عالم نفوس میں پہنچاتا ہے ملک الموت ہے اور جو عالم نفوس سے عالم ارواح میں لے جاتا ہے ایک اور وجود ہے **ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیاء مذکورا** ضرور انسان پر ایک ایسا وقت عالم دہری میں آیا ہے کہ وہ شے تھا مگر شے غیر مذکور شے معروف و مذکور نہ تھا یہ عالم دہری برزخی ہے۔ جس کو عالم نفوس کہا گیا ہے۔ **و نفخ فی الصور فصحق من فی السموات و الارض** اور صور پھونکا گیا۔ تو تمام موجوداتِ ارضی و سماوی بے ہوش ہو گئیں۔ عالم ارواح سے متعلق ہے کیونکہ فنا اور موت کا عالم ارواح سے تعلق نہیں ہے وہاں صرف صعق ہے۔ عالم ارواح حقیقت وجود یہ محمد یہ ہے۔ جو قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھی کہ ام الارواح و مرکز انوار ہے اور اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے اس کے جس نے فرمایا ہے **من عرف نفسه فقد عرف ربه** جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے خدا کو بھی پہچان لیا ہے۔ عالم تدبیر و مقام تربیتِ عالم نفوس ہے اور سلسلہ نزولی میں اول جو دنیا میں آتا ہے۔ زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ **کما قال عزوجل و الله انبتکم من الارض نباتا** خدا نے تمہیں زمین سے اگایا ہے اور زمین عالم اجسام سے ہے یعنی عالم ارواح سے گذر کر عالم نفوس میں داخل ہوتا ہے اور عالم نفوس سے عالم اجسام میں اور یہاں اس کا ظہور زمین سے ہوتا ہے۔ وقت رجوع رجعت قہقری کرتا ہے یعنی وقت موت بواسطہ ملک الموت اس عالم اجسام عالم دنیا کو چھوڑ کر عالم نفوس میں داخل ہوتا ہے اور پھر عالم نفوس و عالم برزخی سے بذریعہ ولی مدبر عالم ارواح میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ مقام عود ہے اور اسی کا نام عالم معاد ہے۔

پس مربی و مدبّر وہ ہے جو ان تمام عوالم پر احاطہ رکھتا ہے اور شہید خلق وہی ہے جو ان تمام عوالم پر شہید ہے اور حاضر و ناظر اور وہ نہیں ہیں۔ مگر ذریت ابراہیم محمد و آل محمد کہ **اول من اسلم و اول المسلمین ھے ملة ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم و لتکونوا شھدا علی الناس** اور یہی لوگ **نذیر للعالمین** ہیں۔

سلسلہ نذارت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہو کر ان کی ذریت میں حضرت خاتم النبیین

پر منتہی ہوا۔ بعد آنحضرت ذریت ابراہیم کو وارثِ نبوت و مالک شفاعت ہے۔ جناب امیر المومنین سے شروع ہوئی ہے اور تمام کمالات نبوی حضرت علی سے ظاہر ہوئے قال سبحانہ و تعالیٰ انا اعطیناک الکوثر اے پیغمبر ہم نے تم کو کوثر عطا کیا۔ اگر کوثر کے معنی وصفی لئے جائیں یعنی کثرت اولاد۔ تو ظاہر ہے کہ اولاد جناب رسول مقبول جناب امیر المومنین ہی سے ہے اور اگر معنی اسمی لئے جائیں اور کوثر سے خاص حوض کوثر مراد ہے۔ تب بھی مسلم ہے کہ مالک کوثر پیغمبر ہیں اور ساقی کوثر جناب علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور کوثر کی سبیل انہی کے ہاتھ پر جاری ہوگئی۔ غرض بعد پیغمبر زریت ابراہمی میں یہ سلسلہ شہیدیت وملکیت شفاعت و وارثتِ نبوت و تدبر و تربیت و بشارت نذارت اولاد پیغمبر میں ہے اور اولاد پیغمبر جناب امیر سے ہیں۔ پس امامت گویا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اولادِ علی میں ہے بجعل الٰہی اور ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ایسا امام موجود ہو۔ جو ذریت ابراہیم وعترت رسول و اولاد علی ابن ابی طالب سے ہے یہی امام ہے جس کے ساتھ حشر ہوگا۔ یوم ندعوا کل اناس بامامھم اور اسی سلسلہ طیبہ سے ہے امام زمانہ جس کی معرفت اہل زمانہ پر واجب ہے اور حدیث میں آیا ہے من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ جو اپنے امام وقت و امام عصر کو نہ پہچانے وہ جاہلیت کی موت کافر ومشرک ومنافق مرے گا۔

امام حق و امام باطل

ایک آئمہ وہ ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں و جعلناھم آئمۃ یدعون الی النار اور ایک آئمہ ہیں جو کہ بحکم خدا لوگوں کو راہِ خدا دکھلاتے ہیں و جعلنا ھم آئمۃ یھدون بامرنا و اوحینا الیھم فعل الخیرات و اقام الصلوۃ ایتاء الزکوۃ و کانوا لنا عابدین یہ امامت منحصر ہے سلسلہ ابراہمی میں۔ ورنہ یوں تو بنے ہوئے امام و من یقتدی بہ بہت ہیں۔

نیز یہ امامتِ کلیہ مخصوص ہے بنی اسماعیل سے نہ بنی اسرائیل سے اور قبل زمان حصرت پیغمبر بنی اسماعیل میں کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی ما اتینا ھم من کتب یدرسونھا و ما ارسلنا قبلک من نذیر اے پیغمبر ہم نے ان میں کتب نازل نہیں کیں۔ جن کو یہ پڑھتے ہوں اور نہ تجھ سے پہلے ان میں کوئی پیغمبر بشیر ونذیر بھیجا ہے۔ حالانکہ سنتِ الٰہی ہمیشہ یہی رہی ہے و ان من آمۃ الا خلا فیھا نذیر ہر ایک امت میں ایک پیغمبر گذرا ہے مگر بنی اسماعیل میں پہلے سے کوئی کتاب تنزیلی نہیں آئی۔ جس کو پڑھتے اور درس دیتے ہوں البتہ کتاب وجودی ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ و جعلنا فی ذریتہ النبوۃ و الکتاب اور یہ

صرف تعظیم خاتم النبیینؐ اور اس وجہ سے تھا کہ اگر ان میں کتاب تنزیلی آئی ہوتی اور اس کو پڑھتے اور درس دیتے ہوتے تو لوگ پیغمبرؐ کے حق میں کہتے کہ اس نے انہی کتب سے لکھ پڑھ کر یہ قرآن جمع کر لیا ہے فقال عزوجل ما کنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطه یمینک اذا لارتاب المبطلون بل هو ایات بینات فی صدرو الذین اوتوا العلم و ما یجحد بایاتنا الا الظلمون یہ کتاب ہمیشہ سینہ بسینہ آئی ہے اور وجود کے ساتھ رہی ہے اور بعد پیغمبر زریت پیغمبر میں کتاب موجود ہے اور وہی امام ہیں جن کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے وہ قبلِ خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ موجود ہیں اور بعد فنا خلق بھی موجود رہیں گے۔ کیونکہ انہی کے ساتھ حشر ہوگا۔ اسی واسطے حجۃ اللہ کی تعریف میں یہ حدیث وارد ہوئی یہ الحجة قبل الخلق مع الخلق بعد الخلق حجت اللہ وہ ہے جو مخلوق سے پہلے بھی رہا ہو۔ ساتھ بھی رہا ہو اور بعد میں بھی موجود رہے۔ جس نے اس امام کو پہچان لیا اور ان کے قول پر عامل ہوا اس کے لئے حق شفاعت ثابت ہو گیا اور جو ان سے خارج وجدا ہے شفاعت سے خارج ہے فانه اذا انقسمت الحدود فلا شفع ساقی کوثر علی ہے اور یہ سبیل اس کے ہاتھ پر جاری ہوگی۔ سلسلہ اولادِ رسول اسی سے ہے اور تمام فیوض نبوی اس کے ہاتھ پر جاری ہوئے ہیں اور باب علم نبوی وہی ہے اور فیض علم اسی سے جاری ہے قال انا مدینة العلم و علی بابها و قال سبحانه واتو البیوت من ابوابها گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ ان ابواب سے کون سے ابواب مراد ہیں؟ کیا یہی لوگوں کے گھروں کے دروازے مقصود ہیں اور ان کی بابت خدا حکم دیتا ہے کہ دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ اگر ایسا ہے تو یہ حکم محض فضول۔ کیونکہ کوئی احمق بھی ایسا تو نہیں کرتا ہے کہ اپنے گھروں میں دیوار پھاند کر داخل ہوتا ہو۔ بلکہ سب دروازوں ہی سے داخل ہوتے ہیں اور دروازے اسی واسطے بنائے جاتے ہیں۔ پس ان ابواب سے ابواب علوم نبوی مراد ہیں یعنی علی و اولاد علی۔ کہ جس کو شہر علم نبی میں آنا اور فیوضات نبوی سے مستفیض ہونا ہو۔ تو وہ ان ابواب علوم کے پاس آئے اور ان سے علم حاصل کرے۔ کیونکہ فیض نبی ان ہی کے ہاتھ سے جاری ہوتا ہے۔ ساقی کوثر یہ ہیں۔ شافع محشر یہ ہیں اور علم نبی کے در یہ ہیں۔

نبی است شہرِ علوم و علی بود درِ او
کسی کہ خاک درش نیست خاک برسرِ او

علی ساقی کوثر ہے قیامت میں اور دنیا میں مربی عالم کہ وہ آب حیات کو تقسیم کرتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس اس ساقی کوثر کے بچے پر ان ایام میں کیا گذری ہے اور وہ کس حال میں ہے۔ کمال تاسف ہے کہ غنی

اور صاحب مال کواس کے مال سے جدااور محتاج کرتے ہیں۔کن لوگوں نے ایسا کیا؟ کافروں اور مشرکوں نے ایسانہیں کیا۔ یہود ونصاریٰ نے نہیں کیا۔ بلکہ انہیں لوگوں نے ساقی کوثر کے فرزند پر پانی بند کیا۔ جوعقیدہ رکھتے تھے کہ اس کا باپ ساقی کوثر ہے۔اسی وجہ سے امام مظلوم کربلا میں بار بار یہ فرماتے اوران ملاعین کو یاد دلاتے تھے کہ آیا مجھے جوتم پیاساقتل کرتے ہو مجھے پہچانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ میں فرزند رسولؐ اور جگر گوشہ بتول ہوں میرا باپ ساقی کوثر ہے۔جومومنین کوآب کوثر سے سیراب کرے گا۔ بابی انت و امی۔

آج ۹ محرم الحرام ہے چاہئے کہ چند قطرے اشک بہا کر ساقی کوثر سے آب حیات جاودانی حاصل کریں اور مستحق آب کوثر ہوں۔واقعہ تشنگی روز عاشورا ایک امر عجیب اور ایک سر عظیم اور قابل غور وفکر ہے۔چھٹی تاریخ وساتویں شب سے خاص خاص محافظ لشکر ابن زیاد لعین کی طرف سے حفاظتِ نہر اور ممانعت آب کے لئے مقرر ہوئے اور چشمہ آبِ حیات فرزند ساقی کوثر پر پانی کو بند کردیا۔اسی شب میں تیس شخص گئے اور پانی لائے۔ساتویں کوخیمہ گاہ میں پانی تھا۔شب ہشتم بریر ہمدانی بائیس آدمیوں کو لے کر گئے اور حضرت عباس ہمراہ تھے۔گھاٹ پرلڑائی ہوئی اورتیس مشک پانی لے آئے۔لیکن آج کے دن یعنی نویں تاریخ تنگی کا دن تھا اور شدت تشنگی۔کل تک تو لڑائی کا قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا آج لڑائی کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ جنگ ہوگی اور اسی روز تقریباً 12 ہزار شامیوں کی اور مزید کمک عمر سعد لعین کو پہنچ گئی بعض روایات کی رو سے شاید شمر ذی الجوش ملعون بھی اس دن آ پہنچا اور ایک حکم خاص ابن زیاد کا عمر سعد کے نام لایا کہ یا سپہ سالاری سے دست بردار ہو جایا امام حسین کو قتل کر۔مصیبت شروع ہوگئی۔پانی بھی ختم ہو گیا۔آخر شب بعض اصحاب نے وضو کیا اور امام کے مشکیزہ میں اتنا پانی تھا کہ آپ نے غسل فرمایا۔حضرت نے اسی شب عبادت کے لئے مہلت لی شیب بن ربعی ملعون نے کہا کہ اگر یہود ونصاریٰ اجازت طلب کرتے تو ہم دے دیتے حضرت سکینہ پر شبِ عاشورا سخت تشنگی غالب ہوئی۔ قریب ایک تہائی رات گذری ہوگی کہ آپ خیمہ گاہ سے باہر نکل پڑیں اور خیمہ جناب عباس علیہ السلام میں تشریف لے گئیں۔پانی نہ پایا پھر خیمہ اصحاب میں گئیں وہاں بھی پانی نہ پایا۔مایوس ہو کر باہر نکل آئیں اور خیمہ کے دروازے پر باہر حیران کھڑی رہ گئیں۔ایک شخص اصحاب امام میں سے جو قبیلہ بنی ازدی سے تھا باہر نکلا اور دریافت کیا کون ہے؟ کہا سکینہ بنت الحسین ہوں۔عرض کیا رات کے وقت تم یہاں کیسے آئیں اور تمہارا کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کی تلاش میں آئی تھی۔اس خیمہ سے دوخیموں کے فاصلے پر ایک خیمہ تھا۔اس میں تمام انصار جمع تھے۔اس گفتگو کو بریر بن خضیر ہمدانی نے سن لیا۔باہر نکل آئے۔دریافت کیا۔تم کون ہو؟ فرمایا سکینہ بنت الحسین۔عرض کیا۔تم کیوں اس شبِ تاریک میں خیمہ سے باہر نکل آئیں۔فرمایا پیاسی ہوں پانی کی تلاش

میں نکلی تھی۔ عرض کیا میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ سخت گراں ہے مجھ پر کہ میں زندہ ہوں اور تم پیاسی رہو۔ خیمہ میں گئے۔ اپنی مشک اٹھالی اور اپنے قبیلہ کے دو آدمی ہمراہ لئے اور نہر پر پہنچے۔ عمر بن حجاج لعین جو محافظین فرات پر افسر تھا۔ بریر کے چچازاد بھائیوں میں سے تھا۔ جب اس نے آہٹ سنی۔ آگے آیا اور آواز دے کر دریافت کیا کون ہے؟ بریر نے جواب میں کہا۔ تیرا بھائی چچا کا بیٹا۔ یہ کہہ کر بریر نہر میں داخل ہو گئے۔ وہ لعین بھی اپنے ہم قبیلہ کی آواز سن کر خاموش ہو گیا۔ کہ اگر یہ پانی پی لے گا تو کچھ مضائقہ نہیں (حیف صد حیف کہ اپنے کنبے قبیلہ کا ایسا خیال رکھتے تھے۔ مگر قرابت رسول کا کچھ پاس ولحاظ نہ کرتے تھے)

بریر جس وقت نہر میں داخل ہوئے۔ عمر پھر آگے آیا اور کہنے لگا اگر تو اپنے واسطے پانی لیتا ہے لے لے۔ مگر حسین کے لئے ایک قطرہ نہ دوں گا۔ بریر نے کہا وائے افسوس تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے پسر ساقی کوثر کے واسطے پانی بند کرتا ہے اور مجھے اجازت دیتا ہے اور یہ کہہ کر اپنے دو ہمراہیوں کو حکم دیا کہ اس لعین کو پکڑ لو اور آپ نے مشک پر کرلی اور لے کر چل دیئے۔ عمر لعین نے اپنے ہمراہیوں کو آواز دی۔ محافظین نہر ہوشیار ہو گئے۔ بریر خیمہ گاہ کی طرف چلے جاتے تھے اور ان کے ہمراہی دونوں طرف سے ان کی حفاظت کرتے تھے۔ کہ ناگاہ محافظین نہر آ پہنچے اور پیچھے سے حملہ کیا وہ شخص ازدی جو جناب سکینہ سے ہم کلام ہوا تھا۔ اس نے جا کر جناب عباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر دی کہ بریر ہمدانی پانی کے لئے گیا تھا اور وہاں لڑائی ہو گئی۔ حضرت عباس چند اصحاب کو لے کر بریر کی مدد کو چلے اور ان کے ہمراہ بعض محافظین خیمہ گاہ بھی ہو لئے اور بریر سے جا ملے۔ عمر نے جب یہ دیکھا اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اگرچہ رات ہے مگر بریر پر تیر برسانے شروع کردو۔ ملاعین نے تیر بارانی شروع کی۔ ادھر بریر نے اپنے ہمراہیوں کو کہا۔ تم سب میرے اردگرد ہو جاؤ۔ تا کہ مشک تیروں سے محفوظ رہے اور پانی خیمہ تک پہنچ جائے۔ اس تیر بارانی میں سات تیر بریر کے لگے۔ مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی آخر ایک تیر ایک اور شخص کے دل پر لگ کر بریر کے لگا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ یہ تیر مشک پر لگا ہے۔ بریر سے دریافت کیا کہ کیا مشک پر لگا ہے؟ بریر نے جواب میں کہا الحمد للہ کہ تیر مشک پر نہیں لگا۔ میری گردن پر لگا ہے تا اینکہ پانی اسی طرح سے خیمہ تک پہنچا دیا۔ در خیمہ پہنچ کر بریر نے آواز دی اے اہل بیت نبوت و رسالت یہ پانی لو۔ لکھا ہے کہ 26 یا 28 بچے ہاتھوں میں کوزے لے کر دوڑے اور مشک پر گرنے لگے۔ معلوم نہیں۔ ان بچوں کی تشنگی میں مشیت ایزدی کیا تھی کہ کسی بچہ کا ہاتھ مشک کے تسمہ پر لگا اور تسمہ ٹوٹ کر مشک کھل گئی اور تمام پانی زمین پر بہہ گیا اور وہ اطفال خورد سال مایوسانہ ایک دوسرے کا منہ تکتے پیاسے رہ گئے۔ جس وقت حضرت ابی الفضل عباس نے یہ واقعہ دیکھا کہ بچے شدتِ تشنگی سے اپنے آپ کو اس تر زمین پر گرائے دیتے ہیں۔ جہاں پانی گرا تھا۔

لیکن روز عاشورا آفتاب درجہ ششم میزان میں تھا۔ گرمی کی شدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ کہ قریب صبح کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ اطفال حسینی کی شدتِ تشنگی سے ایسی حالت ہو رہی تھی کہ اگر انسان بریری اور عمر سعد کے اور نیز حر بن یزید ریاحی کے مکالمہ کو سنے تو دل پاش پاش ہو جائے۔

پہلے حملہ میں جب حضرت کے پچاس اصحاب درجہ شہادت پر فائز ہو گئے تو بریر عمر سعد کے پاس گئے۔ عمر نے خیال کیا۔ شاید بریر حسین کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ جب بریری خیمہ عمر سعد لعین میں داخل ہوئے تو آپ نے اس شقی ازلی کو سلام نہ کیا اور بیٹھ گئے۔ اس نے کہا کہ اے بریر کیا تم مجھے مسلمان نہیں جانتے کہ سلام نہ کیا جو طریق اسلام ہے۔ بریر اس ملعون کا کلام سن کر رونے لگے۔ اس شقی نے کہا کہ اے بریر تم روتے کیوں ہو؟ میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا ہے۔ بریر نے جواب دیا کہ اے عمر میں اس لئے روتا ہوں کہ تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور دعویٰ مسلمانی کرتا ہے اور صاحب اسلام اور رسول خیر الانام کی اولاد شدت تشنگی سے بیتاب ہے اور ان کے نالہ و فریاد اور صدائے العطش سے مابین زمین و آسمان پر ہے۔ لیکن بریر کی نصیحت آمیز تقریر نے اس لعین پر کچھ اثر نہ کیا اور حضرت بریر واپس چلے آئے۔ پھر لڑائی شروع ہو گئی اور اس عرصے میں حر لشکر ابن سعد سے نکل کر حضرت کی طرف آئے اور اذنِ جنگ لیکر میدان میں گئے۔ لشکر د کے مقابل ہو کر کہنے لگے یا قوم **ثکلتکم امھاتکم** اے قوم تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں۔ تم نے یہ کیا غضب کیا ہے اول خطوط لکھ کر اس برگزیدہ خدا کو بلایا اور جب وہ آیا تو تم نے لشکر جمع کرنے شروع کر دیئے اور اس پر فوج کشی کی اور پانی تک اس پر بند کر دیا۔ حالانکہ تمام جانوران صحرا پانی پیتے ہیں اور سگ و خوک اس میں لوٹتے ہیں اور اولاد رسول تشنگی سے بیتاب ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا۔ تو میرے ہمراہ آؤ اور دیکھو کہ اطفال حسینی کا شدت تشنگی سے کیا حال ہے کہ اٹھتے ہیں اور زمین پر گر پڑتے ہیں۔ یہ حالت شدت تشنگی تو قریب صبح تھی۔ مگر وقت ظہر ان بچوں کا کیا حال ہوا ہوگا اور بوقتِ عصر ان پر کیا گذری ہوگی اور کس طرح العطش العطش کی صدائیں بلند ہوں گی۔ نہیں نہیں عصر کے وقت سب سیراب ہو گئے تھے اور ایسے سیراب تھے کہ کوئی پیاس کو یاد بھی نہ کرتا تھا اور نہ العطش العطش کہتا تھا۔ ہر طرف سے یہی صدا بلند تھی یا رسول اللہ آیئے اور دیکھئے کہ آپ کا فرزند اور آپ کی گود کا پالا ریگ گرم پر خاک و خون میں غلطان بے سر پڑا ہوا ہے۔ اس وقت کوئی العطش نہ کہتا تھا۔ سب اپنا صدمہ بھول گئے تھے۔

لاحول و لا قوة الا باللہ العلی العظیم و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

حصہ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

نوٹ

اس حصہ میں ہم چاہتے تھے کہ چند مواعظ ضرور درج کریں۔لیکن چونکہ ایک تو طول کا خیال ہے۔ دوسرے دیر کا اور مومنین خواہشمند ہیں کہ مواعظ حسنہ جلد شائع ہو اور نہایت بیتابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔اسلئے بالفعل اس حصہ میں دو چیزوں پر اکتفا کی جاتی ہے ایک تفسیر ''آیہ قدر'' دوسرے مجالس نور جو بے بہا جوہر اور بہت سے مواعظ نہیں بلکہ حقائق و معارف کی جان ہیں۔ یہ چار ابواب علم ہیں جن سے سینکڑوں ابواب علم منکشف ہوتے ہیں ''البرھان'' کے اوراق میں منتشر تھے۔ہم چاہتے ہیں کہ یہ اب مواعظ حسنہ کی لڑی میں منسلک ہو کر محفوظ ہو جائیں۔اور مومنین ان سے مستفیض ہوں۔

ماہ ذی الحجہ الحرام ۱۳۳۱ھ میں جب کہ علامہ اعلی اللہ مقامہ کوئٹہ میں موسم گرما بسر کر رہے تھے۔ جناب صاحبزادہ میر حسن دام علاہ نے جوان اطراف کے فاضل ترین علماء اہل سنت والجماعۃ سے تھے آیہ مجیدہ انا کل شیء خلقناہ بقدر کی تفسیر سرکار موصوف سے تحریرا دریافت فرمائی اور جواب عربی ہی میں طلب کیا۔

علامہ قدس سرہ العزیز نے فوراً جواب تحریر فرما کر پیغامبر کے ہاتھ ارسال فرما دیا جس کو صاحبزادہ صاحب نے بہت پسند فرمایا اور بے حد متاثر ہوئے۔ بلکہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے۔ وہ جواب بجنسہ حضرات اہل علمکثر ہم اللہ وجود ہم کی خاطر اول رسالہ البرھان میں اور اب ان مواعظ کے ضمن میں پیش کیا جاتا ہے۔باسواد حضرات خصوصاً اہل زوق اس سے بے حد محظوظ ہوں گے اور بلاشبہ اس کو ابواب علم پائیں گے۔قضا و قدر کے اہم ترین مسائل پر نمایاں روشنی پڑے گی اور بہترین نتائج اخذ ہوں گے۔

اس جواب کے آخر میں صاحبزادہ صاحب سے بھی ایک آیت کی تفسیر کا مطالبہ کیا ہے مگر تا حال خاموشی رہی۔

بعض حضرات ضرور یہ اعتراض کریں گے کہ عربی میں اس مضمون کو شائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کا اردو ترجمہ طبع کیا جاتا۔ جس سے عام مومنین مستفید ہوتے۔ یہ ان کا اعتراض درست ہے لیکن۔

اول تو یہ عبارت ترجمہ سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس کی مفصل شرح کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے ایک علیحدہ رسالہ بلکہ کتاب چاہئے۔

دوم یہ مطالب عوام کے لئے اردو کا لباس پہن کر بھی مفید نہیں ہو سکتے۔ لباس تبدیل ہونے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی۔ جو اس کے سمجھنے کے اہل ہیں وہ عربی ہی میں سمجھ سکتے ہیں۔

اسی تحریر میں چند مقامات پر سرکار علامہ کی طرف سے XX کے نشان لگائے ہوئے ہیں۔ جن سے مراد یہ ہے کہ یہاں استدلال میں شبہ رکھا گیا ہے۔ تاکہ اہل علم اس کو دریافت کرنے کی سعی فرمائیں اور حل کریں۔

مجالس نور وہ تین مجلسین ہیں جو آیہ نور اللہ نور السموات والارض پر پٹیالہ میں جناب محترم فضائل مآب خلیفہ مولوی السید محمد ہاشم صاحب دام ظلہ کے دولت کدہ پر سرکار موصوف نے بتقریب میلاد حضرت سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ کو بیان فرمائی تھیں اور ان کو جناب فضیلت انتساب قاری مولوی معنوی شیخ نبی بخش صاحب پٹیالوی فی الحال مشہدی زید فضلہ نے ترتیب دیا تھا یہ مجالس عجیب وغریب مطالب عالیہ پر مشتمل ہیں اور بے نظیر نکات قرآنی ان میں بیان کئے گئے ہیں۔ صاحبان ذوق بیسیوں مرتبہ ان کو پڑھ چکے ہیں اور سیر نہیں ہوتے ناظرین پڑھیں گے اور لطف اٹھائیں گے۔ یہ مجالس برمحل نوٹ کئے بغیر بعد اختتام مکان پر مرتب کی گئی ہیں۔ اس لئے وہ تمام باتیں جو بیان کی تھیں حیطہ ضبط وتحریر میں نہیں آسکی ہیں۔ کیونکہ سننے کے وقت انسان محو حیرت ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات حالت وجد طاری ہو جاتی ہے اور اس لئے بعد میں سینکڑوں باتیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ ترتیب بھی بدل جاتی ہے۔ تحریر واسلوب میں بھی فرق آجاتا ہے۔ پھر اردو میں وہ زور عبارت بھی باقی نہیں رہتا جو اصل فارسی میں ہوتا ہے اور یہ زبان ابھی مطالب علمیہ کے احاطہ سے ایک حد تک قاصر بھی ہے اور ظاہر ہے کہ ترتیب وترکیب کا خاص اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ شیئت شے صورت پر ہے نہ مادے پر۔ تام مولوی صاحب نے اصل ترتیب کو باقی رکھنے کی بہت کوشش کی ہے۔ صرف بعض جگہ بضرورت بعض مطالب میں کمی بیشی ہوئی ہے لیکن بفحوائے

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو

ناظرین اسی ترتیب میں اصل حقیقت کا پتہ لگا سکتے ہیں اور گھر بیٹھے ان مجالس کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے خطبہ کے بعض الفاظ بھی حتی الامکان محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ مومنین ان جواہرات کو دیکھ کر مسرور رہوں۔

ہمارے بعض احباب کی دلی خواہش تھی بلکہ بار بار تاکید کہ میں نئے سرے سے ان مجالس کو ترتیب دوں۔ میں نے کچھ وعدہ بھی کرلیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی اور علالت طبع نے اس کا موقع نہ دیا۔ حقیقتہً معذوری رہی اور اس لئے امید ہے کہ وہ حضرات ضرور معاف کریں گے۔ یہ مجالیس پہلے رسالہ البرہان میں شائع ہوئی تھیں۔ دوبارہ بعد نظر ثانی اس مجموعہ مین اور اب تیسری مرتبہ اس طبع ثالث میں شائع ہو رہی ہیں اوران کا لطف اسی طرح تازہ والمسک ما کررتہ یتضوع لیکن ان مجالس کے اندراج سے پہلے وہ تحریر سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ جو جناب موصوف نے ایک عالم اہل سنت کے جواب میں کوئٹہ میں تحریر فرمائی تھی۔ اہل علم کی ضیافت طبع کے لئے اس کو بجنسہ اصل عربی میں نقل کیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

والسلام خیر ختام
السید محمد سبطین عفی عنہ
(السرسوی۔ المرادآباد)

هو الکافی

بسم الله الرحمن الرحیم

بسم الله خیر الاسماء الحسنی و له الحمد فی الاخرة والاولی و سلام علی عباده الذین اصطفی و لا سیما سیدهم محمد ن المصطفی و اله و عترته الذین هم صدور ایوان الاصطفاء و بعد سئلت ایها العالم الجلیل والفاضل النبیل اعنی الصاحبزاده میرحسن دام علاه من ایة من کلام الله الملک الجلیل الواردة فی التنزیل اعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم "انا کل شی ء خلقناه بقدر" فکتبت ما وفقت من وجوه التفسیر و التحویل مما اخذته و تلقیته من مهابط الوحی و معادن التنزیل و معالم التاویل و حسبنا الله و نعم الوکیل.

انا اصله اننا لکن النون حذفت لکثرة النونات و المحذوفة النون الثانیة من ان لانها التی تحذف فی مواضع من القران منها قوله تعالی "وان کل لما جمیع لدینا محضرون" و قد جا ء علی الاصل کما فی قوله تعالی "اننی معکما" والضمیر المتکلم اسمه و فی موضع النصب کل یجوز فیه الرفع و ان کانت الجماعة و ظاهر القراة علی النصب و ذالک انه من مواضع الابتداء فهو کقولهم" زید صربته "والجملة وقعت فی الاصل خبر عن المبتداء فکانه قال" نحن کل شی ء خلقناه بقدر " ثم دخلت ان فنصب الاسم وبقی الخبر علی ترکیبه ویجوز النصب لان تقدیره" انا خلقنا کل شیء" والفعل منتظر بعدانا فلما دل علیه فعل بعده حسن اضماره و علی هذا یکون الفعل خبر ان وفیه ان الاصل فی خبر المبتداء ان یکون اسما لا فعلا جزاء منفرد او خبر ان و اخواتها کاخبار المبتداء فالاول هو الاقوی والمعنی علی کلا الوجهین فمتقاربة واعراب الباقی لایحتاج الی التوضیح

والقدر بالسکون و التحرک المصدر من قولهم قدر یقدر قدرا وقدرا وهما

لغتان و فی کتاب الله فسالت اودیة بقدر هاو قدر ها و علی الموسع قدره و قدره" و ما قدر والله حق قدره و قدره "

و معنی القدر وقت المقدر للشی و المکان المقدر له و هو قوله تعالی انا انزلنه فی لیلة القدر" والی قدر معلوم " فسالت اودیة بقدرها و اذا نسب الی الله تعالی فهو مقابل للقضاء و ما سبق علیه القضاء و هو قوله تعالی" فقضهن سبع سموات الی قوله تعالی ذالک تقدیر العزیز العلیم"

و مجملا القدر قدر ان قدر علمی عزمی و قدر حتمی فعلی فا لاول عبارة عن وجد الاشیاء مقدرة مصورة بشخصیاتها وجزئیاتها فی لوح المحو والاثبات - والثانی فهو عبارة عن وجود ها فی مواد ها الخارجیة مفصله و احدا بعدد احد مر هونة باوقاتها و از منتها موقوفةعلی موادها واستعداداتها مسلسلة من غیر انقطاع کما قال تعالی" و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها " و قال تعالی" و ما ننزله الا بقدر معلوم "واشار الی القدر العلمی بقوله تعالی" و کل شیء عنده بمقدار" "انا کل شیء خلقنا ه بقدر" و اشارالی ان هذا القدر القدر العلمی بقوله تعالی بعده" و ما امرنا الا واحدة کلمح بالبصر "والحاصل ان هذه المسئلة راجعة الی مسئلة علم الله تعالی بالاشیاء قبل ایجاد ها و وجودها فی عالم القضاء و القدر ملخصه ان القضاء عبارة عن وجود جمیع الموجودات بحقائقها الکلیة و صورها العقلیة فی العالم العقلی مرتبطة بالحق الاول موجودة فی صقع الهیة لا ینبغی عدها من جملة العالم و یدل علیه کلمة " عند " فی قوله تعالی "وان من شی الاعند نا خزائنه " فالعالم کلها جوده و رحمته کما قال الله تعالی" ورحمتی وسعت کل شی " و خزائن جوده و رحمته یجب ان تکون قبل الجود والرحمة فلئن کانت تلک الخزئن من جملة جوده ای من مخلوقاته فلا بد لها ایضا خزائن سابقة علیها فظهران خزائن الله لیست من جملة المصنوعات بل هی سرادقات نوریة و لمحات جمالیة و جلالیة و هو ایضا عزمی و حتمی و الاول قوله تعالی" و قضی ربک الا تعبدوا الا ایاه" و الثانی قوله تعالی " کان علی ربک حتما مقضیا " و بین القضاء والقدر عموم و خصوص من وجه فصورة الاجتماع الایة المتقدمة " فقضهن سبع سموات الی قوله تعالی ذالک تقدیر العزیز العلیم " واحدی صورةالافتراق قوله

تعالی و ما ننزله الا بقدر معلوم " و فیه اشارة الی المرتبة الا خیرة من التنزل فالمتنزل هو القدر الفعلی الخارجی لکونه اخر المتنزلات و القدر المعلوم هو القدر العملی و هو سبب للقدر الخارجی کما دلت علیه باء السببیة فاذن اخیرة المراتب هی القدر المتمحض الذی هو لیس بقضاء اصلا لکونه التفصیل المحض الذی لا تفصیل فی الوجود بعده و هو جود المکونات الزمانیة الحادثة فی ازمنتها علی التدریج و التعاقب و التقضی و التجدد علی هسب الاستعداد ات التدریجیة المتعاقبة الحصول فی امتداد الزمان من تلقاء الاسباب المرتبة المتادیة الیها و اخری صورتی الافتراق المرتبة القصوی الوجودیة من القضاء الالهی بحسب التقرر فی حاق الاعیان یعنی وجود الاشیاء بنحو الجمعیة و البساطة فی القلم الاعلی و هی القضاء المحض الوجودی الذی لیس بقدر بالنسبة الی قضاء وجودی قبله و الیه اشار بقوله تعالی" وقضی ربک الا تعبدوا الاایاه " اذ لو کان لهذا القضاء الا لهی فی القلم الا علی قدرا ای تقدیر فلا یمکن للعباد فی المرمه الاخیرة من السلسلة النزولیة الزمانیة التخلف عن العبادة لان عبادة الله لیست بمنسوخه هذا و المقام من مزال الاقدام لایسعنا الکلام بازیدمما قلنا فیه فلفرجع الی المرام و بالجملة قدحقق فی محله ان قدر و قدر بمعنی و یدل علیه اللغة و قرات القراء فی قوله تعالی" نحن قدرنا بینکم الموت " و قوله تعالی و" قدرنا فنعم القادرون " مخففا و مشددا وقال ابو العلی الجبائی فی الکریمةالاولی قدرنا و قدرنابمعنی و یدل علیه قوله" و مغرهة عنس قدرت لساقها "

والمعنی قدرت ضربی لساقها بعد اللتیاو اللتی فالقدر و التقدیر هو کمیة الاشیاء علی وجه مخصوص و صور مخصوصة فمعنی قوله تعالی انا کل شی خلقناه بقدر ای خلقنا کل شی خلقناه او نحن کل شی خلقنا سواء کان فی القدر العلمی او القدر الفعلی خلقناه مقدرا بمقدار یوجبه الحکمة . لم نخلقه جزا فاولا لعباو تقدیر الله الا شیاء علی وجهین.

اول . بجعلها علی مقدار ما تدعوا الیه الحکمة و ایجادها حسب ما اقتضا ها اما کاملا و بالفعل کالعوالم العلویة و الیه اشار بقوله تعالی فی الکریمة المتقدمة "فقضهن سبع سموات و اوحی فی کل سماء امرها وزینا السماء الدنیا بمصابیح و

حفظا ذالک تقدیر العزیز العلیم" وا یضا قال تعالی" والقمرقدرناه منازل" و ایضا قال تعالی" والشمس تجری لمستقرلها ذالک تقدیرالعزیز العلیم " او باصول مخصوصة و کما لها بالقوة و لایتاتی منها غیر ماقدره فیها کالمولدات التناسلیة کما فی قوله تعالی" خلق الارض فی یومین و قدر فیها اقواتها" وایضا قوله تعالی" من نطفة خلقه فقدره".

والثانی باعطا ء القدر ة بعد خلقها لیصح صدور الفعل اختیارا لاقسراوالیه اشار بقوله تعالی" الم نخلقکم من ماء مهین فجعلنا ه فی قرار مکین الی قدر معلوم فقد رنا فنعم القادرون" وعلیه یدل ایضا قوله تعالی کلا نمدهولاء و هولاء من عطاء ربک و ما کان عطاء ربک محظوراً و هذه الایة تنادی بان افعال العباد صادرة عنهم اختیارا لا اقسرًا کما زعمه مجوس هذه الامة یعنی القدریة فانهم یقولون ان الشرورات من الکفرو المعاصی صدرت بالقدر الخلقی الحتمی من الله تعالی و العباد مقهورون علی فعلها قاتلهم الله انی یوفکون . کانهم لم یسمعوا الله عزوجل یقول ما تری فی خلق الرحمان من تفاوت ای اختلاف و تناقض من طریق الحکمة بل تری افعاله کلها سواء فی الحکمة و ان کانت متقاربة فی الصور والهیات یعنی فی خلق الاشیاء علی العموم و الایة تدل دلالة صریحة علی ان الکفر والمعاصی والشرورات لا تکون من خلق الله لکثرة التفاوت فی ذلک علی خلاف الحکمة کمالا یخفی علی اولی الالباب الذین یقولون" ربنا لا تزغ قلوبنا بعد از هدیتنا و هب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب " هذه عضة من الکثیر و قطرة من الغدیر مما حضر عندی من التعبیر والتفسیر نمقتها فی قلة المجال و تشتت البال و ها انا اسئل جنابک عن قوله تعالی " و قل اعملو ا فسیری الله عملکم ورسوله والمومنون و ستردون الی عالم الغیب والشهادة فینبئکم بما کنتم تعملون "(التمس منک الجواب عما فیه وله و به و علیه بفصل الخطاب والحمد لله اولا و اخرا و الیه المرجع و الماب.

حرده الاحقر الجانی عبدالعلی الهروی
الطهرانی فی یوم الثانی والعشرین من
ذی الحجة الحرام ۱۳۳۱ سنه هجری

مجلس اول

متعلق آیہ نور

الحمد لله بادی البریات داحی الارضین المدحیات رافع السموات المسموکات مرسی الجبال الراسیات الشامخات مدهر الدهور و مقدر الازمان والاوقات منشی الاماکن والجهات مصور الخلائق ذوی الاوصاف المختلفات والالوان واللغات مدیر الا فلاک و موکل الاملاک و خالق النفوس المدبرات المقسمات محی العظام الباکیات الفانیات الفاسد ات جاعل النور والظلمات الذی توحدفی اذلیته اللاهوتیة و تفرد فی ابدیته الجبروتیه فلا تبلیه اللیالی والایام و لا یغیره الضیاء و الظلام و لا تناله الظنون و الاوهام بعد فارتفع فی السموات العلی قرب ودنی فشهد النجوی العقل قطرة من بجار ملکوته والنفس شعلة من شعلات انوار جبروته یعلم عجیج الوحوش فی الفلوات وطنین الطیور فی الوکرات و اختلاف الحیتان فی البحار الغامرات و تلاطم الماء بالریاح العاصفات و معاصی العباد فی الخلوات فلا اله الاه و الملک القدوس السلام المومن المهیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان الله عما یشرکون والصلوة الدائمة الباقیة علی عینه الباصره واذنه الواعیة و یده الباسطة ولسان الناطق و وجهه الباقی . نور الارواح و روح الاشباح ام الا مکان وابی الاکوان عین اعیان المکونات افضل نتائج الاباء والا مهات . محمد المحمود عند اهل الارضین وا لسموات و علی اله المنتجبین المهدیین المهتدین الذین جرت بهم علی الخلق جمیع النعمات و بهدایتهم یهتدی الی مناهج الصدق و السعادات و بشفاعتهم یشفی غلیل صدرو اهل الجرائم والسیئات واللعنة الدائمة علی اعدائهم الی قیام الساعة بکل لغات . قال عزوجل (اعوذبالله السمیع البصیر من الشیطان الرجیم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین

تعریف وتوصیف دوقسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ ہے جو ہم بیان کر سکتے ہیں اور ایک وہ ہے جو ہمارے حیطہ امکان سے باہر ہے ہم نہیں بیان کر سکتے۔ فقال عزوجل قل لو کان البحر مدادا لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی و لو جئنا بمثلہ مددا

تقسیم حرکت وثبوت قوت برقیہ دراجسام وثبوت

بہر حال یہ امر مشاہدات اور تجربات سے ہے کہ جس قدر مخلوقات سب ہیں ایک طرح کی حرکت پائی جاتی ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، آفتاب، ماہتاب وغیرہ سب میں ایک طبعی اور فطری حرکت موجود ہے۔

حرکت کی دوقسمیں ہیں۔ ایک طبعی اور فطری۔ دوسری قسری اور جبری اور حرکت طبعی ہر شے کی مائل بہ ترقی ہے۔ مائل بہ تنزل نہیں ہے۔ پتھر ہے کہ ترقی کر کے زمین سے کئی کئی ہزار فٹ بلند ہو جاتا ہے۔ اشجار ہیں کہ سوسو گز اونچے چلے جاتے ہیں دیگر نباتات ہیں کہ اپنی حیثیت کے موافق زمین سے اونچی ہو جاتی ہیں اور یہ امر بھی مسلم اور مشاہد ہے کہ اجسام میں حرکت بسبب ایک حرارت کے ہوتی ہے اور جب جسم میں سے حرارت نکل جاتی ہے تو اس جسم کی حرکت بھی بند ہو جاتی ہے۔ آج کل کے سائنسدان اس کو الیکٹری سٹی اور برق کہتے ہیں۔

ہر صاحب زبان اور علم کے نزدیک اس زبان اور علم کی خاص خاص اصطلاحیں مقرر ہوتی ہیں کہ جب وہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہی شے سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً اہل ہند کے نزدیک پانی ایک لفظ ہے۔ اسی کو اہل عرب ماء اور اہل فارس (آب) اور انگریزی میں واٹر اور ترکی میں سو کہتے ہیں۔ پس ان مختلف زبانوں میں اس کے مختلف نام ہونے سے اس کی حقیقت میں فرق نہیں آجاتا۔ اس کی حقیقت واقعیہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتی ہے۔ صرف اس کے وجود مکتوبی اور ملفوظی میں اختلاف ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی الیکٹری سٹی کو عربی زبان میں برق کہتے ہیں اور قرآن مجید وفرقان حمید میں اس کی حقیقت واقعیہ کو نور کہا گیا ہے۔ اور اصطلاح میں اس کو ملکوت فرمایا ہے۔ فقال عزوجل اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ

کانها کوکب دری یوقد من شجرة مبارکة زیتونة لا شرقیة ولا غربیة یکاد زیتها یضی ولو لم تمسسه نار نور علی نور یهدی اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شی علیم و قال بیدہ ملکوت کل شی والیہ ترجعون.

پس اجسام واجرام کوحرکت ونشو ونما دینے والی کیا شے ہے؟ یہی نور اور ملکوت ہے۔ جس کو برق کہتے ہیں اور یہ امر مسلمات اور مشاہدات سے ہے کہ ہر شے کی حرکت طبعی اس کے اپنے مرکز اور مجمع کی طرف ہوتی ہے اور یہ حرکت طبعی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کے ہمراہ حرکت قسری بھی شریک ہوجائے ۔اسی پتھر کوایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوکرایک انسان سینکڑوں گز اوراوپر پھینک سکتا ہے۔ حالانکہ وہاں پر پتھر نے اپنی طبعی حالت کوختم کرلیا ہے۔

اور یہ بات بھی مسلمات اور بدیہیات سے ہے کہ جس شے میں قوت برقیہ اپنے ماتحت اجسام و اجرام سے زیادہ ہوگی۔ وہ شے اپنے ماتحتوں کا مرکز اور مجمع ہوگی اور چونکہ انسان مجموعہ ہے جمادات، نباتات اور حیوانات کا۔ اس لئے انسان میں ان تمام انواع مخلوقات سے قوت برقیہ زیادہ ہے اور چونکہ قوت برقیہ ہی پر مدار ہے تجاذب اور تدافع کا۔ یعنی جس قدر جس شے میں قوت برقیہ زیادہ ہوگی۔ اس قدر اور انداز سے اس میں قوت جذب اور قوت دفع بھی دوسروں سے زیادہ ہوگی۔ پس اس قوت جذب اور قوت دفع کی جہت سے وہ شے اپنے جمیع انواع تحتانیہ کی مسخر اور حاکم مجمع اور مرکز ہوگی۔ پس چونکہ انسانمیں بنسبت جمادات نباتات اور حیوانات کے قوت برقیہ زیادہ ہے۔ اس لئے انسان ان تمام جمادات، نباتات اور حیوانات کا مجمع اور مرکز ہے اور چونکہ جمادات، نباتات، حیوانات اور خود انسان کی حرکت بھی عالم علوی کی طرف جانب ہے جہاں کہ ان تمام انواع موجودات کا مجمع اور مرکز ہے اور جمادات، نباتات اور حیوانات کی ترقی طولانی عالم علوی تک نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ یہ سب براہ راست بلا وسیلہ نور الانوار مبدء الدہور والاعصار تک ترقی کر کے نہیں پہنچ سکتے ۔اس لئے ان کی ترقی عرضی ہوگی نہ طولانی اور وہ بھی اس قدر ہوگی کہ یہ سب اپنے مرکز اور مجمع تک جو انسان ہے پہنچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر عرضی ترقی کرتے کرتے۔ یاقوت اور زمرد والماس ہوجاتا ہے کہ اپنے آپ کو اس درجہ تک پہنچا کر انسان تک پہنچا دے جو اس کا مجمع اور مرکز ہے۔ پس جب جوہر ارضی حرکت کرتے کرتے سونا ہوجاتا ہے تو اب انسان خود بخود اس کو اپنے پاس کھینچ لاتا ہے اور اس کو اشرفی بنا کر اپنے کیسے میں رکھتا ہے ۔یا زیور بنا کر اپنے جسم پر لٹکاتا ہے۔ اسی طرح اشجار ترقی کرتے کرتے ایک نہایت خوشگوار میوے کی شکل اختیار کرتے ہین۔ پس انسان ان کو اپنے جسم کی غذا بناتا ہے۔ پس وہ اس ترکیب سے اپنے مجمع اور مرکز تک

پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی طرف خداوند عالم اشارہ فرماتا ہے **وخلق لکم ما فی الارض جمیعا** اے بنی نوع انسان ہم نے جو کچھ زمین میں از قسم جمادات، بناتات اور حیوانات خلق کئے ہیں۔ سب تمہارے فائدے کی خاطر ہیں۔ ان تمام انواع مخلوقات کا مرکز اور مجمع تم کو بنایا ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین والہ الطاہرین

تقسیم نوع انسانی بلحاظِ قوت برقیہ

لیکن انسان اور انسان میں فرق ہے۔ تمام بنی نوع یکسان نہیں ہیں۔ ایک انسان تو وہ ہیں کہ ان کو آگ تک سلگانی نہیں آتی۔ ایک انسان تو وہ ہیں کہ دوسری چیزوں سے قوت برقیہ لے کر اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ یعنی کچھ اس طرح کے آلات اور ادویات بناتے ہیں کہ ان کے ذریعہ اور واسطے سے ایک جسم کی قوت برقیہ لے کر دوسرے جسم میں داخل کر دیتے ہیں اور بیمار اور کمزوروں کو تندرست اور قوی بنا دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ قوت برقیہ ہوتی کیا ہے۔ **فقال عزو جل انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض** دیکھو ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور ایک وہ انسان بھی ہیں کہ بغیر آلات وادوات کے قوت برقیہ اجسام میں داخل کر دیتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں اور وہ انبیاء اور اوصیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔ کہ بغیر کسی دوسرے جسم سے قوت برقیہ لیئے ہوئے خود اپنے پاس سے دوسرے اجسام واجرام میں ساری اور جاری کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جناب عیسیٰ مردوں پر اپنا دست مسیحائی رکھ کر قم باذن اللہ فرماتے۔ پس وہ زندہ ہو جاتے تھے اور بہت سے مادر زاد اندھوں کو کہ جن میں قوت برقیہ باصرح بالکل ہوتی ہی نہ تھی۔ اپنا نورانی ہاتھ پھیر کر ان کو قوت برقیہ عطا کر دیتے تھے۔ پس وہ بصیر اور بینندہ ہو جاتے تھے۔ پاس انبیاء اوصیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی قوت برقیہ یقیناً تمام نوع انسان کی قوت برقیہ سے زیادہ ہے کہ وہ اپنے پاس سے دوسروں کو قوت برقیہ عطا کرتے ہیں۔ اسی لئے بنی نوع بشر کا مجمع، خزانہ اور مرکز انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام ہیں۔ پس بنی آدم حرکت کرتے کرتے اور اپنے نبی اور امام تک پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ بنی نوع انسان کا مجمع، خزانہ اور مرکز انبیاء اور ان کے اوصیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔

اسی طرح نبی اور نبی رسول اور رسول میں بھی فرق ہے۔ بعض نبی اور رسول ایسے ہیں کہ ان کی نورانیت بہ نسبت دوسرے انبیاء ومرسلین کے زیادہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ **تلک الرسل فضلنا**

بعضهم علی بعض منهم من کلم الله و رفع بعضهم درجات پس جس نبی کی نورانیت کل انبیاء مرسلین سے زیادہ اور بڑھی ہوئی ہوگی۔ وہی نبی سب کی حرکت اور ترقی کی غایت اور منتہا ہوگا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ نورانیت اور قوت برقیہ صرف عالم سفلی ارضی ہی کے اجسام وموجودات میں منحصر نہیں ہے۔

ثبوت قوت برقیہ ودر اجرام سماوی

عالم سفلی ارضی ہی کے اجسام وموجودات میں منحصر نہیں ہے۔ عالم علوی کے اجرام وہیاکل میں بھی موجود ہے۔ بلکہ عالم علوی کی موجودات میں یہ قوت برقیہ وملکوتیہ عالم سفلی کے اجسام سے بہت زیادہ ہے۔ ایک آفتاب میں اس قدر نورانیت اور قوت برقیہ ہے کہ تمام عالم سفلی کو اس سے نور اور برق حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی نور اور برقیت کی وجہ سے اس میں قوت جذب ودفع بھی سب سے زیادہ ہے۔ اسی واسطے حسب تحقیق حکماء اتنی بڑی زمین کو آفتاب اپنی قوت برقیہ نورانیہ کے ذریعہ سے حرکت دے رہا ہے۔

بہر حال جس طرح عالم سفلی کی موجودات بباعث اس قوت برقیہ کے جو ان میں موجود ہے سب کی سب عالم علوی کی طرف حرکت کر رہی ہیں۔ اسی طرح سے موجودات عالم علوی بھی علو کی طرف جہاں ان کا مرکز ہے اور مجمع ہے حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہے۔

توضیح اصلیت قوتِ برقیہ

وہ قوت برقیہ جو تمام قوائے برقیہ نورانیہ کا خزانہ مجمع اور مرکز ہے کیا شے ہے۔ جس کی طرف کل عالم سفلی اور علوی کی موجودات حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہیں؟ پس وہی مبدء نور ہے۔ جو ارشاد فرماتا ہے الله نور السموات والارض اللہ ہے روشن کرنے والا اور قوت برقیہ دینے والا آسمانوں اور زمینوں کو۔ پس تمام موجودات ارضی وسماوی ترقی کر کے اللہ کی طرف جانا چاہتی ہیں۔

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ مجموعہ ممکنات حرکت کرتے کرتے ذات واجب الوجود سے جا ملے گا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ محال ہے کہ ممکن کی رسائی ذات واجب الوجود تک ہو سکے۔ کیونکہ وہ منتہائے تجرد میں ہے۔ اور یہ منتہائے ترکب میں وہ قدیم ہے اور یہ حادث۔ پس دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ ان کا اجتماع محال در محال۔ اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر آخر یہ ممکنات حرکت کرتے ہوئے کہاں پہنچیں گے؟ پس اس امر کے سمجھنے کے لئے آپ سلسلہ نزولہ مخلوقات کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مجموعہ ممکنات ترقی کرتے کرتے سلسلہ صعودی میں کہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ مجموعہ ممکنات وہیں تک پہنچ سکتا ہے۔

جہاں اس کا مرکز اور مجمع ہے۔اس سے ایک بال برابر حرکت کر کے اوپر نہیں جا سکتا۔ مجمع ممکنات سدرۃ المنتہی ہے۔اسی واسطے جبرائیل امین جیسا جلیل القدر ملک مقرب فرتا ہے **لو دنوت النملة لاحترقت**

اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلی بسو زد پرم

عنقریب سدرۃ المنتہی کا بیان آئے گا۔ ممکنات کا سلسلہ نزولی یہ ہے کہ سب سے پہلے خلاق عوالم نے ایک نور خلق فرمایا ہے۔ جو تمام انوار کا مصدر، مجمع، خزانہ اور مرکز ہوا۔ اسی نور سے تمام اشیاء ممکنہ کو نورانیت اور قوت برقیہ عطا ہوئی ہے۔ اس طرح سے کہ پھر اس نور سے ایک طین خلق فرمائی اور اس طین سے متعدد اقسام کی طینتیں خلق فرمائیں اور ہر طین سے انواع واقسام کے اجسام واجرام خلق فرمائے اور جب ان اجسام واجرام اور ہیاکل وصور کے قوالب بن کر تیار ہو گئے۔ تو پھر ان میں اسی نور اول کی شعاعوں کو جاری و ساری فرمایا۔ جس طرح سے ایک شہر میں پہلے خزانہ برقیہ بنایا جاتا ہے۔ بعد ازاں ہ کوچہ وبازار میں انواع و اقسام کے گلوب اور فانوس لگائے جاتے ہیں۔ پس جب سب بن کر تیار ہو جاتے ہیں تو ایک مرتبہ اس خزانہ برقیہ سے بقدر ضرورت برق چھوڑتے ہیں۔ پس تمام فانوس اور سارے گلوب جو بنائے گئے ہیں۔ ایک دم سے روشن ہو جاتے ہیں۔

پس اسی طرح سے بلا تشبیہ تمام عوالم مخلوق علوی وسفلی کے قوالبِ جسمیہ اور ہیاکل نوعیہ میں بقدر ضرورت خلاق عوالم کے اس خزانہ برقیہ نورانیہ سے شعاعین داخل فرمائیں۔ پس تمام عوالم علوی وسفلی حرکت میں آئے اور روشن ہو گئے۔ **فقال عزوجل مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح فى زجاجة الزجاجة كانها كوكب درى يوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية و لا غربية يكاد زيتها يضى و لو لم تمسسه نار نور على نور**

یعنی مثال اللہ کے نور کی (جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک کی اصل حقیقت ہے) مثل اس مشکوٰۃ کے ہے جس میں مصباح ہے اور وہ مصباح ایسے شیشے کے اندر ہے جو کوکب دُرّی کی طرح روشن اور منور ہے۔ جو شجرہ مبارکہ زیتونیہ سے روشن کیا جاتا ہے۔ وہ شجرہ مبارکہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے بلکہ لامکانی لاہوتی ہے۔ جس کا روغن بغیر جلائے کے روشنی دیتا ہے۔ پس محبوب کا جسم بھی نورانی ہے اور روح بھی نور ہے۔ پس وہ محبوب نور علی نور **اللهم صل على محمد وآل محمد** چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

”اول ما خلق الله نوری ففتق نوری فخلق منه السموات و الارضین و انا والله اجل من السموات والارضین“ .

عن انس بن مالک قال بینا رسول الله صلی صلوة الفجر ثم استوی فی محرابه کالبدر فی تمامه فقلنا یا رسول الله ان رایت ان تفسرلنا هذه الایة قوله تعالی ”اولئک مع الذین انعم الله علیهم من النبیین و الصدیقین و اشهداء و الصالحین“. فقال النبی اما النبیون فانا و اما الصدیقون فعلی ابن ابی طالب و اما الشهداء فعمی حمزة و اما الصالحون فابنتی فاطمة و اولدها الحسن و الحسین. فنهض العباس من زاویة المسجد الی بین یدیه و قال یا رسول الله الست انا و انت و علی و فاطمهو الحسن و الحسین من ینبوع واحد قال و ما وراء ذالک یا عم قال لانک لم تذکرنی حین ذکرتهم و لم تشرفنی حین شرفتهم فقال رسول الله یا عماه ام قولک انا و انت و علی و فاطمة والحسن و الحسین من ینبوع واحد فصدقت و لکن خلقنا الله نحن حیث لا سماء مبنیة و لا ارض مدحیة و لا عرش و لا جنة و لا نار کنا نسبحه حین لاتسبیح و نقدسه حین لا تقدیس فلما اراد الله بدو الصنعة ففتق نوری فخلق منه العرش فنور العرش من نوری. و نوری من نور الله و انا افضل من العرش . ثم فتق نور علی فخلق منه الملائکة فنور الملائکة من نور علی و نور علی ابن ابی طالب من نور الله فعلی افضل من الملائکة و فتق نور ابنتی فاطمة فخلق منه السموات و الارض فنور السموات والارض من نور ابنتی فاطمة و نور فاطمة من نور الله و فاطمة افضل من السموات والارض. ثم فتق نور الحسن فخلق منه الشمس و القمر. فنور الشمس و القمر من نور الحسن و نور الحسن من نور الله والحسن افضل من الشمس و القمر ثم فتق نور الحسین فخلق منه الجنة و الحور العین فنور الجنة و الحور العین من نور الحسین و نور الحسین من نور الله والحسین افضل من الجنة و الحور العین .ثم ان الله خلق الظلمة و باالقدرة فارسلها فی سحائب البصر فقالت الملائکة سبوع قدوس ربنا مذ عرفنا هذه الاشباح ما رأینا سوء فبحرمتهم الا ما کشفت ما نزل بنا فهنالک خلق الله تعالی قنادیل الرحمة و علقها علی سرادق العرش فقالت الهنا لمن هذه الفضیلة و

هذه الانوار فقال هذا نور امتی فاطمه الزهراء فلذالک سمیت امتی الزهراء لان السموات والارضین بنور ها زهرت و هی ابنة نبیی و زوجة وصیه و حجتی علی خلقی اشهدکم یا ملائکتی انی قد جعلت ثواب تسبیحکم و تقدیسکم لهذه المرئة و شیعتها الی یوم القیامة فعند ذلک نهض العباس الی علی ابن ابی طالب و قبل ما بین عینیه

انس بن مالک صحابی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے ایک دن نماز صبح ادا فرمائی۔ پھر محراب مسجد میں بدر کامل کی مانند جلوہ افروز ہوئے۔ ہم نے عرض کیا کہ رسول خدا اگر آپ چاہیں تو ہمیں اس آیت کی تفسیر سنائیں۔ اولئک مع الذین الایة آپ نے اس کی تفسیر میں فرمایا۔ لیکن انبیاء تو مثلاً میں اور صدیقین تو جیسے علی ابن ابی طالب اور شہدا، میرے چچا حمزہ اور صالحین تو فاطمہ اور حسنین۔ یہ سن کر عباس کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم سب ایک چشمہ سے نہیں ہیں؟ فرمایا تو اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو۔ عرض کیا آپ نے جب ان کا ذکر فرمایا تو میرا ذکر نہیں کیا اور جب ان کا شرف بیان کیا تو میرا شرف بیان نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ اے چچا آپ کا یہ کہنا کہ ہم سب ایک ہی چشمہ سے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں تو خدا نے اس وقت خلق فرمایا جب کہ نہ آسمان بنا تھا نہ زمین بچھی تھی۔ نہ عرش تھا اور نہ جنت و نار ہم اس کی تسبیح کرتے تھے جب کہ کوئی تسبیح کرنے والا نہ تھا۔ ہم اس کی تقدیس کرتے تھے۔ جب کہ کوئی تقدیس کرنے والا نہ تھا۔ پس جب اللہ تعالی نے اپنی صنعت کو ظاہر فرمانا چاہا تو میرے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے عرش کو خلق فرمایا۔ پس نور عرش میرے نور سے ہے اور میرا نور خدا کے نور سے اور میں عرش سے افضل ہوں۔ پھر نور علی کو شق کیا تو اس سے ملائکہ کو خلق فرمایا۔ پس نور ملائکہ نور علی سے ہے اور نور علی نور خدا۔ پس علی تمام ملائکہ سے افضل ہے۔ پھر میری بیٹی فاطمہ کے نور کو شق کیا تو اس سے زمین و آسمان خلق فرمائے۔ پس نور زمین و آسمان نور فاطمی سے ہے اور نور فاطمہ نور اللہ تو فاطمہ زمین و آسمان سے افضل ہے۔ پھر نور حسن کو شق کیا اور اس سے شمس و قمر خلق فرمائے۔ پس نور آفتاب و ماہتاب نور حسن سے ہے اور نور حسن نور اللہ اور حسن آفتاب و ماہتاب سے افضل ہے۔ پھر نور حسینی کو شق فرمایا اور جنت و حور عین کو خلق فرمایا۔ پس نور جنت و حور عین نور حسینی سے ہے اور نور حسین نور خدا ہے اور حسین جنت و حور عین سے افضل ہے۔ پھر خدائے پاک نے اپنی قدرت سے ظلمت کو خلق فرمایا (ظلمت جزاء مادیہ) اور اس کو بادلوں کی صورت میں اور سب کو دکھلایا۔ تو فرشتوں نے کہا تو پاک و پاکیزہ ہے۔ ہمارے پروردگار جب سے ہم نے ان انوار اور اشباح نور کو پہچانا ہے کبھی برائی نہیں دیکھی۔ اب تجھ کو انہی کی حرمت کا واسطہ کہ تو اس تاریکی کی بلا کو ہم سے کھول اور رفع

کر اس وقت خداوند عالم نے اس نور سے قندیل رحمت خلق فرمائے اور ان کو عرش سے معلق فرمایا تو فرشتوں نے کہا اے ہمارے معبود یہ فضیلت کس کے لئے ہے اور یہ انوار کن وجودوں کے ہیں فرمایا۔ یہ میری کنیز خاص فاطمہ زہرا کا نور ہے اور اس کو اس واسطے زہرا کہا گیا ہے کہ اس کے نور سے زمین و آسمان روشن ہوئے ہیں۔ وہ میرے نبی کی بیٹی ہے اور اس کے وصی اور میری حجت علی کی زوجہ ہے اے فرشتو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تمہاری تسبیح وتقدیس کا ثواب قیامت تک کے لئے ایک معظّمہ عورت اور اس کے شیعوں کے لئے کہہ دیا ہے۔ اس وقت حضرت عباس اٹھے اور علی کے پاس آئے اور انکی پیشانی کو بوسہ دیا (سابع بحار) (مولف)

اور چونکہ تمام مکونات علوی وسفلی کو نور اور قوت برقیہ اسی نور اقدم باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے حاصل ہے۔ اس لئے سب کے سب اسی اپنے مجمع وخزانہ اور مرکز کی طرف جو منتہائے تعلیٰ میں ہے۔ جانا چاہتے ہیں لیکن چونکہ ان کو قوت قاہر خداوندی نے اجرام وہیاکل اجسام میں اس طرح سے گرہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے خود وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں جب وقت مختوم ان کا آجاتا ہے۔ تو بقدرت پروردگار ان کے قوالب وہیاکل خراب وفاسد ہو جاتے ہیں۔ پس وہ نور اور قوت برقیہ اپنے فاسد فانوس سے نکل کر اسی اپنے مجمع اور مرکز سے جاملتی ہے۔ جس طرح سے جب کوئی تار الیکٹری سٹی کا خراب ہو جاتا ہے تو اس کی قوت برقیہ اس سے واپس ہو کر اپنے خزانہ سے جاملتی ہے۔

پس جس قدر عالم سفلی اور علوی ہیں اجسام واجرام وہیاکل وصور موجود ہیں۔ سب کے سب اسی اپنے مبداء اور مرکز کی طرف درجہ بدرجہ حرکت کر رہے ہیں۔ جمادات نباتات کی طرف نباتات حیوانات کی طرف اور یہ تمام انسان کی طرف۔ انسان انبیاء مرسلین کی طرف۔ انبیاء مرسلین اس نور الانوار النبی المختار کی طرف جو کل عوالم کا مرکز ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی طرح زمین اپنے آفتاب کی طرف اور آفتاب و ماہتاب اور تمام سیارے اور ثوابت یریٰ و ما لا یریٰ مے اپنے اپنے نظام شمسی اور قمری کے اسی مرکز نور مخزن نور مجمع البرق کی طرف جو ان سب کا مصدر ہے۔ حرکت کر رہے ہیں۔

آپ خیال کرتے ہوں گے کہ آفتاب صرف ایک ہی ہے اور بس۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ اما وراء شمسکم ھذہ تسعة و ثلثون شمسا (عن السجادؑ) یعنی تمہارے اس آفتاب کے پیچھے انتالیس آفتاب اور بھی ہیں۔ پس جو ہم کو نظر آتے ہیں اور جو نہیں نظر آتے وہ سب کے سب اسی اپنے مبدء کی طرف حرکت کر رہے ہیں اور ان سب کو اسی نور الانوار مبدء الدھور و

الاعصار کی شعاع نورانی حرکت دے رہی ہے۔یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ اے انسان تو اپنے مبدا کی طرف بڑی سعی اور جدوجہد کے ساتھ جارہا ہے اور پھر اس سے ملاقی ہونے والا ہے۔ آفتاب باوجود اس کے کہ زمین سے (228) گنا بڑا ہے اور اس قدر اس کی نورانیت اور قوت برقیہ تیز ہے کہ شاید یہ تیزی اور حدت اور کسی کرہ میں نہیں ہے۔لیکن باوجود اس قدر بزرگی اور نورانیت کے ایک چھوٹے سے انڈے کی تاریکی کو دور نہیں کرسکتا۔آپ ایک چھوٹا سا انڈا لے کر دھوپ میں رکھ دیں۔تو آپ دیکھیں گے کہ اس کا بھی زمین پر سایہ پڑ رہا ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ آفتاب خود مجمع قوت برقیہ اور مرکز نور نہیں ہے۔اگر آفتاب خود مرکز نور اور مجمع قوت برقیہ ہوتا تو یقیناً جس شے پر اپنی روسنی ڈالتا وہ نورِ مجسم ہو جاتی۔

کل اشیاء ممکنہ کے اجسام اور انوار ہیں اور ہر ممکن کا نور اس کے جسم پر زائد ہے۔یعنی اس جسم کے علاوہ ہوتا ہے پس ہر ممکن سے اس کا نور جدا ہے۔عین جسم نہیں ہے۔اسی واسطے ہر شے ممکن کا جسم اس کے نور سے علیحدہ دیکھا جاتا ہے۔اسی آفتاب کو دیکھئے کہ اس کا جسم ایک کردی شکل کا ہے اور اس کا نور تمام اطراف میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

لیکن جو مجمع قوت برقیہ اور مرکز انوار ہے۔اس کی یہ حالت اور کیفیت نہیں ہے۔اس کا نور عینِ جسم اور جسم عین نور ہے وہ روح مجسد اور جسد مروح یعنی نور علی نور ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی واسطے اس کے جسم نورانی کا سایہ ہی نہیں تھا۔

آمد ہ ذات نبی سایہ پروردگار سایہ ازاں روند اشت سرد خرامان او

سخت دھوپ میں وجود محبوب کا سایہ معدوم ہو جاتا تھا

چنانچہ مورخین ومفسرین نے اس بات کو لکھا ہے کہ وجود ذی جودِ محبوبِ رب العالمین کا سایہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر تشریف لے جاتے تھے تو ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر رحمت سایہ فگن ہوتا تھا۔اسی بنا پر بعض اہل یورپ نے اعتراض کیا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر نکلتے تھے تو ان کے سر پر ابر کا ٹکڑا سایہ کئے رہتا تھا۔پس سایہ کیونکر ہوتا۔سایہ تو اس وقت نمایاں ہوتا۔جب ابر دھوپ کے وقت ان کے سر سے ٹل جاتا اور آفتاب کی دھوپ ان پر پڑتی۔پس سایہ بھی نمایاں ہو جاتا۔

اصل یہ ہے کہ ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر سایہ نہیں کئے رہتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابو جہل اور مشرکین ہر وقت کا یہ معجزہ دیکھ کر ضرور ایمان لاتے کہ جو شخص ایسا مقرب بارگاہ ہے کہ ہر وقت ابر رحمت اس کے سر پر سایہ فگن رہتا ہے۔ وہ ضرور پیغمبر ہے۔ ؐ

بلکہ اصلیت اور حقیقت اس سایہ کی یہ ہے کہ جس شے میں قوت برقیہ اور حرارت زیادہ ہوتی ہے وہ اس شے کی برودت اور حرارت کو سرد و منجمد کر دیتی ہے۔ جس میں کم درجہ کی حرارت ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی سردیوں میں ضرور اس امر کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب آپ کے منہ سے گرم ہوا نکلتی ہے تو پاس کی سرد ہوا منجمد ہر کر ابر کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس وقت آپ کے جسم میں بہ نسبت ہوا کہ زیادہ قوت برقیہ موجود ہوتی ہے۔

پس وہ نور قدیم جو مبداء الانوار ہے اور اس میں کل مخلوقات اور موجودات سفلی وعلوی سے قوت برقیہ نورانیہ زیادہ ہے۔ جب کبھی دھوپ میں باہر تشریف لے جاتے اور آفتاب اپنی حدت اور تمازت دکھلاتا تھا تو اس وقت آپ بھی اپنی نورانیت کے آثار ظاہر فرما دیتے تھے۔ پس آپ کے نور کی کثرت و وحدت سے نور آفتاب سرد و ماند ہو جاتا تھا اور آپ کا نور ضوء آفتاب پر غالب آجاتا تھا اور شعاعہائے نورانی بالائے سر بطور تتق نور دھوپ میں مثل ابر سفید دکھائی دیتی تھیں۔ **اللھم صلی علی محمد و آل محمد**

وجہ تسخیر اور شمس وقمر کس کے مسخر ہیں

پس یہ جو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے **و سخر لکم الشمس والقمر و سخرلکم اللیل و لانھر** اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر اور رات اور دن کو بھی تمہارا ماتحت بنایا) تو اس لکم (تمہارے لئے) سے کل بنی نوع انسان حقیقۃً مقصود نہیں ہیں۔ کیونکہ تسخیر کے لےء دو امر کا ہونا لازمی ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو تسخیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اول اعطا۔ دوم حکم یعنی شے مسخر (ماتحت) کو مسخر (افسر) اپنے پاس سے کچھ عطا کرے اور پھر اس پر حکومت بھی رکھتا ہو۔ تاکہ ان دونوں باتوں کی وجہ سے جس وقت اس کو کوئی حکم دے۔ فوراً بجالائے ہمارے نوکر اسی وقت تک ہمارے مسخر رہتے ہیں جب تک ہم ان کو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ہمارا حکم ان پر ہوتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں وہ ہرگز مسخر و فرمانبردار نہیں رہتے۔ پس کیا ہے کوئی جو آفتاب و ماہتاب اور زمین و آسمان کو اپنے پاس سے کچھ عطا کرتا یہ اور ان پر اس کی حکومت ہو؟ بدیہی ہے کہ مسخر کو مسخر صرف اشارہ کر دیتا ہے۔ پس وہ بلا توقف اس کی

اطاعت کرتا ہے۔ اپنے نوکروں کو پکار کر کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محض اشارے پر کام کرتے ہیں۔ پس اگر آفتاب اور ماہتاب ہمارے مسخر ہیں۔ جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے تو سردیوں میں ہم کیوں آفتاب کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہس کہ وہ کب نکلے اور ہم دھوپ سینکیں؟ اور گرمیوں میں کیوں اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جب ذرا اس کی حدّت کم ہو تو باہر نکلیں؟ سبحان اللہ خوب تسخیر ہے۔

ردت الشمس لہ ثم دنت من افق

ولئن صیرھا راکدۃ لم تغب

(اس کے لئے سورج لوٹایا گیا۔ پھر افق سے نزدیک ہوا اور اگر وہ اس کو ٹھہرا دیتا تو غروب نہ ہوتا) یعنی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ آفتاب و ماہتاب ان انوار الٰہیہ کے تابع اور مسخر ہیں جو ان کو اپنے پاس سے نور اور قوت برقیہ عطا کرتے ہیں اور ان پر اپنی قوت برقیہ سے حکومت رکھتے ہیں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور جب چاہتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں۔

تقسیم انسان بلحاظ قوای ظاہری و باطنی

انسان کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ ایک انسان طبیعی ہے۔ ایک انسان نفسی ہے اور ایک انسان عقلی ہے۔ انسان طبیعی ہماری ظاہری صورتیں ہیں۔ انسان نفسی صورتِ نفسانی ہے اور انسان عقلی صورت روحانی عقلانی۔ بعبارت اخری انسان طبیعی یہی صورت جسمانی ہے کہ اس کے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ اعضاء و جوارح ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھنے کے لئے آنکھ سونگھنے کے لئے ناک، سننے کے لئے کان، چلنے پھرنے کے لئے پاؤں۔ پس انسانی طبیعی اپنے ایک عضو سے دوسرے اعضاء کا کام نہیں لے سکتا۔ دیکھنے کا کام ناک سے نہیں لے سکتا۔ سونگھنے کا کام آنکھ سے نہیں لے سکتا دیکھنے کا کام ناک سے نہیں لے سکتا وغیرہ پس انسان طبیعی کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک ہر اعضا جدا جدا اور ایک دوسرے سے متمیز و ممتاز ہیں۔ برخلاف اس کے انسان نفسی کے اعضا و جوارح ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں تمائز وضعی نہیں ہوتا۔ آپ نے کبھی خواب میں ضرور دیکھا ہوگا کہ آپ ایک دم ہزاروں میل کے فاصلے پر پہنچ گئے ہیں اور تمام دنیا کے عجائبات دیکھ آئے ہیں۔ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں حالانکہ اپنی خواب گاہ میں پڑے ہوئے ہیں اور آپ کی آنکھ بند ہے اور آپ ہر ایک عضو کی طرف اشارہ حسی نہیں کر سکتے۔ پس وہ کون ہے جو بغیر جسمانی پاؤں کے ہزاروں میل سیر کر آتا ہے اور بغیر جسمانی آنکھ کے تمام دنیا کے عجائبات اور غرائبات کا تماشہ

دیکھتا ہے۔ یہ وہی انسان نفسی ہے۔ اس سے بڑھ کر انسانی عقلی ہے کہ اس کے اعضا اور جوارح میں امتیاز ہی نہیں ہوتا وہ نور مجرد ہوتا ہے۔ پس اس کو ہر شے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اس کے لئے قرب و بعد مساوی ہوتے ہیں۔ وہ سب پر محیط ہوتا ہے۔ پس وہ اسی ایک نور سے دیکھتا ہے۔ سنتا ہے، سونگھتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے، وہی نور اس کا سر ہوتا ہے، پاؤں ہوتا ہے، ہاتھ ہوتا ہے، آنکھ ہوتا ہے، کان ہوتا ہے، ناک ہوتا ہے۔ غرضیکہ اس کے تمام اعضاء و جوارح اسی نور کے ہوتے ہیں۔ وہ نور علی نور ہوتا ہے۔ بعض افراد نوع انسانی، انسان طبیعی کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ بعض نفسی کا اور بعض انسانی عقلی کا اور وہی کامل انسان ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب حالت نماز میں اصحاب حضرت سے پہلے رکوع میں چلے جاتے تو آپ ان کو بطور ہدایت کے ارشاد فرماتے تھے **لا تسبقونی بالرکوع فانی ارکم من خلفی کما ارکم من قدامی** مجھ سے رکوع میں سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے۔ پس آپ کا وجود انسانی عقلی ہے اور کامل انسان اور انسان کامل مجمع اور مرکز ہے تمام انوار عالم علوی و سفلی کا۔ اسی واسطے اس کے ہر ہر بال اور ناخن میں کل عوالم کی قوتِ برقیہ نورانیہ موجود ہے۔ پس وہ ہر وقت مکونات و موجودات عوالم علوی و سفلی کو دیکھتا رہتا ہے اور ان کی آوازوں کو سنتا ہے۔ اس کو دیکھنے اور سننے سے کوئی شے مانع اور حاجز نہیں ہوتی۔ اس کو کل عوالم کے ساتھ مساوات کی نسبت ہے۔ اس کے لئے قرب و بُعدِ عوالم معدوم ہیں۔ تحت الثریٰ اور سموات العلیٰ اور مقام دنیٰ فتدلیٰ سب کے ساتھ اس کو یکساں تعلق ہے۔ کوئی شے اس سے دور نہیں ہے وہ سب پر محیط ہے۔ اسی واسطے محیط المحیط نے اسی کو کل عوالم نورانیہ و ظلمانیہ علویہ سفلیہ کا نذیر و بشیر بنایا ہے **فقال عزوجل تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نورانیت اور برقیت کا اثر صرف اپنے ہی جسم میں محصور اور محدود نہیں تھا۔ بلکہ جو چیزیں اس مجمع برقیہ اور منبع نوریہ سے مس ہو جاتی تھیں۔ ان میں بھی وہی نورانیت آ جاتی تھی۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ جو شے آگ میں پڑ جاتی ہے وہ بھی آگ ہی کی خاصیت پیدا کر لیتی ہے۔ لوہے کو دیکھ لو کہ آگ میں پڑ کر خود بھی آگ ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح سے جو چیزیں آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جاتی تھیں۔ ان میں بھی وہی نورانیت آ جاتی تھی۔ اسی سایہ پر دوبارہ غور کیجئے کہ جب حضرت ختمی مرتبت دھوپ میں تشریف لے جاتے تھے تو آپ کے لباس کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی نور محض ہو جاتا تھا۔ اونٹ کا چمڑہ آپ کے پائے مبارک سے مس ہو کر کہاں پہنچا ہے اللہ اکبر۔

حقیقت سدرۃ المنتہی

منتہائے ترقی اجسام واجرام وحقائق واعمال مخلوقات سفلی وعلوی سدرۃ المنتہی تک ہے۔ جبرائیل امین سید الملائکہ سدرۃ المنتہی سے ایک بال برابر اوپر نہ جا سکے۔ لیکن وہ اونٹ کا چمڑہ نعلین شریف) مقام قاب قوسین اوادنیٰ تک پہنچ گیا۔ کیونکہ وہ بھی قرب واتصال نور سے خاصیت نور پیدا کر چکا تھا۔ بلکہ کہئے کہ نور محض ہو گیا تھا اور نور مطلق سے متصل تھا **اللھم صلی علی محمد و آل محمد** حقیقت سدرۃ المنتہی بیر کا درخت نہیں ہے۔ خداوند عالم نے ایک حقیقت روحانیہ کو افہام وتفہیم کے لئے مثال کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام میں ارشاد فرماتا ہے۔ **مثل کلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها في السماء** سدرۃ المنتہی اس مقام کا نام ہے۔ جہاں اس خزانہ برقیہ نوریہ ملکوت کل شی کو مثل ایک بڑے درخت کی شاخوں کے اطراف کائنات وعوالم امکانیہ میں پھیلایا ہے یعنی اس نور سرمدی حقیقت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشیاء عوالم کے حقائق وملکوت کو جدا کیا ہے۔ پس وہ حد امکان ہے اس کے اوپر مقام واجب الوجود ہے۔ پس جبرائیل جو ایک ممکن شے ہے۔ کس طرح اپنی حد سے نکل کر حد واجب میں الوجود داخل ہو سکتا تھا۔ یہ ممکن نہیں اس کے لئے محال تھا۔ لیکن چونکہ اس اونٹ کے چمڑے نے اس نور سرمدی سے اتصال پیدا کر لیا تھا۔ جو حجاب اور پردہ ہے درمیان امکان اور وجوب کے۔ اس لئے وہ بھی حد واجب میں پہنچ گیا۔ **دنیٰ فتدلیٰ فكان قاب قوسين او ادنى** یعنی وہ مطلق نور خزانہ برقیہ عوالم امکانیہ مبدء الانوار السید المختار اس قدر واجب الوجود کے قریب پہنچا کہ کمان امکان وکمان وجوب کے آپس میں ملنے سے ایک دائرہ کی شکل نمایاں ہوئی اور دونوں امکانوں اور وجوب کے وتروں کے مابین جو ایک موہومی فاصلہ تھا وہ بھی معدوم ہو گیا اور واجب بالغیر کے درجہ پر فائز ہوا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ولقد راه نزلة اخرى عنده سدرة المنتهى بالتحقیق کہ محبوب نے جبرائیل کو دوسری مرتبہ حالت نزولی میں سدرۃ المنتہی پر دیکھا۔ اس حالتِ نزولی میں محبوب کردگار نے جبرائیل امین کو سدرۃ المنتہی پر کس طرح سے دیکھا؟ جب کہ نورانیت اور ملکوتیت کے نور جلال کبریائی بھی اس پر تابان درخشان تھا۔ پس اس نور الانوار مبداء الدھور والاعصار النبی المختار نے اس حالت نورانیت اور برقیت میں اپنے جسم ظاہری

جسمانی سے کل موجودات ممکنہ کے اجناس وانواع وافراد واشخاص کے حقائق کو اس طرح دیکھا مازاغ البصر و ما طغی کہ ان کی چشم جسمانی کو خیرگی تک لاحق نہیں ہوئی اور نہ کوئی ذرہ ممکنات کا فراموش ہوا۔ کل افراد ممکنات کو علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمایا پس مازاغ البصر و ما طغی سے خداوند عالم نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے۔ جن کو خیال تھا یا ہے کہ معراج روحانی ہوئی یا جسمانی کیونکہ روحانی آنکھ کو بصیرت کہتے ہیں۔ نہ بصر، لفظ صبر جسمانی آنکھ کے لئے مخصوص ہے۔ فتدبر و لا تکن من الجاحدین

تعریف نور نبوۃ کلیہ اور اس کی توحید

بہر حال حقیقت نبوۃ کلیہ وہ نور ہے کہ جس کے سامنے کل انوار بے حقیقت ہیں۔ کیونکہ سب کی حقیقت تو وہ خود ہے۔ اس کے سامنے دوسرا کیا حقیقت پیدا کرسکتا یہ اور نور کی تعریف الظاہر الذاتہ والمظہر لغیرہ یعنی نور وہ ہے جو بذات خود تو روشن اور منور ہو اور دوسروں کو اپنے نور سے روشن اور منور کر دے۔ محقق اور ثابت ہے کہ وہ محبوب رب العالمین بذات خود روشن اور منور نور علی نور ہیں اور ان کے نور سے خدا نے کل مخلوقات علوی وسفلی کو منور اور روشن کر رکھا ہے۔

مظہر لغیرہ میں علاوہ ممکنات ذات واجب الوجود بھی ہے۔ پس اس کو بھی آپ نے اپنے نور کلام سے مخلوقات پر ظاہر و باہر فرمایا ہے۔ آپ سورہ حشر کی آیات کو تلاوت فرمائیں۔ تو آپ کو معلوم ہو کہ کس فصاحت اور صراحت کے ساتھ آپ نے ذات واجب الوجود کی توحید ذاتی توحید صفاتی توحید افعالی اور توحید عبادتی کو بیان فرمایا ہے۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب و الشھادۃ ھو الرحمن الرحیم ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنی یسبح لہ ما فی السموات والارض و ھو العزیز الحکیم دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی توحید واجب الوجود کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن جو توحید آپ نے بیان فرمائی ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ موجودہ تورات میں مذکور ہے کہ خداوند عالم کا جسم آسمانی رنگت کا ہے اور پاؤں نیلم کے سے ہیں اور اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور یعقوب سے نبوت کے معاملہ میں رات بھر کشتی لڑتا رہا۔ یہ تو کہتے تھے کہ مجھے نبوت دے دے اور وہ نہیں مانتا تھا اور طوفان نوح بھیج کر سخت پشیمان ہوا۔

جناب موسیٰ کی توحید کو ملاحظہ فرمائیے کہ جب وہ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر دریائے نیل

عبور کرنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ عقب سے فرعون بھی اپنا لشکر لئے ہوئے چلا آتا ہے۔ پس موسیٰ سے کہنے لگے انا لمدرکون اے موسیٰ ہم گرفتار ہو جائیں گے۔ پس جناب موسیٰ نے ان کی تسلی اور تشفی کی اور فرمایا ان معی ربی سیھدین بالتحقیق کہ میرے ہمراہ میرا رب ہے وہ میری راہ نمائی کرے گا۔ جناب موسیٰ نے اپنے وجود کو اپنے رب سے مقدم رکھا اور فرمایا ہے کہ وہ صرف میرے ساتھ ہے۔ یعنی معیت قیومیہ ربیہ میرے ساتھ ہے تم کچھ اندیشہ مت کرو۔

اسی طرح کا واقعہ نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار ثور میں پیش آیا۔ پس آپ نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا آپ نے اپنے وجود کو معبود کے وجود سے موخر فرمایا ہے اور اس کی معیت قیومیہ کو عام بتلایا ہے۔ یعنی ہمارا وجود ذات واجب الوجود سے قائم ہے۔ ہم بذات خود کچھ بھی نہیں ہیں۔ پس وہ ہماری حفاظت کرے گا۔ اللہ ایک ایسا اسم ہے جو تمام صفات کا جامع ہے۔ اسی واسطے اس کا تعلق خاصؑ ذات واجب الوجود ہے اور رب عام ہے۔ ہر مربی کو رب کہہ سکتے ہیں اور اسی لئے اس کا تعلق نبوت سے بھی ہے کیونکہ نبی مربی نوع انسان ہے اور خاتم مربی جمیع انواع ہے۔ بہر حال انبیاء و مرسلین علیہم السلام نور تھے یعنی ظاهر لذاته و مظهر لغيره لیکن ان کی نورانیت محدود تھی۔ جناب یونس کی نسبت ارشاد ہوا ہے وارسلناه الی مائة الف او یزیدون اور جناب عیسیٰ فرماتے ہیں۔ یا بنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد مگر محمد کی نورانیت کسی خاص فرقہ یا قوم کے لئے محدود نہیں ہے۔ آپ کل عوالم علوی و سفلی یری و ما لا یری سب کے روشن اور منور کرنے والے ہیں۔ آپ نے ہر فرقہ مخلوقات کو اپنے نور علم و کتاب سے روشن اور منور فرمایا ہے ۔ قال عزوجل تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا صاحب برکت ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد پر فرقان (یعنی کتاب مفصل فارق حق و باطل) نازل فرمائی ہے تاکہ وہ کل عوالم کا بشیر و نذیر ہو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پس حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نذیر کل ہیں اور انذار کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔ اول ان سب کا علم احاطی۔ دوم ان سب پر حکومت اور تصرف کلی۔ اگر منزر کو یہ دونوں باتیں حاصل نہیں ہیں تو وہ انزار نہیں کر سکے گا۔ پس نبی اکرام باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں کہ ان کو کل مخلوقات علوی و سفلی اور ہر فرقہ عوالم کا علم اہاطی ہے اور سب پر حکومت کلی حاصل ہے اور آپ کی کتاب وہ کتاب ہے کہ اس میں کل موجودات روحانی نفسانی نورانی ظلمانی، علوی سفلی سب کا حال اور ان کی کمیات اور کیفیات حقائق اور دقائق سب موجود ہیں۔ و لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین

تورات مقدس کے متعلق فرمایا ہے فیھا ھدی ونور یعنی تورات خود نور نہیں ہے۔ بلکہ اس میں نور اور ہدایت ہے کیونکہ وہ بصورت لفظی مکتوبی نازل ہوئی ہے اور اصل نور وجود حقیقی ہوتا ہے۔ جو علم ہے نہ کہ صورت مکتوبی وملفوظی۔

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکن نورا مبینا کیونکہ قرآن بصورت حقیقیہ نازل ہوا ہے نہ لفظیہ۔ لقد نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین قاعدہ ہے کہ ہر شے اپنے مبدء اور مرکز کو اپنے قریب دیکھ کر نہایت ہشاش بشاش، فرحان وشادمان، روشن اور منور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ مجمع الانوار خزانہ برقیہ عوالم امکانیہ ایک خاص صورت محسوسہ میں اس عالم دنیا میں زمین مکہ پر سترھویں یا بارسویں ربیع الاول روز جمعہ وقت صبح جلوہ افروز ہوا ہے تو تمام اشیاء عوالم اس کے نور سے روشن اور منور ہو گئی تھیں۔ حتی کہ شہر مکہ سے شام کے مکانات نظر آنے لگے تھے۔ اس نور مطلق نے تمام تاریکیوں کو اپنی نورانی شعاعوں سے برطرف کر دیا تھا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ مجمع الانوار خزانہ برقیہ عوالم نے عالم سفلی وظلمانی میں ظہور فرمایا ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رہی یہ بات کہ پھر کیوں ان کے نور جمال اور نور علم سے تمام عالم سفلی کی موجودات روشن اور منور نہیں ہو گئیں۔ چاہئے تو یوں تھا کہ ہر فرد مخلوقات علام سفلی کا ظاہر و باطن ان کے نور جمال وکمال سے روشن اور تابان اور درخشان ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پس وجہ اس کی یہ تھی کہ ابھی خداوند عالم کو یہ بات منظور نہ تھی۔ اس نے خود روک دیا تھا کہ ابھی اپنے نور جمال وکمال سے عالم دنیا کو مزین مت بناؤ۔ کیونکہ ابھی کل افراد کائنات میں استعداد وقابلیت تامہ پیدا نہ ہوئی تھی۔ فاصبر کما صبروا اولوالعزم من الرسل اس کے لئے اور وقت ہے ابھی غلبہ اور اظہار نور کا وقت اور موقع نہیں آیا ہے۔ ہم ایک دن ضرور تمہارے نور سے تمام عالم سفلی کو منور کر کے رہیں گے اور مربی زمین کے نور سے زمین کو چمکا کر دکھلائیں گے۔ واشرقت الارض بنور ربھا میں ابھی دیر ہے۔

نبوت کی عرضی ترقی باقی ہے

نبوت خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طولانی ترقی ختم ہو چکی ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا لیکن اس کی عرضی ترقی باقی ہے۔ مقامات امامت وخلافت میں یہ امر ہر وقت ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ احکام اندار یہ

تمام وکمال آ چکے ہیں۔ اس لئے اب کسی اور حکم کے آنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ پس جو کوئی وصی وخلیفہ، نذیر وبشیر عالمین ہے۔ اس کے پاس کوئی جدید وحی نہیں آئے گی۔ صرف انہیں احکام اور اوامر ونواہی کو جو نذیر العوالم الامکانیہ وبشیر الخلائق الفانیہ پر نازل ہو چکے ہیں۔ مخلوقات علوی وسفلی کو پہنچائے گا اور سمجھائے گا۔ اس لئے اول تو وصی وخلیفہ رسول رب العالمین کو کل ما جاء به النبی کا علم احاطی ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ناواقف اور جاہل ہرگز یہ کام نہیں کر سکے گا۔ دوم کل فرقہ عوالم پر اس کو تصرف کلی اور تفوق وتفضّل حاصل ہونا بھی ضروری ولابدی ہے۔ تاکہ تفصیل مفضول لازم نہ آئے جو قبح عقلی ہے اور ہر فرقہ عوالم علویہ وسفلیہ کو ان کے احکام تکلیفی سے آگاہ فرمائے۔ پس نور نبی اکرام باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتمام کو خداوند عالم نے ان کے آخری وصی پر موقوف رکھا ہے۔ جس قدر دلائل وبراہین صداقت اسلام کے لئے ضروری تھے۔ وہ سب نبی نے بیان کر دیئے ہیں۔ لیکن اسلام کی تصدیق کرنے والے پھر بھی تھوڑے ہی لوگ ہیں۔ پس اب اظہار اور غلبہ اسلام کے لئے برہان اور دلیل سے کام نہیں لیا جائے گا۔ برہان اور دلیل کا وقت گذر چکا ہے۔ اب صرف یہ باقی رہا ہے۔ **و قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ** مخالفین اسلام بے انتہا کوشش کرتے ہیں اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی تحریر وتقریر اور تدبیر سے نور محمدی کو بجھا دیں۔ لیکن خداوند عالم فرماتا ہے۔ **واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اللہ اپنے حبیب کے نور کو کامل کر کے رہے گا کہ اس کی شعاع نورانی سے کل عالم سفلی عالم نورانی ہو جائے گا۔ حتی کہ آفتاب وماہتاب کے نور کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ **واشرقت الارض بنور ربھا اس دن ساری زمین اپنے مربی کے نور سے جگ مگا اٹھے گی۔ اللھم صلی علی محمد وال محمد وله اسلم من فی السموات والارض طوعا او کرھا** اور ہر مخلوق اس دن نور اسلام سے روشن اور منور ہو جائے گا خواہ طوعاً ہو یا کرہاً اور اس دن سوائے دین اسلام کے اور تمام ادیان معدوم ہو جائیں گے۔ کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ کل ادیان کی روشنی زائل ہو جائے گی کیونکہ وہ دن اسلام کے اظہار کا دن ہوگا۔ نہ غلبہ اور اظہار میں فرق ہے۔ غلبہ کی صورت میں مغلوب کا وجود باقی رہتا ہے اور اظہار کی صورت میں معدوم ہو جاتا ہے۔ جس طرح سے آفتاب کے ظہور کے وقت تاریکی شب معدوم ہو جاتی ہے۔ پس یہ صورت اسی جناب کے زمانہ ظہور میں ہوگی۔ جو نور رسول رب العالمین اور خاتم الاوصیاء والصدیقین ہیں۔ اس لئے مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جن کے وجود پاک سے ظہور دین اسلام ہوگا۔ جزء رسول ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ آیت مذکور کی تکذیب لازم آئے گی۔ پس اس نور نبی

کے ہاتھوں سے اس نور اور خزانہ برقیہ کا اظہار ہوگا۔ جس کو خداوند عالم نے ابھی روک رکھا ہے اور آیت ذیل صادق آئے گی۔ هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله لوگوں نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب ہوگا۔ تو اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں بخشے گا۔ قل يوم الفتح لا ينفع الذين كفروا ايمانهم و لا هم ينظرون اور وہ نور نبی علیہ الصلوۃ والسلام اس عالم سفلی کو اپنے نور سے روشن اور منور کرتا ہوا آسمان میں تشریف لے جائے گا اور ان عوالم علویہ کو اپنے نور سے اور زیادہ روشن اور منور فرما کر عالم حیوۃ مطلق بنا دے گا۔ پس فرش زمین سے لے کر عرش برین تک تمام ایک عالم ملکوت ہو جائے گا۔ کیونکہ آیہ مجیدہ میں من فى السموات ارشاد ہوا ہے۔

لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم اللهم صلى على محمد و آل محمد

مجلس دوم

متعلق آیہ نور

قال عز من قائله قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین

نوراصلِ وجود ہے اور ظلمت اصلِ عدم

نوراصل وجود ہے ظلمت اصل عدم۔ پس جس قدر موجودات یری و مالا یری ہیں سب میں نور موجود ہے اور جب یہ نور جسم سے خارج ہو جاتا ہے تو ہیکل جسمانی اور شکل مادی فنا اور ہلاک ہو جاتی ہے۔ مدارِحیات اور ذریعہ ترقی درجات استعداداور ترقی عالم مواد سے متعلق ہے۔

یہی نور ہے۔ خداوند عالم نے دوطرح کے عالم خلق فرمائے ہیں۔ ایک عالم خلقی ہے۔ جس کی ترقی تدریجی ہے۔ دوسرا عالم امری ہے جس کی ترقی فوری اور آنی ہے۔ عالم خلقی مواد سے متعلق ہے اور عالم امری نور سے۔ چنانچہ عالم خلقی کی نسبت ارشاد ہوا ہے **ھو الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام و کان عرشه علی الماء** یعنی اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بتدریج چھ روز میں خلق فرمایا ہے اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اور خلق نوع بشر بھی اسی عالم سے متعلق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے **ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین . ثم جعلنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین** اور چونکہ عالم امری کی ترقی فوری اور آنی ہے۔ پس اس کے لئے ارشاد ہوا۔ **انما امره اذا اراد شیئا این یقول له کن فیکون**

آج کل کے فلسفی بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ترقیات طولانی عالم مواد سے متعلق ہیں عالم عقول میں ترقی طولی کی استعداد نہیں۔ پہلے یورپ کے فلاسفر تو اس بات کے قائل ہی نہیں تھے۔ کہ عالم مواد کے علاوہ اور بھی کوئی عالم ہے۔ لیکن اب بعض قائل ہو گئے ہیں کہ عالم مجردات بھی ایک عالم ہے۔ حکماء اس

بات کے قائل ہیں کہ موجودات مادیہ میں انسان ترقی کا منتہی ہے۔اول صورت سدیمیہ وبشریہ ہے۔ پھر جماد کا درجہ ہے۔ پھر نبات کا پھر حیوان کا اور اس کے بعد انسان کا درجہ ہے۔ پس انسان انتہائے ترقی مواد ہے۔لیکن چونکہ ہم اہل دین میں فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور جنوں کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں۔اس لئے ہمیں یہ بات معلوم کرنی نہایت ضروری ہے کہ کون سی مخلوق سب سے زیادہ ترقی کرسکتی ہے۔آیا انسان یا جن یا ملک۔ پس آیاتِ قرآنیہ پرغور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام انواع مخلوقات میں انسان ہی سب سے زیادہ ترقی کرسکتا ہے۔ کیونکہ ملائکہ عالم امری سے تعلق رکھتے ہیں۔اس لئے ان کی ترقی بالفعل ہے۔بالقوۃ نہیں ہے۔جس قدران کو ترقی طولی ملتی تھی۔ وہ سب وقت خلقت ہی مل چکی ہے۔ کیونکہ ان کی خلقت آنی اور فوری ہے تدریجی نہیں ہے۔ چنانچہ خودان کا قول اس امر پر دال ہے کہ ان سب کے خاص خاص ترقی اور علو کے مدارج اور مقام ہیں ما منا الله له مقام معلوم اور مشاہدہ بھی ہے کہ صرف روح بغیر مادے کے کچھ ترقی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ روح نور ہے اور نور گھٹتا بڑھتا نہیں۔ ہر حالت میں یکسان رہتا ہے۔البتہ یہی نور جب کسی قالب میں مادی ہوتا ہے۔تو اس وقت ترقی کرتا ہے۔مثلاً جونور درخت کے بیج میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی کر کے ایک بڑا تناور درخت ہو جاتا ہے لیکن چونکہ تخم درخت ایک سخت اور درشت شے ہے۔اس لئے اس کی ترقی محدود ہے۔نطفہ انسان نرم اور لطیف ہے اس لئے اس کی ترقی غیر محدود ہے اور جونور پتھر میں ہوتا ہے وہ ترقی کر کے لعل ویاقوت وزمرد والماس ہو جاتا ہے ملائکہ چونکہ مادے سے مجرد ہیں اس لئے ان کی ترقی محدود ہے اور نوع بشر مادے میں محصور ہے۔اس لئے اس کی ترقی غیر محدود ہے۔

باعث افضلیت جمعیت قوی اور حواس اور اجتماع اشیاء متضادہ اور کمالات ہیں

فرشتوں کو خداوند عالم نے صرف روحانی قوت عطا کی ہے اور انسان روحانی اور جسمانی سب کا مجموعہ ہے۔ جو کچھ فرداً دیگر تمام مخلوقات کو خداوند عالم نے عطا کیا ہے ان تمام کمالات وتفضلات کا مجموعہ انسان کو بنایا ہے اور انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے یعنی جسم ونفس روح۔ فقال عزوجل سبحان الذی خلق الازواج کلها مما تنبت الارض و من انفسهم و مما لا یعلمون اور چونکہ باعث ترقی اور افضلیت اجتماع قویٰ ونفوس وحواس ہیں اس لئے انسان یعنی بنی نوع بشر کو خداوند عالم نے فرشتوں پر فضلیت عطا کی ہے کیونکہ جس قدر قویٰ ونفوس وحواس خلاق عالم نے انسان میں خلق فرمائے ہیں اور کسی

مخلوق میں نہیں خلق فرمائے فرشتوں کو صرف نفس ملکوتی عطا کیا ہے اور نوع بشر کو نفس بہیمی، نفس سبعی، نفس ملکوتی عطا کئے ہیں۔ اسی واسطے خدائے جل شانہ نے ملائکہ کو بنی نوع انسان کا خادم بنایا ہے۔ کیونکہ بنی نوع انسان میں تمام مخلوقات سے زیادہ قویٰ ونفوس وحواس جمع ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو خداوند عالم حکیم علی الاطلاق ہرگز ہرگز بنی نوع انسان کا خادم فرشتوں کو نہ بناتا کیونکہ حکیم کبھی مفضول کو فاضل پر فوقیت نہیں دیتا وہ کبھی عالم کو جاہل کا تابع نہیں بنائے گا۔ کبھی ناقص کو کامل پر شرف نہیں بخشے گا۔ وہ بنی نوع انسان ہی میں سے تھا جو اس مقام میں پہنچا۔ جہاں جبرائیل جیسے جلیل الشان ملک نے اپنے عجز وقصور کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے عرض کیا لو دنوت انملة لاحترقت اگر ایک انگل آگے جاؤں تو جل جاؤں۔

اگر یک سر موئے بر تر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

انسان کی خلقت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے ولقد خلقنا الانسان من ماء مهين ماء سے مراد وہ پانی ہے جو تمام مخلوقات سے پہلے تھا۔ جس کا تذکرہ آیہ ذیل میں فرمایا ہے ھو الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام و کان عرشه علی الماء اور ''مہین'' شوائب مادہ کی طرف اشارہ ہے۔

پس نوع انسان ترقی کر کے کہاں تک پہنچنا چاہتی ہے؟ یہ اسی ماء اول یعنی خزانہ ومنبع نور ومجمع قوت برقیہ عوالم نور الانوار مبدء الدھور والاعصار النبی المختار تک پہنچنا چاہتی ہے۔ جو واجب اور ممکن کے درمیان صرف ایک حجاب ہے۔ ملائکہ کی ترقی طولانی سدرۃ المنتہیٰ تک ختم ہو چکی ہے۔ لیکن بنی نوع انسان کی ترقی طول میں حد واجب تک چلی جاتی ہے۔ اللھم صلی علی محمد و آل محمد

یہی وجہ ہے کہ انسان کی ایک عبادت کل مخلوقات کی عبادت کا ثواب رکھتی ہے کیونکہ جس طرح سے خداوند عالم نے انسان کو تمام مخلوقات علوی وسفلی کے قوی وکمالات کا مجموعہ بنایا ہے۔ اسی طرح سے اس کی عبادت کو بھی کل مخلوقات کی عبادتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ چنانچہ مقام استحقاق خلافت میں فرشتوں نے جو استدلال پیش کیا ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کی عبادت کیا ہے۔ انہوں نے کہا اے پروردگار ہم کو خلیفہ بنا۔ نحن نسبح بحمدک و نقدس لک پس ظاہر ہے کہ ان فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح اور تقدیس ہے۔ چنانچہ امیر الموحدین کاشف اسرار العالمین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوۃ والسلام بھی فرماتے ہیں۔ ثم فتق ما بین السموات العلی فملاھن اطوارا من ملائکه منهم سجود لا یرکعون و رکوع

لا ینتصبون و صافون لا یتزایلون و مسبحون لایساء مون لا یغشاھم قوم العیون و لا سھوا لعقول و لا فترۃ الابدان و لا غفلۃ النسیان و منھم امناء علی وحیہ و السنتہ الی رسلہ و مختلف بقضائہ و امرہ و منھم الحفظۃ لعبادہ و السدئۃ لابوب جنانہ بعض فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح ہے اور بعض کی صرف تقدیس اور بعض کی صرف قیام اور بعض کی صرف رکوع اور بعض کی صرف سجود۔ لیکن بنی نوع انسان کی عبادت ان تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ کچھ اور بھی زیادہ ہے۔ انسان کی عبادت میں تہلیل ہے، تکبیر ہے، تحریم ہے، قیام ہے، رکوع ہے، قعود ہے، سجود ہے، الحمد ہے، قرآن ہے، تسبیح ہے، تقدیس ہے وغیرہ وغیرہ اور صیام ہے۔ زکوۃ ہے، خمس ہے، جہاد، حج بیت اللہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ انسان میں کیا کچھ ہے اور فرشتوں میں کیا۔ اس لئے اس نے اپنا خلیفہ بنی نوع انسان ہی کو بنایا تا کہ وہ کُل عوالم مادیات و مجرادات میں تصرف کر سکے۔ کیونکہ اسی انسان ہی میں کل عوالم علوی و سفلی کے قوی وحواس احساسات اور ادراکات فاضلات وکمالات مجتمع ہیں اور باعث افضلیت جمعیت قویٰ ہے۔

توضیح انسان نفسی و انسان عقلی و موت

پہلی مجلس میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ انسان تین قسم کے ہیں۔ انسان طبیعی، انسان نفسی اور انسان عقلی۔ اور انسان نفسی وہ انسان ہے جس کے اعضا و جوارح میں ایک دوسرے سے امتیاز تو ضرور ہے لیکن تمائز وضعی نہیں ہے اور اس کے ہر ہر عضو کی طرف اشارہ حسیہ نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آنکھ ہے یہ ناک ہے وغیرہ وغیرہ اور اس انسان طبیعی کی طرح اس کے قوائے وحواس محدود و محصور نہیں ہیں وہ ایک لمحہ اور ثانیہ میں ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے اور پھر اسی آن میں لوٹ بھی آتا ہے۔ یہ وہی انسان ہے جو حالت خواب مین اس جسم طبیعی اور عنصری سے باہر نکل کر یہ کرشمے دکھلاتا ہے۔ پس یہی انسان نفسانی ہوگا۔ جس کے روز حساب وکتاب ہاتھ پاؤں بولیں گے اور زبان خاموش ہوگی۔

فقال عزوجل یوم نختم علی افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون۔ و قال عزوجل و یوم یحشرا اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون حتی اذا ما جاء ھا شھد علیھم سمعھم و ابصارھم و جلودھم بما کانوا یعملون و قالوا لجلودھم لم شھد تم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شی و ھو خلقکم اول مرۃو الیہ ترجعون پس اس

انسان نفسانی کی ترقی اس طبیعی مادی انسان سے کہیں زیادہ ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں گویائی کی طاقت اور قوت موجود ہے اور وہ ہوا پر اڑ سکتا ہے۔ پانی پر چل سکتا ہے۔ چشم زدن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اس جسمانی حالت میں اس کی ترقی محدود و محصور ہے کہ بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا اور بغیر آنکھ کے دیکھ نہیں سکتا اور بغیر کان کے سن نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ کثیف اور غلیظ مادہ جس میں وہ رہتا ہے۔ اس کو ان باتوں سے مانع اور عاجز ہے اور جب اس غلیظ مادے کی چار دیواری سے باہر نکلے گا۔ تو پھر اسے کوئی شے مانع نہیں ہوگی۔ جس طرح کہ جب انسان اپنے گھر میں دروازہ بند کئے ہوئے بیٹھا ہوتا ہے تو میدان کی کسی شے کو نہیں دیکھ سکتا اور جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو تمام میدانی اشیاء مثل پہاڑ اشجار اور مزروعات وغیرہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ یا جب اس کے سامنے سے دیواریں گرادی جاتی ہیں۔ تو پھر یک بیک سارے باغات اور مزروعات اور جبال و بحار اس کو نظر آنے لگتے ہیں۔

حقیقت موت اور ترقی انسانی

پس موت انسان کے لئے نہایت خوشی اور سرور اور ترقی و آزادی کا مقام اور وقت ہے کہ اس جسم مادی سے نکلتے ہی اس کو وہ ترقی اور آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کو ابھی وہ خواب میں دیکھ رہا ہے۔ اگر لوگوں کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو ان کو مرنے سے ہرگز ہرگز خوف و ہراس نہ ہو۔ موت سے انسان معدوم نہیں ہوتا۔ مرنے سے صرف اس کا مادی جسم اور گھر جس میں وہ محبوس و مقید تھا تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور وہ اس تیرہ و تاری قید خانہ سے نجات پا کر آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ موت کا تعلق صرف جسم عنصری اور مادی سے ہے نہ وجود عقلانی اور نفسانی سے۔ کیونکہ جب انسان نفسانی اور عقلانی کے لئے جسم مادی اور عنصری تیار ہو جاتا ہے۔ تب وہ اس میں داخل ہوتا ہے **فقال عزوجل ثم انشاناہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین** یہی وجہ یہ کہ مقام بیان خلق موت وحیات میں خداوند علیم نے موت کو حیات پر مقدم رکھا ہے۔ **فقال عزوجل خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا** یعنی انسان کے لئے پہلے موت جو جسم مادی اور بے نور ہے خلق ہوتا ہے۔ بعد ازاں حیوٰۃ جو نور اور باقی رہنے والی شے ہے اس میں داخل ہوتی ہے۔

بہر حال انسان کی پہلی ترقی موت ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس عالم مواد کثیفہ سے نکل کر عالم

نفسانی و برزخی میں داخل ہوتا ہے و من ورائهم برزخ الی یوم یبعثون پس اس کے ہاتھ پاؤں بولنے لگتے ہیں اور وہ برق محض ہو جاتا ہے کہ چشم زدن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچتا ہے۔

پس اس عالم برزخی اور نفسی کے بعد عالم عقلانی اور عالم حیات محضہ میں داخل ہوتا ہے اور اس عالم عقلانی مین اس کے اعضاء و جوارح میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ عقل مجرد اور حیات محض ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کو وہ قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے جو عالم نفسی اور برزخی سے معلوم نہیں کس قدر زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی عالم عقلی کے متعلق ارشاد ہوا ہے **ما تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین** اور فرمایا ہے **فبصرک الیوم حدید** یعنی آج اس عالم عقلانی میں آ کر تیری نظر اور بصارت نہایت تیز اور صاف وشفاف اور لطیف ہو گئی ہے کہ اب اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں ہو سکتا۔ کوئی شے اس کو مانع اور حاجز نہیں ہو سکتی۔ پس ترقی انسان عقلی غیر محدود و محصور ہے اس کو کوئی نہیں بیان کر سکتا کہ وہ کس درجہ اور کہاں تک ہے۔

بعض انسان اس عالم مواد میں بھی ایسے ہیں کہ ان کو عالم عقلانی میں پہنچنے کے لئے عالم مادی اور عالم نفسی کے طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ براہ راست عالم عقلی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ ذوات قادسہ ومقدسہ انبیاء واوصیاء علیہم السلام ہیں۔ چنانچہ انہیں کو خداوند عالم نے اپنا خاص خلیفہ زمین و آسمان اور تمام عوالم پر مقرر فرمایا ہے اور انہیں کو کل فرشتوں اور دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ چنانچہ جب جناب آدم علیہ السلام کو خداوند عالم نے اپنی خلافت زمینی عطا کی تو تمام فرشتوں کو حکم ہوا کہ سب کے سب آدم خلیفۃ اللہ فی الارض کو سجدہ تعظیمی بجالائیں **فسجد الملائکة کلهم اجمعون** سجدہ سوائے ذات معبود کے اور کسی کو سزاوار نہیں ہے۔ لیکن بشر وہ مخلوق ہے کہ اس کو بھی سجدہ تعظیمی دلوایا گیا ہے۔ کیونکہ خلفیہ خدا ہے اور کس سے تمام ملائکہ وعقول مجردہ سے۔ جن میں جبرائیل ومیکائیل وعزرائیل واسرافیل ورضوان ومالک و اسماعیل علیہم السلام سبھی داخل ہیں۔

بہر حال خلیفہ خداوند عالم، عالم ملائک سے نہیں لیا گیا۔ بلکہ عالم مواد وعناصر سے لیا گیا اور اس کو تمام ملائکہ سے سجدہ تعظیمی دلوایا گیا۔ پس بنی نوع بشر خلیفۃ اللہ فی الارض مقرر ہوا اور اپنے مستخلف عنہ (جس کا خلیفہ ہے) کے اوصاف کا مظہر بنا اور ظاہر وباہر ہے کہ مستخلف عنہ کے امور کیا کچھ ہیں **الا له الخلق والامر** یعنی عالم خلقی اور عالم امری سب کا متصرف اور مدبر خداوند عالم ہے۔ پس خلفاء اللہ سے بھی حسب ضرورت ووقت جملہ اوصاف الٰہی ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جناب عیسیٰ فرماتے ہیں **انی اخلق لکم من**

الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ چونکہ جناب آدم ونوح وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام صرف عالم مواد پر خلیفۃ اللہ تھے۔اس لئے ان کا تصرف صرف مادے پر تھا نہ عالم ارواح پر۔ جو عالم امری سے ہے۔اسی واسطے جناب عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ میں پرندے کی شکل بنا سکتا ہوں۔نہ پرندہ اس کے بعد اس روح سے جو اللہ نے مجھ میں پھونکی ہے۔ پھونکتا ہوں۔ پس وہ اللہ کے اذن سے زندہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مجھ کو صرف عالم مواد پر تصرف حاصل ہے۔نہ عالم ارواح پر۔ پس بحیثیت نبی نوع بشر ہونے کے ہر شخص اس صفت میں خلیفہ اللہ فی الارض ہے۔اس میں مومن مشرک کی تفریق نہیں ہے۔سب یکساں ہیں چنانچہ جن لوگوں نے صور اور ترکیب مواد میں اپنے تصرف کو بڑھایا ہے انہوں نے عجیب وغریب چیزیں ایجاد کر ڈالی ہیں اور جو بہت سے لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔ ہوائی جہاز برق وائرلیس ٹیلیگراف، گراموفون وغیرہ لیکن سب یکساں خلیفہ نہیں ہیں۔غیر نبی صرف شکل اور صورت بنا سکتا ہے اور نبی باذن خداوند عالم اس کو زندہ بھی کر سکتا ہے۔جیسا کہ جناب عیسیٰؑ کے قول سے ثابت ہے۔

نبی اور بنی نوع انسان کی خلقت میں فرق ہے

انبیاء اوصیاء علیہم السلام کی خلقت عالم امری سے ہے۔یعنی آنی ہے۔چنانچہ جناب آدم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قالہ کن فیکون عام بنی نوع بشر کی خلقت تدریجی ہے۔اس لئے کہ مواد عنصریہ سے متعلق ہے۔اس میں زوج وزوجہ کی مصاحبت درکار ہے۔انبیاء علیہم السلام کی خلقت آنی وفوری ہے۔نہ وہاں اس مادے کی ضرورت ہے۔نہ مصاحبت ومقاربت کی ۔چنانچہ جب جبرائیل امین نے جناب مریم صلوۃ اللہ علیھا سے عرض کیا کہ میں تم کو ایک زکی فرزند کی بشارت دینے آیا ہوں۔تو انہوں نے کہا کہ لم یمسسنی بشر والم اک بغیا یعنی ولادت فرزند کے لئے تو بشر کا مس کرنا ضروری ہے اور مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے اور نہ میں خراب ہوں پس کس طرح فرزند ہوگا؟ جبرائیل نے عرض کیا۔ہاں ہے تو ایسا ہی۔لیکن خلاق عالم قادر ہے کہ بغیر مس بشر کے فوراً خلق کردے الا لہ الخلق و الامر . انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون چنانچہ روح پھونکتے ہی جناب عیسی علیہ الصلوۃ والسلام متولد ہو گئے۔

اسی طرح جناب اسحاقؑ کا قصہ ہے کہ جب فرشتوں نے جناب سارا کو بشارت دی تو انہوں نے کہا

کہ اب میں جنوں گی اور حالانکہ میرا شوہر شیخ ہوگیا ہے۔ تب فرشتوں نے عرض کیا۔ کیا آپ اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہیں اور حالانکہ تمہارے خاندان پر خداوند عالم کی خاص رحمت ہے۔ پس جناب اسحاق متولد ہوئے۔

بہرحال انبیاء اوصیاء علیہم السلام کی خلقت عالم امری آنی سے ہے۔ نہ عالم خلقی تدریجی سے۔

معنی بشر

جناب آدم علیہ السلام بشر تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے انی خالق بشرا من طین فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین بشر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بشرہ اور جسم مرئی اور مشاہدہ ہو۔ یعنی جب میں ایک ایسا شخص پیدا کروں گا کہ اس کا جسم عالم مادیات سے ہوگا ور سب کو نظر آئیں گے تو تم اس کو سجدہ کرنا۔ پس یہ بشر کیا چیز تھی۔ یہ مقام اور منزل تھی اس بعض روح امری کے لئے جس کو سجدہ دلوایا گیا تھا۔ اس لئے کہ اگر قالب آدم کو سجدہ کرانا ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا فاذا سویته فقعوا له سجدین پس چونکہ اسی قالب مادیہ کو سجدہ کرانا منظور نہیں تھا۔ بلکہ اس بعض روح امری کو جو اس میں داخل کی گئی تھی۔ اس لئے ارشاد ہوا واذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین پس خلافت فی الارض ان کو اسی بعض روح کی بدولت حاصل ہوئی تھی اور یہی ذرا سی روح روح نبوتی تھی۔ اس لئے وہ جناب خلیفہ ارض یعنی عالم مادی وعنصری پر مقرر ہوئے۔ نہ عالم امری اور روحی پر۔ کیونکہ بعض اور ذرا سی روح سے کل عالم امری اور روحانی پر تصرف نہی حاصل ہوسکتا۔

جز سے کل پر تصرف اور حکومت نہیں ہوسکتی

اسی طرح جناب عیسیٰ میں بھی ذری روح تھی۔ چنانچہ ان کی نسبت ارشاد ہوا ہے کلمة القاها الی مریم و روح منه یعنی عیسیٰ بن مریم علیہا السلام خداوند عالم کی بعض روح تھے نہ کل۔ اسی واسطے پرندوں میں روح داخل کرنے کے لئے ان کو اللہ کی ضرورت تھی۔ بغیر اذن اللہ کے زندہ پرندہ بنا نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ عالم امری اور روحانی پر ان کو پورا تسلط اور تصرف حاصل نہیں تھا۔

اور جناب موسیٰ کو کل نو معجزے دیئے گئے۔ کیونکہ ان کو بھی تھوڑی سی روح نبوتی عطا ہوئی۔ ان کا عصا ساحروں کے مقابلہ میں اژدہا بن جاتا تھا۔ نظر بندی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی صورت اور سیرت دونوں بدل جاتی تھیں۔ فقال عزو جل سنعیدھا سیرتها الاولی

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے۔ **ولذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ماکنت تدری ما الکتاب و لا ایمان ولکن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا و ناک لتھدی الی صراط مستقیم۔**

یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق پس چونکہ نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم امری کی ساری روح ہیں۔ اس لئے ان کو تمام عالم امری اور مادی وعنصری پر پورا تصرف حاصل ہے اور چونکہ یہی روح روح نبوتی ہے۔ اس لئے جن میں ذری سی تھی۔ وہ بعض عوالم کے نبی اور نذیر تھے۔ چنانچہ جناب عیسیٰ فرماتے ہیں۔ **یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**

اور جس ذات اقدس میں ساری روح ہے۔ وہ کل عوالم کے نبی اور نذیر ہیں۔ **تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی روح کلی کی وجہ سے کل عوالم نفس اور صورت روح اور ملکوت پر نذیر اور مظہر ہیں اور آپ کا دست رحمت تمام عوالم پر مبسوط اور اسی واسطے خدا ان کے ہر ایک کام کو اپنا کام کہتا ہے۔ کیونکہ یہ عمالہ خدا ہیں اور مظہر کل اور اسی واسطے مقام تعظیم میں ان کے دست حق پرست قلم قدرت کی قسم یاد فرماتا ہے۔ **ن و القلم و ما یسطرون و السماء بنینا ھا بایدی و انا لموسعون . والذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم**

خداوند عالم نے ان کی خلقت عالم امری سے فرمائی ہے لیکن عالم مواد میں ان کو بھی مثل ہمارے رفتہ رفتہ نشو ونما دیا۔ تاکہ جب وہ تبلیغ احکام الٰہیہ شروع کریں تو لوگ بسبب جنسیت ظاہری کے ان سے نفرت اور گریز نہ کریں۔ بلکہ مانوس رہیں اور ان کی باتوں کو غور سے سنیں۔ کیونکہ اگر آناً فاناً میں یکایک ان کی خلقت نوری ہی کی تکمیل ہو جاتی اور صورت عالم خلقی نہ دی جاتی۔ جیسا کہ فرشتوں کی ہوئی ہے۔ تو بنی نوع بشر ان سے فیض نہ پا سکتے۔ کوئی ان کے نزدیک نہ جاتا۔ دور ہی سے کافور ہو جاتے۔

خداوند عالم کبھی اس شخص کی اطاعت مخلوقات پر واجب نہیں کرتا۔ جو عالم امری میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مادہ ایک ظلمانی اور فاسد ہو جانے والی شے ہے۔ پس جو اجسام ایسی شے سے بنے ہیں۔ ان میں ظلمت اور فساد کا احتمال اور امکان ضرور ہے۔ پس حکیم علی الاطلاق ایسوں کی اطاعت کیونکر مخلوقات پر واجب کرتا۔ یہی تو تفضیل مفضول بر فاضل ہے۔ جو قبح عقلی ہے۔ پس حکیم علی الاطلاق نے انہیں نفوس قادسہ مقدسہ کی

اطاعت کومخلوقات پرواجب لازم گردانا ہے۔جن کی خلقت عالم امری سے ہے۔نہ محض عالم خلق مادی سے۔ **فقال عزوجل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** یعنی اے مخلوقات علوی وسفلی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور ان کی جو صاحبان امر و اولیاء امور الٰہی ہیں۔ **و قال عزوجل . و النازعات غرقا و انشطت نشطا فالسبحات سبحا فالسبقات سبقا فالمدبرات امرا و الذاريات ذروا فالحملت وقرا فلاجريت يسرا فالمقسمت امرا اللهم صلی علی محمد و آل محمد . و لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظيم**

مجلس سوم

متعلق آیہ نور

قال عز من قائلہ قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین

قابلیت واستعداد ترقی نرم اور لطیف تخم اور نطفے میں زیادہ ہوتی ہے

بدیہیات سے ہے کہ جس قدر تخم اور مادہ سخت اور درشت صعب وصلب ہوتا ہے۔ اسی قدر اس میں عدم قابلیت اور فعلیت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر تخم اور مادہ نرم ولطیف ہوتا ہے۔ اسی قدر اس میں قابلیت اور تحول زیادہ ہوتا ہے۔ آپ اخروٹ کے تخم کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر سخت اور درشت ہوتا ہے۔ اسی واسطے اس کا درخت سوائے اس صورت مشخصہ کے جس کو آپ نے دیکھا ہوگا اور کوئی صورت قبول نہیں کرسکتا۔ جو کچھ اس کے کمالات ہیں بالفعل ہوتے ہیں اور خواہ کیسی ہی تربیت کی جائے اخروٹ ہی رہے گا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح سے حیوانات کے مواد فطریہ ہیں کہ جس قدر ان میں کثافت اور غلاظت ہوتی ہے۔ اس قدر ان میں کم استعداد اور قابلیت ہوتی ہے۔ ان کے کمالات بھی بالفعل ہوتے ہیں۔ کوئی شے بالقوۃ نہیں ہوتی۔ آپ نطفہ خر اور بقر کو دیکھیں کہ وہ بہ نسبت نطفہ انسان کے کس قدر غلیظ اور کثیف ہوتا ہے۔ اسی واسطے بچہ خر اور گوسالہ بقر تعلیم اور تربیت سے انسان کی سی ترقی نہیں کر سکتے۔ بچہ خر کی خواہ آپ کیسی ہی تربیت کریں وہ ہمیشہ خر ہی رہے گا۔ جو کچھ اس کے کمالات فطریہ ہیں۔ سب بالفعل ہیں۔ اسی طرح بیضہ مرغ ہے کہ اس میں سے بچہ نکلتے ہی سب کچھ جاننے اور سننے لگتا ہے۔ اس کو کسی کی تعلیم وتربیت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے سارے کمالات اسی وقت سے اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اس کو اپنے کمالات کی ترقی کے لئے کسب اور تحصیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

برخلاف ان سب کے نطفہ انسان نہایت نرم اور لطیف ہوتا ہے۔ اس واسطے بچہ انسان کے سارے کمالات جسمانی بالقوۃ ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی کمال بالفعل نہیں ہوتا۔ بعد تکمیل خلقت نوعی بھی ایک مضغہ گوشت سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی تربیت نہ کی جائے تو ہلاک ہو جاتا

ہے۔ نہ بول سکتا ہے نہ سُن سکتا ہے، نہ کسی کو پہچان سکتا ہے۔ کمالات خاصہ انسانی میں سے کوئی شے اس میں بالفعل موجود نہیں ہوتی۔ اس کے سارے کمالات اس وقت بالقوۃ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر طرح کی ترقی کی استعداد اور قابلیت اس میں اس وقت موجود ہوتی ہے جس طرح کی اس کی تعلیم وتربیت کرو۔ وہ ویسا ہی ہو جائے گا۔ اگر اس کو عالم بنانا چاہو تو وہ عالم ہو سکتا ہے۔ صناع بنانا چاہو تو صناع ہو سکتا ہے۔ جس رنگ میں رنگوں گے وہی رنگ لائے گا۔ جس قالب میں ڈھالو گے وہی صورت اختیار کرے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ من حیث الفطرۃ اس میں بھی ایک خاص شے کی طرف میلان ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوہار شدت گرما میں اپنی بھٹی کو دھونکتا ہے۔ اگر اس کی فطرت میں اس امر کا میلان نہ ہوتا۔ تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کام کو اختیار کرتا۔ بھنگی کو وہ بدبو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جس کو کوئی انسان سونگھ نہیں سکتا۔ پس اگر اس کی فطرت میں میلان نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی اس کام کو نہ کرتا اور یہ جعل ثانوی کا اقتضاء ہے۔ جس پر نظام عالم مبنی ہے۔

مثال انسان کے مادے کی اس موم کی سی ہے جس سے جمادات کی شکلیں بنا سکتے ہیں۔ نباتات کے گل بوٹے کھلا سکتے ہیں۔ حیوانات اور انسان کی صورتیں تیار کر سکتے ہیں۔ جس قالب اور سانچے میں موم کو ڈھالو گے وہی صورت اختیار کرے گا۔ انسان تعلیم وتربیت سے نہایت متدین متقی اور پرہیزگار بن سکتا ہے اور صحبت جہالت و ضلالت سے فاسق و فاجر اور بدکار ہو سکتا ہے۔ پس انسان من حیث الفطرۃ ترقیات کا مجموعہ ہے۔ انسان طبیعی ترقی کر کے انسان نفسی بن سکتا ہے اور انسان نفسی ترقی کر کے انسان عقلی کے مقام پر پہنچ سکتا ہے۔

مزید توضیح انسانِ طبیعی انسانِ نفسی، انسان عقلی

ہم نے یہ بات پہلے بیان کر دی ہے کہ انسان تین طرح کا انسان ہے۔ انسان طبیعی، انسان نفسی اور انسان عقلی، انسان طبیعی وہ ہے جس کے اعضاء جوارح مادی ہیں اور ایک دوسرے کا کام نہیں دے سکتے اور آپس میں متمائز ہیں اور انسان نفسی وہ ہے جو وراء مادہ ہے اور اس کے اعضاء وجوارح بھی آپس میں متمائز ہیں۔ لیکن ان میں متمائز وضعی نہیں اور انسان عقلی وہ انسان ہے کہ اس کے اعضاء وجوارح میں امتیاز ہی نہیں ہے۔ وہ جسم اور صورت کے شوائبات سے منزہ اور مقدس ہے۔ اس کی ذات ہی سب کچھ ہے۔ اسی سے سنتا ہے۔ اسی سے دیکھتا ہے۔ اسی سے بولتا ہے۔ اسی سے کھاتا ہے۔ اسی سے پیتا ہے۔ اسی سے چلتا۔ اسی سے پھرتا ہے اور یہ تینوں انسان ہر فرد نوع بشر میں موجود ہیں اور یہی اصلی انسان ہے۔

بیان مدرکات حسیہ ومدرکات عقلیہ

خداوند عالم نے بنی نوع بشر کی ترقی کے لئے اس کے اعضاء جوارح کوذریعہ بنایا ہے **فقال عزوجل الذی احسن کل شی خلقه و بداء خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین ثم سواه و نفخ فیه من روحه و جعل کم السمع والابصار و الافئدة قلیلا ما تشکرون.**

و قال عز وجل و لا تقف ما لیس لک به علم . ان السمع والبصر و الفواد کل اولئک کان عنه مسئولا بدیہی ہے کہ انسان کے کام اس کے علوم کی تحصیل کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اگر انسان کے کان نہ ہوتے تو شاید اس کی تعلیم وتربیت محال ہوجاتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آنکھ صرف صورتوں اور رنگوں کو لے کر حس مشترکہ کو دیتی ہے اور کان الفاظ کو لے کر حس مشترکہ کو دیتے ہیں۔ پس حس مشترکہ قوت خیالیہ کو دیتی یہ اور قوت خیالیہ قوت متوہمہ کو اور قوت متوہمہ قوت حافظہ کو اور قوت حافظہ قوت مدرکہ کو دیتی ہے اور قوت مدرکہ فواد کو۔ جومرتبہ انسان نفسانی ہے۔ پس وہ فواد حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ حق کو رکھ لیتا ہے اور باطل کو واپس کردیتا ہے۔

بنی نوع بشر میں ایک قلب ہے۔ ایک فواد ہے اور ایک لُب۔ گو مفسرین کو تفاسیر میں سب کے ایک ہی معنی کئے گئے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تینوں جدا جدا قوائے انسانی کے نام ہیں۔ جو اس کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے عطا کئے گئے ہیں۔ قلب اس پارہ گوشت کا نام ہے جو صنوبری شکل کا بائیں جانب میں ہوتا ہے۔ جس کے اندر سیاہ خون ہوتا ہے اور یہ انسان کے جسم طبیعی میں کل اعضاء و جوارح کا مرکز اور مربی ہے اور سب سے اعلیٰ اور افضل عضو ہے۔ جس کو دل بھی کہتے ہیں اور فواد دل کا مقام نفس ہے۔ جو قلب طبیعی سے تعلق رکھتا ہے اور لُب مقام روح عقلانی ہے۔ جو نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے اعضاء و جوارح غیر متمائز ہیں اور اس فواد کا یہ کام ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ سمع اور بصر صور اور الفاظ کو اس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پس وہ حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو رد۔ پس یہ سمع، بصر اور فواد انسان کو خداوند عالم نے تحصیل حقائق اور معارف کے لئے عطا کئے ہیں۔ اگر انسان ان سے حق و باطل میں فرق اور تمیز نہیں کرے گا تو اس امر کا مواخذہ کیا جائے گا۔ **ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسئولا** حیوانات کو خداوند عالم نے فواد

اور لُب عطا نہیں کیئے۔ان میں صرف قلب ہے نقلبهم حيث نشاء پس باوجود ان قوائے عالیہ کے جب انسان حق و باطل میں فرق نہیں کرتا تو گویا اس نعمت عظمٰی کا کفران کرر ہا ہے۔اس واسطے مستحق جہنم ہے۔فقال عزوجل ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن و الانس لهم قلوب لا يفقهون بها و لهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئک كالانعام بل هم اضل و اولئک هم الغافلون ان کے قلب ہے مگر اس سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ان کو آنکھ ہے مگر دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے،کان ہے مگر سننے کی کوشش نہیں کرتے۔پس وہ مثل چار پایوں کے ہیں۔نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر اور اس قسم کے لوگ غافل ہیں۔

کیا انسان آنکھ سے نہیں دیکھتا؟ ضرور ہر شے کو دیکھتا ہے اور اسی طرح کان سے بھی ہر آواز کو سنتا ہے۔پس اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے انسانِ نفسانی سے کام نہیں لیتا۔جس کا کام حق و باطل میں فرق اور تمیز کرنا اور موعظہ حسنہ کا سننا ہے۔اس نے اس کو معطل کرر کھا ہے۔اس سے کوئی کام نہیں لیتا۔پس اسکی نفسانیت اور روحانیت جاتی رہی ہے۔وہ صرف انسان طبیعی باقی رہ گیا ہے۔اس لئے حیوانات سے بدتر ہے۔جماد کے درجے میں تنزل کر گیا ہے۔اسی قسم کے قلب کی نسبت ارشاد ہوا ہے ثم قست قلوبكم من بعد ذالک فهى كالحجارة او اشد قسوة و ان من الحجارة لما يتفجر منه الانهر اور جو لوگ اس فواد سے اور لُب سے کام لیتے ہیں۔خداوند عالم ان کی تعریف میں فرماتا ہے اور ان کو بشارت دیتا ہے۔فقال عزوجل انما يتذكر اولو الالباب . وقال فبشر عبادی الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولئک الذين هدهم الله و اولئک هم الولو الالباب بہرحال انسان ترقی کے تین درجے رکھتا ہے۔ایک انسان طبیعی مادی ہے۔جو منتہائے ترقی علام مواد ہے۔دوسرا انسان نفسی ہے۔جو منتہائے ترقی عالم برزخی ہے اور تیسرا انسان عقلی ہے۔جو منتہائے ترقی عالم عقول ہے۔

انسان نفسی اور انسان عقلی جہنم میں نہیں جائیں گے

انسان نفسی کا کام بواسطہ عقل استماع موعظہ حسنہ اور تفریق حق و باطل اور اختیار حق اور تردید باطل اور کسب وتحصیل حقائق و معارف و اتباع عقل اور اعمال صالحہ کا بجالانا ہے۔اسی لئے وہ ہرگز ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔چنانچہ اہل جہنم کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔کہ جہنم میں صرف انسان طبیعی ہی ڈالا جائے

گا۔ نہ نفسی و عقلی لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر یعنی اگر ہم بھی انسان نفسی اور عقلی کی تربیت کرتے۔ اس طرح سے کہ حق کو سن کر اسکی تصدیق کرتے اور عقل کے مطابق اس کو بجالاتے تو آج اہل جہنم میں سے نہ ہوتے پس صاف ظاہر ہے کہ جہنم میں وہی انسان طبیعی ڈالا جائے گا۔ انسان نفسی اور عقلی کو جہنم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ جنات النعیم میں اپنے جسم طبیعی کو اپنے ہمراہ لے جائے گا اور وہاں انواع واقسام کی نعمات الٰہیہ سے متنعم ہوگا۔ پس یہ انسان طبیعی ذریعہ اور واسطہ ہے۔ ترقی انسان نفسانی اور عقلانی کا اور بدیہی ہے کہ وہ عالم دنیا اور عالم مواد میں سے ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا الدنیا مزرعة الاخرة پس ترقی انسان نفسانی اور انسان عقلی موقوف ہے ترقی انسان طبیعی جسمانی پر اور انسان نفسانی عالم مواد میں ایک طرح کا قیدی اور محبوس ہے۔ آزاد نہیں ہے اور جب وہ اس انسان طبیعی سے خارج ہوجاتا ہے تو اس کے سارے کمالات بالفعل ہوجاتے ہیں اور یہ ترقی اس کو حاصل نہیں ہوسکتی مگر موت سے۔ جب موت آتی ہے تو وہ عالم حجاب سے خارج ہوجاتا ہے اور اس کے کمالات ذاتی عالم فعلیت میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ مجھے کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا مگر اس وقت جب کسی مومن کی روح قبض کرنی ہوتی ہے۔ میں تو اس کو ترقی دینا چاہتا ہوں اور وہ اس بات کو مکروہ سمجھتا ہے (سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر و لا حول و لا قوة الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ علی محمد و الہ الطاھرین)

مفہوم موت کی توضیح

افسوس ہے کہ موت کے معانی سے بہت کم لوگ واقف ہیں پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ موت معدوم ہوجانے کا نام نہیں ہے موت اضمحلال مواد جسمانیہ اور ان کے تفرق کا نام ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے خلق الموت والحیوة لیبلو کم ایکم احسن عملا یعنی انسان کے لئے پہلے موت خلق کی گئی ہے۔ بعد ازاں حیات!

ظاہر ہے کہ سب سے پہلے اس عالم مواد میں انسان کا نطفہ ہوتا ہے اس کے بعد اس کو خون بستہ بنایا جاتا ہے اس کے بعد مضغہ۔ اس کے بعد ہڈی اور پھر اس کو سرخ چادر گوشت کی پہنائی جاتی ہے۔ بعد ازاں اس قالب مادی میں ایک اور خلق داخل کی جاتی ہے ثم انشاناہ خلق اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین اور نطفہ چونکہ عالم مواد سے ہے اس لئے اس مین اربعہ عناصر موجود رہتے ہیں۔ کچھ والد کے

نطفے میں ہوتے ہیں اور کچھ والدہ کے پس اربعہ عناصر سے جو آب، خاک، باد اور آتش ہیں جسم انسانی بقدرت پروردگار تیار ہوتا ہے اور ان میں ایک خاص حد تک ترقی کی استعداد ہوتی ہے۔ جس طرح درخت کے بیج میں کہ وہ زمین میں پڑ کر ایک خاص مقدار کا درخت ہو کر پھر خاک ہو جاتا ہے۔

جب یہ اجزائے نطفہ اپنی ترقی کی حد کو پہنچ جاتے ہیں تو اب ان میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے اور ان چاروں عنصروں میں سے کوئی عنصر غالب ہو جاتا ہے اور عموماً آب غالب آتا ہے۔ پس حرارت غریزیہ گھٹنی شروع ہو جاتی ہے اور بلغم بڑھنے لگتا ہے۔ جس کا اثر سفید بال ہوتے ہیں۔ پس جب بالکل حرارت عزیزیہ ختم ہو جاتی ہے۔ تو اب وہ انسان نفسانی اس جسم عنصری سے خارج ہوتا ہے اور بحکم خدا اس کو قبض کیا جاتا ہے اور موت واقع ہوتی ہے اور چونکہ یہ جسم طبیعی اس انسان نفسانی کی نورانیت اور قوت برقیہ کی وجہ سے تروتازہ اور مجتمع رہتا ہے اس لئے جب وہ اس جسم طبیعی سے خارج ہو جاتا ہے۔ تو اب اس میں فساد اور تعفن اور تفرق پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ اضمحلال اور تفرق اجزائے مادیہ طبعیہ سے موت واقع ہوتی ہے اور یہ اجزائے طبعیہ انسان کے وجود روحانی سے پہلے موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے خداوند عالم حکیم وعلیم علی الاطلاق نے مقام بیان میں موت کو حیات پر مقدم رکھا ہے۔ **فقال عزوجل خلق الموت والحیوۃ**

ہر شے اپنے سے کمتر شے میں اثر کرسکتی ہے۔ یا اپنی جنس میں۔ برتر میں اثر نہیں کرسکتی پس عالم زمانی مادی مواد ہیں۔ عالم برزخی نفس میں اور علام عقلی عقول میں اثر کرسکتا ہے۔ اس لئے مادے کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ نفس کو فنا کرسکے۔ اسی واسطے ارشاد ہوا ہے **و من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون** یعنی بعد اضمحلال اور تفرق اجزائے مادیہ جسمانیہ کے ان کے لئے **یوم یبعثون** یعنی قیامت تک رہائش کا مقام عالم برزخ ہے اور معدوم نہیں ہو جاتا اور موت عالم دنیا سے عالم برزخ میں ترقی کرنے کا نام ہے۔ نہ معدووم ہونے کا۔ لہذا موت انسان کی پہلی ترقی اور آزادی کا ذریعہ ہے جسم خاکی سے نکلتے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ ہر طرح کے قیودات اور شوائبات طبیعت سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ پس اس عالم برزخی اور نفسانی میں جب تک خداوند عالم کو منظور ہے اس کو رکھے گا اور پھر اس کے بعد اس عالم سے بھی اس کو دوسرے عالم عقلی عالم ملکوت میں لے جائے گا۔ چنانچہ نفخہ صور دو ہیں **قال عزوجل و یوم ینفع فی الصور ففرزع من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ** یعنی جس دن پہلا صور پھونکا جائے گا تو جس قدر نفوس ہیں وہ سب کے سب مضمحل ہو جائیں گے اور جب اس کے

بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ تو جس قدر موجودات عالم برزخی نفسی میں ہوں گی ان سب پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی ''فزع''، نفوس سے تعلق رکھتا ہے'' صعق''، عقول سے نفوس میں تفریق اجزاء نہیں ہوتا۔ تفرق خواص مواد سے ہے اور بعد نفخ ثانی کے مقام عود اور حیات محض ہے فقال عزوجل ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان

یہ امر بھی پوشیدہ نہ رہ جائے کہ نفس انسانی ایک ہی طرح کا نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی کئی درجے ہیں۔ اول نفس امارہ ہے ان النفس لا مارۃ بالسو دوم نفس لوامہ ھے لا اقسم بالنفس اللوامۃ پس جب نفس امارہ کی ترغیب سے انسان کسی امر قبیح کا مرتکب ہوتا ہے تو نفس لوامہ اس کو اس فعل کے ارتکاب پر ملامت کرتا ہے۔ سوم نفس ملحمہ ہے و نفس و ما سواھا والھمھا فجورھا و تقواھا جب نفس انسانی عبارت اور ریاضت سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کر لیتا ہے تو خداوند عالم اس کو ہر فسق و فجور اور تقوٰی و پرہیز گاری کا خود الہام کر دیتا ہے۔ پس وہ ان بری چیزوں سے بچتا ہے اور اچھی چیزوں کو عمل میں لاتا ہے اور جب یہی نفس انسانی شوائب طبیعہ اور کثافت مادیہ و جنبیہ نفسانیہ سب سے انخلا تام حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس وقت اس کو نفس مطمنہ کہتے ہیں اور اب اس کا تعلق محض عالم عقلانی سے ہوتا ہے۔ دنیاوی جاہ و جلال دولت و مال ماکولات و مشروبات اس کے نزدیک ہیچ ہو جاتے ہیں۔ اس کو ان اشیاء کے فوت ہو جانے سے نہ تو غم ہوتا ہے اور نہ حصول سے خوشی۔ اس کو ہر حالت میں اطمینان ہے۔ اس لئے اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں قال و عزوجل یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

افسوس ہے کہ شان نبوت کلیہ کو خود مسلمانوں نے اس درجہ گھٹایا ہے کہ شاید اس سے زیادہ تنزل ممکن اور متصور نہیں ہو سکتا۔ آپ آیہ مندرجہ ذیل تفسیر کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مفسرین نے خاتم المرسلین وجہ اللہ فی العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک طبعی انسان سے زیادہ تصور نہیں کیا ہے۔ انک میت و انھم لمیتون اے پیغمبر تو میت ہے اور وہ بھی میت ہیں۔ مفسرین اس کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جس طرح اور لوگ مرجاتے ہیں اسی طرح تو بھی مر جائے گا۔ یعنی جس طرح سے اور بنی نوع بشر کے اجزائے طبعیہ بدنیہ میں اضمحلال اور فنا واقع ہوگی حالانکہ وہ جناب مخلوقات الٰہیہ علوی و سفلی

میں وجہ اللہ، ید اللہ، عین اللہ، نور اللہ اور روح اللہ ہیں۔

خاتم المرسلین اور ان کے اوصیاء معصومین نفس اللہ وجہ اللہ فی العالمین ہیں علہیم الصلوۃ والسلام

بدیہی ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے سے کوئی شے حاصل کرتا ہے اور اس کی براہ راست اتباع کرتا ہے تو وہ شخص دوسروں کے واسطے جو اس شخص اول تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا وجہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وجہ کے معنی ما یتوجہ اللہ کے ہیں۔ چونکہ ارشاد باری ہے کہ تم ہر شے کی مثال اپنے نفسوں میں دیکھ سکتے ہو و فی انفسلم افلا تبصرون اس لئے ہم وجہ اللہ کے معنی اور مثال کو بھی اس نفس سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہ اعضاء و جوارح طبعیہ ونفسانیہ اس انسان عقلانی کے ایسے مطیع اور فرمانبردار ہیں کہ اس کے حکم سے ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں کرتے۔ اس کا حکم فوراً بجالاتے ہیں۔ اس کی خواہش اور ارادے کے تابع ہیں اس کو حکم دیتے ہیں ان سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جب وہ پاؤں کو چلنے کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا تو چل۔ یا کان کو سننے کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ تو سن۔ یا آنکھ کو حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ تو دیکھ۔ تب آنکھ دیکھتی، کان سنتا ہے اور پاؤں چلتا ہے۔ صرف اس کا ارادہ ہوتا ہے اور یہ تمام اعضاء اور جوارح اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ سب اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ اسی طرح سے وہ نفوس قادسہ مقدسہ جو وجہ اللہ، ید اللہ، عین اللہ، اذان اللہ اور نفس اللہ فی العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کوئی کام نہیں کرتے۔ کلام کرتے ہیں تو اللہ کے ارادے سے ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی چلتے پھرتے ہیں تو لوجہ اللہ چلتے پھرتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں تو لوجہ اللہ کھاتے ہیں۔ نکاح کرتے ہیں لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ غرضکہ کسی کام سے وہ غیر وجہ اللہ ارادہ نہیں رکھتے۔ سارے کام لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ ہر حالت میں ارادے اور مشیت الھیہ کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آیہ مجیدہ اس مطلب کو واضح کرتی ہے۔ و ما تشاون الا ان یشاء اللہ پس ان کے اجسام وانوار گویا مشیت اور ارادہ الٰہی کے لئے انسان نفسانی اور طبیعی ہیں۔

پس جب تک منشاء الٰہی مخلوقات میں جاری اور ساری ہے ان کی بقا ضروری اور لازمی ہے۔ اور بدیہی ہے کہ جب تک نفس اور عقل مجرد جسم طبعیی میں جاری اور ساری ہوتے ہیں جسم طبعیی انسانی خراب وتباہ نہیں ہوتا۔ ہر وقت تر وتازہ ثابت وقائم رہتا ہے۔ اس لئے جب تک مخلوقات علوی اور سفلی میں منشاء

مشیت اور قضا وقدر الہی جاری وساری ہیں۔ اس وقت تک وجہ اللہ نفس اللہ زمین وآسمان میں تروتازہ صحیح و سالم ثابت وقائم زندہ وباقی رہے گا۔ اس کو عالم زمانی مادی یا عالم برزخی نفسی فنا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ان عوالم سے بزرگ وبرتر بلکہ ان سب کا مجمع ومرکز ہے **فقال عزوجل کل من علیھا فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال و الاکرام** یعنی ہر شے جو زمین میں زندہ وموجود ہے سب فنا ہوتی رہے گی۔ مگر جو وجہ رب ہے وہ نہیں فنا ہوگا۔ وہ اسی طرح باقی رہے گا۔ کیونکہ اس میں یہ عوالم تاثیر نہیں کر سکتے۔ وہ ان سے اعلیٰ و افضل بزرگ وبرتر ہے۔ چنانچہ وہ جناب خود بھی اپنی زبان صداقت بیان سے ارشاد فرماتے ہیں۔ **انا وجه اللہ الباقی بعد فناء کل شی**

اور وہ وجہ رب کیسا ہے **ذوالجلال و الاکرام** ہے پس اپنی قوت جلالی سے اشیاء کو فنا کردے گا اور جذبہ اکرام سے زمین کو باقی رکھے گا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ وجہ رب زمین میں ہے۔ آسمان میں نہیں ہے۔ کیونکہ علیھا کی ضمیر زمین کی طرف پھرتی ہے۔ پس زمین کی موجودات فنا ہوتی رہیں گی۔ لیکن اس میں وہ جو وجہ رب ہے۔ فنا نہیں ہوگا۔ وہ ہر وقت زندہ اور موجود رہے گا اور جب خداوند عالم کو منظور ہوگا کہ اب زمین و مافیھا کو فنا کر دیا جائے اور مخلوقات کو عالم عقلانی میں پہنچایا جائے تو وجہ اللہ کو اللہ زمین سے اٹھائے گا۔ زمین بھی فنا ہو جائے گی **یوم تبدل الارض غیر الارض** اور اسی طرح آسمان بھی **والسماء مطویات بیمینه** کہ آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے کاغذوں کے مشابہ ہوں گے۔ **اللھم صلی علی محمد وال محمد** اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر شے اپنی جنس اور سنخ میں اثر کر سکتی ہے۔ غیر جنس اور غیر صنف میں اثر نہیں کر سکتی۔ مادہ نفس میں اثر نہیں کر سکتا۔ نفس عقل میں اثر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مادہ نفس کی سنخ اور جنس سے نہیں ہے۔ اسی طرح نفس عقل کی جنس اور سنخ سے نہیں ہے اور یہ بدیہی ہے کہ وجہ اللہ فی العالمین عقل کل نور محض خزانہ برقیہ وملکوتیہ الہیہ ہیں۔ پس ان میں نہ تو مادہ اثر کر سکتا ہے جس سے ان کو موت اور فزع لاحق ہو اور نہ نفس اثر کر سکتا ہے کہ صعق اور بے ہوشی طاری ہو۔ وہ کل مخلوقات سفلی وعلوی سے قوی اور برتر ہیں۔ اس لئے سوائے ذات واجب الوجود کے ان میں اور کوئی شے اثر اور اضمحلال نہیں پیدا کر سکتی اور وہ نفوس قادسہ مقدسہ اللہ تعالیٰ کے اعضا اور جوارح کے قائم مقام ہیں اور اس کی مخلوقات میں اس کے ید عمالہ ہیں۔ اس کی عین باصرہ ہیں۔ اس کے اذن داعیہ ہیں۔ اس کے وجہ ہیں پس یہ کہنا کہ وہ بھی محض ایک مادی جسم رکھتے تھے اور مادے نے ان میں اثر کیا۔ پس مر گئے۔ توہین شان محبوب رب العالمین اور شان نبوت کلیہ کو نہ سمجھ کر ان کو ایک اپنی طرح کا انسان طبیعی سمجھنا ہے جو نہایت تاریک جہالت وضلالت کا نتیجہ ہے۔ ان کی مادیت ہماری

روحانیت پر بھی فوقیت رکھتی تھی اور اپنی روحانیت کے تابع تھی۔ اسی واسطے وہ روح مجسمہ اور جس مروح کہلاتے تھے اور ان سے تمام افعال واعمال روح اعظم کے اثر سے صادر ہوتے تھے۔ فتدبر فیه

پس مطلب انک میت و انهم میتون کا یہ ہے کہ اے محبوب تو عالم دنیا میں بھی میت ہے یعنی تو نے ان تمام مدارج و معارج ترقیات کا عالم دنیا میں ہی احاطہ رکھا ہے۔ جن کو دوسرے لوگ موت کے بعد حاصل کر سکتے ہیں کہ پہلے وہ لوگ جسم طبیعی سے قطع تعلق کریں گے اور پھر اس کے بعد جسم نفسانی سے انقطاع اور انخلاء حاصل کریں گے۔ تب عالم عقلانی میں پہنچیں گے۔ لیکن تجھ کو اس کے انقطاع اور انخلاء کی ضرورت نہیں ہے۔ تو پہلے ہی عالم عقلانی میں پہنچا ہوا ہے۔ عالم عقلانی تیرا ہی نور ہے۔ تیرا ہی ظہور ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و انهم میتون اور اسی طرح سے وہ نفوس قادسہ مقدسہ جن میں ہم نے تیرے نور اور تیری روح سے حصہ داخل کر دیا ہے۔ جو انبیاء مرسلین ہیں۔ وہ بھی اسی طرح سے عالم دنیا میں میت ہیں یعنی انہوں نے بھی عالم دنیا ہی میں ہر طرح سے شوائب طبیعیہ اور علائق نفسانیہ سے انقطاع اور انخلاء حاصل کر لیا ہے اور عالم عقلانی میں داخل ہیں علیھم الصلوۃ والسلام

اور یہ معانی اس آیہ مجیدہ کے اسی آیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کسی تفسیر اور حدیث سے نہیں نکالے گئے ہیں۔ کیونکہ انک میت و انهم میتون جملہ اسمیہ ہے۔ جملہ فعلیہ نہیں ہے اور جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اے محبوب تو ہمیشہ میت ہے۔ کسی خاص زمانے اور وقت میں نہیں۔ اگر جملہ فعلیہ ہوتا تب تو البتہ مفسرین کے معانی درست ہوتے۔ کیونکہ پھر تو وہ موت خاص کسی ایک وقت اور زمانہ میں واقع ہوتی لیکن چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس لئے میت سے مراد محیط منتہائے ترقی انسانی ہے۔ نہ اور کچھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بہر حال جب تک زمین میں وجہ رب وجہ اللہ باقی ہے۔ زمین اسی طرح سے قائم اور دائم رہے گی اور جب وجہ رب اس زمین سے تشریف لے جائے گا تو اس وقت یہ زمین بھی متفرق اور فنا ہو جائے گی یوم تبدل الارض غیر الارض افسوس ہے کہ بہت سے مطالب تنگی وقت کی وجہ سے بیان نہیں ہو سکتے وجه الله اور ہے اور وجه الرب اور وجہ اللہ مقام نبوت ہے اور وجہ الرب مقام امامت۔

خیر ایک مسئلہ جس سے نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ مقام کے مناسب ہے اور اب اس کو بیان کیا جاتا ہے۔

مسئلہ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی

وہ مسئلہ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی ہے یعنی آج کل یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ ہر جسم اور جرم میں ایک قوتِ جذب ہے اور ایک قوت دفع۔ پس ہر جسم اپنی قوت جذب سے دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا اور جذب کرتا ہے اور وہ قوت دفع سے اس کو اپنی نزدیک سے دور پھینکتا ہے۔ پس اس تثاقل و تدافع عمومی پر نظام عالم قائم ہے کہ زمین آفتاب میں منجذب نہیں ہو جاتی اور ستارے زمین سے نہیں ٹکراتے۔ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر قائم اور ثابت ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں جب محققین فن نے غور و خوض اور مشاہدہ کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ پختہ بنیاد پر قائم نہیں ہے کیونکہ جب بعض سیارے حرکت کرتے کرتے کسی ایک بڑے جسم مثلاً آفتاب کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر ان کو چاہیئے کہ اصل اصول کی بنا پر آفتاب میں منجذب ہو جائیں۔ جس طرح سے مقناطیس کے بہت قریب جار کر لوہا اس میں منجذب ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ وہ پھر آفتاب سے دور چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ کیا شے ہے۔ جس نے زمین اور آسمان کو اپنی اپنی جگہ قائم اور ثابت کر رکھا ہے۔ پس وہ متحیر و مبہوت ہیں کچھ نہیں بیان کرتے کہ وہ کیا شے ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن یعنی قانون میں تو اس امر کو تلاش نہیں کرتے۔ وہ تو انسان طبیعی فیثا عورث، افلاطون، نیوٹن، گوئٹے وغیرہ کی تصنیفات و تالیفات میں اس مسئلہ کو ڈھونڈتے ہیں۔

آسمان ستون غیر مرئی پر بلند اور قائم ہے

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے **رفع السماء بغیر عمد ترونها** خداوند عالم نے آسمان کو ایک ایسے ستون سے بلند فرمایا ہے جس کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ یعنی آسمان کو ستون سے بلند اور قائم کیا گیا ہے۔ لیکن وہ ایسا ستون نہیں ہے جس کو ہم دیکھ لیں۔ وہ ہمیں نظر نہیں آ سکتا ہے۔

سبحان اللہ جو شے ہمارے سمجھ سے باہر ہے اس کو خداوند عالم خود ہی مثال اور تشبیہ دے کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ ہم بھی اس کو سمجھ لیں۔ **فقال عزوجل مثل كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها في السماء** پس وہ ستون کلمہ طیبہ الہیہ ہے جو مثل ایک درخت عظیم کے ہے اس کی جڑ تو زمین میں قائم اور ثابت ہے اور شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہے۔ پس اصل سے مراد وہی وجہ رب ہے۔ جو زمین میں باقی غیر فانی ہے۔ کیونکہ ثابت وہی شے ہو سکتی ہے۔ جس پر فنا ثابت نہ ہو سکے اور فرع سے مراد اس کا اکرام ہے کہ اس نے اپنے جذبہ اکرام سے انتظام عالم کو قائم کر رکھا ہے اور جب وہ وجہ رب اس زمین سے

تشریف لے جائیے گا۔ تو آسمان لفافہ کی مانند لپٹتا ہوا چلا جائے گا **یوم تبدل الارض غیر الارض و السموات مطویات بیمینه** پس وہ شے جس نے ان کرات ارضی وسماوی کو قائم اور باقی رکھا ہے۔ وہ وہی وجہ اللہ ہیں جو ارا کین زمین واساطین آسمان کہلاتے ہیں۔

قدم سے مہدئ دین کے زمیں پانی پہ قائم ہے
قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

اللھم صلی علی محمد و آل محمد بعدد معلوماتک فی الازل و الابد

انسان طبیعی، انسان نفسی، انسان عقلی سب نوعِ انسان میں موجود ہیں

بہر حال جس طرح سے ہر وجود انسانی تین درجے رکھتا ہے۔ اسی طرح سے نوع انسان میں بھی تین قسم کے انسان موجود ہیں یعنی جس طرح سے ایک فرد انسانی میں تین طرح کے انسان موجود ہیں۔ اسی طرح سے مجموعہ افراد انسانی میں بھی علیحدہ علیحدہ تین قسم کے انسان موجود ہیں۔ ہمارے اس بیان کو توہمات خیالیہ سے نہ سمجھا جائے۔ اس بیان کی قرآن مجید فرقان حمید میں متعدد آیات موجد ہیں۔ تدبر اور تفکر شرط ہے منجملہ ان کے یہ آیت ہے **قال عزوجل و کنتم از واجاثلثة فاصحب المیمنة ما اصحب المیمنة واصحب المشئم ما اصحب المشئمة والسبقون السابقون اولئک المقربون** پس اصحاب المیمنہ یا اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں جو سابقون سے استماع موعظہ کرتے ہیں اور حق و باطل میں فرق کر کے ان کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کا نفس ان کی طبیعت پر غالب ہے۔ جب ان کا انسان طبیعی حرام وحلال ان کے سامنے پیش کرتا ہے تو حلال کو قبول کرتے ہیں اور حرام کو رد کر دیتے ہیں اور اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرتے ہیں اور سابقون کو اپنے پرودگار کا وجہ قرار دیتے ہیں اور خود ان کی اطاعت کر کے مخلوق میں ان کا وجہ بنتے ہیں۔ جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے **و من یطع الرسول فقد اطاع الله** پس جو شخص حلال وحرام اور حق و باطل میں تمیز رکھتا ہے اور حدود اللہ سے تخطی نہیں کرتا۔ وہ یقیناً انسان نفسانی کے درجے میں پہنچا ہوا اور انسان نفسانی ہے۔

اور جو شخص نہ تو استماع موعظہ کرتا ہے اور نہ حلال وحرام میں فرق۔ جو سامنے آتا ہے کھا پی لیتا ہے۔ حدود اللہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ وہ یقیناً انسان طبیعی ہے۔ جس کو خداوند عالم نے اصحاب المشئمہ اور اصحاب الشمال کہا ہے اور جو تمام مخلوقات الٰہیہ سے ہر بات میں سابق ہیں۔ نور میں سابق ہیں، روح میں سابق

ہیں، طین میں سابق ہی، خلق میں سابق ہیں، صورت میں سابق ہیں، سیرت میں سابق ہیں، ہر امر میں سابق ہیں۔ وہ یقیناً انسان عقلی ہیں۔ اس لئے کہ ان کا تعلق براہ راست ذات واجب الوجود سے ہے۔ ان کے مابین کوئی اور فاصلہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مقربین بارگاہ واجب الوجود ہیں اور مقرب اور تقرب کے درمیان دوسری شے کا فاصلہ تقرب کو دفع کر دیتا ہے۔ اس لئے بلا واسطہ ان کا تعلق ذات واجب الوجود سے ہے۔ پس وہ ہر شے کو واجب الوجود سے براہ راست لیتے ہیں اور اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو انہوں نے وجہ بنایا ہے۔ پس وہ اس کی مشعیت ہیں۔ اس کے ارادے ہیں۔ اس کی لوح ہیں۔ اس کے قلم ہیں۔ اس کے ہاتھ ہیں۔ اس کے کان ہیں۔ اس کی آنکھیں ہیں۔ پس وہی لوح محفوظ ہیں۔ وہی کتاب اللہ ہیں۔ وہی کلمۃ اللہ ہیں۔ وہی اسمائے حسنیٰ ہیں۔ وہی فرقان ہیں۔ وہی قرآن ہیں۔ وہی کل عوالم کے بشیر ونذیر ہیں۔ وہی صراط مستقیم ہیں۔ وہی میزان عدل ہیں۔ وہی حاشر ہیں۔ وہی محاسب ہیں۔ وہی شفیع ہیں۔ وہی مختار ہیں۔ وہی قسیم جنت ونار ہیں۔ انہی کو ارشاد باری ہے **القیا فی جھنم کل کفار عنید** اے دو شخصو یعنی محمد وعلی ہر کفار وعنید کو جہنم میں ڈال دو۔ **اللھم صلی علی محمد و آل محمد۔**

پس مجموعہ افراد انسانی میں انسان طبیعی مشرکین ومنافقین ہیں اور انسان نفسانی موحدین ومومنین ہیں اور انسان عقلانی انبیاء ومرسلین اور آئمہ طاہرین ہیں علیہم الصلوۃ والسلام

اس لئے انسان طبیعی اور نفسی پر واجب ولازم ہے کہ ان کے اقوال وافعال کی اتباع اور اطاعت کرے۔ نہ یہ کہ ان کو اپنے قوانین مہملہ اور صوابط فاسدہ پر چلنے کے لئے مجبور کرے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو قتل کرے اور زہر دے دے۔ اسی واسطے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے **یا ایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکن**

ظرف مظروف کے قابل اور لائق ہونا چاہیئے

قاعدہ ہے کہ جیسا مظروف ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس کے لئے ظرف تیار کیا جاتا ہے۔ گلِ گلاب کے لئے ٹوکرے ہوتے ہیں۔ عرق گلاب کے لئے قرابہ ہوتا ہے اور عطر گلاب کے لئے نہایت صاف وشفاف گلکار شیشی تیار کی جاتی ہے۔ عطر گلاب کو مٹی کے کوزے میں نہیں رکھا جاتا۔

پس وہ صادر اول جو کل انوار اور برقیات اور ملکوت ارضین وسموٰات کا مصدر ہے۔ چاہیئے کہ اس کے لئے ظرف بھی ویسا ہی نوری اور برقی اور ملکوتی ہو۔ کیونکہ اور کسی غیر جنس کے ظرف اس کی تاب نہیں لاسکیں گے۔

پس خلاق عالم جو صاحب عرش ہے۔ اس نے روح اعظم نبوتی کو اپنے عرش رحمت سے صادر فرمایا ہے۔ پس وہ

روح اعظم روح عرشی ہے۔ پس جو روح عرشی ہے تو اس کے لئے جسم بھی عرشی ہی ہونا چاہئے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہ علی ما یشاء عن عبادہ لینذر یوم التلاق پس خلاق عالم نے اس روح اعظم نبوتی کے لئے جسم بھی ویسا ہی نورانی عطا فرمایا ہے۔ جیسا اس کا عرش علمی روشن اور منور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ ھوالذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صھرا و کان ربک قدیرا اللہ وہ ذات پاک ہے کہ جس نے روح اعظم نبوتی کو ماء مطلق کے جسم میں صورت بشری یعنی دیدنی عطا کی ہے اور اللہ اس امر پر قادر ہے کہ وہ نور کو نور کے جسم میں ظاہر کرے۔ پس یہ کون سا پانی ہے؟ یہ وہی پانی ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ھوالذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام و کان عرشہ علی الماء یعنی اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں خلق فرمایا ہے اور اس وقت اس کا عرش رحمت یا عرش علمی پانی پر تھا۔ یعنی اس زمین و آسمان کی خلقت سے پہلے روح اعظم نبوتی جسم نورانیہ مائیہ میں موجود تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جب خداوند عالم کو منظور ہوا کہ مخلوقات کو خلق فرمائے۔ تو اس نے پہلے ان مخلوقات علوی و سفلی کے قوالب واجسام واجرام و ہیاکل تیار کئے۔ بعدازاں ان میں وہی ماء نورانی جو طین نبی اکرام باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔ جاری و ساری فرمائی۔ پس وہ عرصہ عدم سے میدان وجود و شہود میں جلوہ گر ہوئے۔ فقال عزوجل و جعلنا من الماء کل شی حی ہم نے ہر زندہ شے کو خواہ وہ عالم علوی کی ہے یا عالم سفلی کی سب کو پانی سے زندہ بنایا ہے۔ یاد رہے کہ

”مقام اجراء تقسیم نور محبوب دراجرام واجسام مقام طینت محبوب ہے۔ نہ روح اعظم نبوتی۔ ورنہ کل اجرام واجسام اور تمام ہیاکل وصور خاتم النبیین ہوتے کیونکہ مدار ختم وہی روح اعظم نبوتی ہے نہ طینت“

پس جہاں کہیں نفخت فیہ من روحی آیا ہے اس روح سے وہی بعض طینت محبوب رب العالمین مراد اور مقصود ہے۔ نہ روح اعظم نبوتی۔ کیونکہ اس کی تجلیات کو اور کوئی جسم اور جرم برداشت نہیں کر سکتا اس میں جنبہ واجبیت بالغیر ہے۔ ممکن اس کی تاب کب لا سکے گا۔ کوہ طور اس روح اعظم نبوتی کے ذرا سے جلوے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور جناب موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسی صعقا پس جس قدر انبیاء و مرسلین میں کمالات موجود ہیں۔ وہ سب آپ کی طرف سے ان کو پہنچے ہیں اور سب آپ ہی کا فیض ہے۔

از طفیلِ نور تو آدم شدہ شاہِ زمیں
درجبینِ پاکِ او مسجود عالیشان توئی

توضیح لفظ بشر وابوالبشر

جناب آدم علیہ السلام کو ابوالبشر کہتے ہیں۔ بشر اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود اور جثہ ظاہر ہو۔ پس بادی البشرہ کے معنی محسوس اور مشاہد جسم کھلی کھال والا شخص ہے اور وہ انسان جو مشاہد اور محسوس بحواس ظاہری ہے وہ انسان طبیعی مادی ہے۔ پس گویا جناب آدم انسان ظاہری کے اب (باپ) ہیں اس لئے کہ خلاق عالم نے انسان ظاہری طبیعی کا سلسلہ جناب آدم سے شروع کیا ہے۔ **فقال عزوجل انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین** یعنی میں اب ایک انسان طبیعی بادی البشرہ بنانا چاہتا ہوں جو سب کو نظر آئے گا اور جب میں اس قسم کے جسم مادی کو بنالوں اور پھر اس میں اپنی ذراسی روح پھونک دوں تب تم سب کے سب اس کو سجدہ کرو۔

بدیہی ہے کہ قالب بشری جناب آدم کو سجدہ نہیں دلوایا گیا تھا۔ بلکہ اس بعض روح کو جو اس میں پھونکی گئی تھی اور وہ روح کیا شے تھی۔ نور محمدی کی ایک شعاع تھی اور یہ قالب بشری جناب آدم طینتِ نورانیہ محبوب کے لئے ایک ظرف تھا نہ روح اعظم نبوتی کے لئے۔ ورنہ جناب آدم بھی خاتم الانبیاء ہوتے ہیں۔ پس جناب آدم ابوالبشر یعنی ابوالاجساد ہیں اور خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح ام الارواح ہے اور ذات واجب الوجود مصدر اول خالق الارواح ہے۔

جسم مادی یعنی انسان ظاہری جس کو بشر کہتے ہیں۔ تراب سے بنا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب** یعنی مثال جناب عیسیٰ کی خداوند عالم کے نزدیک مثل آدم کے ہے کہ ان کو تراب سے خلق فرمایا تھا۔ پس جناب آدم ابوالبشر ہیں۔ ابوتراب نہیں ہیں۔ یعنی اصل اصول مادہ بشری نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی ایک صورت کے ابّ (باپ) ہیں۔ ابوتراب وہ ہے جو اس ماءِ نورانی سے مخلوق ہوا ہے جس سے روح اعظم نبوتی مخلوق ہوئی ہے **قال عز وجل ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صھرا و کان ربک قدیرا** یعنی ابوتراب وہ شخص ہے جس کا جسم ظاہری اس طین سے مخلوق ہوا ہے۔ جس سے روح اعظم کا جسم ظاہری مخلوق ہوا ہے۔ پس وہ نسب میں اس کا صھر ہے اور وہ اس کا داماد ہے علیھما الصلوۃ والسلام

توضیح لفظ اُمّی

نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امی کہتے ہیں جس کے معنی اَن پڑھ یعنی جاہل

کے کرتے ہیں۔قال عزوجل الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التورات و الانجیل یامرهم بالمعروف و نیهی هم عن المنکر ویخل لهم الطیبات و یحرم علیهم الخبائث فالذین امنوا به و عزروه و نصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون۔

اللہ اکبر جناب آدم ابوالبشر تو بدو خلقت سے ملائکہ کے معلم ہوں اور خاتم المرسلین سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال تک امی بمعنی جاہل رہیں۔وقال عزوجل هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین . و اخرین منهم لما یلحقوا بهم و هو العزیز الحکیم . ذالک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم حرف لما متوقع الحصول لا امور میں مستعمل ہوتا ہے۔پس اگر امی کے معنی ان پڑھ اور جاہل کے لئے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ اللہ وہ ہے جس نے جاہلوں میں سے اپنے رسول کو مبعوث کیا۔پس اس نے ان کو تزکیہ نفس کرایا اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دی اور کچھ اور باقی رہ گئے ہیں جو بعد میں رسول کے آئیں گے۔پس اب جب کہ تمام زمانہ لکھ پڑھ گیا ہے ۔خداوند عالم ان باقی جاہلوں کو بھیجے گا۔آپ اس امر کی توقع رکھیں۔وہ ضرور آئیں گے لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم

اصل مطلب یہ ہے کہ امی کے معنی صاحب روح ام الارواح ہیں یعنی وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی روح ام الارواح ہے اس کو یہود و نصاریٰ تورات وانجیل میں مع اوصاف کے لکھا ہوا پاتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ امیین جن میں سے اللہ نے ان کو مبعوث فرمایا ہے۔آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں کیونکہ وہ نفوس قادسہ مقدسہ بھی اسی نبی امی کی طرح صاحب ام الارواح ہیں۔اس لئے کہ ان سب کا نور ایک ہے۔ان کا اول محمد ہے۔آخر محمد ہے۔اوسط محمد ہے اور یہ سارے کے سارے محمد ہیں۔قال علیه السلام اولنا محمد واخرنا محمد و اوسطنا محمد و کلنا محمد

دوسرے معنی امی کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے غیر اللہ سے کوئی شے نہیں حاصل کی ہے۔ ان کے علوم اور ساری چیزیں لدنی ہیں۔ہمارے بیانات سابقہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔کہ صادر اول یہی نفوس قادسہ ومقدسہ ہیں۔سابقون اور مقربوں یہی ہیں اور جو شے پہلے مصدر اول سے صادر ہوئی ہے وہ نفس علم قرآن ہے قال عزوجل الرحمان علم القران خلق الانسان علمه البیان یعنی مصدر رحمانیت

سے جو شے پہلے صادر ہوئی ہے۔ وہ نفس قرآن ہے یعنی ذات محبوب رب العالمین شہر علم الٰہی ہے اور پھر اس کے بعد انسان مخلوق ہوا ہے وہ اس کا بیان ہے۔ جو باب اور دروازہ ہے۔ پس یہ نفوس قادسہ ومقدسہ عالم بہ تعلیم الٰہی ہیں۔ انہوں نے مخلوق سے علم نہیں حاصل کیا ہے۔ اس لئے امی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہے۔ **بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتو العلم** یعنی قرآن کیا شے ہے؟ قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جن کو خداوند عالم نے علم عطا کیا ہے نہ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے کسب اور تحصیل سے علم حاصل کیا ہے اور یہ لوگ **جواوتو العلم** ہیں یعنی صاحبان علم لدنی، زمانہ رسول میں موجود تھے اور لوگ بھی ان کو جانتے تھے کہ وہ صاحبان علم لدنی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے **و منھم من یستمع الیک حتی اذا اخرجوا من عندک قالوا للذین اوتو العلم ما ذا قال انفا اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم و اتبعوا ا اھوائھم** یعنی اے رسول بعض لوگ ایسے ہیں کہ تیری باتوں کو خوب کان لگا کر سنتے ہیں۔ لیکن جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے **جواوتوا لعلم** ہیں کہتے ہیں کہ رسول نے اب کیا کہا تھا۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔ بہرحال خلاق عالم نے ان نفوس قادسہ ومقدسہ کی ارواح نورانیہ کے لئے جوام الارواح ہیں اجساد بھی ویسے ہی نورانیہ خلق فرمائے ہیں لیکن ان ارواح اور اجساد کی نورانیت ایسی نہیں ہے کہ ہم اس کو حواس ظاہری سے محسوس کر سکیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ہمارے سمجھانے اور حواس ظاہریہ سے محسوس کرنے کے لئے تشبیہات مفردہ ومرکبہ اور محسوسہ وغیر محسوسہ سے آیہ مجیدہ میں بیان فرمایا ہے **اللہ نور السموات و الارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ و لا غربیۃ یکاد زیتھا یضی و لو لم تمسسہ نار نور علی نور** یعنی وہ ارواح نورانیہ ایسے اجساد نورانیہ میں رکھی گئی ہیں۔ جن کو نور علی نور کہہ سکتے ہیں۔ **اللھم صلی علی محمد و آل محمد**

پھر آگے چل کر ان کی توضیح فرمادی ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کیا ہیں؟ **فی بیوت اذان اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ رجال لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ** تجارت اور بیع کیا ہیں ان کے واسطے اب وقت نہیں ہے۔

ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے کی بشارت دی ہے۔ جناب آدم نے جناب نوح کی۔ جناب نوح نے جناب ابراہیم کی۔ جناب ابراہیم نے جناب موسی کی۔ جناب موسیٰ نے جناب عیسیٰ کی اور جناب

عیسیٰ نے خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی ہے یابنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورات و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد پس کل انبیاء ومرسلین نے گویا آپ کی بشارت دی ہے اور آپ کے بعد نبوت ورسالت ختم ہوچکی ہے اور اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔لیکن قرآن مجید وفرقان حمید میں آپ کو بھی مبشر کہا گیا ہے یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا پس آپ بھی ضرور کسی کے مبشر ہیں۔پس آپ اس امی آخر کے مبشر ہیں جس سے خداوند عالم نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو تمام روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا اور ان کے ہاتھ پر کل زمینی اور آسمانی مخلوقات اسلام لائے گی اور ان کے ہاتھوں سے اسلام تمام ادیان پر غلبہ وظہور حاصل کرے گا فیومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ اللہ اکبر یہ وہ دن ہوگا کہ خداوند عالم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تم اس دن وہاں موجود ہونے کی ہم سے درخواست کرو ہم تمہاری درخواست منظور کریں گے فقال عزوجل قل رب اما ترینی ما یوعدون و انا علی ان نریک ما نعدھم لقدرون پس جب وہ آخری امی ظہور فرمائے گا تو اس کے نور سے تمام زمین وآسمان روشن اور منور ہوجائیں گے۔اس وقت آفتاب و ماہتاب کی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔کیونکہ حسب وعدہ وہ نورالانوار اور روح الارواح جو مبدء اور مرکز ہے ملکوت سماوات وارضین کا۔اس کے ہمراہ تماشا دیکھنے کے لئے موجود اور حاضر ہوگا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واشرقت الارض بنور ربھا

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ علی محمد و الہ الطاھرین والسلام علی من اتبع الھدی

حصہ چہارم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

طبع ثالث کی کاپی ہو چکی ہے اور ہمارے بہت سے احباب کا اصرار ہے کہ اس ایڈیشن میں کچھ مواعظ کا ضرور اضافہ ہو۔ مگر ہمیں اتنی فرصت البرہان اور دیگر ضروری تحریرات کی وجہ سے اس وقت میسر نہیں کہ ہم خاص طور پر مواعظ ترتیب دے سکیں۔ جیسا کہ ہمارے بعض مخلص احباب کا خیال ہے۔ لیکن تعمیل ارشاد ضروری ہے۔ اس لئے چند مواعظ جو سرکار علامہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے 1909 سے 1912ء تک بعض اوقات پٹیالہ اور نواحی پٹیالہ مثلاً بسی وغیرہ میں ارشاد فرمائے تھے اور جناب صدیق محترم مولوی نبی بخش صاحب مشہدی زید فضلہ نے اپنے مذاق اور شوق کے مطابق نہایت ایجاز واختصار کے ساتھ چھوٹی چھوٹی مجالس کی صورت میں اس وقت قلمبند فرمائے تھے۔ ان کو نظر ثانی کے بعد اس طبع ثالث کے حصہ چہارم میں درج کیا جاتا ہے۔ ان مواعظ میں اگرچہ بعض عنوانات وموضوعات مشترک بھی ہیں لیکن ناظرین کرام غور سے مطالعہ فرمائیں گئے تو ہر ایک میں مواعظ ونصائح اور معارف قرآنی کے نئے نئے اشارے اور نکتے پائیں گے اور چونکہ ان کا طرز اور عنوان آسان ہے۔ اس لئے ہر قسم اور طبقہ کے باسواد افراد اس سے اپنے اپنے علم ومذاق کے موافق استفادہ کرسکیں گے اور اپنے الفاظ اور رنگ میں رنگ کر دوسروں کو حسبِ عادت وقاعدہ پہنچا سکیں گے اور اس سے گویا شیخ مرحوم کی شخصیت نمایاں بلکہ زندہ ہوتی رہے گی اور کتاب میں کچھ اضافہ اور جدّت ہو جائے گی اور ثواب میں ہمیں بھی انشاءاللہ نبی بخش صاحب کے ساتھ حصہ ملے گا۔

مجلسِ اوّل

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

انسان محسوسات کے ذریعہ معقولات کو سمجھتا ہے اور جو امر مختلف فیہ ہے جب اس میں غور کیا جاتا ہے تو حقیقت واقعیہ آہستہ آہستہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ شے جس میں اختلاف نہیں ہوتا اور مسلم حقیقت ہوتی ہے۔ اس میں حق کا اظہار مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ ذہن کی توجہ اس کی تحقیق کی طرف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ مثلاً اسلام پر ہم سب کا اتفاق ہے تو یہی وجہ ہے کہ اسلام کی حقیقت ہی مفقود ہوگئی ہے۔ محض اب اتنے ہی پر قناعت ہے کہ **من قال لا الہ الا اللہ فھو مسلم** اور اب یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ باوجود اس کے قائل ہونے کے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تکفیر کرتا ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ اصل اسلام کہاں ہے کہ باوجود اس کے کہنے کے ایک دوسرے کو کافر کہا جاتا ہے اور باقی ارکان اسلام توحید نبوت اور قیامت ہیں اور اسی طرح فروعات اسلام روزہ، نماز، حج وغیرہ ہیں اور ان سب کو بھی لوگ مانتے اور بجالاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایک فرقہ دوسرے کو کافر ہی کہتا ہے۔ معلوم نہیں کہ آخر اسلام کیا ہے؟ جس کے ماننے اور بجالانے سے ایک دوسرے کو کافر نہ کہیں؟ پس اصل بات یہ ہے کہ ٹھیک اور درست تعریف اسلام کی اہل علم نے نہیں کی ہے۔ جس سے سب مسلمان دائرہ اسلام میں داخل رہیں۔ پس ظاہر ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں سے روحِ اسلام مفقود ہو رہی ہے کیونکہ شیعہ شیعہ کو کافر اور غالی کہتے ہیں اور سنی سنی کو کافر اور مشرک کہتے ہیں اور حالانکہ **من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ** کے سب قائل ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ حقیقت اسلام اب تک لوگوں کو معلوم نہیں ہوئی ہے۔ ورنہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر نہ کہتے بلکہ **کل مومن اخوۃ** کے مطابق سب ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتے۔

ابتداء میں اسلام کی حقیقت لوگوں کو ٹھیک معلوم تھی یہی وجہ تھی کہ ذمی کافر تک ایک ہی حکم کے تحت

ہوتے تھے اور یہود و نصاریٰ سب اسلام کے اس حکم میں آجاتے تھے اور ایک دوسرے سے برادرانہ سلوک کرتے تھے۔ محض ایک جزیہ دے کر اور اب دو مسلمان ایک حکم میں مساوی نہیں سمجھتے جاتے۔ پس ظاہر ہے کہ آج کل کا اسلام اس پہلے اسلام سے بالکل مخالف ہے جو دو مسلمان ایک حکم کے تحت میں نہیں آتے۔ پس اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں صاحب اسلام بانی اسلام موجود تھے اور ایک تعریف اور ایک حد اسلام کی مقرر تھی۔ جو خدا اور رسول کے منشاء کے موافق تھی۔ جس کے ماتحت سب امن وامان سے زندگی بسر کرتے تھے اور اب مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے رنج وتعب میں پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ اس وقت کوئی مسلمان اپنی ذاتی غرض کی خاطر اسلام میں رخنہ اندازی نہیں کرسکتا تھا کہ بانی اسلام کا رعب تھا اور اب جو لوگ اسلام کے ہادی بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر اسلام کے دائرہ کو ایسا تنگ اور خراب کردیا ہے کہ سوائے اپنی ذات کے اور کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔

اگر یہ لوگ اب بھی اصلاح کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ اس طرح سے کہ انہیں پہلے مسلمانوں کے حدود کو قائم رکھیں اور ہر روز نئے نئے فرقے نہ بنائیں۔ بلکہ اسی پہلی روش پر اسلام کو لے جائیں۔ لیکن پھر زاتی اغراض کہاں حاصل ہوسکتی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہادی اسلام ہی کو درست نہیں پہچانا ہے۔ کیونکہ اگر بانی اسلام کو یہ لوگ پہچانتے تو محض انہیں کی اصلاح پر کاربند ہوتے اور اپنی رائے کو اسلام میں ہرگز داخل نہ کرتے اور ہر روز قرآن مجید فرقان حمید کے نئے نئے معانی نہ پیدا کرتے اور نئی نئی تفاسیر نہ بناتے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب طالب حق کے لئے محال ہوگیا ہے کہ وہ حق کو پہچانے مثلاً مسئلہ خلافت میں اس قدر طول دیا گیا ہے کہ ہزاروں کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ جن میں محض اپنی بات کو منوانا منظور ہے نہ اظہار حق اور اب ان کتابوں سے تمام کتب خانے پُر ہیں اور عوام نے محض انہیں کو اپنا اعتقاد بنالیا ہے۔ مثلاً آج کل حضرت علی علیہ السلام کی ایسی تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ سے بھی ان کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصل پر فرع کبھی نہیں بڑھ سکتی۔ کیونکہ تفضیل مفضول کی فاضل پر ہرگز نہیں ہوسکتی۔ دیکھو غالیوں کی کتابیں اور اسی طرح اہل سنت خلفاء کی ایسی تعریف کرتے ہیں کہ رسول سے بڑھا دیتے ہیں۔ پس بتلاؤ کہ اصل اسلام کہاں سے پیدا کیا جائے۔ کیونکہ اہل اسلام کی تو یہ حالت ہے اور تفسیروں کا یہ حال ہے کہ ہر مفسر نے اپنی تفسیر میں کچھ نہ کچھ دوسرے کی تفسیر پر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے تا کہ کوئی نہ نہ کہے کہ اس مفسر نے محض دوسرے کی نقل کی ہے اور اس کی شان علمی میں فرق آئے۔ پس اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی آیت کا

مطلب درست نہیں بنتا۔ ہر شخص کی تفسیر ایک دوسرے کے مخالف ہے۔ پس اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے صاحب قرآن کو نہیں پہچانا۔ ورنہ ہرگز ان کے قول پر اپنے قول کو ترجیح نہ دیتے۔ محض انہیں کی تفسیر پر اکتفا کرتے۔ کیونکہ وہی حقیقی مبین ومفسر کلام اللہ ہیں کیونکہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر بھی ہمارے ہی جیسے ایک آدمی تھے۔ جس طرح وہ معنی کرتے تھے ہم بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو ان معانی کے ادا کرنے کے واسطے بھیجا ہے جو اس پروردگار کا منشا ہے۔ جس کو وہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے مخلوقات میں پہنچانا چاہتا تھا۔ پس یہ لوگوں کی غلطی ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ ما انا بشر مثلکم کیونکہ یہ لوگ یوحی الی کو بھول گئے ہیں۔

پس اب اگر کوئی شخص واقعی قرآن کے معانی سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ رسول کے کلام کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ خداوند عالم نے الفاظ لغت عرب کو اپنے رسول پر نہیں نازل کیا ہے۔ بلکہ ان کے حقائق اور معانی کو اپنے رسول کے قلب پر نازل فرمایا ہے۔ فقال عزوجل نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین پس حقائق اور معانی قرآن کو قلب رسول سے قوت عاقلہ نے لیا اور اس سے قوت حافظہ نے لیا اور اس سے قوت مشترکہ نے لیا ور پھر زبان رسول نے ہم کو بتلایا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اب جس قدر ہماری تفسیریں موجود ہیں وہ سب ہماری ایجاد ہیں۔ خداوند عالم کے منشاء سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ حقائق اور معانی قرآنی محض قلب رسول سے حاصل ہو سکتے ہیں نہ ہماری تفسیروں سے اور معرفت رسول میں اب تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ خود مسلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) نبوت سے پہلے چالیس سال تک ایمان ہی نہیں رکھتے تھے اور اس آیت کے لفظی معنی اپنے دعویٰ کے لئے پیش کرتے ہیں و کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ماالکتاب ولا الایمان و لکن جعلنه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا و انک لتهدی الی صراط مستقیم . صراط الله الذی له ما فی السموات و ما فی الارض اور حالانکہ جناب عیسیٰ پیدائش ہی کے دن نبی اور صاحب کتاب تھے قال انی عبدالله اتانی الکتاب و جعلنی نبیا اور یقیناً خاتم النبیین جناب عیسیٰ سے افضل ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ سے پست درجہ ایمان رکھتے ہیں۔ پس اصل مطلب آیہ مجیدہ کا یہی ہے کہ اے ہمارے رسول جب ہم نے تجھ کو خلعت وجود عنایت فرمایا تو اس وقت تو کچھ نہیں جانتا تھا اور جب ہم نے تیرے وجود میں اپنی روح داخل کی تو تو نے اسی وقت سب کچھ جان لیا۔ پس یہ آیہ مجیدہ ابتدائے وجود محمدی کا بیان کرتی ہے۔ جب کہ

خداوند عالم نے اس کو سب سے پہلے پیدا کیا تھا۔ نہ کہ اس کے عالم طفلی کا بیان ہے۔ جیسا کہ لوگوں نے خیال کیا ہے اگر ایسا ہوتا۔ جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ تو حضرت پیغمبر ہرگز نہ فرماتے کہ کنت نبیا و ادم بین الماء و الطین اصل یہ ہے کہ اس طرح کا پیغمبر تو وہ شخص ہوگا۔ جس کو لوگوں نے خود آپ بنایا ہوگا ورنہ خداوند عالم کا بنایا ہوا پیغمبر ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جو چالیس سال تک ایمان سے اور ملکہ قرآت و کتابت سے ناواقف ہو۔

دیکھو جناب موسیٰ کی نسبت فرمایا ہے و اصطنعتک لنفسی پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ جو خدا کا حبیب ہو وہ چالیس سال تک ایمان سے بے بہرہ ہو۔ پس ظاہر ہے کہ اس طرح کا پیغمبر انسان کا ساختہ پر داختہ پیغمبر ہوگا نہ خداوند عالم کا وہ خداوند عالم جو علیم مطلق حکیم مطلق قدیر مطلق ہے۔ جس کو وہ پیغمبر بنائے گا وہ کم سے کم ویسے ہی اوصاف رکھتا ہوگا۔ جس کو خداوند عالم پسند فرمائے جو علیم و حکیم ہے۔ پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا محبوب اس شخص کو بنائے جو چالیس سال تک کیفیت ایمان سے ناواقف تھا۔ پس بیشک ان لوگوں نے شان نبوت کو نہیں پہچانا ہے۔ ورنہ پیغمبر خدا وہ ہے جس کا ہر ایک بال بال اور ناخن تک عالم ہوتا ہے۔ دیکھتا ہے سنتا ہے۔ پس ایسے خیال انہیں لوگوں کے دلوں میں خطور کرتے ہیں جو مقام نبوت سے کلیتہً بے بہرہ ہیں ۔ کیونکہ جس پروردگار کے سارے اوصاف بالذات ہیں وہ علیم بالذات سمیع بالذات، بصیر بالذات، قدیر بالذات وغیرہ۔ پس جو ذات اس کمال کی ہے تو جس کو وہ خود اپنے نفس کے لئے بنائے وہ کس درجہ کی کامل ہو گی ۔ حالانکہ جناب موسیٰ بمقابلہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ ذرہ ہیں۔ آفتاب کے مقابلہ میں۔ دیکھو جناب موسیٰ کوہ طور پر ایک ذرّہ برابر نور محمدی کی تاب نہ لا سکے۔ پس یہ نور محمدی کس درجہ کا کامل ہوگا اس کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

اور یہ امر مسلم ہے کہ محاط محیط کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ پس ہماری روح جو کہ مجرد ہے اور فاضل طین رسول سے مخلوق ہوئی ہے۔ وہ تو محاط ہے اور روح نبوت پیغمبر محیط ہے۔ اس لئے ہم ہرگز حقیقت رسول کو نہیں پہچان سکتے۔ مگر جب ہمیں خود وہ جناب پہنچوائیں ورنہ ہم حضرت کے ایک بال کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ منقول ہے کہ ایک شخص خلیفہ مامون کے پاس سات عدد بال لایا اور ظاہر کیا کہ یہ بال پیغمبر خدا کے ہیں۔ پس مامون نے ان کی تعلیم و تکریم کی اور بعد جناب امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ میں نے محض مسلمانوں کی خاطر بالوں کو تعظیم کی ہے ورنہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ بال پیغمبر خدا کے بال ہیں۔ پس جناب امام رضاؑ نے ان بالوں کو سونگھا اور فرمایا کہ چار بال واپس کر دو اور تین رکھ لو۔ واقعی یہ تینوں بال

میرے جدامجد رسول اللہ کے بال ہیں اور اس کا ثبوت میں تجھ کو دیتا ہوں کچھ آگ منگاؤ پس آگ آئی۔ امام نے ان چاروں بالوں کو آگ کے سامنے کیا تو وہ جل گئے اور جب ان تینوں بالوں کو آگ کے سامنے کیا تو آگ بجھ گئی۔ پس مامون نے سوال کیا کہ آپ نے کس طرح پہچانا۔ تو امام نے فرمایا کہ میں اسی طین سے مخلوق ہوا ہوں جس سے یہ بال بنے ہیں۔ پس امام نے ان بالوں پر سلام کیا۔ پس ان بالوں سے جواب آیا **و علیک السلام یا ولدی** پس بال بال پیغمبر کا عالم اور متکلم ہے۔

اسلام کے دومسئلوں پر ایک عیسائی نے اعتراض کیا ہے۔ یعنی حضرت پیغمبر کا سایہ نہ تھا اور ہمیشہ حضرت کے سر مبارک پر ابر سایہ انداز رہتا تھا۔ اس نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب ابر کسی پر سایہ کرے گا تو اس کا سایہ کہاں سے ہوگا۔ پس ایک بات صحیح ہو سکتی ہے نہ دونوں۔ اصل یہ ہے کہ یہ دونوں مسئلے بجائے خود درست اور صحیح ہیں لیکن ان لوگوں نے اس طرح سے درج کیا ہے کہ جس سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کے سر مبارک پر ہر وقت ابر سایہ انداز ہوتا تھا۔ بلکہ جب سخت دھوپ ہوتی تھی تو اس وقت ابر سایہ انداز ہوتا تھا۔ ورنہ تمام عرب یہی دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔

اور یہ مسئلہ ہے کہ جب آفتاب کے حد اعتدال میں کوئی شے مستقیم واقع ہوتی ہے تو اس کا سایہ مفقود ہو جاتا ہے۔ پس چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبداء عالم کی صراط مستقیم پر ہمیشہ مستقیم تھے اس واسطے آپ کا سایہ مفقود تھا۔

اور یہ مشاہدہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ سایہ نہیں پیدا کر سکتا۔ پس چونکہ وجود پیغمبر آفتاب کا مبداء ہے اور آفتاب ہی نے سب سے زیادہ نور محمدی کو حاصل کیا ہے اس واسطے آپ کا سایہ نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ دیکھو جناب موسیٰ کا ید بیضا آفتاب کی ضوء کو مضمحل کر دیتا تھا۔ پس وجود محمدی جو نور ازلی ہے۔ کیونکہ نہ اسکو مضمحل کرے گا۔ **وقال عزوجل قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین** پس یہی وجہ تھی کہ آفتاب کی ضوء نور محمدی کے سامنے مضمحل ہو جاتی تھی۔ حتی کہ حضرت کے لباس کا بھی سایہ نہ پیدا کر سکتی تھی۔ پس یہ معجزہ تھا پیغمبر کا کہ حضرت کے کپڑوں کا بھی سایہ نہیں پیدا ہوتا تھا۔ جب جناب فاطمہ بنت رسول وصی رسول کے گھر آئیں تو ان کے حجرے سے مختلف نور پیدا ہوتے تھے۔ صبح کے وقت سفید نور ظاہر ہوتا تھا۔ ظہر کے بعد سبز نور ظاہر ہوتا تھا۔ عصر کے بعد سرخ نور نمودار ہوتا تھا۔ جس سے مدینہ کے تمام در و دیوار سرخ ہو جاتے تھے۔ اصحاب نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ یہ نور کہاں سے ہے۔ تو حضرت نے فرمایا جاؤ میری بیٹی فاطمہ کے گھر کو دیکھو۔ پس ان تینوں نوروں کا منبع جناب سیدہ کا حجرہ طاہرہ تھا **صلوات اللہ و**

سلامہ علیھا و ابیھا و بعلھا و بنیھا ایک مرتبہ جناب امام حسن مسجد نبوی میں تشریف لائے اور بعد نماز عشا کے حضرت امام حسن کی پیشانی مبارک سے نور چمکا جس کی روشنی میں حضرت اپنے گھر پہنچے۔ پس لوگوں نے پوچھا کہ یہ نور کہاں سے ہے تو حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی اللہ نور السموات والارض اور پھر فرمایا کہ اس کا پتہ یہ ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ . رجال لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ یہی نور جناب سلیمان کی کتاب میں بھی مذکور ہے۔ جس کے سامنے نور آفتاب ماند ہو جائے گا اور یہی نور روز عاشورا ظاہر ہوا تھا۔ جب سیاہ آندھی چلی اور آفتاب کا نور بالکل جاتا رہا اور ایسا اندھیرا ہو گیا تھا کہ ستارے نظر آنے لگے تھے۔ پس اس وقت ایک ایسا نور چمکا کہ اس کے سامنے نور آفتاب کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ پس لوگوں نے اس کا مبداء تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نور پیشانی مجروح جناب امام حسین سے ساطع ہے۔ افسوس آج کل اسلام پر مختلف فرقوں کے نہایت سخت حملے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر ایک مسلمان بیتاب ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل اسلام ان کا جواب نہیں دیتے۔ محض اپنی ذاتی اغراض کی خاطر رنگ برنگ کے بے معانی رسالے اور کتابیں شائع کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مجلس دوم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین
امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

کل میں نے اجمالاً مقدمہ کے طور پر ذکر کیا تھا کہ جس چیز میں اختلاف ہوتا ہے اس کی حقیقت کسی قدر واضح ہو جاتی ہے اور جس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہوتا اس کی حقیقت بالکل پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ بہت سے مسائل جو صدر اسلام سے متفق علیہ چلے آتے ہیں۔ ان کی حقیقت بالکل پوشیدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ چونکہ مسئلہ خلافت رسول میں اختلاف ہے اور ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس لئے ہر متبصر سمجھ سکتا ہے کہ اصل بات کیا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ نبوت پیغمبر پر ہر مذہب کا اتفاق ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت خوب واضح نہیں ہوئی اور شان نبوت لوگوں پر کلیتہً پوشیدہ رہ گئی ہے۔ کیونکہ باب نبوت میں بہت مشکل سے چند کتابیں نصاریٰ وغیرہ کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ خلافت کی طرح نبوت میں کتابیں نہیں لکھی گئی ہیں۔

پس یہی باعث ہوا ہے کہ ہندوستان میں اب نبوت نبی میں شبہ ہو گیا ہے اور کہتے ہیں کہ نبی بھی ہمارے جیسا ایک آدمی ہوتا ہے اور ترقی کرتے کرتے نبی بن جاتا ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ لوگوں نے توحید کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے۔ اسی وجہ سے ان پر نبوت کی حقیقت پوشیدہ ہو گئی ہے اور نبوت کی حقیقت پوشیدہ ہونے سے اصل خلافت کی بھی حقیقت پوشیدہ ہو رہی ہے۔ کیونکہ امامت نبوت کی فرع اور نبوت توحید کی۔ پس اگر یہ لوگ نبوت کی حقیقت کو پہچانے ہوتے تو اسلام میں ہرگز اختلاف واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ جس طرح نبی کے زمانے میں سب ذمی اہل یہود و نصاریٰ ایک حکم کے تحت میں شامل ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کہ کوئی اہل اسلام ان کو ضرور نہیں پہنچاتا تھا اور نہ وہ اہل اسلام کے ضرر کے درپے ہوتے تھے۔ سب باہم میل جول کے ساتھ امن و امان سے زندگی بسر کرتے تھے کبھی کوئی کسی کے دین میں مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب

رومیوں نے قصد کیا کہ دین اسلام کی بنیاد کو برباد کریں اور دمشق میں فوج جمع کر لی اور لڑائی کا پیغام دیا تو اس وقت ذمی یہود و نصاریٰ کی حفاظت کا انتظام مسلمانوں کو مشکل معلوم ہوا۔ پس امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے یہ صلاح دی کہ جس قدر ان لوگوں سے ان کی حفاظت کے واسطے جزیہ لیا گیا ہے سب ان کو واپس کر دیا جائے۔ کیونکہ اب ہم ان کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ پس یہ حکم سن کر یہود و نصاریٰ نے جو مسلمانوں کے ذمی تھے کہا کہ ہم جزیہ واپس نہیں لیں گے اور اب ہم تمہاری طرف سے ہو کر تمہارے مخالفوں سے لڑیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رومیوں اور یونانیوں کو شکست کھانا پڑی۔ پس ظاہر ہے کہ صدر اسلام میں یہود و نصاریٰ اسلام کی طرف سے لڑتے تھے اور مسلمانوں کے ہمراہ تھے۔ پس ضروریات دین کے انکار سے تو کافر سمجھا جاتا تھا اور ماسوا کے انکار سے کافر نہیں سمجھا جاتا تھا اور ضروریات دین اسلام توحید و نبوت و معاد ہیں۔ پس صدر اسلام میں ان ضروریات میں مسلمانوں میں اختلاف نہیں تھا اور سب ان کے قائل تھے۔ اس واسطے ایک دوسرے کو کفر کا فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ ہاں بعد رسول کے البتہ اختلاف پیدا کیا گیا ہے اور غیر ضروری باتوں کے انکار پر کفر کا فتویٰ عاید کیا گیا ہے۔ ورنہ اسلام کے حدود تو ایسے محکم اور وسیع ہیں اور اس کی رواداری ایسی عام ہے کہ منافقین کو بھی اسلام نے اپنی حد سے باہر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ خدا نے ان کی نسبت بتلا دیا تھا کہ مدینہ میں تم لوگوں میں سے بہت سے منافق ہیں۔ پس یہ اختلات پیغمبر کے نہ پہچاننے کے باعث پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم پیغمبر کی نسبت فرماتا ہے **ثم جعلناک علی شریعة من الامر فاتبعها و لا تتبع اهواء الذین لا یعلمون** یعنی پیغمبر اجتہاد نہیں کرتا۔ محض اس شریعت کو جو خداوند عالم نے اس کو بنا دی ہے۔ خلق میں اشاعت کرتا ہے اور وہ محض ایک شریعت ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پس اب سوال ہے کہ وہ شریعت اب کہاں ہے۔ جس میں اختلاف نہیں ہے؟ آیا نبی نے اس شریعت کو ہم تک پہنچایا ہے یا نہیں جو اس قدر اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ پس اگر نہیں پہنچایا تو گویا وہ اپنی نبوت کے ابلاغ میں مقصر رہے اور اب رہی خلافت تو معتزلہ خلافت کو مانتے ہین اور حنفی بھی مانتے ہیں۔ لیکن معتزلہ حنفی کو کفر کا فتویٰ دیتے ہیں اور حنفی معتزلہ کو اور اب کفر اس قدر ارزان ہو گیا ہے کہ ہر ایک عالم اپنے مقابل کو کفر کا فتویٰ دیتا ہے اور حالانکہ اسلام ہرگز کسی کو کفر کا فتویٰ نہیں دیتا۔ خواہ باطن میں منافق ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اس وقت البتہ کفر کا فتوی دیتا ہے۔ جبکہ توحید و نبوت و معاد کا کوئی شخص کھلم کھلا انکار کرے یا اس میں شریک بنائے یا خدا کے ساتھ اور معبود بنائے یا نبی کے ساتھ اور نبی بنا کر کھڑا کرے تو بے شک یہی ہدود نبوت محمدی سے خارج ہو جائے گا اور البتہ وہ کافر ہے پس اصل یہ ہے کہ ہر شخص مسلمان ہے۔

مگر وہ شخص جو ضروریات دین کا انکار کرے۔ پہلے زمانہ میں مسلمان گرجاؤں میں نماز پڑھتے تھے۔ ان کو نصاریٰ و یہود ہرگز منع نہیں کرتے تھے اور اب اگر شیعہ سنی کی مسجد میں نماز پڑھنے جائے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ کافر ہے اس کو نکال دو۔ حتی کہ وہ برتن جس سے اس نے وضو کیا ہے اس کو توڑ دیتے ہیں اور بعض وقت تو فرش مسجد جہاں اس نے نماز پڑھی ہے اس کو بھی اکھاڑ ڈالتے ہیں اور یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی مساجد میں بھی اپنی عبادت کرتے رہے ہیں۔ بلکہ عہد رسالت میں بھی ایسا ہوا ہے اور حالانکہ خداوند عالم نے معابد نصاریٰ و یہود اور مساجد اسلام کو ایک ہی ذیل میں بیان فرمایا ہے **ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بيع و صلوات و مساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا** پس گویا خداوند عالم کو یہ منظور ہے کہ یہ سب سلامت رہیں اور رسول نے معابد نصاریٰ میں اور معابد یہود میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اب مسلمان مسلمان کی مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ بعض باتیں میں نے اہل ہند میں ایسی بری دیکھی ہیں کہ جو کہیں کے مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ آپ سلطنت اسلام میں جائیں تو دیکھیں گے کہ مرکز خلافت یعنی استنبول کی جامع مسجد میں ایک شیعہ بے تکلف نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایران میں ایک سنی مسجد شاہ میں نماز بے تکلف پڑھ سکتا ہے اور ہندوستان میں باوجود اس کے کہ یہ لوگ محض رعیت ہیں۔ پھر اس پر یہ حالت ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ایک کو دوسرے کی مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ میرے خیال میں ہندوستان کے عقلاء اس اختلاف کے مبداء کو جانتے ہوں گے۔ یعنی ان سب اختلافوں کا مبداء اکثر مولوی صاحبان ہیں۔ کیونکہ یہاں علم تھوڑا ہے۔ مولوی صاحبان محض اردو ترجمے پڑھ پڑھ کر فتویٰ دینے لگ جاتے ہیں اور محض اردو پڑھ کر مفتی بن جاتے ہیں اور دس پانچ کی تکفیر کر کے اپنا مطلب پورا کرتے ہیں اور عمامہ و عبا و قبا پہن کر مسند نشین شریعت ہو جاتے ہیں۔

اور ایک اور بڑا بھاری خطرہ اہل ہند کے لئے درپیش ہے اور وہ انجمنوں کی بدولت ہوگا۔ کہ یہ انجمنیں اسلام کی خاطر روپیہ تو وصول کرتی ہیں لیکن اسلام کا ایک کام نہیں کرتیں اور سب سے بڑی انجمن علی گڑھ کالج کی ہے اور وہاں کے تعلیم یافتہ مسلمان بالکل دین سے بے خبر ہوتے ہیں۔ خدا ان کو دین کی توفیق دے اور اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ علماء نے بھی ایک انجمن قائم کی ہے یعنی شیعہ کانفرنس۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ اتفاق کی کوئی صورت نکالیں۔

اب میں حیرت میں ہوں کہ ہندوستان میں کس طرح اپنی شرعی تکلیف کو ادا کروں کیونکہ اگر دس (10) آدمی حق کے سننے والے ہیں تو سو اس کے مخالف ہیں۔ چنانچہ اب وہی زمانہ نظر آ رہا ہے۔ جیسا کہ

حضرت امیر نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کسی پر اعتبار کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہوگا۔ اذا قس الزمان ثم احسن رجل انظن برجل فقد غدر نفسه (سرسوی)

اب میں اصلی مطلب پر آتا ہوں کہ اگر ہم سب بانیان اسلام کی معرفت کامل اور واقعی رکھتے ہوتے تو یہ خرابیاں ہرگز واقع نہ ہوتیں۔ افسوس اب وہی زمانہ ہے۔ جس کی پیغمبر نے خبر دی ہے بدء الاسلام غریبا و سیعود غریبا اب سوائے حضرت حجت کے اور کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ افسوس ہے کہ یہی اسلام ایسا دین ہے کہ جس کو نصاریٰ تک نے خوب سمجھا ہے اور اس کے اصول پر عمل کر کے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہم اونٹ کی طرح آنکھ بند کئے بار اسلام لادے لادے پھرتے ہیں اور اسلام سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور نہ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

دین و دنیا کی فلاح کے لئے ایک چیز نہایت ضروری ہے۔ یعنی رزق حلال اور اہل ہند نے دین و دنیا کی فلاح محض نوکری کو سمجھ لیا ہے۔ جس واسطے دس سال تک لڑکا انٹر پاس کرتا ہے لیکن کلمہ توحید تک صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ پس گویا باپ نے اپنے فرزند کا دین دنیا کی خاطر برباد کر دیا ہے۔ باپ کو چاہئے کہ اول دین اسلام بعد ازں تجارت و فلاحت میں لگائے نہ کہ نوکری۔ کیونکہ جب رزق حرام سے جسم پر ہو جاتا ہے تو حقیقت اسلام اس میں ہرگز نہیں داخل ہوتی۔ قال الله تعالی و ما نات بمسمع من فی القبور یعنی یہ لوگ گویا مردے ہیں اور کچھ نہیں سن سکتے۔

وما انت بهادی العمی گویا یہ لوگ اندھے ہیں اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اب مخلوقات کی حالت اس درجہ بے دینی پر پہنچی ہے کہ اگر کوئی تھیٹر آ جائے تو تمام لوگ جا کر اس کو دیکھیں گے اور اگر کوئی ان سے راہ خدا میں کچھ مانگے تو ہرگز نہیں دیں گے۔ پس یہ محض بے دینی ہے۔

ورنہ ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ ان روپوں کو راہِ خدا میں قرضہ حسنہ کے طور پر دیتے اور ثواب دارین حاصل کرتے۔ خداوند عالم نے قرضہ حسنہ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ فقال و یا خذه الصدقات یہی وجہ تھی کہ امام زین العابدین جب سائل کو کچھ دیتے تھے تو اس کا ہاتھ چوم لیتے تھے گویا صدقہ لینے والے کا ہاتھ خداوند عالم کا ہاتھ ہے۔ اسلام کا نشان قرآن مجید میں تین چیزیں ہیں۔ اول ایمان بالغیب، دوسرے اقامة الصلوة۔ تیسرے و مما رزقنهم ینفقون۔ لیکن اب مسلمانوں میں سے یہ تینوں چیزیں جاتی رہی ہیں۔ توحید تو برائے نام باقی ہے اور لوگوں کو نماز پر قائم رکھنا تو ایک طرف خود ہی نماز نہیں پڑھتے اور اگر کہیں خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ کرتے ہیں جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔

مجلس سوم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا

کل بھی اجمالی طور سے نبی کے متعلق میں نے عرض کر دیا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہمارے پاس سوائے قرآن کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن ہم نے اس کو اپنا اعتقاد تو بنایا نہیں ہے محض وہمی اور خیالی اور اختراعی چیزوں پر اعتقاد کر لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا دین فاسد ہو جائے گا۔ جو وسیع النظر ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں ہی نے اسلام پر نکتہ چینی کرائی ہے۔ ورنہ اسلام علماً اور عملاً اس درجہ کا دین ہے کہ جس نے بڑے بڑے داناؤں کو متحیر کر دیا ہے۔ وہ عرب کے جاہل جن کے پاس نہ تو کوئی کتاب تھی اور نہ ان پر کوئی پیغمبر مبعوث ہوا تھا۔ اس لئے وہ سب سے زیادہ بداخلاق تھے اور محض طوائف الملوکی تھی۔ پس جب اسلام آیا تو چونکہ یہ اسلام علماً اور عملاً دونوں طرح سے کامل تھا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اس میں ایسی لذت حاصل ہوئی تھی کہ وہ ہر بلا و مصیبت کو اسلام کی وجہ سے برداشت کرتے تھے لیکن اسلام کو نہیں چھوڑتے تھے۔ پس یہ کیا بات تھی؟ یہ بانی اسلام کا اثر تھا۔ جس نے ان میں یہ تاثیر پیدا کر دی تھی اور ان کی صداقت روحانی تھی۔

دوسری عبارت میں یوں سمجھئے کہ جب کوئی شخص کسی قوم میں کوئی دعویٰ کرتا ہے تو عقلائے روزگار اس کو دیکھتے ہیں کہ آیا اس پر اس کا عمل بھی ہے یا نہیں۔ پس اگر اس کا قول عمل کے مطابق ہوتا ہے تو اس کے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو کچھ احکام قرآن مجید میں ہیں پہلے رسول نے خود ان پر عمل کیا ہے تب ان کو دوسروں پر پیش کیا ہے۔ پہلے آپ نے توحید کو راسخ کیا تب لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔ پس جب لوگوں نے حضرت کے قول کو ان کے عمل کے مطابق پایا۔ تب تسلیم کیا۔ چنانچہ آپ کے عمل کا ثبوت ہے کہ مشرکین نے آپ کو اپنا امین قرار دیا۔

اور یہی وجہ تھی کہ کسی کافر اور مشرک نے حضرت پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ پہلے بت پرست تھے اور اب آپ ہم کو اس سے روکتے ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے حضرت پر الزام قائم کیا ہے اور امام فخر الدین رازی آیہ مجیدہ **ووجدک ضالا فھدی** کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلے تو بت پرست تھا۔ پس اللہ نے تجھ کو ہدایت کی (ا)

اور اسی طرح سے جناب ابراہیم کے والد ماجد کو کافر و مشرک کہتے ہیں اور حالانکہ قرآن سے ان کا اسلام ثابت ہے اور جو شخص مشرک تھا وہ ان کا چچا تھا۔ چنانچہ اس کی نسبت آیا ہے **ما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ و عدھا** یعنی وہ مربی جناب ابراہیم کا جس کے واسطے انہوں نے ایک خاص موقع پر استغفار کیا تھا اور بعد اس کے پھر کبھی نہیں کیا کیونکہ مشرک کے واسطے استغفار نا جائز ہے۔ پس یہ مربی جناب ابراہیم کا والد نہیں تھا محض مربی تھا۔ اور جو شخص جناب ابراہیم کا والد تھا وہ مومن تھا۔ اس کے واسطے جناب ابراہیم ہمیشہ استغفار کرتے تھے۔ **فقال عزوجل اللھم اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب**

پس اب جو اعتراض ہم پر غیر مذاہب کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ سب ہماری ہی ذاتی تحریروں کا نتیجہ ہے۔ مصر میں ایک نصرانی نے بھی یہی اعتراض نقل کیا ہے کہ محمد چالیس سال تک بت پرست تھے۔ یہ باتیں میں اس واسطے بیان کرتا ہوں تا کہ مسلمان غور فکر کریں کہ یہ سب ہماری اپنی کاروائی ہے۔ چنانچہ سورہ والنجم کی تفسیر میں نصرانی صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ہاں محمد صاحب بعد نبوت کے بھی بتوں کی پرستش کے امیدوار تھے اور پھر لکھا ہے کہ جو شخص ایسا ہو وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ ختم المرسلین۔ یہ اس نصرانی نے نوٹ کیا ہے۔

اب ایک حدیث دیکھئے **اختلاف امتی رحمۃ** میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ پس اسکا جزئی اثر ملاحظہ فرمائیں کہ ایک رحمت تو یہ ہے کہ علی کو چالیس سال تک ممبر پر لعنت کی گئی پس یہ ایک رحمت ہے؟ اور روافض اب تک ثلاثہ کو برا کہتے ہیں۔ پس یہ بھی ایک رحمت خدا ہوگی۔ کیونکہ شیطان کی رحمت تو ہوتی نہیں۔ پس اس رحمت الٰہی کا اثر ہوا کہ رسول کی وفات میں اختلاف پڑ گیا۔ گرونانک صاحب کی وفات کا دن تو معلوم ہے اور اسی طرح ہر فرقے کے پیشوا کی وفات کا دن معین و مقرر ہے لیکن رسول کی وفات میں سودا بارہ باٹ ہو گیا۔ کیونکہ رحمت ہے۔ آٹھ کرڑور مسلمان آپس میں کٹ کر مر گئے یہ بھی ایک رحمت ہے۔

(ا ص) مطلب آیت کا دراصل یہ ہے کنت مجھول الاوصاف و مستورا فی القوم فھداھم اللہ الیک و جعلک معروفا باوصافک الکاملۃ. قال اللہ تعالی و قالوا ء اذا ضللنا فی الارض ء انا لمبعوثون خلقا جدیدا (السرسوی)

ایک فرانسیسی عالم بیان کرتے ہے کہ مسلمانوں کے نبی نے خوب رحمت بیان فرمائی ہے۔ جب مذہب کا ہادی یہ کہہ کر چلا جائے کہ تمہارے ہر ایک اختلاف میں رحمت ہے۔ تو فقط یہی حدیث اس کے کاذب اور باطل ہونے کے لئے کافی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ اس کو کوئی عقل مند نہیں قبول کرے گا اور بعض اصحاب جو آج کل اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اختلاف امتی فی الصنائع و البدائع رحمۃ تو ان کو چاہئے کہ پہلے زمانہ پر نظر ڈالیں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ واضعان حدیث نے کبھی اس معنی میں اس کو استعمال نہیں کیا اور نہ ان کا اس سے یہ مطلب تھا۔

اسی طرح کی اور حدیث کو لیجئے۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث و کلما ترکناہ فھو صدقۃ

حالانکہ قرآن شاہد ہے وورث سلیمان دائود اور دیکھو ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون اور دیکھو و انی خفت الموالی من ورائی و کانت امراتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی و یرث من ال یعقوب و اجعلہ رب رضیا

پس اس صدقہ کا جو کچھ اثر خاندان رسالت پر پڑا اس کو سب جانتے ہیں اور اسی طرح سے اس اختلاف کا جو اثر کل مسلمانوں پر پڑا وہ اظہر من الشمس ہے یعنی معمولی اثر اس کا یہ ہوا کہ امت محمد یہ بہتر فرقوں میں منقسم ہو گئی اور اس کو رحمت خیال کرتی رہی۔

پس اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آیا قرآن میں بھی اختلاف رحمت ہے یا نہیں فقال عزوجل و ما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ھدی و رحمۃ لقوم یو قنون پس جائے غور ہے کہ اب ہم قرآن کو مانیں یا حدیث کو۔ کیونکہ قرآن تو اختلاف کے مٹانے کو رحمت فرماتا ہے اور دوسری آیت میں آیا ہے و لاتکونوا کالذین فرقوا و ختلفوا من بعد ما جاء ھم البینات اولئک لھم عذاب عظیم پس ہم کو ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے اور فرماتا ہے ان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید یعنی جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ ہدایت سے کوسوں دور ہیں اور یہ بات صاحب عقل سلیم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ کتاب میں جو کچھ اختلاف پڑا ہے سب مفسرین کی بدولت ہے مثلاً قال قتادہ قال الزجاج قال عبداللہ بن سلام. قالفلان و قال فلان سے تفاسیر پر ہیں۔

ہر آیت کی تفسیر کے تحت میں انہیں مسلمان یہودیوں کے نام ہوتے ہیں۔ کیا قرآن انہیں لوگوں

کے گھر میں نازل ہوا ہے؟ رسول اللہ کا قول نہیں ذکر کرتے۔ جس کے اوپر یہ قرآن نازل ہوا ہے یعنی **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم** سے تفاسیر اکثر خالی ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

اپنے پیغمبر کی شان کو مسلمانوں نے اس قدر گھٹایا ہے کہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ایک باغ کے پاس سے گذرے اور دیکھا کہ وہ لوگ بور خرما کاٹ کر خرما پر ڈال رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ یہ تو تم شرک کرتے ہو۔ پس انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس طرح کرنے سے یہ اچھا پھل دیتے ہیں۔ پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ **انتم اعلم بامور دنیاکم** حالانکہ انبیاء ہی نے سب کچھ ہم کو سکھایا ہے۔ چہ جائیکہ ختم المرسلین اور عرب کا رہنے والا وہ یہ نہ جانے کہ کھجوریں کس طرح زیادہ پھل دیتی ہیں جس کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے۔ **وعلمک ما لم تکن تعلم** اور حالانکہ جناب موسیٰ کو کل دو برہان عنایت فرمایا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے **یـــا ایھا لناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا** پس تعجب ہے کہ وہ درخت کا حال بھی نہیں جانتا تھا۔ **نعوذ باله من ھذا الاعتقاد**

ان باتوں سے گزر کر کارخدائی پر بھی مسلمان دست انداز ہوئے ہیں۔ **قال عز من قائله انی جاعلک للناس اماما** ظاہر ہے کہ یہ خطاب جناب ابراہیم کو بعد نبوت وخلت کے عطا ہوا ہے لیکن مسلمانوں نے نصب امامت اپنے اختیار میں لے لیا یہ۔ جس کو چاہتے ہیں اپنا امام بنا لیتے ہیں۔ اور بناتے رہے اور اس سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوئے اور اسی سلسلہ میں معاویہ بھی امام بنا دیا گیا۔ حالانکہ اس کو امامت ابراہیمی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوسکتا اور جب معاویہ اور جناب امام حسن میں صلح ہوئی تو عہد نامہ میں یہ بات مندرج تھی کہ معاویہ نصب امام اپنی طرف سے نہ کرے ورنہ صلح باطل ہو جائے گی۔ لیکن معاویہ نے اس عہد کے بھی خلاف کیا اور اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نصب کیا اور بدعہد...... کی خلافت کوئی عقلمند نہیں تسلیم کرے گا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کو بھی اجماع کر کے امام بنا ہی لیا۔ پس وہی نصرانی اپنی کتاب ہدایہ میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو کسی کی ضرورت نہیں جس بات پر ان کا اجماع ہو جاتا ہے تو ان کا خدا بھی اس پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اگر امامت کو دیکھا جائے تو امامت نبوت سے بڑا مرتبہ ہے **فقال عزوجل و تلک حجتنا اتینا ابراھیم علی قومه** یہ مقام رسالت ہے جو محض ان کی قوم تک محدود ہے۔

اور مقام امامت میں ارشاد ہوا ہے۔ **انی جاعلک للناس اماما** پس کل بنی نوع انسان کے امام ہوئے اور اثر واقتدار اس امامت کا یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ **اذن فی الناس للحج** پس

سب کا اتفاق ہے کہ نطفوں تک نے اس آواز کو سنا اور وہی لوگ حج کو جاتے ہیں۔ جنہوں نے اس آواز کو سنا اور اس کا جواب دیا۔ پس مقام امامت مقام ولایت مطلقہ ہے۔ یعنی ریاست عامہ الٰہیہ ہے عامہ خلق پر۔ حتیٰ کہ نطفہ تک پر اس کا حکم جاری وساری ہے۔ لیکن امت محمدیہ نے اس کی کچھ پروانہیں کی اور ہر شخص کو اپنا امام بنالیا ہے حالانکہ یہ وہی امامت ہے جس کو جناب ابراہیم نے اپنی ذریت میں ہمیشہ کے لئے چھوڑا ہے۔ **فقال عزوجل وجعلها كلمة باقية فى عقبه لعلهم يرجعون** پس یہ امامت تمام پہلی اماموں پر حاوی اور مشتمل ہے اور جب نبوت درجہ ختم پر پہنچی تو تمام ماسوی اللہ پر حاوی اور مشتمل ہوئی۔ پس ختم نبوت ولایت مطلقہ ہے اور خداوند عالم نے نبی ختم الرسل کو فرمایا ہے کہ تو اس شریعت کی پیروی کر اور ہم لوگوں کو ارشاد ہوا ہے کہ تم نبی کی پیروی کرو۔ پس اگر ہم نبی کو مجتہد کہیں تو ٹھیک نہیں اور اگر ہم نبی کی اطاعت چھوڑ کر اجتہاد کریں تو ہمارے اعمال باطل ہو جائیں گے اور چونکہ نبی رفتنی ہے۔ اس لئے اس کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو واجب گردانا اور جو اولی الامر ہے اس کی اطاعت مطلق ہے۔ مقید نہیں ہے۔ ہاں البتہ ایک قید ضرور ہے۔ یعنی **منکم** پس اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اولی الامر تمام شریعت ختم المرسلین سے واقف ہوگا۔ پس اگر عیسیٰ بھی آسمان سے آئیں تو تم اپنے ہی اولی الامر کی اطاعت کرنا۔ یعنی اس خلیفہ رسول کی پیروی کرنا جو مخلوقات پر رسول کی ولایت مطلقہ رکھتا ہو۔ چونکہ اولی الامر سے ایک نبی اللہ مقارن ہونے والا تھا۔ یعنی جناب عیسیٰ حضرت حجت سے ملنے والے تھے۔ اس لئے خداوند عالم نے فرمادیا کہ جب وہ آوے تو تم اپنے اولی الامر کی اطاعت اور پیروی کرنا یہ نہ سمجھنا کہ اب عیسیٰ کی پیروی کرنی ہوگی (تفصیل آئندہ انشاءاللہ)

و قال عز من قائله و كذالک جعلنا كم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا

کلمات مبارکہ خداوند عالم حتی کہ آیات وسور کی تین حالتیں ہیں۔

(۱) صورت تمثیلی (۲) صورت تنزیلی (۳) صورت تاویلی اور ہر مقام میں یہ تینوں صورتیں موجود ہیں۔ حتی کہ احکام میں بھی ہیں۔ دیکھو **حرمت عليكم الميتة و الدم و لحم الخنزير الخ** پس ظاہر ہے کہ اس آیت کو اول اور آخر سے کوئی ربط نہیں ہے۔ اول سے اس واسطے نہیں ہے کہ اس سے پہلے آچکا ہے۔ **حرمت عليكم الميتة** اور آخر سے اس واسطے نہیں ہے کہ ان چیزوں کے حرام ہو جانے سے کفار کیونکر مایوس ہو سکتے ہیں۔ جو فرمایا ہے **اليوم يئس الذين كفروا من دينكم** پس ظاہر ہے کہ سورہ مائدہ آخری سورت ہے اور سورہ بقرہ میں بھی یہ حرمت کا حکم آچکا ہے۔ یعنی **حرمت**

علیکم المیتة پس ظاہر ہے کہ تمام قرآن متشابہات سے ہے **قال عز من قائله نزل احسن الحدیث کتابا متشابها مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم** اور تمام قرآن بین اور محکم ہے **قال عزوجل و لقد انزلا الیک ایت بینات و ما یکفر بها الا الفسقون و قال و هو الذی انزل الیکم الکتب مفصلاو الذین اتینهم الکتاب یعلمون انه منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین**

اور بعض قرآن محکم ہے اور بعض متشابہ **قال عز من قائله هو الذی انزل علیک الکتاب منه ایت محکمات هن ام الکتاب و اخری متشابهات فاماالذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله و ما یعلم تاویله الا الله و الراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا**

پس ان آیات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقۃً تین طرح کے قرآن فہم ہیں یا کہئے کہ علم کلام اللہ و قرآن فہمی کے لحاظ سے عام لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

ایک وہ ہیں جن کے واسطے سارا قرآن متشابہ ہے۔

اور ایک وہ ہیں جن کے واسطے سارا قرآن محکم ہے۔

اور ایک وہ ہیں جن کے واسطے بعض محکم اور بعض متشابہ ہے۔

پس ہم لوگوں کو مقام تعلیم و تعلم میں قرآن ان لوگوں سے لینا چاہئے جن کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے نہ ان لوگوں سے جن کے نزدیک سارا قرآن تشابہ ہے ورنہ اختلاف پڑ جائے گا اور وہ کون ہیں۔ جن کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے؟ وہ وہی لوگ ہیں جن کے گھروں میں قرآن نازل ہوا ہے اور جن کی نسبت خدا فرماتا ہے۔ **انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما ارک الله** یعنی جس طرح خداوند عالم نے تجھے بتلا دیا ہے سمجھا دیا ہے۔ اسی طرح سے لوگوں میں حکم جاری کر۔ اپنی رائے سے مت حکم کر۔ پس یہ ہیں وہ لوگ جن کو خدا نے پہلے ہی سے سب کچھ سمجھا دیا ہے ۔اس لئے ان کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے۔ یعنی رسول عربی اور اس کی وہ ذریت جو اس کے علم کی حقیقی وارث ہے اور عالم بالقران پیدا ہوئی ہے اور دراصل وہی **راسخون فی العلم** ہیں جن کے علم میں اختلاف اور تغیر نہیں ہو سکتا۔

راسخون فی العلم کے متعلق آپ کو شبہ نہ پیدا ہو کہ کیا **راسخون فی العلم** سے مراد علماء

نہیں ہو سکتے۔ بیشک علمائے مفسرین **راسخون فی العلم** ہرگز نہیں۔ ورنہ ان کی تفسیروں میں اختلاف نہ ہوتا۔ ان سب کا علم وجدانی ہوتا۔ پس **راسخون فی العلم** وہی لوگ ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے وہ سب ہمارے خدا کی جانب سے ہے۔ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی **راسخون فی العلم** وہ لوگ ہیں جن کی تاویل کاشف عن الحقیقۃ ہو اور ان کی تاویل میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

دوسری عبارت میں سمجھو کہ اگر **راسخون فی العلم** سے علماء ہی مراد لئے جائیں تو یقیناً پیغمبر بھی ان میں داخل ہوں گے اور جب پیغمبر داخل ہوں گے کہ اول عالم اور اکمل عالم ہیں تو اب جن علماء کا علم مثل پیغمبر کے ہو گا وہ **راسخون فی العلم** ہوں گے نہ دوسرے جن کا علم محدود۔ ناقص، زوال پذیر اور تغیر پذیر ہے۔ ان میں **رسوخ فی العلم** کے معنی کسی طرح صادق نہیں آسکتے۔ پس جن کا علم مثل پیغمبر کے ہے ان کا بیان جابجا قرآن میں آیا ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل میں بھی انہی نفوس قدسیہ کی طرف اشارہ ہے۔ **قال عزوجل و کذالک جعلنا کم امۃ وسطا الخ** یعنی ہم نے تم کو امت وسط اس لئے قرار دیا ہے کہ تم لوگ خلق پر شہدا ہو اور پیغمبر تم پر شہید ہو۔ یعنی حاضر کیونکہ صیغہ صفت شبہ مستعمل ہے۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ اسے تمام امت مراد ہے۔ یا بعض امت مراد ہے۔ کل مفسرین نے اس سے تمام امت مراد لی ہے اور خود گرفتار ہو گئے ہیں کہ آیا تمام افراد امت دوسرے مذہبوں پر شاہد ہوں گے اور تمام امتوں پر گواہی دیں گے۔

پس گرفتار اس طرح سے ہوئے ہیں کہ اس امت محمدی میں فاسق و فاجر اور منافق بھی داخل ہیں تو کیا جب رسول اللہ ان پر شہادت دیں گے تو وہ سب عادل ہو جائیں گے۔ پس اب سوال یہ ہے کہ منافقین جن کا قرآن میں ڈھائی سو مقام میں ذکر ہے۔ وہ بھی عادل ہوں گے یا نہیں۔ اور لفظایوں گرفتار ہوئے ہیں کہ **شہیدا علیکم** کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے برخلاف رسول شہادت دیں گے۔ اگر تمہاری بہتری کے واسطے دیتے ہیں تو یوں ہوتا ہے کہ **ویکون الرسول علیکم شہید** پس شہادت برخلاف تمہارے رسول کے یہ ہو گی۔ **رب ان قومی اتخذ و ھذا لقران مھجورا** کیونکہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے اور قیامت کے دن رسول کی شہادت یہی ہو گی۔ **رب ان قومی اتخذوا ھذالقران مھجورا**

بعضوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ قیامت کے دن تمام انبیاء سے پوچھا جائے گا کہ تم نے تبلیغ کی تو وہ ہاں کہیں گے۔ پس اس وقت امت محمدیہ کی شہادت طلب ہو گی۔ پس ان کی تصدیق ہو جائے گی۔

یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس امت کا مرتبہ انبیاء سے بھی بڑھا دیا ہے۔ کیونکہ

آیت کا آخری حصہ ہے کہ اے رسول میں تجھ کو ان پر شہید بلاؤں گا۔ پس گویا نبی کی شہادت سے بھی اس امت کی شہادت بڑھ جائے گی۔ یقیناً یہ شہداء تمام امت محمدی نہیں ہوسکتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ امۃ وسط سے کوئی خاص جماعت مراد ہے نہ ساری امت۔

اب دیکھنا ہے کہ وسط کے کیا معنی ہوں گے وسط کے معنی یہ ہیں کہ نہ ان میں افراط ہوگی نہ تفریط۔ پس وسط کے معنی عدل کے ہوسکتے ہیں۔ لیکن تعدیل سے تسویہ زیادہ خوب ہے اور وسطیت واعتدال ان سب سے بہتر ہے۔ یہ بھی سوال ہے کہ آیا اس وسط واعتدال سے جو اس امت وسط میں ہوگا۔ وسط ذاتی مراد ہے یا صفاتی۔ لیکن جب تک ذات وسط اور حد اعتدال میں نہیں واقع ہوگی تو اس کے اوصاف بھی وسط میں نہیں واقع ہوں گے۔ مثلاً صورت جسمانی میں جس کی کوئی خلط زیادہ ہوتی۔ اس کے اوصاف مزاجی بھی وسط میں نہیں ہوتے اسی پر حقیقت باطن انسانی کو قیاس کیجئے۔

پس وسط صفاتی موقوف ہے وسط ذاتی پر۔ اس لئے وسط ذاتی مراد ہوگا۔ اور صفاتی اس کو لازم۔ توسیط یہ ہے کہ ما بہ القوام کی کمیت اور کیفیت دونوں کو مساوی رکھے۔ کسی کو بڑھنے گھٹنے نہ دے۔ افراط و تفریط سے روکے قال عزوجل یا ایھاالانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک و سواک فعدلک و فی ای صورۃ ما شارکبک

پس جب توسیط ہوتی ہے۔ تو سب فعل اپنے اپنے موقع سے ظہور میں آتے ہیں۔ اور قابل مدح ہوتے ہیں اور عدالت قائم ہوتی ہے۔ اس لئے ایسوں کو جن کے ہر فعل حکمت اور عدالت سے پر ہیں۔ امۃ وسط فرمایا ہے۔

دوسری عبارت میں برہان لمی کے طور پر سمجھو کہ تمہارے ما بہ القوام کو جو میں نے توسیط اور تعدیل عنایت فرمائی ہے۔ وسطی امت ہونے سے تم کو شہید قرار دیا ہے یعنی تم کو جو میں نے امت وسط بنایا ہے تو علت اس کی یہ ہے کہ تم کو میں لوگوں پر شہید بناؤں۔ پس وسط واسطے شہادت کے ہے اور ہمارے پیغمبر اسی معنی میں شہید ہیں۔ یعنی آپ مخلوق اور خالق کے درمیان واسطہ ہیں کہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔

پس جو شخص ایسا ہوگا وہ جس کو دیتا ہے اس پر حاضر ہے۔ پس اسی طرح سے امت وسط خلق اور خالق کے درمیان وہ لوگ ہیں جو خالق سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ بعد رسول کے پس یہ لوگ بھی پیغمبر کی طرف مخلوق پر حاضر ہیں اور یہی معنی ہیں اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون

اور شہادت کے متعلق آیا ھے و ما شھدنا الا ما علمنا یعنی شہادت دیکھی ہوئی چیز پر ہوتی ہے۔ پس یہ امت وسط وہ ہوگی جس میں کوئی وصف مذموم نہ ہو اور رسول کی طرح خلق پر حاضر ہو۔ پس سلسلہ صعودی یہ ہوگا کہ اعمال خلائق پروردگار کی طرف اس طرح صعود کرتے ہیں کہ پہلے تو یہ اعمال اس امت وسط کے منظور نظر ہوتے ہیں۔ بعد ازاں رسول کے منظور نظر ہوتے ہیں۔ بعد ازاں خداوند عالم کے پیش ہوتے ہیں۔ پس یہی وجہ ہے کہ فرمایا و سیری اللہ عملکم و رسولہ و المومنون کیونکہ ہمارے اعمال کے واسطے خدا شہید ہے۔ رسول شہید ہے اور مومنوں شہید ہیں۔ یعنی امت وسط محض خالق اور مخلوق کا فرق ہے۔ دیکھنا ایک ہی طرح کا ہے اور یہ قیامت کے واسطے نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے ثم تردون الی عالم الغیب و الشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون یعنی پھر اس کے بعد تم خدا کی طرف ردّ کئے جاؤ گے اور وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ اس لئے یہ آیت اسی دنیا کے واسطے ہے۔

اور یہ خیال ہرگز نہ پیدا ہو کہ بقاعدہ نحوبین ''س'' زمانہ استقبال کے لئے ہے۔ اس واسطے بعد میں خدا دیکھے گا۔ کیونکہ قرآن میں نحوی اصطلاح فضول ہے۔ بلکہ مضاف و مضاف الیہ کی لیاقت دیکھنی چاہئے کہ اس کی رویت کیسی ہے۔ خدا کی رویت بالذات ہے اور ان کی باقدار اللہ و باراءۃ اللہ۔ اس کی قدرت اور اس کے نور کی بدولت یہ بھی دیکھتے ہیں جو ان میں ودیعت ہے۔ بلکہ یہ نور اللہ سے خلق ہوئے ہیں۔

اور سلسلہ نزولی یہ ہے کہ پیغمبر خداوند عالم سے لیتے ہیں اور پھر امت وسط کو دیتے ہیں اور امت وسط امت کو دیتے ہیں۔ فقال عزوجل و المقسمت امرا صلوات اللہ علیھم اجمعین

بہر حال جب نبوت مقام ختم پر پہنچی تو نبی کل عالم کا پیغمبر ہوا۔ لیکون للعالمین نذیرا پس اب جناب آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ سب چونکہ عالم میں داخل ہیں۔ اس لئے وہ سب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہوں گے۔ کیونکہ وہ سب ایک محدود عالم کے واسطے آئے تھے اور رسول اللہ ان سب پر شہید۔ پس اب اگر ان میں سے کوئی پیغمبر تشریف لائے تو ہم پر اس کی پیروی واجب نہیں۔ بلکہ ان کو ہمارے نبی کی پیروی واجب و لازم ہوگی۔ کیونکہ اب کل علام کا نذیر آ چکا ہے۔ اس لئے اب جو نبی آئے گا۔ امت مرحومہ میں داخل ہوگا۔ نبی نہیں ہوگا بلکہ امتی ہوگا۔

اور چونکہ نبوت جزئی میں حقائق اشیاء نہیں تعلیم دی گئی تھیں۔ اس لئے وہ انبیاء فرشتوں کے حقائق کو نہیں سمجھتے تھے اور خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ ان کا علم جزئی تھا۔

اور ختم کے درجہ میں اسماء اور مسمیات اور حقائق سب کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لئے یہی علم کلی ہے۔ پس اب جو علم جزئی والا ہوگا۔ وہ اس علم کلی والے کا تابع ہوگا نہ متبوع۔

پس اسی طرح اس کے اوصیاء کا بھی تابع ہوگا نہ متبوع۔ کیونکہ افضلیت و برتری کا معیار علم ہے اور یہ اوصیاء رسول علم رسول کے وارث کل انبیاء سے زیادہ عالم ہیں۔ پس ان سے اس لحاظ سے وہ افضل ہوئے اور متبوع قرار پائے نہ کہ تابع۔ علم عالم کا تابع کبھی نہیں ہوسکتا اور اوصیاء رسول کا علم مثل رسول کے کلی ہے نہ کہ جزئی۔

اب یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کم سے کون لوگ مراد ہیں اور اس کی وضاحت آیہ مجیدہ سے ہوتی ہے ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر چونکہ خیر معرف بلام ہے اس لئے وہ امت ہر ایک خیر سے واقف ہونی چاہئے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ کچھ لوگ ہوں گے نہ ساری امت کہ ساری امت کل خیرات کی عالم وعارف وداعی نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔

ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم

مجلس چہارم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی
الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا

آیہ مجیدہ یا ایھا الذین امنوا اطیعو االلہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں جو امور خدااور رسول اوراولی الامر کی طرف راجع ہیں وہ یقینی طور سے واجب ہیں اور جس کی اطاعت ضروری ہے اس کا وجود بھی ضروری ہے اور واجب ہے ورنہ تکلیف مالا یطاق ہوگی اور اجماع جس کو امام فخر الدین رازی صاحب اولی الامر قرار دیتے ہیں وہ رسول اللہ کے چھ ماہ بعد منعقد ہوا ہے اور اس وقت تک امت محمدی بغیر اطاعت اولی الامر عاصی رہی اور فریضہ اطاعت اولی الامر سے قاصر۔ اس واسطے اہل تشیع اجماع کو باطل سمجھتے ہیں اور بیعت اور شے ہے اور اجماع اور شے ہے۔ جو حقیقۃً کبھی متحقق ہی نہیں ہوا اور اجماع کا ثبوت قرآن سے نہیں ملتا۔ یہ اجماع موجب ایزاء خدااور رسول ہے۔ بلاشبہ۔ اور قرآن میں ایسے اجماع کو جو خدااور رسول کو ایزا پہنچائے منع فرمایا ہے ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا (الاحزاب ۶) وقال عزوجل من یشاقق الرسول من بعدم تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم و ساءت مصیرا (نساء ۷) پس اجماع جو خدااور رسول کی ایذا کا باعث ہے۔ بالکل ناجائز ہے اور اجماع کی اگر حقیقت ہے تو یہ ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا تجتمع امتی علی الضلال یعنی میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور یہی دلالت کرتی ہے کہ اصطلاحی اجماع کو حقانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ساری امت کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ اس سے کہاں لازم آیا کہ پبلک کا مجمع جو بات طے کر دے وہ حق ہے اور کسی وقت میں ایسا نہیں ہوا اور نہ ممکن ہے کہ کسی بات پر کل افراد امت متفق ہوگئے ہوں اور ان کے اتفاق رائے سے کوئی بات طے ہوئی ہو۔

ماحصل یہ کہ اگر اجماع سے تمام امت کا ایک امر پر مجتمع ہونا مراد ہے۔ یعنی ساری امت محمدی کا ایک بات پا اتفاق رائے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا اور اگر اجماع سے مدینہ منورہ کے تمام لوگوں کا مجمع اور اتفاق رائے مراد ہے تو بھی درست نہیں ہے کیونکہ اجماع مبعوث عنہ میں کل اہل مدینہ نہیں جمع ہوئے تھے۔ محض چند اشخاص تھے اور مدینہ کے بزرگ رئیس نے کسی خلیفہ کی بیعت نہیں کی ہے۔

چنانچہ بخاری صاحب فرماتے ہیں کہ کانت بیعة ابی بکر فلتۃ و قی اللہ شرھا المسلمین یعنی حضرت ابوبکر کی بیعت ناگہانی طور سے ہوئی ہے خدا اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور یہ خود حضرت عمر کا قول ہے اور اجتماع عام ہے اور اجماع خاص ہے۔ اجتماع نفوس کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور اجماع اتفاق رائے کے لئے۔ پس اب یہ سوال ہے کہ وہ کون سا اجماع ہے جس کو اولی الامر کی بجائے بعد رسول کے معصوم اور واجب الاطاعت مانا جائے؟ بہرحال جناب فخر الدین رازی صاحب کا اجماع کو بعد از رسول معصوم اور واجب الاطاعت ماننا کسی طرح درست نہیں نظر آتا۔

اور نیز یہ کہ آیا اجماع کاشف عن الحق بھی ہے یا نہیں یعنی آیا اجماع حقیقت واقعیہ کو بھی ظاہر کرسکتا ہے یا نہیں؟ پس اگر کاشف حقیقت واقعیہ نہیں ہے تو مردود ہے اور اگر کاشف واقع ہے تو کیا اس کا نتیجہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ایک سب سے بڑے اجماع کا ہوا ہے جو معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے کیا تھا اور جو سات سال کی کوشش سے قائم ہوا تھا۔ جس میں محض تین شخص نہیں شریک ہوئے تھے۔ جناب ابوعبداللہ الحسین، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر۔ ان کے سوائے سارا ملک عرب شریک تھا۔ پس اگر اجماع کاشف واقع ہے تو گویا ان تینوں شخصوں نے خدا اور رسول کی مخالفت کی اور یزید پلید برحق امام ہوا (معاذ اللہ)

اور اگر یہ کہو کہ یہ اجماع بادشاہی پر ہوا ہے تو پھر امامت کے واسطے اجماع کو کیوں دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اجماع کا مسلمہ ہی دراصل تباہی دین کا موجب ہوا ہے۔ جناب پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو امام حسن اور حسین کو سردار جوانان بہشت فرمائیں اور مدینہ اور مکہ کو حرم محترم اور یزید حرم خدا کی توہین کرے اور امام کو قتل اور کسی مسلمان نے اس پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ یزید کی خلافت پر اجماع ہو چکا تھا اور اس اجماع کو اس وقت کے مسلمان امام فخر الدین رازی کی تقلید میں معصوم اور واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔ وشت کربلا میں لشکر یزید میں ۲۲ صحابی موجود تھے۔ جنہوں نے خود رسول اللہ سے سنا تھا کہ الحسن والحسین سید الشباب اھل الجنة لیکن چونکہ اجماع نے حکم دے دیا تھا کہ حسین کا قتل

واجب ہے اس واسطے انہوں نے اس حدیث کی کچھ پروانہیں کی۔ محض اجماع کی ہدایت پر کار بند ہوئے۔

پس اگر امام حسین علیہ السلام جان نہ دے دیتے تو یہ خلافت اجمعی مطلقاً ثابت ہو جاتی جو محض باطل ہے۔

دیکھئے امام حسین علیہ السلام اپنے زن و فرزند کو کیوں ہمراہ لے گئے تھے۔ حالانکہ جہاد میں ان کا لے جانا رسول اللہ نے منع فرمایا ہے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جہاد کرنے نہیں آیا ہوں محض اجماع کو توڑنے آیا ہوں کیونکہ یہ اجماع جو یزید کی خلافت پر ہوا ہے غلط ہے اور محض باطل ہے۔ یزید ہرگز خلافت رسول کے لائق نہیں ہے۔ اس کے عقائد برخلاف اسلام اور ملحدانہ ہیں اور خلافت کا تقرر خدا کی طرف سے ہے نہ اجماع کی طرف سے۔ یزید اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

لعبت بنو هاشم بالملک

فلا خبر جاء و لا وحی نزل

اور یہ اس کے اعتقاد کا آئینہ ہیں۔ جس سے صاف واضح ہے کہ وہ حضرت رسول کو رسول برحق نہیں جانتا تھا۔ بلکہ بنی ہاشم کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اگر امام حسین اپنی مظلومیت سے اس کا بطلان ثابت نہ کر دیتے تو حقیقی دین اسلام دنیا سے اٹھ جاتا اور بے دینی اور شہنشاہیت اس کی جگہ لے لیتی۔ پس چونکہ اجماع خلافت یزید کو معصوم اور واجب الاطاعت ثابت کرتا تھا اس واسطے جناب امام حسین علیہ السلام نے شہادت منظور کر لی۔ تاکہ واضح اور ثابت ہو جائے کہ حکم پیغمبر برحق ہے نہ کہ اجماع۔

اگر امام حسین علیہ السلام قوت ولایت سے یزید کو ہلاک کر دیتے تب بھی اجماع قائم رہ جاتا۔ کیونکہ اس بات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ **خرج خارجی علی امام المسلمین** یعنی معاذ اللہ یزید تمام مسلمانوں کا بڑا امام تھا اور حسین نے اس پر خروج کیا تھا۔

اگر جناب امام حسین غلطی پر تھے اور اجماع کاشف عن الحق تھا تو رسول کا یہ قول غلط ہو جائے گا کہ حسنؑ اور حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ پس نبی کی نبوت غلط اور باطل ہو جائے گی۔

اور دوسرا اجماع جو قتل عثمان پر ہوا تھا اس میں بھی یہی لوگ موجود تھے۔ پس معلوم نہیں کہ اس کو کیوں صحیح نہیں جانتے۔ اس کو یہ باطل اور حضرت عثمان سے لڑنے والوں کو خارجی کہتے ہیں۔ پس اسی طرح اگر امام حسین علیہ السلام یزید کو قتل کر ڈالتے تو جس طرح لوگ ان لوگوں کو خارجی کہتے ہیں۔ اسی طرح امام حسین کو کہتے۔ افسوس صد افسوس

گوش سخن شنو کجا دیدہ اعتبار کو

عرض اسی واسطے امام حسین نے قتل ہو جانا منظور فرمایا اور اجماع باطل کی بنیاد اکھاڑ ڈالی۔ ورنہ اس کے بعد اگر مسلمان رہتے بھی تو سب جبریہ ہوتے کیونکہ معاویہ اور یزید کا مذہب جبریہ تھا۔ اس واسطے یزید کہتا تھا کہ حسین کو خدا نے قتل کیا ہے اور اس طرح سارے مسلمانوں کا اعتقاد جبریہ تھا۔ چنانچہ جب یزید نے دربار عام میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو بلوایا اور سب کے سامنے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تیرے باپ حسین کو خدا نے قتل کر ڈالا ہے۔ تو ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ نہیں تیرے لشکر نے قتل کیا ہے۔ پس جناب امام زین العابدین نے فرمایا کہ نہیں تیرے لشکر نے تیرے حکم سے قتل کیا ہے۔ انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ خدا کی طرف انسان کا فعل نہیں منسوب ہو سکتا۔ پس اگر جناب امام حسین شہادت نہ منظور کرتے تو یہ اعتقاد یزید قائم ہو جاتا کہ ہر فعل کا فاعل خدا ہے اور انسان اپنے فعل میں مجبور ہے کیونکہ یزید کی خلافت و امامت پر اجماع ہو چکا تھا اور وہ برحق امام سمجھا جاتا تھا اور امام کا فعل برحق ہوتا ہے۔

اسی واسطے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے **الحسین منی و انا من الحسین** یعنی اگر حسین نہ شہادت منظور کرتا تو میرا دین اسلام مٹ جاتا۔ پس چونکہ اس نے اپنی جان دے کر میرا دین قائم رکھا ہے۔ اس واسطے گویا میرا نام حسین کی وجہ سے قائم ہے اور میں حسین سے ہوں۔

رجوع باصل مدعا یعنی اطاعت اولی الامر

بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو سال تک آئمہ احدی عشر خلق کے درمیان موجود تھے اور خداوند عالم نے ہم کو حکم دیا ہے **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** پس ہم نے کیوں ان لوگوں سے سوال نہیں کیا؟ اور حالانکہ یہی اہل بیت پیغمبر اہل ذکر اور اولی الامر ہیں جن کی اطاعت اور ان سے معاملات دینی اور دنیاوی میں سوال کرنا ہم پر واجب کیا گیا ہے۔ میرے اس قول کی تصدیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ کتب اسلام کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پانچ سو سے زائد حدیثیں ابو ہریرہ سے مروی ہیں اور علی سے 25 اور جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے کل پانچ حدیثیں مروی ہیں وہ بھی اعتراض کے طور پر اور جناب امام حسین سے کل دو حدیثیں مروی ہیں۔ وقس علی ذالک۔ حالانکہ خود مسلم اپنے مقدمہ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کو باقر اس لئے کہتے ہیں **لانه بقر العلوم بقرة** یعنی آپ نے علم کا دریا بہا دیا ہے اور جناب جابر جعفی اصحاب جناب امام محمد باقر کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ ہم نے جابر جعفی سے اس واسطے حدیث نہیں نقل کی کہ وہ رجعت کے قائل تھے۔ اب مسلم سے یہ سوال ہے کہ اگر

جابر جعفی رجعت کے قائل تھے تو امام محمد باقر سے کیوں نہیں حدیثیں نقل کیں؟ پس اب آپ لوگوں کا مجھ سے یہ سوال کرنا کہ امام زمان کیوں غائب ہیں ان کو چاہئے کہ اب حاضر ہو جائیں۔ ہم ان سے سوال کریں گے۔ محض بیجا ہے۔ کیونکہ آپ لوگوں نے ان گیارہ اماموں سے کیا سوال کیا جو آپ لوگوں میں تین سو سال تک رہے۔ جواب امام زمانؑ کو حاضر پا کر آپ ان سے سوال کریں گے؟ امیر المومنین سید الوصیین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو آشکارا قتل کیا اور اسی طرح کسی کو قتل کیا اور کسی کو قید میں رکھا اور کسی کو زہر دیا۔ پس اسی طرح اگر بارھویں امام بھی ظاہر ہوں تو یقیناً یا تو قتل کئے جائیں گے یا قید میں رہیں گے۔ پس یہی خیال بالکل غلط ہے کہ اہل الذکر سے مراد عام علماء ہیں۔

علماء اہل الذکر نہیں ہو سکتے۔ اہل الذکر اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ ذکر رسول ہے اور اہل الذکر اہل بیت رسول۔ ذکر اگر قرآن ہے تو عالم قرآن اور حقیقی عالم بالقرآن اہل بیت نبوت و رسالت ہیں اور انہیں کے پاس باتفاق محققین و محدثین قرآن کا علم ہے انہیں کی نسبت ہے **انا مدینة العلم و علی بابها فمن یاتنی فلیات من الباب** اور قرآن مجید فرقان حمید معجزہ ہے اور یہی لوگ صاحبان معجزہ ہیں۔ اس لئے اہل الذکر یہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان بزرگواروں کو منجانب اللہ علم دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ انہوں نے خود حاصل کیا ہے۔

قال عزوجل و قال الذین اوتو العلم و الایمان لقد لبثتم فی کتاب الله الی یوم البعث فهذا یوم البعث و لکنکم کنتم لا تعلمون

پس اہل الذکر وہی لوگ ہیں جو **اوتو العلم** ہیں نہ وہ لوگ جو **حصلوا العلم** ہیں یعنی اہل ذکر صاحبان علم لدنی ہو سکتے ہیں۔ نہ وہ لوگ جو لوگوں سے علم حاصل کرتے ہیں اور یہ امر اظہر من الشّمس ہے کہ امت محمدی میں سوائے اہل بیت رسول کے اور کوئی صاحب علم لدنی نہیں۔ اس واسطے اہل الذکر اہل بیت علیہم السلام ہی ہو سکتے ہیں اور یقیناً وہی ہیں۔

ابو ہریرہ کے ایمان لانے کی نسبت دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک تین سال قبل از وفات پیغمبر ایمان لائے تھے اور بعض کے نزدیک سترہ مہینے قبل۔ پس اب سوال یہ ہے کہ کیا ابو ہریرہ جن کا ایمان اور علم کسبی ہے نہ لدنی اور وہ کل زیادہ سے زیادہ تین سال کا یا سترہ مہینے کا اہل الذکر ہو سکتے ہیں یا امیر المومنین علی بن ابی طالب جو حالت طفلی میں سب سے پہلے رسول اللہ پر ایمان لائے اور جن کے علم کی نسبت خود رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ **انا مدینة العلم و علی بابها** اہل الذکر ہو سکتے ہیں؟ انصاف عقل

پر ہے ہم کچھ نہیں کہتے۔ اکثر حدیثیں آپ نے ابو ہریرہ ہی سے لی ہیں اور علی بن ابی طالب علیہ السلام باب مدینتہ العلم سے شاز و نادر۔ مانا کہ ان سے حدیثیں نہیں لی گئیں۔ لیکن قصور کون سا تھا جوان کو قتل کیا گیا قید کیا گیا۔ پس غیبت امام کی وجہ یہی ہے کہ اگر وہ جنابؑ ظاہر ہوں تو ضرور ہے کہ ان سے لوگ اختلاط کریں اور پھر یا تو ان کو قتل کر ڈالیں گے یا قید میں رکھیں۔

کیونکہ جب اور امام موجود تھے تو بھی مسلمانوں نے ان سے حدیثیں نہیں نقل کیں ہیں۔ مروان جس کو رسول نے لعنت کی ہے۔ اس سے تو بخاری میں حدیث موجود ہے لیکن ان گیارہ اماموں میں سے کسی کی کوئی حدیث نہیں لی ہے۔ اب ان میں ایک شخص کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ کیوں غائب ہے۔ آپ تواریخ کو دیکھیں کہ امام صاحب الامر کیوں غائب ہوئے۔ ان کے مکان کا احاطہ کر لیا تھا اور لونڈیوں نے پوچھا کہ اس گھر میں کوئی حاملہ تو نہیں ہے۔ تا کہ اس عورت کو قتل کیا جائے۔ امام بخاری نے تین اماموں کا زمانہ دیکھا ہے۔ امام محمد تقی، امام علی نقی اور امام حسن عسکری۔ جب امام بخاری صاحب بغداد میں آئے تو امام علی نقی موجود تھے۔ پس علت کیا تھی کہ ان کی خدمت میں نہیں حاضر ہوئے؟ وجہ یہ تھی کہ سلطنت نہیں چھوڑتی تھی کہ ان کے پاس کوئی جاتا اور اس سے بڑھ کر دیکھو امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے پانچ سال تک لوگوں کو ممبر پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت فرمائی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی کسی حدیث کی کتاب میں علی کے وعظ و نصیحت کا پتہ نہیں ہے۔ حسن بصری سے ساری روایتیں موجود ہیں۔ لیکن علی باب مدینتہ العلم سے کوئی نہیں ہے۔ پس جب معاصر نبی کی یہ حالت ہوئی تو بعد میں تو کیا کچھ بے اعتنائی ہوئی ہوگی۔

جب امام حسن عسکری کا انتقال ہوا ہے تو فوراً آپ کا مکان گھیر لیا گیا۔ تا کہ کوئی لڑکا ہو تو اس کو قتل کر ڈالا جائے۔ کیونکہ وہ صاحب سیف ہوگا۔

اور رسول اللہ کی ہجرت کا یہی باعث تھا کہ مشرکین کے صلبوں میں نطف ہائے مسلمین موجود تھے۔ پس خدا نے فرمایا کہ اے رسول تم ہجرت کر جاؤ۔ اگر مشرکین میں مومنین نہ ہوتے تو میں ان سب کو ہلاک کر دیتا۔

اور ابتدا اور زمانہ مصلحت کی خاطر غیبت کے لئے منافی نہیں ہے۔ جناب موسیٰ اس قدر غائب رہے کہ یہود و نصاریٰ کو ان کی قبر کی کچھ خبر نہیں ہے کہ کہاں ہے اور جناب ہارون کی قبر کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے۔

جناب یوسف نے فرمایا کہ میرے بھائیوں نے میرے ساتھ برا سلوک کیا۔ اسی طرح جناب

حجت اللہ فرماتے ہیں کہ وہی قصہ میرے چچا جعفر کذاب نے کیا کہ خلیفہ کے پاس جا کر کہا کہ اس کو گرفتار کرو ورنہ فساد برپا کرے گا۔

پس جس طرح جناب یوسف کو ان کے بھائیوں نے نہیں پہچانا۔ اسی طرح سے لوگوں نے حضرت حجت کو بھی نہیں پہچانا حالانکہ حضرت حجت انہیں میں تھے۔ جس طرح جناب یوسف تھوڑے ہی عرصہ میں مصر میں گئے ہیں تو ان کے بھائیوں نے ان کو نہیں پہچانا۔ حالانکہ جناب یوسف میں خاص وصف جمال ظاہری موجود تھا۔ باوجود اس کے یوسف کے بھی بھائیوں نے نہیں پہچانا۔ پس آپ اتنے زمانہ کے بعد حجت اللہ کو کیونکر پہچان لیں گے؟

اگر اسی وقت حضرت حجت تلوار پکڑ کر لوگوں کو قتل کر ڈالتے تو وہ مسلمان جو صلب مشرکین میں تھے سب ہلاک ہو جاتے۔ کیونکہ ان میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ کلمۃ اللہ ہیں۔ وہی قوت وقدرت جو ان کے بڑوں میں ہوتی ہے۔ بعینہ چھوٹوں میں موجود ہوتی ہے اور اگر قتل نہ کرتے تو خود قتل کئے جاتے۔ کیا جناب موسیٰ کو یہ طاقت نہیں تھی کہ فرعون کو ایک روز میں ہلاک کر دیتے بیشک تھی۔ لیکن مصلحت خدا نہیں تھی۔ خداوند عالم کی حکمت ہے کہ وہ جلدی نہیں کرتا۔ ہماری اور تمہاری طرح عجول نہیں ہے۔ مصلحت سے بالتدریج حکم صادر فرماتا ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ فوراً کسی کو ہلاک کر دے۔ کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے مظاہر قدرت جو اب تک پوشدہ ہیں وہ آہستہ آہستہ ظاہر ہوں اور حجت تمام ہو۔ دیکھو نطفہ کو مضغہ بناتا ہے۔ کیا خداوند عالم ایک ہی مرتبہ انسان بنانے پر قادر نہیں؟ کفار کو مہلت اس واسطے دیتا ہے کہ جو ہلاک ہو وہ بتینہ سے ہلاک ہو اور حجت خدا اس پر تمام ہو۔ پس مشیت ایزادی ہے کہ دنیا آہستہ آہستہ درجہ کمال کو پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر روز ایک نئی شے دیکھتے ہیں جو پہلے نہیں تھی جو آج کل موجود ہے۔ وہ پہلے نہیں تھا اور جو بعد میں آئے گا وہ آج کل نہیں ہے۔ اگر کسی کے ظلم کی سزا میں خداوند عالم مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہتا تو کیا اس سے بھی بڑھ کر دنیا میں کوئی ظلم ہوا ہے کہ آل رسول کو بھوکا پیاسا ذبح کر دیا گیا اور خود رسول کے دندان مبارک شہید کئے گئے۔ لیکن خداوند عالم نے ان ظلموں کے عوض میں کسی کو ہلاک نہیں کیا۔ پس چونکہ انبیاء اوصیا کلمۃ اللہ مظہر مقاصد حضرت حق ہیں اس واسطے جب تک کل صنائع الہیہ ظاہر نہ ہو جائیں گے تب تک حجت اللہ کا ظاہر نہ ہونا مصلحت پروردگار ہے اور جب وہ زمانہ آئے گا کہ نطفہ ہائے مسلمین اصلاب مشرکین سے علیحدہ ہو جائیں گے تب وہ حجت خدا ظاہر ہوں گے۔

بخت نصر نے ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کر ڈالا۔ لیکن خداوند عالم نے اس کو مہلت دی تا کہ عالم

امکان میں جو باتیں پوشیدہ ہیں وہ سب ظاہر ہو جائیں۔تب وہ اپنے رسولوں کی مدد کرے گا۔جس کا وعدہ فرمایا ہے انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیواۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھاد یہی وجہ تھی کہ رسول نے بددعا نہیں کی اور فرشتوں کو پہلے بھی خداوند عالم بھیج سکتا تھا۔کیوں بعد قتل اصحاب و زخم دندان رسول کے بھیجا۔پس جو مصلحت ان کے بعد میں آنے کی تھی وہی پنہاں رہنے میں تھی ہے۔

اور خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام سے وعدہ فرمایا ہے انا لننصر رسلنا الخ اور ھو الذی ارسل رسوله الخ وغیرہ وغیرہ۔لیکن یہ وعدے اب تک نہیں پورے ہوئے۔پس یہ وعدے کب پورے ہوں گے؟ یہ وعدہ الہی اسی وقت پورے ہوں گے۔جب کل عالم امکان کے کمالات ظاہر ہو جائیں گے اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ جائے گی۔پس جس طرح انسان کی تکمیل بالتدریج ہوتی ہے اسی طرح اس عالم امکان کی تکمیل بھی بالتدریج ہوگی۔پس یہ عالم امکان مکمل انسان ہو جائے گا۔تب وہ حجت خدا ظاہر ہوں گے۔پس اس وقت کوئی مشرک و کافر نہیں رہے گا۔

دیکھو شریعت کا حکم ہے کہ جب کوئی عورت محصنہ زنا کرے اور وہ حاملہ ہو جائے اور زنا کا ثبوت بہم پہنچ جائے تو اس وقت تک اس عورت کو مہلت دینی چاہیے کہ وہ نطفہ مکمل ہو جائے۔پس اس کے بعد اس زانیہ کو اس کے کردار بد کی سزا دی جاتی ہے۔پس اسی طرح اس عالم امکان کو ان بدکرداریوں کی سزا اس وقت خداوند عالم دے گا۔جب سب باتیں اس عالم امکان کے شکم سے نکل آئیں گی۔پس اس وقت تک شمشیر انتقام الہی ہرگز برہنہ نہ ہوگی۔

اب یہ بات رہی کہ پھر وہ اولی الامر اب کہاں ہیں جو ہم ان سے جا کر اپنے مسائل دریافت کریں۔پس اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے اور نیز یہ ہے کہ جس طرح نبی ایک مقام پر ہوتے تھے تو خدا نے ان کی نسبت لوگوں کو فرمایا کہ ہر قوم میں سے ایک ایک آدمی ان کی خدمت میں جائے اور ان سے علم دین سیکھ کر اپنی قوم میں آ کر لوگوں کو مسائل دینیہ سے واقف کرے قوله لو لا نفر من کل فرقة الخ پس اسی طرح اولی الامر کے پاس بھی بعض افراد جا سکتے ہیں اور نہ یہ کہ وہ جناب خود ہر ہر شخص کے سامنے ہر روز ظاہر ہوا کریں۔

پس جو احکام رسول کے تھے وہی احکام گیارہ اماموں کے تھے۔پس اسی طرح وہ غائب اولی الامر بھی وہی احکام جاری فرمائیں گے۔نہ ہندیوں کی طرح ہر روز نئے نئے احکام جاری کریں گے اور نیا دین بنائیں گے۔

پس اب ہمیں معلوم کرنا چاہئے کہ ان گیارہ اماموں کے کیا کیا احکام ہیں۔ پس ان کے احکام دریافت کرنے کے واسطے ہمارے پاس اہل اسلام کی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن اہل تسنن کی کتابوں میں ان کی حدیثیں شاید کل معدودے چند ہیں۔ ہاں البتہ اہل تشیع کی کتابوں میں چار ہزار (4,000) مذکور ہیں۔ بلکہ سولہ ہزار (16,000) تک۔ لہذا انہی کتب سے دین اہل بیت اور علم اہل بیت کو لینا چاہئے اور وہی علم رسول ہے اور وہی علم قرآن۔ لیکن اب یہ اعتراض باقی ہے کہ پھر اہل تشیع کی حدیثیں بھی تو مختلف ہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ خود انہیں اماموں نے فرمایا ہے کہ ہم بعض وقت حکام کے ظلم و جور سے بچانے کے لئے تمہیں ایسی باتین تقیہ کے طور پر بیان کر دیتے ہیں کہ وہ ایک دوسری کی مخالف ہوتی ہیں۔ پس اس صورت میں تم عادل راوی کی حدیث کو مانو اور اس کے بعد واثق کی حدیث لو۔ اس کے بعد مشہور کی حدیث لو۔ اس کے بعد جو تمہارے مخالفین چھوڑتے ہیں اس پر عمل کرو۔

اب یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ پھر تو اختلاف امتی رحمۃ صحیح ہے اس واسطے ایک حسی مثال بیان کرتا ہوں۔ آج کل ملک ایران میں بغاوت پھیلی ہوئی ہے اس لئے شاہ نے خفیہ پولیس تمام ایران میں مقرر کی ہے اور وہ علماء کے پاس جا جا کر شاہ کے برخلاف مسئلے پوچھتے ہیں۔ پس اگر کوئی عالم شاہ کے برخلاف بیان کرتا ہے تو اس کو گرفتار کرا دیتے ہیں۔

بعینہ یہی حال تھا امام جعفر صادق کے زمانہ کا کہ لوگ حضرت کے پاس جا کر سلطنت کے دین و مذہب کے برخلاف مسئلے پوچھتے تھے اور چونکہ حضرت علم امامت سے جانتے تھے کہ یہ شخص اور غرض سے پوچھنے آیا ہے۔ پس حضرت اس کی مرضی کے موافق جواب دیتے تھے۔ پس یہی وجہ ہے کہ آئمہ کی حدیثوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور یہی وجہ تھی کہ آئمہ علیہم السلام کو یا تو قتل کر دیتے تھے یا قید میں رکھتے تھے اور اس اختلاف کے رفع کے اصول انہوں نے خود بتلا دیئے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کے بعد کوئی اختلاف ان کے کلام اور ان کی روایات میں باقی نہیں رہتا جو عالم بصیر سے پوشیدہ نہیں۔

الا لعنة الله على القوم الظالمين

مجلس پنجم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال عز من قائلہ یا ایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

دنیا میں سب سے بہتر شے انس ومحبت ہے۔ چنانچہ محبت کو خداوند عالم نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ پس اگر سب میں محبت ہوتی تو دنیا سے اختلاف اٹھ جاتا۔ کیونکہ انس ومحبت سے اتفاق واتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اور غرض شخصی اور دشمنی سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ خداوند عالم اپنے ہر بندے کو غرضی شخصی اور دشمنی سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ یہ عمل شیطان رجیم ہے۔ جس نے ہمارے جدامجد جناب آدمؑ کو بہشت عنبر سرشت سے باہر نکالا۔

میں کئی سال سے بلاغرض ذاتی اسلام کو ظاہر کر رہا ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے اصل اسلام کی اشاعت میں جان ودل سے کوشش کرتا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اب اصل اسلام اٹھتا جاتا اور وجہ میری کوشش کرنے کی یہ ہے کہ کل مسلمانوں کو حکم الہی ہے کہ ہر ایک قوم میں سے ایک ایک جماعت کو چاہئے کہ دین اسلام میں تفقہ پیدا کر کے یعنی حقیقت واقعیہ کو سمجھ کر لوگوں کو سمجھائیں قال عزوجل لو لا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھو فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم (الایہ)

و قال عزوجل و لتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون. و لا تکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ما جاء ھم البینت و اولئک لھم عذاب الیم

پس اگر یہ بات میری گردن پر نہ ہوتی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہرگز ایک لفظ بھی بیان نہ کرتا۔ کیونکہ دوسرے مقام میں خداوند عالم فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا علیکم بانفسکم فان اصللتم

فالی اللہ مرجعکم جمیعا یعنی اے لوگو تم خود اپنے نفسوں کو ہدایت یافتہ کرو۔ اگر کوئی گمراہ ہو جائے تو اس کا اور تم سب کا مرجع خداوند عالم کی طرف ہے اور فرمایا ہے لا تزرو ازرۃ وزرا خری اور فرمایا ہے لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسب وغیرہ

اور میں اپنی رائے سے کچھ نہیں بیان کرتا جو کچھ قول پیغمبر ہے وہی بیان کرتا ہوں۔ ہاں ایک بات البتہ بیان کر دیتا ہوں کہ اول تو میں نے بعد فراغت تعلیم کے چھ سال تک مذہب شیعہ اور مذہب سنی دونوں کی کتابوں کو خوب غور سے دیکھا ہے کہ ان دو بڑے بڑے اسلام کے فرقوں میں کون درستی پر ہے۔ گو میرے والدین شیعہ تھے لیکن میں نے وجدنا علیہ اباء نا کے مطابق مذہب آبائی تقلیدی طور پر اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بعد اس کے دو سال کامل ریاضت کی۔ تب مجھ پر روشن ہو گیا کہ حقیقت میں مفسرین نے بہت غلطی کی ہے اور سخت نا انصافی کی ہے کہ اپنی رایوں کو قرآن مجید فرقان حمید میں داخل کر دیا ہے اور بیچارے مسلمانوں کو محض اپنی ہی رائے پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر کسی نے ان کی رائے کی مخالفت کی تو اس کو رافضی اور مخالف دین قرار دیتے ہیں۔

پس پہلے پہل میں نے علماء سے گفتگو کی جن باتوں میں میں نے ان کو گمراہی پر دیکھا ان سے آگاہ کیا۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ جب تم گمراہ کو دیکھو تو اس کی ہدایت کرو ورنہ تم پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہوا ہے کہ جب میری امت میں گمراہی پھیلے تو تم کو ہدایت کرنا چاہئے۔ ورنہ تم ملعون ہو۔

اصل مدعا۔ بہر حال پروردگار عالم نے بنی نوع انسان کے لئے ان کی دینی اور دنیاوی امور ان کے زمانہ حال اور مستقبل کے لئے ایک دستور العمل قرار دیا ہے تاکہ لوگ اس دستور العمل پر کاربند ہو کر گمراہ نہ ہوں اور ہر طرح کے اختلاف سے محفوظ رہیں اور ان میں محبت وانس پیدا ہو اور وہ دستور العمل یہی ہے کہ خدا فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکن الایہ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور اپنے اولی الامر کی چونکہ اللہ کی اطاعت کے بعد رسول اور اولی الامر دونوں کی یکساں اطاعت کا حکم ہے۔ اس واسطے جس طرح کی اطاعت رسول کی ہے اسی طرح کی اولی الامر کی بھی ہو گی یعنی اگر رسول کی اطاعت مطلقہ ہے تو اولی الامر کی اطاعت بھی مطلقہ ہو گی اور جو کچھ فرمان اولی الامر کا ہو گا وہ بعینہ فرمان رسول ہو گا! اس لئے اولی الامر کا تمام شریعت نبوی سے واقف ہونا اور تمام علوم نبی پر حاوی ہونا اور رسول کی طرح معصوم ہونا ضروری ہے کیونکہ غیر

معصوم کی اطاعت میں معصیت کا احتمال ہے۔ پس اولی الامر کا قول وفعل دونوں نبی کے قول وفعل کے مطابق ہونا ضروری ہے اور قول وفعل میں مطابقت بغیر علم وعمل کی مطابقت کے ناممکن ہے۔ اس لئے اولی الامر کے قول وفعل دونوں کا نبی کے قول اور فعل کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اگر ذرہ بھی اختلاف ہوگا تو وہ شخص اولی الامر نہیں ہوسکتا۔

اور اس آیہ مجیدہ میں خداوند عالم نے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور امر کیا ہے اور یہ امر کرنا اس وقت درست ہوسکتا ہے جب پہلے رسول اور اولی الامر موجود ہوں۔ تب ان کی اطاعت کا حکم دینا صحیح ہوگا اور اگر رسول اور اولی الامر تو ابھی موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت کا حکم دے دیا گیا ہے تو اس طرح کا حکم صحیح اور درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کا حکم تکلیف مالا یطاق ہے۔ جس کا بجالانا انسان کی طاقت سے باہر ہے اور خدا خود فرماتا ہے **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** اور چونکہ آیہ مجیدہ میں پہلے پیغمبر کی اطاعت ہے ان کے بعد اولی الامر کی ہے۔ اس لئے بعد پیغمبر کے اولی الامر کا وجود ضروری ہے تاکہ خداوند عالم کا ارشاد صحیح ہو اور تعمیل بھی اور چونکہ امر پروردگار اطاعت کے لئے وجوبی ہے۔ اس لئے اس امر سے پہلے وجود رسول ضروری ہے اور رسول کے بعد اسی طرح وجود اولی الامر بھی ضروری ہے بلا تاخیر و رنگ کے ورنہ امر لغو ہو جائے گا اور خداوند عالم پر الزام عائد ہوگا۔

ہم اس مقام پر بغیر کسی جرح وتعدیل کے ایک بزرگ مفسر کا قول بیان کرتے ہیں یعنی امام فخر الدین رازی جس کی نسبت مشہور ہے۔

گر بہ استدلال کارِ دیں بدے ۔۔۔ فکر رازی راز دارِ دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود ۔۔۔ پائے چوبیں سخت بی تمکین بود

یہ جلیل الشان مفسر اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعد پیغمبر کے اولی الامر کا وجود ضروری ہے اور وہ پیغمبر ہی کی طرح معصوم بھی ہونا چاہئے۔ لیکن چونکہ بعد پیغمبر کے ایسا کوئی شخص نہیں تھا اور نہ اب ہے اس لئے اجماع امت اولی الامر ہوگا نہ کوئی انسان۔

پس اگر کوئی صاحب ذرا سا بھی اس بات پر غور وفکر کریں گے تو ان کو فوراً اس قول کا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ اجماع میں اب تک اتفاق نہی ہوا ہے اور نہ اجماع موجود ہے اور ہم کو اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ نہ اس کے پیدا کرنے کا اور وہ اجماع جس کو لوگ حجت قرار دیتے ہیں وہ پیدا کیا گیا ہے وہ

بھی محض چند شخصوں کا تھا اور وہ بھی وفات رسول کے کچھ عرصہ کے بعد ہوا ہے۔ پس وہ عرصہ جو وفات رسول کے اور اجماع کے مابین تھا۔ ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں اطاعت اولی الامر لغو ہی ہوگی۔

پس حق یہ ہے کہ جس طرح سے خداوند عالم نے رسول کو خود مقرر فرمایا ہے۔ اسی طرح سے اولی الامر کا مقرر کرنا بھی خدا پر ہے۔ نہ ہم پر ہم پر محض اس کی اطاعت واجب ہے نہ مقرر کرنا۔ اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ امور پروردگار میں اجماع مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے۔ خواہ فرشتوں ہی کا کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جب فرشتوں نے اجماع کر کے کہا کہ **قالوا اتجلع فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک** یعنی جب پروردگار عالم نے اپنا خلیفہ زمین میں خود مقرر کرنا چاہا اور اس امر کو فرشتوں پر ظاہر فرمایا تو انہوں نے اجماع کر کے عرض کیا کہ ہم اس خلیفہ سے بہتر ہیں۔ ہم کو اپنا خلیفہ بنا تو مصدر جلالت سے ارشاد ہوا کہ تمہارے اجماع کو میرے امور میں کوئی دخل نہیں ہے۔ خلیفہ وہی بہتر ہے جس کو میں نے مقرر کیا ہے **انی اعلم ما لا تعلمون** جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پس جب پرودگار عالم نے خلافت فی الارض کے معاملہ میں فرشتوں کے اجماع کو رد کر دیا ہے تو بھلا چند لوگوں کا اجماع کب منظور فرمائے گا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اولی الامر کون لوگ ہیں۔ جن کی اطاعت کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ اولی الامر کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض مفسرین کے نزدیک علماء ہیں اور بعض مفسرین کی رائے میں حکام وقت ہیں۔ خواہ کسی مذہب وملت کے ہوں اور بعض مفسرین کے کے نزدیک وہ شخص ہے جس پر اکثر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے۔ مثلاً سلطان ٹرکی امیر کابل وغیرہ لیکن شہنشاہ ایران نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ مذہب اثنا عشری رکھتا ہے گو بہت سے مسلمانوں کا شاہ اور اولی الامر ہے لیکن چونکہ یہ مقام ظن پر رہنے کا نہیں ہے کیونکہ اطاعت اولی الامر کی واجب یقینی ہے۔ اس واسطے اس کے متعلق ہمیں قرآن سے یقین حاصل کرنا چاہئے کہ اولی الامر کون ہے ورنہ حکم پروردگار کو ظن پر چھوڑ کر اس کی اطاعت کو بالائے طاق رکھنا ہوگا۔ جو مسلمان کے واسطے سخت خطرے کا باعث ہے۔ کیونکہ اس اطاعت کا حکم منسوخ نہیں کیا گیا ہے اور نہ موقوف کیا گیا ہے۔ بلکہ جب تک قرآن مجید اور شریعت اسلام موجود ہے تب تک اولی الامر کی اطاعت بھی واجب ولازم ہے۔ پس جب تک ہم کو اس کا یقین نہیں حاصل ہوگا کہ وہ کون ہیں اس وقت تک ہم اس حکم پروردگار کو کیونکر بجالا سکتے ہیں۔ اس لئے پہلے ہمیں امر کے معنی دریافت کرنے چاہیے کہ اس امر کا اطلاق خدا کی کتاب میں کتنے معنوں پر ہوا ہے۔ پس قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف معنوں کے

لئے آیا ہے قال عز من قائلہ یقولون ھل لنا من الامرم من شی قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک یقولون لو کان لنا من الامر من شی ما قتلنا ہ ھنا پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنی غلبہ کے ہیں۔و قال عز من قائلہ افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد فو قہ اللہ سیئات ما مکروا پس ظار ہے کہ یہاں امر کے معنی تمام امور انسانی کے ہیں جو اس کو اس دنیا میں درپیش آتے ہیں و قال عزوجل ولقد اتینا بنی اسرائیل الکتب و الحکم والنبوۃ و رزقنھم من الطیبت و فضلنا ھم علی العالمین و اتینھم بینت من الامر فما اختلفو ا الا من بعد ما جاء ھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون . ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا و لا تتبع اھواء الذین لا یعلمون پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنی کتاب اور حکم اور نبوت اور ساری شریعت کے ہیں۔ایسی شریعت جو خداوند عالم نے مقرر فرمائی و قال عزوجل و امرھم بینھم شوری پس ظاہر ہے کہ یہاں پر امر کے معنی شغل ومکاسب کے ہیں قال عز من قائلہ الا لہ الخلق و الامر و قال عزوجل انما امرہ اذا اراد لشیی ان یقول لہ کن فکیون پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنی خلق کرنے کے ہیں۔یعنی وہ خلق جو بلا مادہ کے ہو اور فوری ہو یعنی خلق آنی۔ کیونکہ دراصل ایک عالم خلقی ہے اور ایک عالم امری ہے۔ عالم خلقی مادے سے متعلق ہے اور خلقت اس کی تدریجی ہے قال عز من قائل خلق السماوات والارض فی ستۃ ایام انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر

اور عالم امری کو مادے کی حاجت نہیں ہے اور خلقت اس کی فوری ہے۔محض لفظ کن کہہ دینے سے مادہ اور صورت اور روح آن واحد میں موجود ہو کر مخلوق کامل ہو جاتے ہیں۔انما امرہ اذا ارادہ لشی ان یقول لہ کن فیکون یعنی امر پروردگار یہ ہے کہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ شے ہو جاتی ہے۔

اور یہ جتنے امور ہیں سب رسول اللہ پر نازل ہوتے ہیں اور وہ جناب ان سارے امور سے واقف اور ماہر تھے اور جب تک حضرت اس عالم امکان میں تشریف فرما تھے ہر شب قدر اور شب مبارکہ میں فرشتے بحکم پروردگار یہ سارے امور لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر انا انزلناہ فی لیلۃ مبرکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا انا کنا مرسلین

فخر رازی نے نزول ملائکہ میں اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شب قدر کو نزول ملائکہ زمین مکہ پر ہوتا ہے اور اس زمین میں فرشتے اور روح القدس سیر وسیاحت کر کے آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات صریح البطلان ہے کیونکہ امر پروردگار لے کر روح الامین پیغمبر خدا پر نازل ہوتے تھے نہ زمین مکہ پر۔ ہاں اگر زمین مکہ سے قلب رسول مراد ہو تو درست ہے۔ کیونکہ حقیقی اور معنوی مکہ جناب رسالت مآب ہی ہیں اور جبرائیل امین اس دل پر امر پروردگار لے کر نازل ہوتے رہے ہیں۔ **لقد نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین**

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سارے امور کے مالک تھے۔ اس لئے معنیً اول اولی الامر آپ ہیں۔ پس اسی طرح سے جو شخص بعد رسول کے سارے امور سے واقف اور سب پر حاوی اور سب کا مالک ہوگا وہی شخص بعد رسول کے اولی الامر ہوسکتا ہے نہ دوسرا چونکہ سوائے آئمہ اثنا عشر کے اور کسی کی طرف بعد رسول کے ایسے امور نہیں۔ منسوب کئے گئے ہیں اور نہ اب کوئی شخص اس سارے امور کا صاحب نظر آتا ہے اور نہ دعویٰ کرتا ہے۔ اس لئے سوائے آئمہ اثنا عشر کے اور کوئی اولی الامر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تقریباً ان سب بزرگواروں سے ایسے امور ظاہر ہوئے ہیں اور تاریخی دنیا میں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ جناب امام علی نقی علیہ السلام نے شیر قالین کو ارشاد فرمایا **کن اسدا** یعنی ہوجا اصلی شیر پس مادہ اور صورت اور روح سب اس وقت آن واحد میں موجود ہو کر شیر نیستان بن گیا اور ساحر ہندی کو ایسا کھایا کہ ایک قطرہ خون کا زمین پر نہیں گرنے دیا اور جب حضرت نے متوکل کی درخواست پر اس سے فرمایا کہ اپنی اصلی صورت میں اختیار کر تو فوراً شیر قالین ہوگیا۔ پس یہ لوگ ہیں اولی الامر اور انہیں کی اطاعت کو پروردگار عالم نے بعد رسول کے اپنی مخلوقات پر واجب گردانا ہے اور اس وقت ہمارے اولی الامر جناب صاحب الامر علیہ السلام موجود ہیں اور اسی جناب کی خدمت میں شب قدر و شب مبارکہ میں روح الامین امور پروردگار لے کر نازل ہوتے ہیں۔ نہ بیابان مکہ میں جیسا کہ مفسرین کی رائے اور ان کا خیال ہے۔ کیونکہ یہ فعل لغو ہے اور ذات پروردگار اس سے پاک۔

اب زیادہ وضاحت کے لئے ایک حدیث صحیح مسلم سے پڑھتا ہوں **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا یزال ھذ الامر حتی یمضی فیہ اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش** اور ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک یہ امر زائل نہ ہوگا۔ پس اب قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا کہ ایک اولی الامر ہر زمانہ میں قیامت تک موجود ہے اور وہ مثل نبی کے ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس اولی الامر کو رسول

اللہ نے مقام غدیر خم میں اور اس سے پیشتر روز مباہلہ آیت مباہلہ میں ظاہر فرمایا دیا ہے۔ **قل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم و نساء نا و نساء کم و انفسنا و انفسکم** پس اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ روز مباہلہ رسول اللہ اپنے ہمراہ محض علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو میدان میں لائے تھے اور انفسنا سے علی بن ابی طالب مراد ہیں۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علی ابن ابی طالب برادر رسول بعد رسول کے مثل رسول ہیں۔ لیکن چونکہ اتحاد و مماثلت جسمانی محال ہے۔ اس لئے اتحاد و مماثلت روحانی مراد ہے۔

اب اس سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جب علی بن ابی طالب رسول اللہ سے کلیۃً اتحاد وصفی رکھتے تھے اور رسول اللہ کے اوصاف میں سے ایک وصف نبوت و رسالت بھی ہے تو کیا بعد نبی کے علی بھی نبی تھے۔ پس اس شبہ کو خداوند عالم نے خود رد فرما دیا ہے۔ **قال عز من قائل ما کان محمد ابا احدٍ من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین** یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت و رسالت کا خاتمہ ہے علی ابن ابی طالب محض رسول کا وصی اور اس کے امور کا صاحب ہے۔

اور خود امام رازی نے فرمایا ہے کہ جو شخص علی بن ابی طالب کو اپنا امام بنائے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔ پس کافی ہے یہی بات۔

اب میں کہتا ہوں کہ بعد رسول کے اگر علی بن ابی طالب اولی الامر نہیں تو پھر اور کوئی نہیں ہوسکتا ۔سب مصنوعی اولی الامر ہیں۔ کیونکہ اول الامر کے حقیقی اوصاف اس کے سوا کسی میں موجود نہ تھے۔

اور امامت کے بارے میں جناب ابراہیم علیہ السلام کو ارشاد ہوا ہے کہ **لا ینال عھدی الظالمین** یعنی میرا عہد جو کہ امامت کبریٰ ہے یعنی خلافت رسول۔ ظالم کو ہرگز نہیں پہنچے گی۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ظالم کون ہے۔ پس قرآن مجید خود ظالموں اور ظلم کے اقسام بیان فرماتا ہے۔ **قال عز من قائل یا نبی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم** پس شرک ظلم جلی ہے **و قال عزوجل و الذین اذا فعلو فاحشۃ او ظلموا نفسھم ذکروا اللہ** پس معصیت ظلم خفی ہے۔ پس جب ان دونوں قسموں کے ظالم توبہ و استغفار کر لیتے ہیں تو خداوند عالم ان کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن چونکہ ایک مرتبہ مجرم ہو چکے ہیں اس لئے خلافت کبریٰ سے ہمیشہ کے لئے محروم کئے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ احکم الحاکمین کی ملازمت ہے۔ دیکھو گورنمنٹ کے ملازموں میں سے جب کوئی مجرم ثابت ہو جاتا ہے تو اس کو سرکار کی ملازمت ہرگز نہیں دی جاتی۔ خواہ چھوٹی ملازمت ہو یا بڑی۔ کیونکہ وہ شخص اب گورنمنٹ

کی نظروں میں محفوظ نہیں رہا۔ ممکن الخطاء ثابت ہوگیا ہے۔ اس کو گورنمنٹ کا کوئی عہدہ نہیں دیا جائے گا ۔ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ظالم کو خداوند عالم اپنا خلیفہ دوسرے لفظوں میں وائسرائے بنائے گا۔ پس ان دونوں قسموں کے مسلمان کو ہرگز امامت نہیں پہنچ سکتی۔ ہاں اگر لوگ اپنی مرضی سے کسی کو اپنا امام بنالیں تو بظاہر تو امام کہلائے گا۔ لیکن حشر اس کا انہیں اماموں کے ساتھ ہوگا جن کی نسبت فرمایا ہے۔ قال عز من قائل و جعلنا هم آئمة يدعون الى النار و يوم القيمة لا ينصرون و اتبعنهم فی هذه الدينا لعنة و يوم القيمة هم من المقبوحين نہ ان کے ساتھ جن کی نسبت فرمایا ہے قال عز من قائل و جعلنا منهم آئمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا باياتنا يوقنون پس ظاہر ہے کہ ناروائے امام مجعول ناس ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے حکم پر لوگوں کو چلاتے ہیں اور جنت والے امام مجعول پروردگار عالم ہیں اور اسی کے امر سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں۔ اس لئے وہی لوگ اولی الامر ہیں۔ والسلام علی من اتبع الهدى

مجلس ششم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال عز من قائلہ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

فی الجملہ جس قدر ضروری تھا میں نے بیان کر دیا ہے کہ نبوت کیا شے ہے اور انبیاء علیہم السلام کلمات اللہ ہیں قال عزوجل انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ و کلمتہ القھا الی مریم و روح منہ فامنوا باللہ و رسلہ پس جس طرح انسان اپنا مافی الضمیر اپنے کلمہ سے دوسروں پر ظاہر کرتا ہے بلاتشبیہ اسی طرح پروردگار عالم نے اپنا منشاء اپنے کلمات سے اپنی مخلوق پر ظاہر فرمایا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام اسباب ہیں بروز اور ظہور مقاصد اللہ تعالی کے اور جب وہ لوگ اظہار مقاصد اور مطالب پروردگار عالم کے وسائل ہیں تو آیہ مجیدہ میں جو روح منہ وارد ہوا ہے تو یہ زیادہ اتصال کی توضیح کے لئے ہے یعنی جس طرح سے آفتاب کی روشنی اس سے جدا نہیں ہوتی اسی طرح خداوند عالم کا فیضان ہر وقت ان سے متصل رہتا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام زمین میں خلیفۃ اللہ ہین اور خلیفہ مستخلف عنہ کا مراۃ یعنی آئینہ ہوتا ہے۔ جس سے مستخلف عنہ کا عکس فیضان دوسروں پر پڑتا ہے۔

پس چونکہ جو کچھ خداوند عالم کا منشاء ہے وہ سب انہیں کے وجود سے حاصل ہوتا ہے اور یہی لوگ اس کے اوصاف کے اظہار کے لئے آئینہ ہیں۔ اس واسطے ان کی تائید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو کچھ تم کو رسول کہے اس کو لو اور اس پر عمل کرو اور جس بات سے تم کو منع کرے اس سے باز آؤ۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ و مانھاکم عنہ فانتھوہ اور آیہ مجیدہ میں فرمایا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر۔

ابتدائے نبوت کا مرتبہ یہ ہے کہ جتنے لوگوں پر نبی کو مبعوث فرمایا ہے ان لوگوں کی تعداد اور قوم کے لحاظ سے اس نبی کو علم و حکمت عنایت فرمایا ہے۔ زیادہ اس واسطے نہیں دیا کہ اس کی ضرورت نہیں

ہوتی۔ پس نبوت جزئی کی یہ شان ہے کہ جتنے لوگوں پر وہ نبی مبعوث ہو یا جس قوم کی طرف وہ نبی بھیجا جائے ان کے تمام امور دنیوی اور دینی سے واقف ہو اور اس قوم و جماعت کے سارے علوم وفنون سے واقف ہوتا کہ ان کو ممنوعات سے انذار کرے اور مشروعات سے ترغیب وتبشیر دے۔ پس اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں تمہارا نبی ہوں۔ لیکن وہ شخص ہمارے تمام علوم وفنون سے واقف اور ماہر نہیں ہے تو کاذب ہوگا اور مثال نبوت جزئی کی یہی ہے۔ و اذقال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورات و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد اے بنی اسرائیل میں فقط تمہارے واسطے خدا کا رسول ہوں (نہ دوسروں کی طرف) اور میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور تمہیں ایک آنے والے رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا اسم مبارک احمد ہوگا۔ پس یہ بات جناب عیسیٰ کے واسطے ضروری تھی کہ وہ تمام بنی اسرائیل کے علوم وفنون سے واقف ہوں ورنہ ان کے رسول نہ ہو سکتے اور نہ آنے والے نبی کی بشارت دے سکتے۔ جس کے بنی اسرائیل منتظر تھے۔ پس چونکہ جناب عیسیٰ کی نبوت جزئی بھی جو محض بنی اسرائیل ہی کے لئے محدود تھی۔ اس لئے ان کو محض اس قوم اور ان کے شمار کے لحاظ سے علوم وفنون ومعجزات عطا ہوئے تھے نہ زیادہ اور نہ کم۔ اور اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق۔

اس بیان سے ایک اور معمہ بھی حل ہوگیا وہ یہ کہ اب اس ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص مثیل عیسیٰ بن کر تمام عالم سے اپنی تصدیق کرائے اور سب کو اپنی امت میں داخل کرنا چاہئے یا سب کے واسطے اپنے آپ کو پیشوا قرار دے تو وہ شخص غلطی پر ہوگا۔ کیونکہ جناب عیسیٰ محض بنی اسرائیل کے رسول تھے نہ تمام عالم کے اس واسطے ان کا مثیل بھی بفرض محال اگر ہوگا تو محض بنی اسرائیل ہی کے واسطے رہبر ہوسکتا ہے اور امام و پیشوا بن سکتا ہے نہ امت محمدیہ کا۔ جس میں تمام عوالم داخل ہیں۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

اور نبوت کلی یعنی نبوت مطلقہ یا منتہائے نبوت یا ختم نبوت یا ولایت مطلقہ کا مرتبہ یہ ہے کہ ہر عالم کے انواع واقسام کے علوم وفنون اور دینی ودنیوی، ملکوتی لاہوتی، ناسوتی، جبروتی حقائق عالم ودقائق امور سے کلیتہً واقف و ماہر ہوتا کہ تمام عالموں کو احکام جو ان کے واسطے خلاق عالم نے مقرر فرمایا ہے تعلیم دے اور ممنوعات سے منع فرمائے۔ پس نبی مطلق کے واسطے یہ بات ضروری ہے کہ علام ملکوت کے تمام حقائق و دقائق سے ماہر ہو۔ اسی طرح تمام عالم ناسوت کے حقائق اور دقائق سے واقف ہو۔ اسی طرح عالم مجردات

اور مادیات سے بخوبی ماہر ہو۔ یعنی عرش سے لے کر فرش تک جس قدر عوالم ہیں سب کے احکام سے واقف ہو اور سب کو تعلیم احکام الٰہی دے اور ممنوعات سے باز رکھے۔ کیونکہ اگر سب کو انذار نہیں کر سکتا تو ان تمام عالموں کے واسطے اس کا رسول ہونا یا نبی ہونا بے فائدہ ہوگا۔ **فقال عزوجل تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا** بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے عبد پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ وہ عبد تمام عالموں کو انزار کرے یعنی ان کو ڈرائے۔

اس آیہ مجیدہ سے بہت بڑے بڑے مطلب پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ فرقان مجید قرآن حمید تمام عالموں کے احکام پر حاوی ہے۔ یعنی اس میں تمام مخلوقات عرش سے لے کر فرش تک کے احکام موجود ہیں اور یہی ایک کتاب تمام مخلوقات الٰہی کے لئے دستور العمل ہے اور جس نبی کریم پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ نبی تمام مخلوقات کے دستور العمل سے کلیتہً واقف ہے یعنی اس نبی کو یہ بات معلوم ہے کہ فرشتوں کے واسطے کیا دستور العمل ہے اور نبی جان کے واسطے کیا ہے اور بنی آدم کے واسطے کیا ہے۔ حیوانات کے واسطے کیا اور نباتات کے واسطے کیا ہے اور جمادات کے واسطے کیا ہے۔ کیونکہ ان تمام عالموں کے دستور العمل سے واقف نہ ہوگا تو ان کا نذیر نہیں ہو سکتا۔

اس بیان سے دوسری بات یہ پیدا ہوئی کہ اس فرقان مجید میں سارے احکام ہمارے متعلق نہیں ہیں یعنی یہ کتاب محض ہماری ہی خاطر نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ اور تمام مخلوقات کے لئے بھی یہی کتاب نازل ہوئی ہے۔ پس جو کچھ اس کتاب میں ہمارے متعلق ہے وہ ہم کو پہنچایا گیا ہے اور جو دوسروں کے متعلق ہے وہ دوسروں کو تبلیغ کیا گیا ہے۔ پس ہمارے احکام سے دوسروں کو کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہم کو دوسروں کے احکام سے کوئی مطلب ہے۔ پس اسی واسطے جو باتیں اس فرقان مجید میں ہمارے متعلق ہیں انہیں کے سمجھنے کی ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ دوسروں کے متعلق احکام کو سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے **وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم و لعلهم یتفکرون** ترجمہ اور ہم نے نازل کیا ہے۔ تیری طرف ذکر تاکہ تو لوگوں کو وہی بیان کرے جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ لوگ اس میں تفکر کریں۔ پس ظاہر ہے کہ الناس کے واسطے جو کچھ نازل کیا گیا ہے۔ وہی رسول اللہ نے ہم سے بیان فرمایا ہے اور اسی میں ہمیں تفکر کرنے کا ارشاد ہوا ہے نہ ان امور میں جو غیر ناس سے تعلق رکھتے ہیں (خیر اس سلسلہ کو چھوڑا جاتا ہے۔ انشاء اللہ اور مقام پر بیان کیا جائے گا) انبیاء جیسا کہ ثابت کیا گیا۔ عالم علم لدنی اور معصوم ہوتے ہیں۔

لیکن اہل کتاب اپنے انبیاء کو کبھی معصوم نہیں جانتے۔ خواہ قبل نبوت خواہ بعد نبوت خواہ اثناء نبوت ان کے عقیدہ کے مطابق نبی جھوٹ بھی بولے تو نبی ہے اگر معاذ اللہ زنا کرے تو بھی نبی ہے۔ اس کی نبوت کو ان اعمال سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہی مضمون اس واسطے بیان کرتا ہوں تا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ مسلمانوں نے اپنے نبی پر بہتان لگایا ہے وہ مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کی کاروائی ہے کہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں بڑی بڑی کوشش کیں کہ لوگوں کو اسلام سے منحرف کریں۔ چنانچہ بعض تو قرآن کی تحریف کرتے تھے اور بعض بظاہر مسلمان بن کر نماز پڑھانے لگتے تھے اور بعض درس دینے لگتے تھے۔ پس ان طریقوں سے انہوں نے سارے اپنے عقائد باطلہ مسلمانوں کو سکھلا دیئے۔ قال عزوجل و د کثیر من اھل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسھم من بعد ماتبین لھم الحق اکثر اہل کتاب اپنے حسد سے چاہتے ہیں کہ وہ تم کو ایمان سے پھرا کر کافر بنا دیں بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو گیا ہے اور ایک آیت میں فرمایا ہے کہ جس وقت کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم لوگ جا کر رسول پر ایمان لاؤ۔ پس آ کر دوپہر تک مسلمان بنے رہے۔ فامنوا وجه النھار واکفروا اخرہ اور بعد دوپہر کے پھر گئے یہ کہہ کر کہ یہی مذہب ٹھیک نہیں ہے۔

اور دوسری آیت میں فرماتا ہے وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونه من بعد ما عقلوہ و ھم یعلمون و اذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا و اذا خلا بعضھم الی بعض قالوا اتحدثونھم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم به عند ربکم افلا تعقلون یعنی ان اہل کتاب یہودیوں میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو کلام اللہ کو سنتے تھے اور پھر سمجھنے کے بعد اس کے معانی کی تحریف کر دیتے تھے اور وہ اس کو خوب جانتے تھے اور جب وہ اہل ایمان سے ملتے تھے تو ان سے کہہ دیتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں تخلیہ کرتے تھے تو کہتے تھے کہ کیا جو کچھ اللہ نے تم پر واضح کیا ہے وہ مسلمانوں سے کہہ دیتے ہو کہ وہ قیامت کے دن پروردگار کے سامنے محاجہ کریں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے اور اس کو سمجھتے نہیں ہو۔

و منھم امیون لایعلمون الکتاب الا امانی و ان ھم الا یظنون . فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا به ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم و ویل لھم مما یکسبون اور بعض ان میں سے امی ہیں۔ جو سوائے اپنی آرزوؤں

کے کتاب کو کچھ نہیں جانتے اور محض گمان سے باتیں کرتے ہیں۔ پس افسوس ہے ان لوگوں کے لئے کہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے تا کہ کچھ پیسے کمالیں۔ پس افسوس ہے ان کی اس تحریر پر اور افسوس ہے ان کی اس کمائی پر۔

اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے **من الذین هادوا یحرفون الکلم من بعدمواضعه یقولون ان اوتیتم هذا فخذوه و ان لم توتوه فاحذرو** اور یہودیوں میں سے وہ بھی ہیں جو کلمات کے مواقع معلوم ہونے کے بعد ان کی تحریف کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ تم کو دیا جائے تو لے لو اور اگر یہ نہ دیا جائے تو اس سے پرہیز کرو۔

اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے **واذا لقوالذین امنوا قالوا امنا و اذا خلوا الی شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستهزءون** اور جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطان بھائیوں سے تخلیہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے مزاح کرتے تھے۔

پس انہیں یہود و نصاریٰ کی کاروائی ہے جو اسلام پر یہ اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر تفسیر کا خاتمہ کعب الاخبار عبداللہ، سوریا وغیرہ پر ہوتا ہے۔ بچارے سیدھے سادھے مسلمان اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب ٹھیک اور درست ہے۔ اسی واسطے ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ بہت سی حدیثیں مسلمانوں کی یہودیوں سے لی گئی ہیں اور ان کا ثبوت اس طرح مل سکتا ہے کہ یہودیوں کی کتاب سے ملا کر دیکھ لو۔ دونوں کے ایک مضمون ہوں گے۔

چنانچہ مشکوۃ میں حدیث ہے کہ اسی حفظ ماتقدم کے لئے حضرت نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ مجھ پر افتراء کرتے ہیں۔ **لقد کثر علی الکذابون** اس واسطے جو حدیث قرآن کے موافق ہے وہ تو ٹھیک ہے اور جو قرآن کے مخالف ہے وہ میری حدیث نہیں ہے۔

پس اول مسلمانوں کے ہاتھ میں مسلم حجت خدا کی طرف سے ہے وہ محض قرآن مجید ہے اور یہ قرآن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔ اس کی لفظی تحریف نہیں ہوسکتی تھی اس لئے اکہ اس میں سے ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو فصاحت و بلاغت سے خارج ہو جاتا ہے۔ پس تحریف لفظی تو نہ کر سکے محض تحریف معنوی کی گئی ہے۔ یعنی اس کے معانی غلط بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی نے اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ بیچارے مسلمانوں نے اپنے نبی کے نام سے ان کی تفسیروں کو یاد کر لیا اور اپنی کتابوں میں درج کرلیا۔

قرآن کے الفاظ کا ایک حرف بھی محرف نہیں ہوسکتا اگر کہیں کسی نے کچھ کیا ہے تو وہ اہل لسان پر فوراً ظاہر ہوگیا ہے اور مبصرین پر واضح ہے۔ لیکن تفاسیر اور معانی کی تحریف تو کھلم کھلا ظاہر ہوگیا ہے کہ ایک ایک لفظ کی دس دس تفسیریں اور ایک ایک لفظ کے دس دس معانی موجود ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ایک ایک لفظ کے دس دس معانی اور مطالب رکھ کر خداوند عالم ہرگز اپنے بندوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ یہ محض منافقوں کی کاروائی ہے تاکہ اس قدر اختلاف دیکھ کر مسلمان اپنے دین سے دست بردار ہوجائیں ۔ دیکھو خداوند عالم کا منشاء ہے کہ قرآن سے اتحاد و اتفاق پیدا ہو۔ اور مفسرین کی تفاسیر سے ہزاروں قسم کے اختلاف پیدا ہوگئے ہیں۔ منجملہ ان باتوں کے یہ بھی ہے کہ مکی آیتوں کو مدنی بنادیا ہے اور مدنی کو مکی۔ مثلاً آیہ مجیدہ مندرجہ ذیل مکی ہے لیکن مفسرین اس کو مدنی بتلاتے ہیں۔ **ویقول الذین کفروا لست مرسلا قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب** یہ آیہ مجیدہ سورہ رعد مکیہ میں مذکور ہے لیکن مفسرین اس کو مدنی بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ظناً اور سہواً مکی سورۃ میں مندرج ہوگئی ہے اور حالانکہ ظن سے یقین کا فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ **ان الظن لا یغنی من الحق شیا** دس مقام میں خداوند عالم نے ظن کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پس اب مفسرین سے سوال ہے کہ انکو کس بات نے مجبور کیا ہے کہ انہوں نے قرآن ہی میں ظن کو قائم رکھا ہے اور کس بات نے انہیں روکا ہے۔ جو انہوں نے اس امر کا یقین نہیں حاصل کیا کہ یہ آیت مکی ہے؟ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہم بھی مفسرین کی رائے کے موافق اس آیہ مجیدہ کو مدنی تسلیم کریں تو ہمارے واسطے کیا نقصان ہوگا اور اس میں کیا خرابی ہے اور مفسرین نے کیوں اس کو مدنی قرار دیا ہے۔ ان کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا ہے۔ پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر مفسرین نے اپنے مسلمانوں میں یا خاندان بنی ہاشم میں کسی کو صاحب علم کتاب نہیں دیکھا۔ اس واسطے عبداللہ بن سلام مدینہ کے یہودی و صاحب علم کتاب قرار دیا اور اسی مطلب کے واسطے اس ایت کو بھی اس کے نام پر مخصوص کیا اور مدنی تسلیم کیا اور کہا کہ ظناً اور سہواً سورہ رعد مکیہ میں مندرج ہوگئی ہے۔ پس خرابی اس میں یہ ہے کہ جو تحریف خداوند عالم نے صاہب علم کتاب کی قرآن میں بیان فرمائی ہے وہ عبداللہ بن سلام پر ہرگز صادق نہیں آتی۔ چنانچہ آصف برخیا وزیر جناب سلیمان کی نسبت فرمایا ہے کہ اس کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا۔ جس سے اس نے تخت بلقیس کو چشم زدن میں حاضر کردیا اور اس آیت میں صاحب علم کتاب وہ ہے جس کے پاس ساری کتاب کا علم ہے۔ پس چاہئے کہ جو شخص اس آیت میں مراد ہے وہ آصف برخیا سے بڑھ کر ہو اور آصف برخیا اس کو اپنا

پیشوا تسلیم کرے۔ کیونکہ آصف برخیا کو بعض علم کتاب دیا گیا ہے اور اس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ اس لئے عبداللہ بن سلام ہرگز مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ عبداللہ بن سلام جناب آصف برخیا کو اپنا پیشوا اور دین کا رہبر مانتا تھا۔ نہ کہ ان سے بڑھ کر اپنے آپ کو خیال کرتا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ اس قسم سے ہے کہ "مدعی سست اور گواہ چست " اور جب بنی ہاشم خاندان رسول میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں کہ جن کی نسبت خود پیغمبر خدا نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ **انا مدینة العلم و علی بابھا** تو پھر ہم ایسے شخص کو کیوں نہ صاحب علم کتاب تسلیم کریں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ یہود ونصاریٰ کو ہی صاحب علم کتاب تسلیم کریں اور مسلمانوں کو نہ مانیں۔

پس یہ تیسری قسم کی تحریف ہے جو ترتیب میں کی گئی ہے۔ یعنی تحریف ترتیبی اور یہی تحریف اس وقت کی گئی ہے۔ جب پہلے پہل قرآن مجید جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس ترتیب سے قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ اس ترتیب سے نہیں جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی ہے وہ **اقراء** سب سے آخری آیت نازل ہوئی ہے وہ **الیوم اکملت لکم دینکم الخ** ہے

صاحب علم کتاب علی بن ابی طالب علیہ السلام باب مدینۃ العلم ہیں۔ جنہوں نے معجزہ بساط دکھایا اور آن واحد میں چالیس مقام پر کھانا تناول فرمایا اور قرآن مجید اس وقت جمع کیا گیا ہے۔ جب جنگ یمامہ سے لوگ واپس لوٹے ہیں۔ کیونکہ اس جنگ میں بہت سے ایسے لوگ مارے گئے تھے۔ جنہوں نے قرآن کی آیتوں کو یاد کیا ہوا تھا۔ پس حضرت عمر کے مشورہ سے حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو قرآن کو جمع کر کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ لوگ جن کو قرآن یاد ہے انتقال کرتے جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جمع نہ ہو سکے۔ پس زید بن ثابت مسجد میں بیٹھ گئے اور لوگوں کے منہ سے دو دو چار چار آیت جمع کرنے لگے۔ یہاں تک کہ سارا قرآن جمع کرلیا۔ اسی واسطے احکام قرآن میں سخت بے ربطی واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ نہ تو زید بن ثابت ساری آیات سے واقف تھے کہ وہ کہاں کہاں نازل ہوئی اور کس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں اور نہ لوگوں کو علی الترتیب یاد تھا۔ کوئی دو آیت بتلا گیا۔ کوئی جار آیت سنا گیا۔ اور علی ترتیب التنزیل جمع نہ ہونے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ مثلاً آیہ اتقاء میں نفس موضوع کو منسوخ مان لیا ہے اور حالانکہ نسخ کا تعلق نفس موضوع سے نہیں ہوتا۔ محض احکام میں ہوتا ہے۔

قرآن مجید تورات کی طرح تختیوں پر لکھا ہوا نہیں نازل ہوا ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت محض قلب رسول پر نازل ہوئی ہے۔ **نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین** پس قرآن

مجید حقیقت میں نہ مکتوب ہے اور نہ ملفوظ **بل هو ایات بینت فی صدور الذین اوتو العلم و ما یجحد بایاتنا الا الظالمون** بلکہ اصل قرآن وہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے۔ جن کو علم لدنی عطا ہوا ہے۔ آیات بینات ہے اور محفوظ ہے کوئی اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔ یعنی اصل قرآن حقیقت قرآن ہے۔ نہ مکتوب اور نہ ملفوظ پس پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم پروردگار اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا۔ اس طرح سے کہ جب آپ کو ارشاد ہوا کہ اس وقت فلان آیت کو پڑھ دے تو اس وقت حضرت نے اس آیت کو پڑھا گو آپ غایت درجہ کی شفقت اور نہایت درجہ کی رحمت کی وجہ سے جو آپ کو اپنی امت سے تھی چاہتے تھے کہ جلدی جلدی سارا قرآن اپنی امت کو پڑھ کر سنا دیں۔ تا کہ سارے احکام الٰہی سے امت واقف ہو جائے اور عمل کر کے اجر و ثواب کی مستحق ہو۔ پس یہ ارادہ دیکھ کر ارشاد الٰہی ہوا۔ **لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرانه و اذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه** پس جس قدر خداوند عالم ارشاد فرماتا تھا۔ اس کی آپ پیروی کرتے تھے۔ یعنی اسی قدر لوگوں پر پڑھتے تھے۔

اور زید بن ثابت نے بغیر اعراب کے لکھا تھا قرآن مجید کے مکتوبی الفاظ پر پہلے اعراب نہیں ہوتا تھا اعراب بعد میں لگایا گیا ہے اور جب اعراب کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر مقام کے لوگوں نے اپنی زبان کے موافق اعراب لگایا۔ بصریوں نے اپنی زبان کے موافق، کوفیوں نے اپنی زبان کے موافق کسی نے سین کی جگہ صاد پڑھا اور کسی نے سین کو ز پڑھا۔ الغرض ہر شخص نے اپنے اپنے لہجے کے مطابق پڑھنا شروع کیا اور انجام یہ ہوا کہ سات قراتیں پیدا ہو گئیں۔ پس یہ تحریف حضرات قراء کی ہے جو سات قراتیں وجود میں آئیں اور جب نحویین کا دور دورا ہوا تو انہوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق فاعل کو مفعول اور مفعول کو تمیز و حال قرار دیا اور **اذا تنازع الفعلان** کے اعمال میں اپنی اپنی مرضی سے عمل دینا قرار دیا۔ یعنی جب دو فعل ایک معمول میں جھگڑا کریں اسطرح کہ ایک تو چاہتا ہے کہ وہ معمولی فاعل بنے اور دسرا چاہتا ہے کہ مفعول بنے تو اس امر میں نحویین صاحبان اختلاف کرتے ہیں کوئی تو کہتا ہے کہ اس کو فاعل بنانا چاہئے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں مفعول بنانا چاہئے وغیرہ وغیرہ پس اس طرح کا تصرف قرآن مجید میں حضرات نحویین صاحبان کی تحریف ہے۔ مثلاً آیہ وضو میں ایک نے زیر دے کر یعنی مکسور پڑھ کر مسح قرار دیا اور دوسرے نے زبر دے کر یعنی مفتوح پڑھ کر غسل پا قرار دیا۔ یعنی پاؤں کا دھونا پیدا کیا اور عمل اسلام میں اختلاف ڈال دیا۔ پس وضو میں اختلاف حضرات نحویین کی

بدولت پیدا ہوا ہے اور یہی لوگ اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ پس حضرات نحویین کا تصرف بھی تحریف معنوی کا باعث ہوا ہے اور اہل اسلام کو اختلاف میں ڈالنے کا ذریعہ اسی واسطے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف ونحو پڑھنا شرک ہے اور اسی طرح منطق وفلسفہ پڑھنا شرک ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگوں کی تراش خراش ہے۔ محض حدیث شریف پڑھنا چاہئے جو قول رسول ہے اور عمل اسلام کے واسطے سوائے حدیث کے اور کچھ نہیں ماننا چاہئے۔ سب شرک ہے۔ کیونکہ نبی تو حقیقت واقعیہ سے واقف تھے۔ جو کچھ انکا قول وفعل ہے وہی ہمارے واسطے حجت ہے۔ پس ظاہر ہے کہ وضو کے متعلق نبی کا ایک ہی فعل ہوگا یا دھونا یا مسح کرنا کیونکہ وہ احکام کی حقیقت سے واقف تھے۔ اس لئے ان دونوں میں سے ایک ہی فرقہ درستی پر ہوگا یا دھونے والا یا مسح کرنے والا۔

عام مسلمانوں کے یہاں سب سے زیادہ معتبر حدیث کی دو کتابیں ہیں ایک مسلم اور دوسری بخاری اور ان دونوں کی یہ حالت ہے کہ مسلم مقدمہ کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ میری نظر سے تقریباً آٹھ لاکھ حدیثیں گذری ہیں میں نے صرف ان میں سے کل آٹھ ہزار درج کی ہیں اور باقی کو غیر معتبر سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اور بخاری کے مقدمہ کتاب میں صاحب بخاری فرماتے ہیں کہ میری نظر سے تقریبا چھ لاکھ حدیثیں گذری ہیں میں ان میں سے صرف چھ ہزار جمع کی ہیں اور باقیوں کو دروغ سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

پس یہ امر قابل توجہ ہے کہ بعد رسول کے اس قدر دروغ اور کاذب حدیثیں لوگوں نے بنائی تھیں کہ اس قدر کثرت سے ان دونوں محدثوں نے چھوڑ دیں کیونکہ اگر وہ واقعی رسول کی حدیثیں ہوتیں تو ان کے ترک کرنے کے کیا معنی ہیں پس ظاہر ہے کہ وہ سب جھوٹی حدیثیں تھیں جن کو ان دونوں صاحبوں نے چھوڑ دیا اور جمع نہیں کیا۔

اور اب قرآن کی یہ حالت ہے کہ ہر شخص نے اس میں اپنا تصرف کرلیا ہے۔ پس اگر پیغمبر نے کسی کو اپنے بعد قرآن وحدیث کا محافظ نہیں بنایا تھا تو یہ سارا الزام پیغمبر کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے کیوں اپنے بعد قرآن وحدیث کا محافظ نہیں مقرر کیا اور حالانکہ خداوند عالم نے فرمایا دیا تھایا **ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته** یعنی اے پیغمبر جو کچھ میں نے تجھ پر نازل کیا ہے وہ سب پہنچادے تاکہ محفوظ رہے اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو گویا تو نے میری رسالت ہی نہیں پہنچائی **و کل شی فصلناہ تفصیلا و جعلناہ تبیانا لکل شی** پس وہ حقیقت قرآن اور تفصیل قرآن اور بیان قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بتلائی یا نہیں جو اس کے پاس بعد نبی کے محفوظ ہے۔

کیونکہ اگر نہیں بتلائی ہے تو نبی پر الزام ہے اور اگر بتلائی ہے تو بعد نبی کے کوئی ایسا شخص ضرور ہونا چاہئے۔ جس کے پاس تمام احکام قرآن بغیر اختلاف کے موجود ہوں؟ ضرور بعد رسول کے ایک ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو کل **ما انزل علی الرسول** سے واقف ہو ورنہ اسلام پر کار ہے۔ پس ایسا شخص وہی ہوسکتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے **قل کفی باللہ شھید ا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب** پس وہ علم کتاب اسی شخص کے پاس ہے جو **اذن د اعیہ** ہے اور **اذن داعیہ** کی نسبت سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ امیر المومنین سید الوصیین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو بہت سے لوگوں نے جمع کیا ہے لیکن علیؑ نے اسی ترتیب سے جمع کیا تھا جس ترتیب سے نازل ہوا تھا۔ کاش کہ وہ قرآن ہمارے پاس ہوتا۔

مجلس ہفتم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ)

کل اہل مذاہب وغیر مذاہب والوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جب ہیئت اجتماعیہ تمدنیہ و تدینہ کا شیرازہ بالکل بکھر جائے گا تو اس وقت ایک ریفارمر (Reformer) آ کر ان کو درست کرے گا او ریہ امر اب بالکل ظاہر اور بدیہی ہو گیا ہے کہ دونوں باتوں کا زوال در اختلال اپنی حد کمال کو پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ ادارہ سیاست اب بالکل عوام کے ہاتھوں میں آ گیا ہے اور نوخیز نوجوان ہی عموماً قومی لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح شیرازہ دیانت بھی بالکل منتشر اور پریشان ہو چکا ہے۔ حتی کہ عوام کالانعام مدعی دیانت یعنی بانی شریعت و مبلغ دیانت بکثرت بنے ہوئے ہیں۔

اور یہ مسلم ہے کہ جب ایک چیز خواہ وہ زوال ہو یا عروج حد کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ تو پھر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے (ا) چنانچہ جب زمانہ جناب عیسیٰ کے بعد دیانت کا شیرازہ بکھر کر بالکل پریشان ہو گیا اور امور دیانت و سیاست بالکل درہم و برہم ہو گئے **فقال عزوجل ظهر الفساد فی البر و البحر بما كسبت ايدا لناس** پس بانی اسلام نے ظہور فرمایا اور نئے سرے سے دین الٰہی کی بنیاد ڈالی اور عالم کو درست کیا اور اسی طرح سے آج کل بھی عالم کا حال ہو رہا۔ چنانچہ جیالوجی کے ماہر قائل ہیں کہ ذرّات مادہ میں اب نئے سرے سے تغیر پیدا ہونے والا معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال اب ایک مصلح عالم اور منظّم تمدن کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور ہر مذہب اور ملت قائل ہے اور دیانت اسلامیہ میں یہ مسلمہ حقیقت مفصل مذکور ہے البتہ اس کے نام میں اختلاف ہے اوصاف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارے یہاں ان کا اسم مبارک محمد مہدی صلوات اللہ علیہ ہے جو خلق اور خلق میں

(ا) اذا بلغ الشئ حده انعكس ضده جب ایک شی اپنی انتہائی حد کو پہنچ جاتی ہے تو ضد مقابل کی صورت میں منعکس ہو جاتی ہے (سرسوی)

اپنے جد امجد رسول اللہ جو سب سے بڑے ریفارمر اور ناموس اکبر یا سید المرسلین ہیں ہوں گے اس پر کل مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس جناب کی معرفت بھی حاصل کریں۔ کیونکہ ان کی معرفت بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں ان کی معرفت کی سخت تاکید ہے **فقال عزو جل اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم** اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ **من لم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیة** ان کی معرفت حاصل کرنے کی تاکید ہے نہ علم یعنی اگر ان کی نسبت کوئی صرف اتنا علم حاصل کرے کہ وہ جناب موجود ہیں اور ان کا ہونا ضروری ہے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ معرفت نہیں ہے وہ خلیفۃ اللہ ہیں ولی الامر ہیں۔ ان کی عدم معرفت بے دینی محض ہے۔ خواہ کسی کو توحید کی کتنی ہی معرفت کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اپنے اولی الامر کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو وہ کافر ہے۔ چنانچہ شیطان کی معرفت توحید کے متعلق سوائے انبیاء اوصیاء کے ہم سب سے زیادہ تھی۔ لیکن اس نے محض ولی الامر کی معرفت نہیں حاصل کی اس واسطے کافر ہوگیا چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ **هو افضل علماء الموحدین**

بہر حال جو اپنے زمان ولی الامر کی معرفت نہیں حاصل کرے گا۔ وہ مشرک ہے، کافر ہے، منافق ہے کیونکہ شرک چار طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) اول شرک فی الذات۔

(۲) شرک فی الصفات۔

(۳) سوم شرک فی اطاعت۔

(۴) چہارم شرک فی العبادۃ۔

شرک فی الذات تو یہ ہے کہ خداوند عالم کی ذات میں کسی اور کو شریک کر دے اور شرک فی الصفات یہ ہے کہ وہ صفات جو لائق خداوند عالم ہیں ان کو کسی اوز کے لئے بھی جائز قرار دے۔ اور شرک فی الطاعۃ یہی ہے کہ اطاعت وامر خدا کے ساتھ کسی اور کی اطاعت کرنے لگے۔

اور شرک فی العبادہ یہ ہے کہ عبادت خدا چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کرے اور ان شرکوں سے شائد ہی کوئی بچا ہو حتی کہ علماء بھی اس میں گرفتار تھے اور ہیں۔ چنانچہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کچھ علماء یہود و نصاریٰ مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول خداوند عالم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ **و اتخذ و ااحبارهم و رهبانهم اربابا من دون اللہ** تو اس

کا کیا مطلب ہے کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم نے کسی اپنے عالم اور زاہد کو اپنا خدا نہیں بنایا تھا۔

پس حضرت ختمی مرتبت نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ تمہارے علماء اور زہاد ایسے تھے کہ احلوا حراما و حرموا حلالا و اتبعتموھم من حیث لا تشعرون اس لئے جو کچھ خدا اور سول کا امر تھا وہ معطل رہ گیا اور تم نے محض انہیں کی اطاعت کی پس گویا تم نے ان کو اپنا رب من دون اللہ بنایا۔

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اولی الامر کی معرفت حاصل کر کے محض انہیں کے احکام کی اطاعت کریں۔ ورنہ مشرک ہوں گے۔

اور یہ امر کہ ہم ان کی اطاعت کیونکر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو آج کل ہم سے غائب ہیں۔ پس ان کی نسبت مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان لوگوں کے اقوال واعمال کی پیروی کریں جو امام غائب کے پیرو ہیں اور ان کا غائب ہونا مشیت خداوند عالم سے ہے اس لئے کہتے ہیں کہ وجودہ رحمۃ و غیبتہ رحمۃ اخری

وجود کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے اور غیبت کا رحمت ہونا دوسری رحمت ہے نہیں بلکہ عین عدل الٰہی ہے۔ کیونکہ جب شیطان غائب ہے اور ہم پر اس کو تصرف حاصل ہے کیسا تصرف کہ یوسوس فی صدور الناس تو اب عدل الٰہی اسی بات کا متقاضی ہے کہ ایک وجود ہادی اس سے زبردست غائب موجود ہو جو اس کے وسوسہ سے ہم کو بچائے۔

شیطان کا ہم پر یہ تصرف ہے اول تو یہ کہ وہ اور اس کی ساری جماعت ہم کو دیکھتی ہے اور ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے فقال عزوجل ھو و جنودہ یراکم من حیث لا ترونھم

دوم کہ وہ ہمارے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ پس چونکہ خداوند عالم کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے قال عزوجل سبقت رحمتہ غضبہ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے جنبہ جلال پر اس کا جنبہ جمال غالب اور سابق ہو۔ یعنی اس کی قہاریت پر اس کی رحمانیت غالب رہے۔

اس لئے اس نے اپنے مظہر جمال وکمال کو غالب کر دیا ہے تا کہ وہ حجۃ اللہ، وہ خلیفۃ اللہ ہم کو شیطان لعین کے وسوسوں سے بچائے۔ اسی طرح غائبانہ بچائے اور عدالت کے پلے دونوں طرف برابر رہیں۔

اب رہی یہ بات کہ جب خلیفۃ اللہ کو شیطان لعین پر غلبہ حاصل ہے تو پھر انہوں نے اس لعین کو کیوں مہلت دے رکھی ہے جو وہ ہم کو دھوکا دے رہا ہے۔ کیوں نہیں وہ اپنے تصرف سے اس کو معدوم وفنا و

مغلوب کر دیتے؟ پس وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ خود خداوند علام نے اس کو ایک خاص مدت تک مہلت دے رکھی ہے۔ اس لئے ولی خدا نے ابھی اس کو اس وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔ کیونکہ ولی خدا اپنی اور ہماری خواہش سے کوئی کام نہیں کرتے وہ محض اپنے مستخلف کی مشیت اور مرضی کے تابع ہیں۔ جو کچھ خداوند عالم کی مشیت ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں فقال عز وجل و ما تشاء ون ال ان یشاء اللہ

اسی واسطے خداوند عالم ان کے افعال کو اپنا فعل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ جب جنگ حنین میں رسول اللہ نے ایک مشت خاک سے کفار کو مارا تو اس کو خداوند عالم نے اپنا فعل قرار دیا فقال عزو جل و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی اور مقام بیعت میں ارشاد فرمایا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم اسی طرح خداوند نے موت کے متعلق فرمایا ہے کہ فرشتے روح قبض کرتے ہیں فقال عزوجل تتوفھم الملائکۃ حالانکہ حقیقی مارنے والا اور جلانے والا خود خداوند عالم ہے۔ فقال عزوجل یحیی و یمیت و ھو علی کل شی قدیر وغیرہ بہرحال چونکہ خداوند عالم نے شیطان لعین کو وقت معلوم تک مہلت دے رکھی ہے۔ اس لئے ولی امر متصرف الامور نے بھی اس کو مہلت دے رکھی ہے۔ لیکن چونکہ جذبہ رحمت اسکا اس کے جذبہ غضب پر غلبہ اور سبقت رکھتا ہے اس لئے اس کے مظہر جمال و کمال کو اس کے جذبہ غضب پر ہر طرح سے سبقت اور ہر طرح کا تصرف حاصل ہے۔ اسی واسطے شیطان کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ تنزل الشیاطین علی کل افاک اثیم

اور مظہر کمال کی نسبت ارشاد ہوا ہے تنزل الملائکۃ و الروح فیھا باذن ربھم من کل امر پس چونکہ نزول شیاطین سے مخلوق الہیہ کے دلوں میں وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً جھوٹے اور گنہگاروں کے دلوں میں اس لئے ان وسوسوں کو انزال ملائکہ اور روح سے دور کر دیتا ہے۔ فقال عزوجل انا اللہ یحول بین المرء و قلبہ و قال عزوجل کلا نمدھولاء و ھولاء من عطاء ربک و ما کان عطاء ربک محظورا یعنی ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں لیکن ہمارا جذبہ رحمت ہمارے جذبہ قہر و غضب پر سبقت اور غلبہ رکھتا ہے۔

یہاں روح سے مراد فرشتے نہیں ہیں کیونکہ فرشتے عالم ارواح سے نہیں ہیں۔ فرشتے عالم نفوس سے ہیں۔ کیونکہ اجرام ترکیبیہ رکھتے ہیں۔ روح سے مراد قوۃ متصرفہ خداوند عالم ہے جو کل ذرات عوالم کو حاوی اور سب پر مسلط ہے۔ پس جس وجود کو خداوند عالم اپنا متصرف الامور بناتا ہے اس پر اس قوت کو نازل فرماتا ہے تاکہ اس قوت خداوندی سے وہ ولی متصرف کل عوالم امری و عوالم خلقی و عوالم

ملکوت وعوالم نفوس وعوالم کون وفساد پر متصرف کامل ہو جائے اور تصرف چار طرح کا ہوتا ہے۔ تصرف تکوینی، تصرف تکلیفی، تصرف تدبیری، تصرف ربطی۔

پس اس روح کے نزول سے ولی مطلق خداوند عالم کو یہ سارے تصرفات اس کی مخلوقات پر حاصل ہو جاتے ہیں۔ **فقال عزو جل یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ**

لفظ ولی محض ذات واجب الوجود سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس لفظ کو **انما** کے بعد بیان فرمایا ہے **فقال عزوجل انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ و ھم راکعونا** اور لفظ **انما** اپنے ماقبل کی نفی مطلق کرتا ہے اور مابعد کے لئے اثبات مطلق اس واسطے جس طرح کی ولایت اور مالکیت ہم پر خداوند عالم کو حاصل ہے۔ اسی طرح ولایت مالکیت اور تصرف بعد رسول اس کے ولی کو ہم پر حاصل ہے۔

اور چونکہ لفظ ولی صفت خاص ہے ذات واجب الوجود ہے اس لئے جب تک ذات واجب الوجود قائم ہے اور رہے گی اس کا ولی بھی ہے اور رہے گا۔ جس طرح ذات واجب الوجود ہر وقت اپنے بندوں کے دلوں میں حائل ہے اسی طرح اس کا ولی بھی اس کے بندوں کے دلوں میں حائل ہو کر وساوس شیطانی کو دور کرتا ہے اور چونکہ اول ولی مطلق اس کا محبوب ازلی ہے۔ لیکن وہ اب اس جہاں سے تشریف لے گئے اور اس عالم میں ذات واجب الوجود موجود ہے اس لئے اس کا ولی بھی ضرور موجود ہوگا جو رسول کے بعد آیہ مجیدہ میں مذکور ہوا ہے اور قیامت تک رہے گا جب تک لفظ ولی باقی ہے اس کا ولی بھی باقی ہے اور چونکہ ولی خداوند عالم کو موجودات عالم پر تصرف کامل حاصل ہے۔ اس لئے مقام تنزل میں ارشاد ہوا ہے **تنزل الملائکۃ والروح** یعنی پہلے ملائکہ نازل ہوتے ہیں ان کے بعد روح جو کہ ولی مطلق ہے نزول اجلال فرماتا ہے۔ یعنی پہلے ولی مطلق جو کہ روح اعظم ہے اپنے ماتحتوں اور خدمتگاروں کو مقام ادنیٰ میں بھیجتا ہے۔ بعدازاں اپنی شان جبروتی سے نزول اجلال فرماتا ہے۔

اور جب مقام تعلّی اور درجہ علو آئے گا تو سب سے پہلے ولی مطلق روح اعظم اپنے مقام محمود میں قیام فرمائے گا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **فقال عزوجل یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا** یعنی اس وقت روح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفوف ملائکہ مقربین سے پہلے اپنے مقام محمود پر رونق افروز ہوگا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ چونکہ خداوند عالم اپنے ولی مطلق سے اپنے امور کو سرانجام دلواتا ہے۔ اس لئے مقام عظمت وجلالت میں بصیغہ جمع ارشاد فرماتا ہے۔ **نحن نزلنا الذکر و نا لہ لحافظون. انا انزلنا ہ فی**

لیلة القدر . و نزلنا من السماء ماء مبار کا فانبتنا به حب الحصید وغیرہ۔بہرحال ولی مطلق کوشیطان اورکل مخلوقات پر تصرف کلی حاصل ہے اوررہے گا۔پس جب مشیت الٰہی ہوگی کہ اس کے دین کو کل ادیان پرجو کہ باطل ہوں گے غلبہ حاصل ہوتو ولی مطلق متصرف لاموربھی اپنے غلبہ الٰہیہ کو استعمال فرمائیں گےاوروہ سیف حیدری جس کوذوالفقار کہتے ہیں نمایاں ہوگی فیومئذ یفرح المومنون بنصر الله اس دن مومنین نصرت وتائیدالٰہی کے کرشمے دیکھ کرخوش اورمسرورہوں گے۔

ممکن ہے کہ آج کل کے لوگوں کو آلات حرب جدید مثل ڈریڈناٹ وایروپلین وتوپ وتفنگ انواع واقسام سے یہ خیال پیدا ہوکہ جب ان کے ہمراہ محض ایک تلوارہوگی تو وہ بھلا ان آلات حرب کے مقابلہ میں کیا ٹھہرسکیں گے۔

تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ چونکہ ولی مطلق کوکل ذرات عوالم پر تصرف کلی حاصل ہے اس لئے جب وہ بصورت غلبہ ظاہرہوں گےتو ان سب چیزوں سے ان کے اثرات کو برطرف کردیں گے۔کیونکہ ان سب کا مخزن وہی جناب ہیں اور ہرقوت پران کی قدرت دروحانیت غالب ہوگی اورکوئی چیزان کے مقابلہ میں موثر ثابت نہ ہوگی۔جسطرح برقی مکان سے برقی روشنی باہر جاتی ہے۔یعنی پاورہاؤس میں برق کا خزانہ ہوتا ہے۔پس اگر خزانہ سے برق کو نہ چھوڑا جائے تو باہراس سے کوئی کام نہیں ہوسکتا ہے نہ تو روشنی ہوگی۔نہ کوئی مشین چل سکے گی سارے تاربیکار ہوجائیں گے باقی رہی یہ بات کہ پھروہ جناب کب ظہور فرمائیں گے؟پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ مجیدہ لیظھرہ علی الدین کله کی تفسیر بیان فرمائی تو لوگوں نے اسی طرح سے بے قرار ہوکر پوچھا کہ یہ کب ہوگا؟

فقال صلی الله علیه و آله وسلم اتی امر الله فلا تستعجلوہ یعنی یہ امرخداوندعالم کے ارادے سے نکل کراس کی مشیت میں آچکا ہےاوراسکی مشیت سے نکل کرمقام قدرمیں آچکا ہےاورمقام قدرسے نکل کرمقام قضامیں آچکا ہےاورمقام قضا سےنکل کرمقام امضاء میں آچکا ہے۔اسی واسطے خداوند عالم نے اس امرکو بصیغہ ماضی یعنی اتی امر الله فلا تستعجلوہ بیان فرمایا ہے اللھم صلی الله علی محمد و آل محمد اور چونکہ بعد جناب موسیٰ وجناب عیسیٰ علیھما السلام کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اس واسطےامت مرحومہ کوانہی دونوں نبیوں کی امتوں کی مثال دے کرمعاملات دینی ودنیوی سمجھائے گئے ہیں فقال عزوجل وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدون فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا . فاذا جاء وعدا ولھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس

شدید . فجاسوا خلل الذیار و کان وعدا مفعولا پس پہلا فساد تو خاندان نبوت میں ہوا ہے کہ ان کی آل و اولاد کو تہ تیغ کیا گیا ہے اور دوسرا فساد ان کے دین میں ہوا ہے کہ ہر شخص ہدایت کا مدعی ہو گیا ہے اوران کے دین کے مٹانے کے درپے ہے۔لیکن واللہ متم نورہ و لو کرہ الکافرون

فقال عز و جل لیسوا وجوھکم یعنی اے بنی اسرائیل جب دوسرا وعدہ فتح پروردگار آئے گا تو تم مبہوت ہو جاؤ گے اور وہ ہمارے عباد اسی طرح خانہ خدا میں فتح مبین کے ساتھ داخل ہوں گے کمادخلوا اول مرۃ جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے اور یہ وعدہ پروردگار پورا ہوا۔ سمجھو کیونکہ مقام ارادہ ومشیت وقدر وقضاء وامضاء سے گذر چکا ہے اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ

غرض اسی امام کی بات پروردگار عالمین ارشاد فرماتا ہے۔یوم ندعوز کل اناس بامامھم یعنی ہم بروز قیامت ہر شخص کو اس کے زمانہ کے امام کے ہمراہ بلائیں گے یعنی بغیر امام کے قیامت قائم نہیں ہوسکتی ۔ جب تک امام میدان محشر میں تشریف نہیں لائیں گے ۔ قیامت برپا نہیں ہو سکے گی ۔ پس امام وہ ہیں جن کے بغیر قیامت بھی قائم نہیں ہوسکتی ۔ جس طرح سے کہ دنیا کا قیام بھی اس کے وجود بغیر نہیں رہ سکتا ہے ۔ ارشاد باری ہے کہ اگر ہم بعض وجودوں کی خاطر تمہارے اعمال قبیحہ سے درگذر نہ کرتے تو مساجد اور معابد سب خراب وتباہ ہو جاتے ۔ یعنی تم میں سے کوئی متنفس نہ باقی رہتا جو ان میں عبادت کرنے کے لئے جاتا ۔ وہ اب کون سے وجود ہیں ۔ جن کے وسیلہ سے خدا آفات کو دور کرتا ہے ۔ امام زمان ہے جو برکات کے نزول کے باعث ہے ۔ یعنی پہلے برکات سماوی اس پر نازل ہوتی ہیں ۔ پھر وہاں سے بندگان خدا میں تقسیم ہوتی ہیں ۔ لوگوں نے امام کے سمجھنے میں حقیقۃً غلطی کی ہے ۔ امام وہ نہیں ہے جو مسجد میں نمازیں پڑھاتا ہے ۔ امام زمان وہ ہے جو تدبیر عوالم کرتا ہے ۔ مربی عالم اور رب الارض ہے ۔ اس کا صرف یہی کام نہیں کہ مسائل فقہیہ بیان کرے ۔ یہ معمولی مسائل فقہیہ تو ایک چند صفحے کی کتاب میں لکھے ہوئے تمام جہان کو ہمیشہ کے لئے کافی ہوتے ہیں ۔ اسی طرح امام مسجد کے متعلق مشہور ہے کہ صلوا خلف کل بر و فاجر یعنی ہر متقی وفاسق وفاجر مسجد میں اکٹھا ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے ۔ پس امام زمان اس غرض کے واسطے نہیں ہے کہ ظاہر ہو کہ ہم کو صرف فقہ کے مسائل تعلیم کرے گا ۔ یا ہمیں نماز پڑھائے گا ۔ وہ دین حق کو قائم کرنے کے واسطے ظہور فرمائیں گے ۔ امام زمانہ وہ امام ہیں جن کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ یعنی جو کوئی اپنے امام زمانہ کی معرفت نہیں حاصل کرتا اور مرجاتا ہے تو وہ جاہلیت کی

موت مرتا ہے۔ اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ خواہ اس نے ہزار حج کئے ہوں اور ہمیشہ روزہ رکھے ہوں۔ زکوۃ دی ہو۔ پنج گانہ نمازیں نہایت خضوع وخشوع سے ادا کی ہوں۔ جس طرح ایک مشرک جاہلیت کے زمانہ میں مرتا تھا اور اس کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت نہیں حاصل کرتا اس کے اعمال حسنہ باطل ہو جاتے ہیں۔ امام کا مرتبہ قرآن سے معلوم کرو۔ کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ جب جناب ابراہیم علیہ السلام کا پورا پورا امتحان ہو چکا۔ تب خداوند عالم نے فرمایا انی جاعلک للناس امام پس امامت وہ مرتبہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم کا امتحان ہونے کے بعد ان کو عطا ہوتا ہے۔ پس جناب ابرہیم امام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے اور بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علی بن ابی طالب امام تھے اور ان کے بعد حسن مجتبیٰ اور ان کے بعد حسین شہید کربلا امام تھے۔ پھر ان کی اولاد اور اب آج کل ہمارے زمانے کے امام جناب محمد مہدی صلوات اللہ وسلامہ علیہ ہیں۔ اس حدیث شریف میں دیکھنے کی تاکید نہیں فرمائی ہے محض معرفت کی تاکید فرمائی ہے۔ کیونکہ معرفت ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو رویت کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی بغیر رویت کے معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رویت تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن معرفت نہیں حاصل ہوتی۔ چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ جب وہ بعد وفات رسول مقبول صلی اللہ علہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں پہنچے تو حضرت عمر نے ان سے بطورِ افسوس فرمایا کہ افسوس ہے آپ کو رسول کی زیارت نہیں ہوئی۔ پس حضرت اویس نے فرمایا کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں مجھے ان کی معرفت حاصل ہے۔ پس اویس نے حضرت کا حلیہ مبارکہ پوچھا تو حضرت عمر نہ بیان کر سکے۔ پس حضرت اویس نے اول سے لیکر آخر تک حضرت کا حلیہ شریف بیان کیا۔ آپ جناب یوسف کو دیکھیں کہ وہ کس قدر حسین وجمیل تھے۔ لیکن ان کو کل تین شخصوں نے پہچانا۔ یعنی ان کی معرفت حاصل کی۔ اول تو جناب یعقوب جنہوں نے ان کے فراق میں اپنی آنکھیں سفید کر لیں۔ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم دوسرے زلیخا نے کہ اپنا مال اور جوانی کو قربان کر دیا ت۔ تیسرے وہ عورتیں جنہوں نے جمال باکمال کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں و قلن حاش اللہ ما ھذا بشرا ان ھذا الاملک کریم یعنی حاش للہ یہ تو آدمی نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے۔

بہر حال معرفت کو رویت پر ترجیح ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے طوبی لمن یرانی وسبع مرات لمن لا یرانی یعنی ایک مرتبہ طوبیٰ اور خوشخبری ہے اس شخص کے

واسطے جس نے مجھے دیکھا ہے اور سات مرتبہ طوبی اور خوشخبری ہے اس شخص کے واسطے جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا ہے۔

اور اسی واسطے خداوند عالم نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے انہیں مومنوں کی تعریف کی ہے جو بغیر دیکھے ایمان لائے ہیں **هدی للمتقین الذین یومنون بالغیت** بہرحال امام زمان کا ظاہر طور پر دیکھنا چنداں ضروری نہیں ہے۔ جس قدر کہ ان کی معرفت ضروری ہے۔ چنانچہ خلاق عام کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کی معرفت ضروری ہے۔ پہلے زمانہ میں امام زمانہ کی معرفت ہر شخص کو حاصل تھی حتی کہ دیہات کی عورتوں کو بھی امام زمانہ کی معرفت حاصل تھی۔ لیکن جب امامت کا جھگڑا بہت طول پکڑ گیا تو لوگ بے معرفت ہو گئے۔ چنانچہ کتاب دوتیری اپنی کتاب امامت میں لکھتے ہیں۔ جو ابھی مصر میں چھپی ہے کہ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمر لباس بدل کر راتوں کو اپنی رعیت کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بعض بیدار مغز بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ پس ایک رات کو ایک بستی میں سے گذر رہے تھے کہ ان کے کانوں میں ایک جھونپڑی سے گفتگو کی آواز آئی۔ آپ اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ ماں اور اس کی بیٹی آپس میں اپنے افلاس کی باتیں کر رہی ہیں۔ پس بیٹی نے کہا کہ اے اماں آج ہم پر تیسرا فاقہ ہے اور معلوم نہیں کہ کب ہم اس سے نجات پائیں گے۔ اس واسطے بہتر ہوگا کہ ہم خلیفہ رسول کی خدمت میں چلیں اور اپنا حال بیان کریں تاکہ وہ ہمارے واسطے کوئی سبیل کریں۔ یہ سن کر ماں نے تعجب سے اپنی بیٹی کو خطاب کیا کہ اری تو بالغ ہوگئی ہے اور تجھے اب تک اپنے امام کی معرفت نہیں حاصل ہوئی۔ خلیفہ رسول وہ ہے جو مشارق اور مغارب کے حالات سے واقف ہے۔ اگر اس کو یہ نہیں معلوم کہ مخلوقات الہی کی کیا حالت ہے تو وہ خلیفۃ الرسول خلیفۃ اللہ نہیں ہے۔ یہ خداوند عالم کی رحمت اور عدالت ہے کہ اس نے ہمارے امام کو غائب کر دیا ہے جبکہ شیطان غائب ہم کو دھوکا دیتا ہے تاکہ امام غائب اس کے وسوسہ کو ہم سے دور کرتے رہیں۔ پس ہم ایک زبردست غائب دشمن رکھتے ہیں ایک اس سے بھی زبردست غائب دوست رکھتے ہیں۔ جو صاحب الامر علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔

رویت حضرت صاحب العصر و الزمان کی تین طرح کی ہے۔ اول سب سے اخص دوم خاص۔ سوم عام۔ پس اخص وہ رویت تھی جب کہ حضرت پیدا ہوئے تھے اور سوائے گھر والوں کے اور کوئی حضرت سے نہیں مل سکتا تھا۔

اور رویت خاص آج کل ہے کہ خاص خاص لوگوں سے حضرت ملتے رہتے ہیں اور رویت عام وہ ہوگی جب کہ حضرت ظہور عام فرمائیں گے۔

کچھ دنوں تک سوائے فرقہ شیعہ اور صوفیہ کرام کے لوگوں کا یہ خیال رہا ہے کہ ابھی حضرت مہدی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن اب چونکہ زمانہ ظہور قریب آتا جاتا ہے اس واسطے اب تقریباً سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ وہ جناب پیدا ہو چکے ہیں اب ظہور فرمائیں گے۔ چنانچہ صحرائے افریقہ میں فرقہ سنوسیہ سے لے کر ہندوستان اور چین وغیرہ سارے جہان کے مسلمانوں کا اب اعتقاد ہے کہ وہ جناب پیدا ہو چکے ہیں اب ظہور فرمائیں گے۔

حضرت کے وجود کا انکار کل انبیاء اوصیاء کے وجود کے انکار کا مستلزم ہے حتیٰ کہ خداوند عالم کے وجود کے انکار کو بھی مستلزم ہے۔ کیونکہ وہ جناب کل انبیاء اوصیاء کے خون ناحق کا بدلہ لیں گے اور سب کا حساب کتاب انہیں کے ہاتھ پر ہوگا قال عزوجل **واشرقت الارض بنور ربها ووضع الكتاب وجاء بالنبيين والشهداء وقضى بينهم بالحق وهم لا يظلمون ووفيت كل نفس ما عملت وهو اعلم بما يفعلون** یعنی زمانہ ظہور میں ساری زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ زبان عرب میں ہر مربی کو رب کہتے ہیں نہ صرف پروردگار کو چنانچہ جناب یوسف اس قیدی سے جو آپ سے خواب کی تاویل پوچھنے آیا تھا فرماتے ہیں **واذكرني عند ربك** یعنی اے شخص اپنے رب (عزیز مصر) کے پاس میرا ذکر بھی کر دینا۔ پس یہاں عزیز مصر کو رب کہا گیا ہے جو محض زمین مصر کا مالک اور مربی تھا۔

اور اس دن کتاب رکھی جائے گی اور انبیاء اور شہداء علیہم السلام کو طلب کیا جائے گا اور ان کے دشمنوں اور ظالموں سے ان کا بدلہ لیا جائے گا اور بالکل درست اور صحیح اور حق فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح سے کہ کسی پر ظلم نہیں ہوگا اور ہر نفس کو جیسا کہ اس نے عمل کیا ہے پورا عوض دیا جائے گا اور وہ رب الارض لوگوں کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ذرا مومنین اس مقام کو خوب غور سے سمجھیں۔ ایک یوم الانصاف ہے اور ایک یوم الدین۔ پس زمانہ رجعت تو یوم الانصاف ہے اور روز قیامت یوم الدین ہے یعنی محض بدلہ دینے کا دن بروز قیامت صرف یہ کام ہوگا کہ **القيا في جهنم كل كفار عنيد** یعنی کفار کو پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈالتے جائیں گے اور مومنین کو جنت میں داخل کرتے جائیں گے۔ چنانچہ آیہ مجیدہ اس مطلب کو خوب وضح کر دیتی ہے۔ **ان الذين كفروا ينادون لمقت**

اللہ اکبر من مقتکم انفسکم اذ تدعون الی الایمان فتکفرون قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل یعنی جب یوم الدین روز جزا کفار کو حکم ہوگا کہ اب بباعث اپنے کینہ کے جہنم کا رستہ لو۔ تو وہ نہایت عاجزی سے کہیں گے کہ اے پروردگار تو نے ہم کو دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا۔ کیا اب اس بڑے عذاب سے کوئی بچنے کا راستہ ہے۔ ارشاد ہوگا نہیں یعنی بغیر ان کا حساب و کتاب لئے ان کو جہنم میں جانے کا حکم ہوگا۔ کیونکہ زمانہ رجعت میں ان کا حساب و کتاب ہو چکا ہے۔ چونکہ وہ جہنم میں جانے سے رکیں گے۔ ارشاد ہوگا **القیا فی جھنم کل کفار عنید۔**

ہمارے امام زمانہ وہ امام ہیں کہ جن کے ہاتھ پر مخلوقات کا حساب کتاب ہوگا علیہ الصلوۃ والسلام اور انہیں کے ہاتھ پر کل کمالات الہیہ ظاہر ہوں گے اور وہی جناب کل انبیاء اور اوصیاء کے دشمنوں سے ان کا بدلہ لیں گے اور کل مظلوموں کا ظالم اول اور ظالم آخر اور ظالم اوسط سے انتقام لیں گے **فقال عزوجل انا من المجرمین منتقمون** یعنی ہم اپنے ولی امر سے صرف وعظ و نصیحت کا کام نہیں لیں گے۔ بلکہ ہم تو اس کے ہاتھ سے ظالموں کا بدلہ لیں گے۔ کیونکہ وہ دن محض انتقام کا ہوگا نہ وعظ و نصیحت کا اس دن محض تلوار فیصلہ کرے گی۔ چنانچہ یہی مضمون بعینہ کیتاب یسعیاہ نبی کے ترپن باب میں مذکور ہے وہاں سے دیکھ لو۔

آج اگر کوئی شخص اس بنا پر مہدویت کا دعویٰ کرے کہ وہ علم و عمل اور مناظرہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تو وہ اس دعویٰ سے مہدی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھ کر کوئی علم و عمل و مناظر نہیں ہوسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ **وجادلھم بالتی ھی احسن** یعنی رسول تو ان سے اچھے طریق سے مناظرہ کر۔ پس بدیہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کل اقوام سے بوجہ احسن مناظرہ کیا لیکن پھر بھی دین خدا کو غلبہ نہیں حاصل ہوا اور امیر المومنین باب مدینۃ العلم نے علوم کے دریا بہا دیئے لیکن بہت کم لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا اور جناب امام حسن نے صلح سے کام لیا۔ لیکن اصل فائدہ نہیں ہوا اور جناب امام حسین نے بھوکے اور پیاسے رہ کر دشت کربلا میں اپنی جان تک دے دی لیکن پھر بھی اسلام کو غلبہ کلی نہیں ہوا۔ جناب امام زین العابدین نے انتہا درجہ کا صبر دکھلایا۔ لیکن اس پر یہ فائدہ نہیں مرتب ہوا اور جناب امام محمد باقر نے علم کے خزانوں کو آشکارا کر دیا تو بھی اسلام کو غلبہ نہیں ہوا۔ امام جعفر صادق نے صداقت کے منتہائی جو ہر دکھلائے لیکن کچھ نہ ہوا۔ جناب

امام رضا نے رضا کا جوہر دکھلایا پھر بھی کچھ نہیں ہوا اور جناب امام موسیٰ کاظم نے اپنے ضبط کا جوہر بھی دکھلایا پھر بھی کچھ نہ ہوا اور جناب امام محمد تقی نے اپنی پرہیز گاری اور اتقا کو بھی کام فرمایا تو بھی کچھ نہ ہوا اور جناب امام علی نقی نے اپنی تقاوت اور نجابت کو بھی کام فرمایا تو بھی کچھ نہ ہوا اور جناب امام حسن عسکری نے اپنا آسمانی لشکر روحانی بھی دکھلایا تو بھی اسلام کو غلبہ نہیں ہوا۔

اب اگر کوئی شخص ان اوصاف کا اپنے آپ کو حامل قرار دے تو وہ کاذب محض ہوگا۔ کیونکہ انبیاء اوصیا علیہم الصلوۃ والسلام سے بڑھ کر کسی کے اخلاق اور اوصاف نہیں ہو سکتے اور ثانیا یہ کہ ان تمام اوصاف کے جامع لوگ بھی تو اسلام کو غلبہ دینے سے عاجز رہ گئے ہیں۔ پس ان اوصاف کے بھروسے پر مہدویت کا دعویٰ بالکل لغو اور آبلہ فریبی ہے۔ جناب مہدی علیہ الصلوۃ والسلام کا تو یہ کام ہوگا کہ ذوالفقار کو ہاتھ میں لے کر مومن اور مشرک کو علیحدہ کر دیں گے۔ نہ تو کسی سے مناظرہ کریں گے اور نہ وعظ و نصیحت فرمائیں گے۔ کیونکہ یہ سارے کام ان کے آباؤ اجداد نے بوجہ احسن کر دکھائے ہیں۔ جس سے مقصد اصلی پورے طور پر حاصل نہیں ہوا پس مہدی وہ ہے جو ہاتھ میں ذوالفقار لے کر مشرق سے مغرب تک توحید کو قائم کرے نہ ہو وہ جو مناظرہ کر کے لوگوں پر توحید کو پیش کرے۔ و قاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله الله لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

مجلس ہشتم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی و من
یقترف حسنة نزوله فیها حسنا

خداوند عالم کو جو اس کے بندوں پر رحمت اور شفقت ہے وہ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے اوپر رحم کرنا واجب کرلیا ہے کتب ربکم علی نفسه الرحمة (انعام۴) پس بباعث اس لطف و رحمت کے خداوند عالم نے ان چیزوں کو جو تقرب الی اللہ تک پہنچاتی ہیں اور نیز ان کے اسباب کو بندوں پر واجب کر دیا ہے اور اس لطف و رحمت کی نشانیاں مختلف ہیں۔ جن میں سے ایک تو اوپر بیان ہو چکی ہے اور دوسری آیہ مجیدہ قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی ہے۔

اور جب خداوند عالم پر لطف و رحمت واجب ہے تو اس کا طریقہ بتلانا بھی واجب ہے تا کہ لوگ اس طریقہ پر چل کر مورد رحمت الٰہی ہوں۔

اور جب خداوند عالم نے اس راہ کی تعلیم فرمادی ہے تو اب اس پر چلنا نہ چلنا بندوں کا اختیار ہے کیونکہ جب بندہ اس راہ پر چلے گا تو گویا خود اس کی رحمت کی طرف جا رہا ہے اور جب نہ چلے گا تو گویا خود اس کی رحمت سے بھاگ رہا ہے۔ پس اس راہ پر نہ چلنا بندوں کا قصور ہے کہ وہ خود اس کی رحمت سے دور رہنا چاہتے ہیں۔

چونکہ خداوند عالم پر لطف و رحمت واجب تھی۔ اس لئے اس نے انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اسی واسطے ہر نبی اپنی امت سے یہی کہتا رہا ہے کہ ہم اپنی رہنمائی پر تم سے کچھ اجرت نہیں چاہتے کیونکہ یہ خداوند عالم کی طرف سے تم پر عین لطف و رحمت ہے۔ جناب نوحؑ فرماتے ہیں و یقوم لا اسئلکم علیه مالا ان اجری الا علی اللہ اور جناب ہودؑ فرماتے ہیں یقوم لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی اور جناب صالح فرماتے ہیں و ما اسئلکم علیه من اجر

ان اجری الا علی رب العالمین اوردوسرے مقام پر سورہ شعراء میں جناب ہودفرماتے ہیں و ما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین اور جناب لوط فرماتے ہیں و ما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین اور جناب شعیب فرماتے ہیں انی لکم رسول امین فاتقوا و اطیعون و ما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین

اور جب وہ لطف اور رحمت پروردگار عالم درجہ کمال پر پہنچی یعنی جب نبوت جزئی ختم ہوئی اور نبوت کلی کا وقت آیا تو فرمایا و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین پس اس درجہ میں فرماتا ہے قل لا اسئلکم علیه اجرا الا مودة فی القربی پس ظاہر ہے کہ اس آیہ مجیدہ میں بمقابلہ اجر رسالت کے ایک چیز طلب کی ہے اور پہلے نبیوں کی رسالت کا اجر بندوں سے نہیں چاہا گیا ہے لیکن ختم المرسلمین سید الاولین والآخرین کی رسالت کا اجر چاہا گیا ہے۔ پس اس آیہ مجیدہ میں جو شے بندوں سے طلب کی گئی ہے اس کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہے کہ وہ کیا شے ہے جو خداوند عالم نے ختم المرسلین کی رسالت کے اجر میں بندوں سے چاہی ہے۔

پس زمخشری کا قول ہے کہ الا المودة میں جو الا واقع ہے وہ حرف استثنیٰ ہے اور استثنیٰ کی دو قسمیں ہیں۔ استثنیٰ متصل اور استثنیٰ منقطع اور استثنیٰ متصل وہ ہے جس کو ماقبل سے اتصال ہو اور منقطع وہ ہے جس کو ماقبل سے کچھ تعلق نہ ہو۔ پس اس آیت میں حرف الا استثنیٰ منقطع ہے۔ جس کو اس کے ماقبل سے کچھ تعلق نہیں۔ یعنی آیہ مجیدہ محض اسی جگہ تمام ہوگئی ہے کہ اے رسول ان سے کہہ دے کہ میں تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اور بس اور اس کے بعد سے دوسرا مضمون شروع ہوا ہے۔ یعنی اور تم لوگ اپنے اپنے قریبیوں کو دوست رکھو اور ان کی مودت اختیار کرو۔ گویا یہ دوسری آیت ہے اس کو اس کے ماقبل سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس واسطے مودة القربیٰ کا یہ مطلب ہے کہ تم خود اپنے اپنے اقرباء کی دوستی پیدا کرلو۔ اور ان کو دوست رکھو۔ لیکن اس استثنیٰ منقطع کو دوسری آیت مانع ہے یعنی قل ما اسئلتکم من اجر فهو لکم یعنی جو کچھ میں تم سے اجر رسالت مانگتا ہوں اس کا فائدہ محض تمہارے ہی لئے ہے نہ مجھے پس ظاہر ہے کہ یہ آیہ مجیدہ زمخشری کے استثنیٰ منقطع کی سخت مخالف ہے۔ اب زمخشری صاحب تو موجود نہیں ہیں۔ شاید ان کی طرف سے کوئی صاحب یہ جواب دینا چاہیں کہ جب نبی نے ہمارے ہی فائدے کے واسطے ہم سے اجر طلب کیا ہے تو یقیناً وہ ہمارے ہی قریبیوں کی مودة ہے نہ دوسرے کی۔ پس اس صورت میں استثنیٰ بھی متصل ہوگیا اور معنی میں ظاہراً درست ہوجائیں گے۔ کہ تم اپنے اپنے قریبیوں سے محبت کرو۔ میری رسالت کا یہی اجر ہے۔

پس پہلا اعتراض تو اس شخص پر یہ ہوگا کہ آیہ مودت تمہارے قریبیوں کی تقرب الی اللہ کے لئے شرط ہے یا شطر (یعنی جز) کیونکہ امر وجوب خداوند عالم دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا عین تقرب ہے یا سبب تقرب ہے۔ یعنی شطر ہے یا شرط ہے؟ پس اگر آپ ان دونوں میں سے کوئی شق اختیار کرتے ہیں تو وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے ان دونوں کی قرآن مجید میں نفی کی ہے حیث **قال عز من قائلہ و ما اموالکمو لا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی** اور فرمایا ہے **لن ینفع ارحامکم ولا اولادکم عندنا زلفی** پس اب ظاہر ہوگیا کہ نہ تو ہمارے قریبیوں کی مودت عین تقرب ہے اور نہ سبب تقرب ہے۔ بلکہ اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خداوند عالم نے ہمارے بعض قریبیوں کی مودت سے ہم کو منع کردیا ہے **قال عز وجل یا ایھا الذین امنوا ان من ازواجکم و اولادکم عدا لکم فاحذروھم** (تغابن۴)

انما اموالکم و اولادکم فتنۃ اور دوسرا اعتراض یہ ہوگا کہ نبوت کلی کی تبلیغ کا اجر کیا محض یہی ہوسکتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے قریبیوں کو دوست رکھے جو محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ ہر شخص قدرتی طور سے اپنے اپنے اقرباء کو دوست رکھتا ہے۔ سبحان اللہ ختم المرسلین کی رسالت کا اجر بھی قرار دیا تو محض ایک فضول شے۔

پس اب اس تقریر سے سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ استثنیٰ متصل ہے اور مودۃ القربیٰ سے مودۃ اقرباء رسول مراد ہے نہ اور کسی کی۔ اب یہ سوال ہوسکتا ہے کہ پھر نبی کے اقرباء کی مودۃ سے ہم کو کیا فائدہ ہوگا اس کا فائدہ تو نبی کو پہنچے گا۔ پس اس کے کیا معنی ہوں گے کہ **ما سئلتکم من اجر فھو لکم** کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح سے دیگر انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے واسطے خدا سے اجر مانگا ہے۔ اسی طرح سے رسول اللہ نے بھی ہم سے اپنے ہی واسطے مانگا ہے۔ نہ ہمارے واسطے اس کا جواب یہ ہے کہ اقرباء رسول کی مودۃ عین تقرب الی اللہ کا باعث ہے۔ اس واسطے اس کا فائدہ محض ہمارے ہی واسطے ہے۔ اس لئے رسول اللہ اجر مانگتا ہے۔ محض ہمارے ہی واسطے تھا اور دیگر انبیاء کا ان کے واسطے تھا۔ پس یہ رسول اللہ کے رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت ہے اور ان کی ہم پر عین رحمت ہے کہ انہوں نے اپنی رسالت کا اجر ہمارے ہی فائدہ کے واسطے مانگا ہے۔

مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض بھی ہوسکتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین مکہ نے جو ان کے اپنے رشتہ دار تھے۔ بہت تنگ کرنا شروع کیا۔ تو حضرت نے ان سے فرمایا

کہ بھائیو! اے قریشیو! تم میرے رشتہ دار ہو تم اس مودۃ القربیٰ کو تو نہ چھوڑو۔ میں تم سے یہی معمولی دوستی چاہتا ہوں اور بس **لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی** چنانچہ یہ اعتراض اثنا وعظ میں ایک صاحب نے کیا تھا

پس اس کا جواب دوطرح سے دیا گیا تھا۔ اول اس طرح سے کہ اس سوال پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبوت جزئی کا اجر خدا سے طلب کیا گیا ہے۔ تو نبوت کلی کا اجر کفار و مشرکین سے کیوں طلب کیا جائے گا کیا خدا نہیں دے سکتا تھا۔ دوم اس طرح سے کہ ہر پیغمبر کو خداوند عالم نے اس کی قوم میں سے مبعوث فرمایا ہے اور ان کی قوم سے ان کو بظاہر ایسی ایسی اذیتیں پہنچی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بظاہر ویسی تکلیفیں ان کی قوم سے نہیں پہنچی ہیں۔ لیکن ان پیغمبروں نے کبھی اپنی قوم سے یہ نہیں کہا کہ تم ہم کو اذیت مت دو۔ ہماری قرابت کا خیال رکھو اور کیونکہ کہتے یہ تو شان نبوت کے برخلاف ہے کہ اذیت دینے سے قوم کو منع کرے اور واسطہ دے۔ پس جب دیگر انبیاء نے واسطہ نہیں دیا ہے تو ختم المرسلین کیونکر اس کے روادار ہوں گے۔ نیز یہ کہ اجر منکرین و مخالفین سے کیا مل سکتا ہے۔ اجر کی امید ان لوگوں سے ہو سکتی ہے۔ جو موافق ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ احسان کیا گیا ہے۔ پس یہ اجر ان لوگوں سے مانگا گیا ہے جن کے واسطے حصرت نے تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کی ہیں۔ یعنی مومنین سے نہ مشرکیں سے کیونکہ مومنین کو رسول اللہ نے وادی ظلمت سے میدان نور و ہدایت میں پہنچایا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ مشرکین سے اجر مانگنا کہ کم سے کم تم میری قرابت کی رعایت اور بس۔ صریح البطلان ہے۔ پس یہ ہے رحمت واسعہ اور شفقت کاملہ کہ بندوں کو ہدایت فرمائی اور انہیں کے فائدے کے واسطے اس ہدایت کرنے کا اجر چاہا۔ چنانچہ دوسری ایت اس کی واضح دلیل ہے **قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذالی ربہ سبیلا** یعنی اے نبی ان سے کہہ دے کہ جو خدا تک پہنچنا چاہتا ہے اور اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہے کہ ذولقربیٰ سے مودۃ رکھے اور اس بات کے واسطے کہ مودۃ القربیٰ سے مراد خاص اہل بیت علیہم السلام کی مودۃ ہے۔ آیہ مندرجہ ذیل بین دلیل ہے۔ **ان الذین امنوا و عملوا الصالحت سیجعل لھم الرحمن ودا** یعنی جو لوگ ایمان لائے اور کل صالحات کو بجالائے ان کے واسطے خداوند عالم مودۃ کو قرار دے گا۔ یعنی انکی مودۃ لوگوں پر واجب کرے گا اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ جس قدر قرآن مجید میں **یا ایھا الذین** آیا ہے ان سب مقاموں میں سب مومنوں سے پہلے امیر المومنین مراد ہیں کیونکہ سب سے پہلے رسول اللہ پر علی ابن ابی طالب ایمان لائے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ کل صالحات کو سوائے آئمہ علیہم السلام کے اور کوئی نہیں بجا

لایا ہے۔اس لئے مودۃ القربیٰ سے خاص اہل بیت علیہم السلام کی مودۃ مراد ہے نہ دوسرے کی۔پس یہی لوگ سبیل تقرب الی اللہ ہیں۔اسی لئے دعاؤں میں وارد ہوا ہے **و انتم السبیل الاعظم و الصراط الاقوم قال عز من قائل ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ و لا تتبعو السبل فتفرق بکم عن سبیہ** پس ظاہر ہے کہ خدا تک پہنچے کا راستہ محض ایک ہے نہ مختلف اور وہ راستہ طریقہ رسول ہے اور ان کے بعد مودۃ القربیٰ کا راستہ ہے۔پس اگر کوئی شخص ان کا راستہ چھوڑ کر اور رستوں میں چلے گا تو وہ خدا کے رستے سے دور ہو جائے گا۔**و ذالک ھو الضلال المبین**

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جب اصحاب وانصار نے حضرت کی خدمت میں اپنی ہدایت کی عوض میں بہت سا مال اور اسباب پیش کیا تو آیہ مجیدہ نازل ہوئی **قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودۃ فی القربی** اور اس کے بعد فرمایا کہ پروردگار عالم جزا دینے والا ہے۔آیہ مجیدہ میں خداوند عالم نے قربیٰ کو مودۃ کا ظرف قرار دیا ہے۔پس اس کے یہ معنی ہوئے کہ مودۃ قربیٰ میں منحصر ہے۔یعنی سوائے اہل بیت کے اور کسی سے مودۃ نہیں ہونی چاہئے اور دوسری جگہ مودۃ کی کون سی ہے؟اس کو آیہ مجیدہ مندرجہ ذیل میں بیان فرمایا ہے **و من ایاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا و جعل بینککم مودۃ ورحمة ان فی ذالک لایت لقومه یتفکرون** یعنی دیکھو تمہاری بی بی کو تمہاری جنس سے خلق فرمایا ہے اور تمہارے اور اس کے مابین مودۃ پیدا کی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اپنے ناموس کی مودۃ اور محبت میں انسان مال اور جان سے گذر جاتا ہے۔ حالانکہ اس مودۃ کو خداوند عالم نے انسان پر واجب نہیں کیا ہے۔پس کم از کم مودۃ القربیٰ میں بھی انسان کو یہی بات مدنظر رکھنی چاہئے۔کیونکہ اس کو خداوند عالم نے اس پر واجب کر دیا ہے۔تب مودۃ ثابت ہوگی ورنہ زبانی دعویٰ ہوگا۔چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کل مسلمانوں سے انہیں الفاظ سے بیعت لی ہے کہ تم کو نبی کو دوستی اور مودۃ میں مال وجان سے ہرگز دریغ نہ کرنا ہوگا۔پس انہوں نے بسرو چشم قبول کیا تھا اور کر کے دکھلا دیا۔

پس یہ سوال مودۃ القربیٰ کا کل مسلمانوں کی طرف سے ہے۔کیونکہ یہی مودۃ سبیل الی اللہ ہے اور ہر چیز جو معرفت الٰہی کے لئے درکار ہے۔ان سب کا حصول اہل بیت کی مودۃ پر منحصر ہے۔کیونکہ یہی لوگ بعد نبی کے حامل علوم نبی ہیں اور بعد نبی کے ان کے احکام کے پہنچانے والے ہیں۔چنانچہ آیہ مجیدہ مندرجہ ذیل میں۔**قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی و قل اوحی الی**

ھذالقران لا نذر کم به و من بلغ سے یہی آئمہ مراد ہیں۔ جو بعد رسول کے حامل علوم نبی اوراس کی تبلیغ کرنے والے ہیں اور جن لوگوں کو ان سے کامل مودۃ اور محبت ہے ان کو بھی اس قدر علوم حاصل ہیں اور اتنا فیض پہنچا ہے کہ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ کہ اگر میرے شتر کی عقال صحرا میں گم ہو جائے تو میں اہل بیت کے طفیل سے اسے بھی قرآن سے پیدا کرلوں گا۔ کیونکہ میں نے باب مدینۃ العلم سے علم قرآن حاصل کیا ہے ۔ دیکھو اقرباء رسول کے گھروں کی لونڈیوں کو قرآن کا کیسا علم حاصل تھا کہ جناب فضہ کنیز جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبرا نے بعد وفات اپنی بی بی کے جب تک زندہ رہیں سوائے آیات قرآنیہ کے اور کسی جملے سے تکلم ہی نہیں کیا۔ اپنے ہر طرح کے مقصد اور مطلب کو محض آیات قرآن سے ظاہر فرماتی تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ امیر المومنین باب مدینہ سید المرسلین کی اپنے پیروں اور تابعداروں کے لئے یہی تاکید تھی کہ سوائے قرآن کے اور کسی چیز کو اپنا ہادی اور پیشوا نہ بنائیں اور اپنی اولاد اور اتباع کو حکم دیا ہوا تھا کہ سب کے سب قرآن کو حفظ کریں۔ چنانچہ اس جناب سے منقول ہے کہ فرماتے تھے اعلموا ان هذالقران هو الناصح الذی لا يغش و الهادی الذی لا يضل و المحدث الذی لا يكذب و ما جالس هذالقران احد الاقام عنه بزيادة او نقصان زيادة من هدی و نقصان من عمی و اعلموا انه شفيع مشفع و قائل مصدق من شفع له القران يوم القيمة شفع فيه (۱)

ابو القاسم قشیری نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں ایک سال حج کرنے کے لئے گیا۔ پس راہ میں قافلہ سے رہ گیا اور ایک عورت کو دیکھا کہ تنہا صحرا میں بیٹھی ہوئی ہے میں اس کے نزدیک گیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے یہ آیت پڑھی قل سلام فسوف تعلمون پس میں نے سلام کیا اور پوچھا کہ تو جنی ہے یا انسی تو یہ آیت پڑھی ولقد كرمنا بنی ادم و حملنا هم فی البر و الحبر پس میں نے پوچھا کہ یہاں کس طرح بیٹھی ہو تو یہ آیت پڑھی۔ و من يضلل الله فلا هادی له پس میں نے عرض کیا کہ کہاں جانے کا قصد ہے تو یہ آیت تلاوت فرمائی و لله علی الناس حج البيت پس میں نے عرض کیا کہ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں تو یہ آیت تلاوت فرمائی سبحان الزی اسری بعبده ليلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی تو میں نے سمجھ لیا کہ بیت المقدس سے آ رہی ہے۔ پس میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کچھ کھانا چاہیں تو میں حاضر کروں تو یہ آیت تلاوت فرمائی و ما جعلنا هم جسدا الا يا كلون الطعام اور جب کھانا کھالیا تو

---

(۱) بحث تحریف اور ان اوصاف قرآنی کی تحقیق کے واسطے ہمارا مصحف ناطق ضرور مطالعہ کرنا چاہئے (سرسوی)

میں نے اپنا اونٹ آہستہ آہستہ چلایا اور کہا کہ آپ بھی ذرا سرعت سے چلیں ہم ابھی قافلہ میں پہنچ جائیں گے تو یہ آیت پڑھی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا پس میں نے عرض کیا کہ پھر آپ میرے پیچھے اونٹ پر سوار ہو جائیں تو یہ آیت پڑھی لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا پس میں نے اپنے اونٹ کو بٹھلایا اور اس کی عقال باندھ دی اور اپنا زانو ٹیکا اور عرض کی اکہ آپ میرے زانوں پر پاؤں رکھ کر اس اونٹ پر سوار ہو جائیں۔ میں پیادہ چلوں گا۔ پس یہ آیت تلاوت فرمائی والذین ھم لفروجھم حفظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین پس میں نے سمجھ لیا کہ یہ بی بی میرے زانو پر پاؤں رکھ کر نہیں چڑھنا چاہتی۔ پس میں متحیر ہو کر دور جا کر کھڑا ہوا۔ اس بی بی نے اپنی زبان مبارک سے کچھ فرمایا۔ جس کو میں نے نہیں سمجھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان برق جہندہ کی طرح سے آیا اور اس کو سوار کر گیا۔ پس یہ آیت پڑھی سبحان الذی سخر لنا ھذا و ما کنا لہ مقرنین پس میں نے شتر کی مہار پکڑ لی اور جلدی جلدی چلنے لگا اور بآواز بلند حدی پڑھنے لگا تا کہ جلدی کہیں قافلہ میں پہنچیں۔ پس اس بی بی نے یہ آیت پڑھی واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر پس میں نے سمجھا کہ آہستہ چلنے کو فرماتی ہیں اور حدی کو آہستہ پڑھنے کو کہتی ہیں۔ پس میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور حدی کو زمزمہ کے طور پر شروع کیا۔ پس یہ آیت تلاوت فرمائی فاقراء و ما یتسرلکم من القران یعنی جب قرآن خدا کا کلام موجود ہے تو اشعار عرب کی کیا ضرورت ہے۔ پس جب ہم قافلے کے نزدیک پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کا کوئی اس قافلہ میں ہے؟ تو یہ آیت تلاوت فرمائی المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا پس میں نے سمجھ لیا کہ لڑکے ہیں۔ پس میں نے ان کا نام پوچھا تو یہ آتیں پڑھیں۔ یا داؤد انا جعلنا لخلیفۃ فی الارض یا یحیی خذالکتاب بقوۃ و یا موسی انی انا اللہ و ما محمد الا رسول میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے لڑکوں کے نام ہیں۔ پس میں نے جب یہ نام لے کر پکارا تو قافلہ میں سے چار جوان آئے اور اس بی بی کو اونٹ پر سے اتارا۔ پس اس نے اپنے لڑکوں کی طرف اشارہ کر کے یہ آیت پڑھی یا ابت استاجرہ انہ خیر من استاجرت القوی الامین میں نے سمجھ لیا کہ فرماتی ہیں کہ اس شخص کو اجرت دے دو۔ پس وہ جوان میرے واسطے کچھ مال و متاع اور خرما لائے۔ پس اس بی بی نے یہ آیت تلاوت فرمائی واللہ یضاعف لمن یشاء پس میں نے ان جوانوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بی بی ہے جو سوائے آیات قرآن کے اور کچھ زبان پر لاتی ہی نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ھذہ امان فضۃ

جارية الزهراء ما تكلمت منذ عشرين سنة الا بالقران پس میں متحیر ہو کر جناب فضہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اے بی بی وہ کون بزرگوار تھا جس نے اس صحرا میں آپ کو سوار کیا تھا؟ پس جناب فضہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی و انه فی ام الكتاب لدينا لعلی حكيم پس میں سمجھا کہ وہ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ جنہوں نے اس صحرا میں آ کر اپنی لونڈی کو ناقہ پر سوار فرمایا تھا۔ اور نامحرم کی نظر سے بچایا تھا۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ یا علی آپ نے اپنی لونڈی کو تو صحرا میں آ کر سوار فرمایا اور نامحرم کی نظر سے بچایا لیکن دشت کربلا میں آپ کہاں تھے کہ اپنی بیٹیوں کو نہیں سوار کیا۔ جب اشقیاء امت اقرباء رسول کو اسیر کر کے شہر شام میں لے گئے تو اس مقام پر ان کو کھڑا کیا جہاں بردہ فروشی ہوتی تھی۔ پس ایک شخص نے ان اسیروں کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اسے شخص تو نے آیہ مودۃ کو بھی پڑھا ہے تو اس نے کہا کہ ہاں وہ تو اہل بیت رسول کی شان میں ہے۔ تمہیں اس سے کیا مطلب ہے تو حضرت نے اویس سے فرمایا کہ وہ اقرباء رسول ہم ہی ہیں۔ الا لعنة الله على القوم الظلمين. وسيعلم الذين ظلموا آل محمد ای منقلب ينقلبون.

ہر فرقہ اسلام کا ناجی ہونے کا مدعی ہے اور ہر ایک متمسک بالقرآن ہے۔ تو اب ہم یہ فیصلہ قرآن ہی پر چھوڑتے ہیں کہ وہ کس فرقہ کو ناجی بتلاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید میں اول سے آخر تک جنت کا وعدہ متقیوں کے واسطے کیا گیا ہے (۱) مثل الجنة التی وعد المتقون ۔(۲) ان للمتقين عند ربهم جنت نعيم ۔(۳) و لنعم دار المتقين جنت عدن يدخلونها تجری من تحتها الانهار لهم فيها ما يشاء ون كذالك يجزی الله المتقين ۔(۴) ان المتقين فی جنت و نعيم فاكهين بما اتهم ربهم و وقهم ربهم عذاب الجحيم ۔(۵) و ازلفت الجنة للمتقين غير بعيد ۔(۶) ان المتقين فی جنت وعيون اخذ بن ما اتهم ربهم . انهم كانوا قبل ذالك محسنين . كانوا قليلا من الليل ما يهجعون . وبالاسحار هم يستغفرون . و فی اموالهم حق للسائل و المحروم ۔(۷) يا ايها الذين امنوا اتقو الله و امنوا برسوله يوتكم كفلين من رحمته و يجعل لكم نورا تمشون به و يغفرلكم و الله غفور رحيم ۔ (۸) واعلموا ان الله مع المتقين

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ متقی ہی ناجی ہیں تو اب اتقاء اور متقین کے معیار کا معلوم کرنا ضروری ہوا کہ کن عملوں سے متقی کہلا سکتے ہیں۔ پس اوصاف متقین بھی خود قرآن مجید میں موجود ہیں وہ بھی ایک

جگہ نہیں بلکہ مختلف آیات میں صراحت کے ساتھ دوسو اٹھارہ (218) مقام پر مذکور ہیں اور اول مرتبہ القاء کے۔ بظاہر دس درجے ہیں لیس البر ان تو الوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب . ولکن البر من امن باللہ و الیوم الاخر و الملائکۃ و الکتب و النبین و اتی المال علی حبہ ذوی القربی و الیتمی و المساکین و ابن السبیل و فی الرقاب و اقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ و الموفون بعھدھم اذا عاھدوا و الصابرین فی الباساء و الضراء و حین الباس اولئک الذین صدقوا و اولئک ھم المتقون

اول اللہ پر ایمان لانا۔ دوم قیامت پر ایمان لانا۔ سوم فرشتوں پر ایمان لانا۔ چہارم کتب سماویہ پر ایمان لانا۔ پنجم انبیاء پر ایمان لانا۔ ششم مال دنیا باوجود اس کی حاجت کے۔ ذوی القربیٰ کو یتمی کو مساکین کو ،مسافرین کو، سائلین کو اور بنی نوع انسان کی مخلصی میں۔ ہفتم اقامہ صلوٰۃ، ہشتم ایتاء زکوۃ۔ نہم وعدہ وفائی۔ دہم صبر کرنا باساراء اور ضرار اور جہاد میں پس جس میں یہی دس اوصاف پائے جاتے ہیں۔ یعنی جو لوگ ان دسوں اوصاف سے متصف ہیں وہی لوگ صدیق اور متقی ہیں۔

پس چونکہ اس آیہ مجیدہ میں اوصاف متبعین میں سے ایمان کے بعد انفاق مذکور ہے۔ اس لئے کچھ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ انشاءاللہ لیکن چونکہ الصلوۃ عماد الدین ہے۔ اگر یہ قبول ہوئی تو سب کچھ مقبول ہے ورنہ کچھ فائدہ نہ بخشے گا۔ اس لئے کم از کم اقامہ صلوۃ کے معنی معلوم ہو جانے چاہئیں۔ پس اقامہ صلوۃ کے معنی محض نماز پڑھ لینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے حدود واقعیہ کے ساتھ بجالانا مراد ہے اور ساتھ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو بھی اس پر قائم کرے۔ نہ یہ کہ خود پڑھ کر فارغ ہو گیا اور بس چاہے کوئی اور مسلمان پڑھے یا نہ پڑھے۔ نہیں! بلکہ دوسروں کو بھی اس پر قائم کرے۔ کیونکہ باب افعال متعدی فعل ہے نہ لازمی۔ اسی واسطے جہاں صرف نماز پڑھنے کا حکم ہے وہاں لازمی فعل مستعمل ہوا ہے۔ و اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی الذین ھم علی صلوتھم دائمون پس ظاہر ہے کہ ان آیتوں میں اتیان بالصلوٰۃ مراد ہے۔ نہ اقامہ صلوٰۃ۔

پس انفاق کے بھی کئی درجے ہیں اول بظاہر کسی کو راہ خدا میں دینا۔ دوسرے پوشیدہ راہ خدا میں دینا۔ والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم و اقاموا الصلوۃ و انفقوا مما رزقنھم سرا و علانیۃ و یدرا ون بالحسنۃ السیئۃ اولئک لھم عقبی الدار

تیسرے فراخی اور تنگی میں راہ خدا اس خوشی سے خرچ کرنا ہے و ینفقون فی السراء و الضراء

یعنی فراخی اور تنگی میں یکساں طور پر اطمینان قلب کے ساتھ انفاق کرتے ہیں۔ ان کی دونوں حالتوں میں بالکل فرق نہیں ہے۔ یعنی جس طرح وسعت کے زمانہ میں میل قلب کے ساتھ انفاق کرتے تھے اسی طرح قلت کے زمانہ میں بھی کرتے ہیں (اس آیت کے سارے لفظوں کی تشریح فرمائی تھی)

چوتھے اپنے رزق میں سے انفاق کرنا آلم ذالک الکتاب لا ریب فیه هدی للمتقین الذین یومنون بالغیب و یقیمون الصلوة و مما رزقنهم ینفقون پس جو انفاق پہلے مذکور ہوا ہے۔ یہ انفاق اس سے بڑھ کر ہے۔ وہاں محض انفاق تھا اور یہاں فرمایا ہے کہ کیا شے انفاق کرتے ہیں۔ یعنی اپنے رزق میں سے انفاق کرتے ہیں مما رزقنهم یفقون اور رزق کے معنی اس قوت لایموت کے ہیں جس سے قوام بدن ہوتا ہے یعنی جس پر انسان کی حیوٰۃ کا مدار ہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس ایک ہی روٹی ہے تو وہ ساری انفاق کر دے اور ایک انفاق اعطاء ہے اور ایک ایتاء ہے۔

پس اعطاء اس انفاق کو کہتے ہیں جس میں معطی کی طرف سے احسان جتلایا جاتا یہ گویا معطی اپنا مال اپنے پاس سے اس کو دیتا ہے۔ اور ایتاء اس انفاق کو کہتے ہیں کہ جس میں معطی نے گویا اس کا مال اس کو دے دیا ہے۔ یعنی بغیر منت واحسان کے اس طرح راہِ خدا میں دے دیا ہے کہ گویا وہ مال اس شخص کا تھا جسے راہِ خدا میں دے دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایتاء کے معنی محض دے دینے کے ہیں نہ عطا و بخشش کرنے کے۔ گویا اس کا مال اس کو واپس کر دیا ہے۔

اور متقین کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ نہایت سختی اور شدت کے وقت اور جہاد میں صبر بھی کریں الصابرون فی الباساء الضراء و حین الباس یعنی متقین باساء اور ضراء میں صبر کرتے ہیں باس کے یہ معنی ہیں کہ اس کو اسبات کا خوف نہ ہو کہ راہ خدا میں اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ پس اس حالت میں بھی صبر کرے۔ پس آیہ مجیدہ ان سب درجوں اور وصفوں پر حاوی ہے بلکہ اس آیہ مجیدہ مذکورہ بالا میں انفاق مال کے ساتھ جب مال کی قید بھی لگی ہوئی ہے یعنی واتی المال علی حبه ذوی القری الخ یعنی ایتاء مال میں متقی کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ اس مال کو دوست بھی رکھتا ہو۔

اب متقی کے واسطے ہدایت کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے الم ذالک الکتاب لا ریب فیه هدی للمتقین اب سوال یہ ہے کہ قرآن نے کیا ہدایت کی ہے جو هدی للمتقین ہوا۔ دوسرے مقام میں ارشاد ہوا ہے کہ یهدی للتی هی اقوم یعنی قرآن مجید اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن صامت ہے۔ پس اگر کوئی محض قرآن حفظ کر لے تو وہ متقی

اور ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر اپنے گلے میں ڈالے رہے تو بھی متقی نہیں ہوسکتا۔ پس ان حالتوں میں ظاہر ہے کہ قرآن کچھ ہدایت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ جن کی پیروی پر نجات منحصر ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید نے خود ایک ناطق امام اور ہادی کی ضرورت بتلائی ہے۔ پس جب متقین کی صفتیں یہ ہیں جو بیان ہوئی اتو امام المتقین کیسا ہونا چاہئے۔ پس ظاہر ہے کہ امام المتقین نبی ہوسکتا ہے یا اس کا وصی اور وصی ختم المرسلین یعسوب الدین فرماتے ہیں۔ **وجعلنا للمتقین اماما** اے پروردگار ہم کو متقین کا امام بنانہ غیر متقین کا۔ اب وہ امام المتقین کون ہیں۔ پس وہ امام المتقین وہ ہیں جن کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے **ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا** اب مسلمان خود فیصلہ کرلیں کہ سورہ ھل اتی کس کی شان میں نازل ہوئی ہے؟ پس تمام مفسرین ومورخین کا اتفاق ہے کہ یہ آیہ علی بن ابی طالب امام المتقین سید الوصیین کی شان مبارک میں نازل ہوئی ہے اور اس میں جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبریٰ اور ان کے دونوں بیٹے حسن اور حسین بھی شریک ہیں اور نیز ان کی لونڈی جناب فضہ بھی شریک ہیں کیونکہ یہی لوگ تین روز تک برابر انفاق کرتے رہے اور نہ صرف تین روز تک بھوکے رہے بلکہ روزہ بھی تھا اور نہ صرف امیر المومنین نے کہ جوان آدمی تھے اور اپنی طاقت پر بھروسا کر کے اپنی قوت لا یموت مسکین ویتیم واسیر کو دے دی بلکہ سات اور چھ سال کے بچوں نے بھی اپنی خوشی سے اپنا قوت اپنا رزق دے دیا یعنی حسنین علیہما السلام نے خود عرض کیا کہ ہمارا حصہ بھی دے دیجئے اور جو مال انفاق کیا گیا تھا وہ اپنا مال نہ تھا بلکہ قرض لیا ہوا تھا۔ پس اس تنگی کی حالت میں جو مال اپنی قوت کی خاطر قرضہ لیا گیا تھا وہ بخوشی انفاق کیا گیا۔ پس یہ ہیں امام المتقین اور باساء اور ضراء اور حین الباس میں ان بزرگواروں نے وہ صبر فرمایا ہے کہ قیامت تک یادگار رہے گا۔ جس کا مداح خود خداوند عالم ہے۔

لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار

ازسنائش ھل اتی آمد پدید　　از سنائش لافتیٰ آمد پدید

شیخ الملۃ حجۃ الاسلام سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ